نسیم حجازی

یوسف بن تاشفین

نسیم حجازی

فرحین پبلشنگ کمپنی 3F کھجوری روڈ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

نام کتاب ــــ یوسف بن تاشقین

مصنف ــــ نسیم حجازی

ناشر ــــ فرحین پبلشنگ کمپنی

F3 کھجوری روڈ جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

تعداد ــــ ایک ہزار

مطبع ــــ فرح آفسیٹ پرنٹرس دہلی

سالِ اشاعت ــــ فروری سنہ ۱۹۹۶ء

قیمت ــــ ساٹھ روپے Rs. 60/-

فرحین پبلشنگ کمپنی F3 کھجوری روڈ جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

سول ایجنٹ

ادبی دنیا ۔ ۵۱۰ مٹیا محل دہلی ۱۱۰۰۰۶

ہر قوم

اپنی عظمت کے تاج محل کو کسی شاہجہان کے خواب کی تعبیر سمجھتی ہے، لیکن ــــ ہر تاج محل کی عظمت اُن خاموش معماروں کی مرہونِ احسان ہے جن کا پسینہ پتھر کو موتی کی چمک اور پھول کو رعنائی عطا کرتا ہے!

"یوسف بن تاشفین"

اُندلس کی تاریخ کا وہ باب ہے ــــ

- جو ایک قوم کے گمنام رضاکاروں کے خون اور پسینے سے لکھا گیا۔
- یہ اُن فرزندوں کی کہانی ہے جو آندھیوں اور طوفانوں کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔
- یہ اُس وقت کی داستان ہے جب آلام و مصائب کی تاریک راتوں میں بھی اُمید کی قندیلیں بلند کی گئیں۔

یہ کتاب ــــ

ماضی کا ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہم اپنا مستقبل بھی دیکھ سکتے ہیں۔

اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا
اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا
(اقبالؒ)

فہرست

نذر

آفتاب کی روشنی میں ہم ان ستاروں کو بھول جاتے ہیں جو رات کی تاریکی میں بھٹکنے والے قافلوں کو منزل کی راہ دکھاتے ہیں۔ ہر قوم کی فتوحات کسی رجلِ عظیم کے ساتھ منسُوب کی جاتی ہیں اور مؤرخ کا قلم ہمیشہ ان گمنام سپاہیوں کا تذکرہ کرنے سے قاصر رہتا ہے جن کے خُون کی روشنائی سے تاریخ کے نئے نئے عنوان لکھے جاتے ہیں۔ ہر قوم اپنی عظمت کے تاج محل کو کسی شاہجہان کے خواب کی تعبیر سمجھتی ہے لیکن ہر تاج محل کی عظمت ان خاموش معماروں کی مرہونِ احسان ہے جن کا پسینہ پتھر کو موتی کی چمک اور پھُول کی رعنائی عطا کرتا ہے۔

یہ کتاب اندلس کی تاریخ کا وہ باب ہے جو ایک قوم کے گمنام رضاکاروں کے خُون اور پسینے سے لکھا گیا ہے۔

یُوسف بن تاشفین ایک آفتاب تھا جو اُندلس کے مسلمانوں کے لیے آزادی اور مسرت کی صُبح کا پیغام لے کر آیا تھا لیکن اس کی نمود ان گمنام مجاہدوں کی قربانیوں کا صِلہ تھی جنھوں نے آلام و مصائب کی تاریک راتوں میں اُمّید کی قندیلیں بلند کی تھیں

میں یہ کتاب ملّت کے ان فرزندوں کی نذر کرتا کرتا ہوں جو ہماری تاریخ کے ہر دَور میں وقت کی آندھیوں اور طوفانوں سے برسرِ پیکار رہے ہیں جن کی بے لوث قُربانیوں کے طفیل ہمارا ماضی قابلِ فخر ہے اور جن کی جُرأت و ہمّت ہمارے مُستقبل کی ضامن ہے۔

ایبٹ آباد
۲۴ فروری سنہ ۱۹۵۱ء

نسیم حجازی

عبدالمنعم اور اُس کے بیٹے

"سعد، احمد ٹھہرو!" ایک قوی ہیکل آدمی نے جس کے ساتھ ایک کم سن لڑکا سُست رفتار سے چل رہا تھا، اپنے آگے جانے والے دو لڑکوں کو آواز دی۔ سعد اور احمد ایک چھوٹے سے کھڈ کو عبور کرنے کے بعد ایک باغ کی شکستہ چار دیواری کے قریب پہنچ چکے تھے۔ وہ مڑ کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھنے لگے۔ قوی ہیکل آدمی جس کی عمر کوئی چالیس سال کے لگ بھگ معلوم ہوتی تھی ان کے قریب پہنچ کر بولا "حسن بہت تھک گیا ہے!"

ایک لڑکے نے جو عمر میں دوسرے لڑکوں سے بڑا معلوم ہوتا تھا، جواب دیا۔ "اماں کہتی تھیں چچا ہم مدینۃ الزہرا سے ہو کر جائیں گے!" پھر وہ حسن کی طرف متوجہ ہو کر بولا "حسن! تم تھک گئے ہو؟"

حسن نے جواب دیئے بغیر اپنی کمان زمین پر پھینک دی اور گلے سے ترکش اُتارتے ہوئے منہ بسور کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

قوی ہیکل آدمی اس کے قریب ایک درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور ٹانگیں دراز کرتے ہوئے بولا۔ "دیکھو بھئی تم بھی تھوڑی دیر یہاں سستا لو۔ پھر ظہر کی نماز پڑھ کر سیدھے گھر چلیں گے؟"

"تم بھی تھک گئے چچا؟" سعد نے مُسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"واہ بھئی! میں بھی کوئی بچہ ہوں کہ تمہارے ساتھ آٹھ دس میل چل کر تھک جاؤں!"

احمد نے ہنستے ہوئے کہا: "دیکھا! ابھی ہم خواہ دو میل ہی چلیں لیکن چچا الماس ہمیشہ یہی کہتا ہے کہ ہم دس میل طے کر چکے ہیں!"

حسن نے قدرے بگڑ کر کہا: "چچا الماس ٹھیک کہتا ہے۔ ہم دس میل سے بھی زیادہ چلے ہیں۔"

احمد نے کہا: "حسن! میں نے نہیں کہا تھا کہ تم تھک جاؤ گے، اس لیے گھر پر ہی رہو۔ تمہاری وجہ سے ہم زیادہ دُور نہ جا سکے، ورنہ شکار ضرور ملتا۔"

"جی واہ! خود تو پہاڑی پر نہیں چڑھ سکے اور کہتے ہیں کہ میری وجہ سے شکار نہیں ملا"

سعد نے کہا: "اچھا حسن یہ بتاؤ کہ اب یہاں سے سیدھے گھر چلیں، یا الزہرا کی سیر کا شوق ہے؟"

حسن نے معصومانہ انداز میں جواب دیا: "وہاں کسی دن گھوڑوں پر سوار ہو کر جائیں گے۔ اب اگر وہاں گئے تو گھر پہنچنے میں دیر ہو جائے گی!"

احمد نے کہا: "کُل ایک میل کا فرق پڑے گا۔ اس باغ سے آگے ندی ہے اور ندی کے پار مدینۃ الزہرا کے محل شروع ہو جاتے ہیں۔"

"اچھا چلو!" حسن نے بادلِ نخواستہ اُٹھ کر اپنی کمان اور ترکش سنبھالتے ہوئے کہا

چچا الماس جو اب اُونگھ رہا تھا بولا: "حسن! ان کی باتوں میں نہ آؤ! یہ تمہیں شام تک وہاں پھراتے رہیں گے۔ وہاں کوئی نئی چیز تو ہے نہیں جو تم نے نہیں دیکھی۔"

حسن نے چچا الماس کی مداخلت کو غنیمت سمجھا اور دوبارہ اسی پتھر پر بیٹھ گیا۔

حسن کی عمر سات سال تھی اور وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ شکار کے لیے آیا تھا۔ احمد حسن سے تین سال اور سعد پانچ سال بڑا تھا۔ الماس ان کا نوکر تھا اور وہ اُسے چچا الماس

کہا کرتے تھے۔ چچا کا لفظ الماس کے ساتھ اس قدر مانوس معلوم ہوتا تھا کہ پڑوس کے چھوٹے بڑے سب اُسے چچا الماس ہی کہتے تھے۔

چند لمحے یہ تینوں بھائی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اچانک احمد نے الماس کی طرف اِشارہ کیا۔ وہ گہری نیند میں خراٹے لے رہا تھا۔

سعد نے کہا: "چلو پہلے یہ باغ دیکھتے ہیں!"

حسن نے پتھر سے اتر کر زمین پر لیٹتے ہوئے کہا: "تم جاؤ میں نہیں جاؤں گا!"

"اچھا تم یہیں ٹھہرو ہم ابھی آجائیں گے۔ آؤ احمد!"

سعد اور احمد باغ میں داخل ہوئے۔ شکستہ چار دیواری سے آگے ایک اور چار دیواری تھی جس کے اندر پُرانی وضع کے مکانات نظر آتے تھے۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد انہیں دیوار کے پار لڑکوں کا شور اور قہقہے سنائی دیے۔ وہ اچانک رُک کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ سعد نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد کہا: "یہ الزہرا کے لڑکے ہوں گے چلو دیکھتے ہیں وہ یہاں کیا کر رہے ہیں!"

تھوڑی دیر بعد وہ دوسرے باغ کے دروازے میں کھڑے اندر جھانک رہے تھے۔ اس باغ کی حالت پہلے باغ کی بہ نسبت اچھی تھی۔ سیب کے درخت پھل سے لدے ہوئے تھے۔ ایک سرے پر ایک وسیع محل تھا جس کا بیشتر حصہ پیوندِ زمین ہو چکا تھا۔ باقی حصے کی شکستہ چھتیں اور ٹوٹے ہوئے دروازے ظاہر کر رہے تھے کہ یہ مکان ایک مدت سے غیر آباد ہے۔ باغ میں ایک تالاب تھا جس کے درمیان سنگِ مرمر کی بارہ دری تھی۔ چاروں طرف سے سُرخ پتھر کی سلیں اس بارہ دری تک پہنچنے کے لیے پُلوں کا کام دیتی تھیں۔ بارہ دری کے ایک کونے میں فرش سے کوئی دو بالشت اُونچا سنگِ مرمر کا ایک چھوٹا سا چبوترہ تھا۔ کوئی پندرہ لڑکے اس بارہ دری میں جمع ہو کر شور مچا رہے تھے۔ یہ سب سیب کے گھنے درختوں

کی طرف دیکھ کر قہقہے لگا رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں ایک لڑکا جس کے ہاتھ میں لکڑی کا عصا تھا، نمودار ہوا اور اس نے تالاب کے کنارے پہنچ کر بلند آواز میں کہا "سلطانِ معظم تشریف لا رہے ہیں!"

سعد نے ہنستے ہوئے کہا "احمد یہ بادشاہ اور رعایا کا کھیل کھیل رہے ہیں!"

"بیوقوف کہیں کے!" احمد نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

درختوں کے جھنڈ سے ایک اور لڑکا نمودار ہوا جس کے سر پر بالشت بھر اونچی ٹوپی تھی، لڑکوں نے اُسے دیکھ کر قہقہہ لگایا لیکن جب وہ بارہ دری کے پاس پہنچا تو سب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ٹوپی والا لڑکا چبوترے پر بیٹھ گیا اور باقی سب نیچے فرش پر بیٹھ گئے۔ بعض لڑکے ابھی تک ہنس رہے تھے لیکن ٹوپی والے وہ خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد دربار کی کاروائی شروع ہوئی۔ ایک ڈُبلی پھوٹی نظم پڑھی۔ اس نے ابھی نظم ختم نہیں کی تھی کہ باغ کا مالی سیبوں کی ایک ٹوکری اٹھائے تالاب کے کنارے پہنچ کر بلند آواز میں بولا "بیچے

محفل میں پھر ایک بار تھوڑی دیر کے لیے قہ بجانی پڑی۔ مالی جواب نہ پا کر آگے بڑھا، قریب چبوترے پر رکھ دی۔ بادشاہ نے غصے میں آکر دربار برخاست کر دوں گا!"

لڑکے پھر سنجیدہ ہو گئے۔ مشاعرہ پھر شروع ہوا۔ کوئی اپنا اور کوئی قرطبہ کے مشہور و معروف شعرا کا کلام سُنا رہا تھا اور نقلی بادشاہ ہر شاعر کو دو دو سیب انعام دے رہا تھا۔

سعد اور احمد تالاب کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ لڑکوں میں سے کسی نے انھیں

دیکھ لیا۔ تھوڑی دیر میں تمام لڑکے ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کسی نے کہا "ارے یہ کون ہیں؟"

دُوسرے نے ہنستے ہوئے جواب دیا "یہ پہاڑی ڈاکو ہیں اور ہمارے بادشاہ پر حملہ کرنے کے لیے آتے ہیں!"

نقلی بادشاہ نے حُکم دیا "ان ڈاکوؤں کے ترکش اور کمانیں چھین لو اور انھیں گرفتار کر لو!"

ایک لڑکا جو اس ڈرامے میں سپہ سالار کا پارٹ کر رہا تھا اٹھ کر بولا "عالی جاہ! اگر انھوں نے تیر چلا دیے تو؟ وہ تو بالکل جنگلی معلوم ہوتے ہیں!"

ایک اور لڑکا اٹھ کر بولا "ہمارا سپہ سالار بزدل ہے۔ اس لیے آپ خود اُن کا مقابلہ کریں۔ ورنہ رعایا کہے گی کہ بادشاہ بھی بزدل ہے!"

نقلی بادشاہ سوچ میں پڑ گیا۔ سعد اور احمد کے کانوں تک ان لڑکوں کی گفت گو کے چند الفاظ پہنچ چکے تھے۔ احمد نے آہستہ سے کہا "اخی چلو واپس چلیں!"

"تم ان سے ڈرتے ہو؟" سعد نے بگڑ کر کہا۔

احمد نے ذرا تلخ ہو کر جواب دیا "کون کہتا ہے کہ میں ان سے ڈرتا ہوں!"

"آؤ پھر!" سعد نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

احمد اپنے بھائی کے ساتھ آگے بڑھا اور وہ تالاب کی مینڈھ پر بیٹھ کر بے پروائی سے نقلی بادشاہ اور اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگے۔

نقلی بادشاہ نے دبی زبان میں باقی لڑکوں سے کہا "آؤ ہم چپکے سے اُن کے گرد گھیرا ڈال لیتے ہیں۔ پھر میں ان کے ساتھ باتیں کروں گا اور تم ان کی کمانیں چھین لینا!"

تھوڑی دیر میں تمام لڑکے بارہ دری سے نکل کر سعد اور احمد کے گرد جمع

ہو گئے۔ نقلی بادشاہ ویسے بھی اپنی عمر اور موٹاپے کے باعث اس گروہ کا لیڈر معلوم ہوتا تھا۔

"تم کہاں سے آئے ہو؟" اس نے سعد اور احمد کے قریب پہنچ کر سوال کیا۔

"ہم قرطبہ سے آئے ہیں" سعد نے اطمینان سے جواب دیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"ہم تمہارا تماشا دیکھ رہے تھے"

ان لڑکوں میں سے سعد کا ایک ہم عمر جس کے سر پر مخمل کی سُرخ ٹوپی تھی ایک قدم آگے بڑھ کر بولا "تم ہمارے ساتھ کھیلو گے؟"

سعد نے جواب دیا "نہیں ہمیں تمہارا کھیل پسند نہیں"

"کیوں؟" اس نے سوال کیا۔

"تم شاعروں اور بادشاہوں کی نقل کرتے ہو"

"تم شاعر نہیں ہو؟"

"نہیں مجھے شاعری سے نفرت ہے"

"کیوں؟"

"شاعری ایک سپاہی کو آرام طلب اور بزدل بنا دیتی ہے"

نقلی بادشاہ نے کہا "یہ کون کہتا ہے؟"

"میرے ابا جان کہا کرتے ہیں"

"پھر تمہارا ابا کوئی جنگلی ہوگا؟"

سعد کا چہرہ تمتا اٹھا۔ تاہم اس نے غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا "کسی کے باپ کے متعلق ایسے الفاظ کہنا بزدل اور کمینے لڑکوں کا کام ہے"

اب نقلی بادشاہ اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن وہ حملے کے لیے تیار نہ

تھے۔ سُرخ ٹوپی والے لڑکے نے اس مرحلے پر مداخلت کرتے ہوئے کہا "تمہیں کون سا کھیل پسند ہے؟"

سعد نے جواب دیا "ہمیں شہسواری، نیزہ بازی، تیر اندازی اور تیغ زنی پسند ہیں"

اب احمد کی باری تھی۔ وہ بولا "ہم درختوں پر بھی چڑھ سکتے ہیں اور تیرنا بھی جانتے ہیں"

"تم اس درخت پر بھی چڑھ سکتے ہو؟" ایک لڑکے نے سوال کیا۔

احمد نے اثبات میں سر ہلایا۔

سُرخ ٹوپی والے لڑکے نے سعد کی طرف متوجہ ہو کر سوال کیا "تم پڑھنا بھی جانتے ہو؟"

"کیوں نہیں" سعد نے جواب دیا۔

نقلی بادشاہ نے سوال کیا "کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں تم نے؟"

اس کے جواب میں سعد نے دینیات، تاریخ اور ریاضی کی چند کتابوں کے نام سنا دیے۔ اس پر اپنے ساتھیوں کو مرعوب ہوتا دیکھ کر نقلی بادشاہ نے کہا "تم جھوٹ بولتے ہو!"

سعد اٹھ کھڑا ہوا اور بولا "اگر تم نے پھر مجھے جھوٹا کہا تو میں تمہیں پیٹوں گا!"

نقلی بادشاہ چلایا "انھیں پکڑ لو!"

دو لڑکوں نے اچانک حملہ کر کے احمد کے ہاتھ سے کمان چھین لی۔ تین لڑکوں نے سعد پر جھپٹنے کی کوشش کی لیکن وہ اچانک جست لگا کر ایک طرف ہٹ گیا۔ باقی لڑکوں نے اس کے گرد گھیرا ڈالنے کی کوشش کی لیکن وہ آنکھ جھپکنے کی دیر میں ترکش سے تیر نکال کر اپنی کمان سیدھی کر چکا تھا۔ حملہ آور اب آگے بڑھتے

کی بجائے سراسیمہ ہو کر پیچھے ہٹ رہے تھے۔ وہ لڑکے جنہوں نے احمد کی کمان چھینی تھی، اب اس کے ترکش سے تیر نکالنے کی کوشش کر رہے تھے اور وہ گھونسوں اور مکّوں سے اپنی مدافعت کر رہا تھا۔ سعد کمان سیدھے کیے چند قدم آگے بڑھا تو وہ بھی ایک طرف ہٹ گئے۔

سعد نے کہا "دیکھو کمان پھینک دو۔ ورنہ میں تیر چلا دوں گا!"

اس نے اپنا فقرہ پورا نہیں کیا تھا کہ ایک لڑکے نے احمد کی چھینی ہوئی کمان پھینک دی۔

احمد نے آگے بڑھ کر اپنی کمان اٹھالی اور تیر چڑھا کر اپنے بھائی کے قریب کھڑا ہو گیا۔ سعد نے آہستہ سے کہا "احمد دیکھو کہیں تیر چھوڑ نہ دینا!"

نقلی بادشاہ انتہائی پریشانی کی حالت میں کھڑا تھا۔ سعد نے اسے اور زیادہ پریشان کرنے کے لیے تیر کا رُخ اس کی طرف کر دیا۔ سُرخ ٹوپی والا لڑکا آگے بڑھ کر چلایا: "دیکھو بھئی! یہ تمہارے ساتھ مذاق کر رہے تھے۔ کہیں تیر چلا نہ دینا! اس کا باپ سپہ سالار ہے۔ اگر یہ زخمی ہو گیا تو سپاہی تمہیں پکڑ کر لے جائیں گے!"

سعد نے جواب دیا "اگر اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو میں سچ مچ تیر چلا دوں گا!"

دو تین چھوٹی عمر کے لڑکے باغ کے دروازے کے قریب پہنچ کر دہائی مچا رہے تھے۔

سعد نے نقلی بادشاہ سے کہا "اب تمہاری سلطنت پر میرا قبضہ ہو چکا ہے۔ اب میں تمہارا بادشاہ ہوں۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس تالاب میں چھلانگ لگا دو!"

سُرخ ٹوپی والا لڑکا پھر چلایا "نہیں نہیں یہ تالاب گہرا ہے۔ اسے تیرنا نہیں

آتا۔ یہ ڈوب جائے گا۔"

باغ کے بوڑھے مالی نے پہلے تو اسے ایک مذاق سمجھا۔ لیکن نقلی بادشاہ کی حالت دیکھ کر اس نے آگے بڑھ کر سعد سے کہا "صاحبزادے! کسی نہتے کو تیر سے ڈرانا بہادری نہیں، اگر تمہیں لڑنے کا شوق ہے تو دونوں خالی ہاتھ مقابلہ کر لو!"

"مجھے لڑنے کا شوق نہیں۔ لیکن اگر اسے لڑنے کا شوق ہے تو میں خالی ہاتھ بھی اس کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے احمد کے قریب اپنی کمان رکھ دی اور پھر ترکش اتار کر اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا "احمد تم ہوشیاری سے دوسرے لڑکوں کا خیال رکھو!"

نقلی بادشاہ کا نام زیاد تھا۔ جسم کے اعتبار سے وہ سعد سے ڈیڑھ گنا معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے اپنی ریشمی ٹوپی اور قبا اتار کر ساتھی کے حوالے کی اور آستینیں چڑھا کر سعد کے مقابلے کے لیے بڑھا۔ کشتی شروع ہوئی اور باقی لڑکے جو دور دور ہٹ گئے تھے قدرے مطمئن ہو کر اُن کے گرد جمع ہو گئے لیکن تین لڑکے جو دروازے کے قریب پہنچ کر شور مچا رہے تھے۔ وہیں کھڑے رہے۔

پہلی جھپٹ میں زیاد نے سعد کو پٹخ دیا اور زیاد کے ساتھی خوشی سے چلّانے لگے۔ لیکن سعد فوراً کھڑا ہو گیا۔ زیاد نے اُسے سنبھلنے کا موقع دینے سے پہلے ہی اس کے منہ پر گھونسا رسید کر دیا اور سعد اس ضرب کی شدّت کے باعث ڈگمگاتا ہوا دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔ سُرخ ٹوپی والا لڑکا چلّایا "دیکھو زیاد! تم کشتی کی بجائے لڑائی کر رہے ہو۔ یہ ٹھیک نہیں!"

زیاد کا دوسرا مُکّا سعد نے اپنے بازو پر روکا اور اس کے ساتھ ہی یکے بعد دیگرے دو مُکّے اس کی گردن پر رسید کر دیے۔ اس کے بعد دونوں پھر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔

(۲)

باغ سے باہر سعد اور احمد کا چھوٹا بھائی حسن ان کے انتظار اور الماس کے خراٹوں سے تنگ آکر اُٹھا اور باغ کی طرف چل دیا۔ پہلے باغ کو عبور کرتے ہوئے اُسے دوسرے باغ کی چار دیواری کے اندر لڑکوں کا شور سُنائی دیا تو وہ پوری رفتار سے بھاگا۔ دوسرے باغ میں داخل ہوتے ہی جب اس نے اجنبی لڑکوں کے درمیان سعد کو زیاد کے ساتھ کشتی لڑتے دیکھا تو وہ کسی تفتیش کے بغیر کمان پھینک کر اُن تین لڑکوں پر ٹوٹ پڑا جو دروازے کے پاس کھڑے دہائی مچا رہے تھے۔ اُن میں سے ایک اس کا ہم عمر اور دو ذرا بڑے تھے۔ حسن کا پہلا مُکّا ایک لڑکے کے منہ پر لگا اور وہ چیختا چلاّتا سیب کے درختوں کی طرف بھاگ نکلا۔ اس کے بعد اس نے دوسرے لڑکے پر حملہ کیا۔ اس نے مُکّے کا جواب مُکّے سے دیا۔ تیسرے لڑکے نے امن پسندی کا ثبوت دیا اور وہ اپنے ساتھی کو حسن کے مقابلے میں تنہا چھوڑ کر ایک ٹوٹی ہوئی دیوار پر چڑھ گیا۔ حسن اپنے مدِمقابل کے ساتھ دیر تک لڑتا رہا۔ دونوں کے کپڑے پھٹ چکے تھے۔ دونوں کی طاقت جواب دے چکی تھی۔ لیکن کوئی ہار ماننے کے لیے تیار نہ تھا۔ دیوار پر کھڑے ہو کر چلاّنے والے لڑکے نے سعد اور زیاد کی لڑائی دیکھنے والوں کو اس طرف متوجہ کیا اور سُرخ ٹوپی والے لڑکے نے بھاگ کر انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا۔ حسن کی ایک آنکھ سُوجی ہوئی تھی اور اُس کے مدِمقابل کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ سُرخ ٹوپی والے لڑکے نے کہا۔ "ارے تم کیوں لڑ رہے ہو؟"

حسن کے مدِمقابل نے جواب دیا۔ "اس سے پوچھو میں نے اسے کیا کہا تھا کہ اس نے آتے ہی مجھ پر حملہ کر دیا!"

حسن بولا۔ "اور تم میرے بھائیوں کے ساتھ کیوں لڑائی کرتے ہو؟"

سُرخ ٹوپی والے لڑکے نے کہا۔ "اچھا وہ تمہارے بھائی ہیں؟ ارے وہاں

تو کشتی ہو رہی ہے۔"

حسن نے احمد کو تالاب کی منیڈھ پر اطمینان سے کھڑے دیکھا۔ تو اسے تسلّی ہوئی۔

سُرخ ٹوپی والے لڑکے نے کہا۔ "آؤ تم بھی کشتی دیکھو!"

اتنی دیر میں سعد اپنے مدِمقابل کو مغلوب کر چکا تھا۔ تاہم اس کے منہ پر مُکّوں کے نشان دیکھ کر حسن کے لیے خاموش رہنا مشکل تھا۔ وہ تمام لڑکوں سے زیادہ شور مچا رہا تھا:

"بھائی جان ایک اَور مارو! زور سے مارو بھائی جان زور سے! ناک پر مارو ناک پر! ہاں یہ ٹھیک ہے۔ ایک آنکھ پر بھی مارو!"

زبان کے ساتھ اس کے ہاتھ بھی حرکت کر رہے تھے اور بوڑھا مالی اُس کی حرکات و سکنات دیکھ کر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔

بالآخر زیاد پیٹھ کے بل گر پڑا اور اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش نہ کی۔ بوڑھے مالی نے سعد کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "بس اب تم جیت گئے ہو۔ اب تم ان کے بادشاہ ہو!"

سعد نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔ "میں سپاہی بننا چاہتا ہوں!"

زیاد اٹھا اور مالی سے اپنی قبا لے کر لڑکھڑاتا ہوا گھر کی طرف چل دیا۔ مالی نے چند قدم آگے بڑھ کر کہا۔ "یہ اپنی ٹوپی بھی لے لیجیے!" زیاد نے مُڑ کر مالی کے ہاتھ سے ٹوپی لے لی لیکن سر پر رکھنے کی بجائے ایک طرف کو پھینک دی۔ پانچ لڑکے اس کے ساتھ چل دیے لیکن باقی وہیں کھڑے رہے۔ سعد، احمد کے پاس تالاب کی منیڈھ پر بیٹھ گیا۔

ایک لڑکے نے زمین پر پڑی ہوئی ٹوپی اُٹھا لی اور اسے جھاڑ کر مالی کے سر

پر رکھتے ہوئے کہا۔ "مالی! ہمارے بادشاہ کا تاج اب تمہارے حصے آیا ہے۔"

لڑکے ہنسنے لگے اور مالی نے ٹوپی اتار کر واپس دیتے ہوئے کہا۔ "نہیں جناب ایسا تاج پہننے سے میری ہزار بار توبہ۔ یہ لے جاؤ اور اس کے گھر پہنچا دو۔"

دوسرے لڑکے نے کہا۔ "نہیں بھئی یہ اسحاق کو دے دو۔ وہ اپنے باپ سے نوا کر لایا ہے۔" اسحاق الزہرا کے ایک مشہور درزی کا لڑکا وہیں موجود تھا لیکن وہ اس ٹوپی کو ہاتھ لگانے کیلئے تیار نہ تھا۔

بالآخر مالی نے سعد کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "ہم اس ٹوپی پر تمہارا نشانہ دیکھتے ہیں۔ میں اسے یہاں سے تیس قدم کے فاصلے پر رکھتا ہوں۔"

سعد نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "تیس قدم سے تو حسن بھی اسے نشانہ بنا سکتا ہے۔ تم اسے ہوا میں اچھالو میں اس کا نشانہ کروں گا۔"

"اچھا بھئی دیکھتے ہیں یہ بھی۔" مالی یہ کہہ کر چند قدم کے فاصلے پر کھڑا ہو گیا اور سعد نے کمان میں تیر چڑھا لیا۔ لڑکے دم بخود ہو کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ مالی نے ٹوپی ہوا میں اچھالی۔ سعد نے تیر چلایا۔ تیر زمین سے چند گز اوپر ٹوپی میں لگا اور اُسے اپنے ساتھ ہی نیچے لے آیا۔ مالی "آفرین آفرین" کہتا ہوا بھاگا اور تیر اور ٹوپی اٹھا لایا۔ بعض لڑکے کھل کر اور بعض دبی زبان سے سعد کو داد دے رہے تھے۔

سعد نے مالی سے کہا۔ "اب تم اس ٹوپی کو اپنے سر پر رکھو۔ میں نشانہ کرتا ہوں۔"

مالی نے معصومانہ انداز میں کہا۔ "کیوں جی میں نے آپ کا کیا قصور کیا ہے؟"

حسن نے آگے بڑھ کر مالی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "ڈرو نہیں۔ بھائی جان تو میرے سر پر سیب رکھ کر نشانہ لگا لیا کرتے ہیں۔"

مالی نے کہا۔ "دیکھو بھائی! اگر سیبوں کا نشانہ کرنا چاہتے ہو تو وہ سامنے درخت ہیں۔ وہاں سے جتنے سیب چاہو چھید ڈالو۔ لیکن میں اس حماقت کے لیے تیار نہیں۔"

احمد اُٹھ کر آگے بڑھا اور اس نے مالی کے ہاتھ سے ٹوپی لے کر اپنے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔ "بھائی جان میں کھڑا ہوتا ہوں۔"

جب سعد ٹوپی پر نشانہ کر رہا تھا، تو مالی نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ جب تک اسے یقین نہ ہوا کہ خطرہ ٹل چکا ہے اس نے آنکھیں نہ کھولیں۔ پھر وہ سعد کو سمجھا رہا تھا۔ "میاں صاحبزادے! تمہارا نشانہ واقعی بہت اچھا ہے لیکن خدا کے لیے دوسروں کے سر پر اس کی مشق نہ کیا کرو۔"

سُرخ ٹوپی والا تالاب کے پانی سے اپنا رومال بھگو کر حسن کی آنکھ پر ٹکور کر رہا تھا یہ دیکھ کر احمد بھی اپنے رومال سے اس لڑکے کی ناک کا خون صاف کرنے لگا جس کے ساتھ حسن نے طاقت آزمائی کی تھی۔

سُرخ ٹوپی والے لڑکے نے حسن سے سوال کیا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"حسن۔" اس نے جواب دیا۔

"اور وہ دونوں تمہارے بھائی ہیں نا؟"

"ہاں۔"

"کتنے خوش قسمت ہو تم۔ تمہارے بھائیوں کے نام کیا ہیں؟"

"ان کا نام سعد ہے اور ان کا نام احمد ہے۔" حسن نے یکے بعد دیگرے دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

سُرخ ٹوپی والے لڑکے نے ان لڑکوں کے ساتھ مزید تعارف کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "میرا نام ادریس ہے۔ ادریس بن عبدالجبار۔ تمہارے ابا جان کا کیا نام ہے؟"

"عبدالمنعم۔" حسن نے جواب دیا۔

سعد نے پہلی بار حسن کی طرف غور سے دیکھا۔ "ارے حسن تمہاری یہ حالت کس

نے بنائی ہے ؟"

حسن کی خاموشی پر ادریس نے جواب دیا "اس نے بھی کشتی کی ہے۔"

"کس کے ساتھ ؟"

ادریس نے دوسرے لڑکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس کے ساتھ معلوم نہیں کب سے زور آزمائی کر رہے تھے۔ میں نے انھیں بڑی مشکل سے چھڑایا تھا۔"

دوسرے لڑکے نے فریادی ہو کر کہا "میں نے اس کے ساتھ لڑائی نہیں کی۔ یہ بھاگتا ہوا باہر سے آیا اور آتے ہی اس نے پہلے ولید کو مُکّا مارا۔ وہ بھاگ گیا تو مجھ پر حملہ کر دیا۔"

حسن نے کہا "یہ شور مچا رہے تھے پکڑ لو، مارو، گھیر لو۔ میں سمجھا لڑائی ہو گئی ہے۔"

ساتھ والے باغ سے الماس کی آوازیں سنائی دیں "سعد! احمد! حسن! کہاں گئے تم ؟"

سعد نے بلند آواز میں جواب دیا "ہم آ رہے ہیں چچا!"

رخصت ہونے سے پہلے سعد نے ادریس کی طرف متوجہ ہو کر کہا "مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کا کھیل خراب ہوا۔ ہم لڑنے کی نیت سے اِدھر نہیں آئے تھے"

ادریس نے جواب دیا "آپ کو افسوس نہیں کرنا چاہیے۔ آپ کے آنے سے جو کھیل ہم نے دیکھا ہے وہ زیادہ دلچسپ تھا۔"

الماس باغ کے دروازے سے نمودار ہوا اور اس نے وہیں رُک کر بلند آواز میں کہا "میں سمجھتا تھا تم شاید گھر چلے گئے ہو۔ بہت پریشان کیا تم نے۔ اب آؤ!"

جب یہ تینوں بھائی چل پڑے تو مدینۃ الزہرا کے لڑکے بارہ دری میں سیبوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایک لڑکے نے پیچھے سے آواز دی "ٹھہریئے! اپنے حصّے کے سیب لیتے جائیے۔"

سعد نے مڑ کر جواب دیا "نہیں شکریہ! سیب ہمارے باغ میں بہت ہیں۔"

ادریس کچھ دیر اُن کی طرف دیکھتا رہا۔ جب وہ باغ کے دروازے پر رُک کر الماس کو اپنی سرگزشت سنا رہے تھے تو ادریس کچھ سوچ کر تیزی سے چلتا ہوا ان کے قریب پہنچا اور اس نے کہا "آپ بہت تھک گئے ہوں گے۔ میرے ساتھ گھر تک چلیں۔ وہاں سے آپ کو ہمارے نوکر قرطبہ پہنچا دیں گے، ہمارا گھر یہاں سے بالکل نزدیک ہے۔"

سعد نے کہا "نہیں آج کا دن ہم پیدل چلنا چاہتے ہیں۔"

"لیکن یہ آپ کا چھوٹا بھائی تو بہت تھک گیا ہے۔ میں اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ بڑی مشکل سے قدم اٹھا رہا تھا۔"

الماس نے کہا "نہیں نہیں حسن بہت بہادر ہے۔ کیوں حسن تم تھک گئے ہو؟"

حسن کچھ سفر کی تھکاوٹ اور کچھ لڑائی کے باعث نڈھال ہو چکا تھا۔ ادریس کی توجہ کو اس نے اپنے لیے تائیدِ غیبی سمجھا، لیکن الماس نے اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اس نے بجھی ہوئی آواز میں جواب دیا "نہیں چچا میں چل سکتا ہوں۔"

دوسرے باغ سے نکل کر انھوں نے یکے بعد دیگرے ادریس سے مصافحہ کیا۔ ادریس کچھ دیر کھڑا ان کی طرف دیکھتا رہا۔ حسن کوئی سو گز چلنے کے بعد منہ بسور کر زمین پر بیٹھ گیا۔ الماس نے کہا "کیا بات ہے حسن؟"

"بس میں یہیں رہوں گا۔" حسن نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

الماس نے حسن کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ زمین پر پچھا جا رہا تھا۔ بالآخر الماس نے اُسے اپنے کندھے پر بٹھالیا۔ کوئی ڈیڑھ میل حسن کا بوجھ اٹھا کر چلنے کے بعد الماس یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس نے ادریس کی پیش کش کو ٹھکرانے میں غلطی کی ہے۔ اچانک پیچھے سے ایک سوار گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا آیا۔ سعد

نے مڑ کر پیچھے دیکھتے ہی اُسے پہچان لیا اور کہا "یہ تو وہی لڑکا ہے"۔

حسن اُسے دیکھتے ہی شور مچانے لگا "چچا بس مجھے اُتار دو"۔

الماس نے بے پروائی سے کہا "نہیں نہیں اب بیٹھے رہو۔ تم دس قدم چلنے کے بعد پھر زمین پر لیٹ جاؤ گے"۔

حسن چلّایا "چچا بس مجھے چھوڑ دو۔ ورنہ میں کاٹوں گا"۔

الماس کو اس کی پریشانی کی وجہ معلوم نہ تھی اور سعد اور احمد ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ الماس نے حسن کو اپنے کندھے سے اس وقت اُتارا جب ادریس ان کے قریب پہنچ کر گھوڑا روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ادریس نے کسی رسمی تمہید کے بغیر کہا "میں سمجھتا تھا کہ ابھی تک آپ باغ کے پار ہی بیٹھے ہوئے ہوں گے لیکن آپ بہت دُور نکل آئے۔ لو بھائی حسن، تم اور احمد اس گھوڑے پر سوار ہو جاؤ"۔

ادریس گھوڑے سے اتر پڑا لیکن الماس نے کہا "آپ نے بہت تکلیف کی۔ لیکن اسے واپس کون لائے گا؟"

"میں آپ کے ساتھ قرطبہ جا رہا ہوں، وہاں میرے ماموں رہتے ہیں۔ گھر سے مجھے رات وہاں رہنے کی اجازت مل گئی ہے"۔

الماس نے کہا "اچھا۔ پھر آپ حسن کو اپنے ساتھ بٹھا لیں"۔

"نہیں میں پیدل چلنا چاہتا ہوں"۔

الماس نے احمد اور حسن کو گھوڑے پر بٹھا کر اس کی باگ پکڑ لی، سعد اور ادریس آپس میں باتیں کرتے ہوئے اس کے پیچھے ہو لیے۔

تھوڑی دیر میں سعد اور ادریس آپس میں بے تکلف ہو گئے۔

ادریس نے ہنستے ہوئے کہا "یہ عجیب بات ہے، حسن کی دائیں آنکھ پر چوٹ

لگی ہے۔ تمہاری بائیں آنکھ سُوج رہی ہے، اور زیاد کی دونوں آنکھیں سیاہ ہو رہی تھیں۔ جب تم نے کمان میں تیر چڑھا لیا تھا، تو میں واقعی بہت پریشان ہوا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ تم کہیں سچ مچ کسی کو مار نہ ڈالو"۔

"نہیں نہیں۔ میں انھیں ڈرا رہا تھا"۔

ادریس نے کہا "تمہیں معلوم ہے کہ اگر وہ سب تم پر حملہ کر دیتے تو میں کیا کرتا؟"

سعد نے جواب دیا "شاید تم ہمارے ساتھ نہ لڑتے"۔

"نہیں میں تمہارا ساتھ دیتا اور شاید چار اور لڑکے بھی تمہارا ساتھ دیتے"۔

الماس ان کی باتیں دلچسپی کے ساتھ سُن رہا تھا۔ اس نے سوال کیا "بھلا تم ان کا ساتھ کیوں دیتے؟"

ادریس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا "کیونکہ زیاد کی زیادتی تھی اور زیادتی کرنے والوں کا ساتھ دینا سخت گناہ ہے"۔

قرطبہ کی گنجان آبادی سے باہر ایک خوبصورت باغ کی چار دیواری کے اندر ایک قلعہ نما مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سعد نے ادریس سے کہا "وہ ہمارا مکان ہے"۔

باغ کے دروازے کے قریب پہنچ کر ادریس نے کہا "اب میں اپنے ماموں کے ہاں جاؤں گا، وہ شہر کی دوسری طرف رہتے ہیں"۔

سعد نے کہا "نہیں آج تم ہمارے ہاں ٹھہرو"۔

"نہیں میں کل آپ کے پاس آؤں گا۔ ماموں جان کی اجازت کے بغیر اگر میں آپ کے پاس ٹھہر گیا تو وہ خفا ہوں گے۔ کل میں آپ کے ساتھ تیر اندازی کی مشق بھی کروں" یہ کہہ کر ادریس الماس کی طرف متوجہ ہوا "آپ مجھے تیر اندازی کا سبق دیا کریں گے نا؟"

الماس نے جواب دیا "اگر تم شاعر نہیں ہو تو میں تمہیں قرطبہ کا بہترین تیر انداز بنا دوں گا"۔

"میں شاعر نہیں ہوں۔ وہ ماہا، تو میں نے کسی اور کی نظم پڑھ کر سُنا دی تھی۔ آئندہ میں

ایسا نہیں کروں گا۔"

ادریس اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہوا اور یہ تینوں بھائی اپنے باغ میں داخل ہوئے۔

(۳)

ڈیوڑھی کے سامنے ایک بگھی اور اس کے قریب اصطبل میں چند نئے گھوڑے دیکھ کر الماس نے کہا۔ "شاید مہمان آئے ہیں!"

سعد نے ایک سفید گھوڑے کو پہچانتے ہوئے اپنے بھائیوں سے کہا "یہ تو خالو جان کا گھوڑا معلوم ہوتا ہے۔ یہ بگھی بھی انہی کی ہے۔"

اندر سے ایک نوکر نمودار ہوا اور الماس کے استفسار پر اس نے بتایا کہ سعد کے خالو کے علاوہ چند اور مہمان بھی آئے ہوئے ہیں، اور وہ دیوان خانے میں تشریف فرما ہیں۔

سعد نے حسن کی اور حسن نے سعد کی طرف دیکھا۔ دونوں کو مہمانوں کے سامنے جانا پسند نہ تھا اس لیے وہ دیوان خانے کے سامنے سے گزرنے کی بجائے باغ میں سے چکر کاٹ کر دوسرے دروازے سے گھر میں داخل ہوئے۔ ایک خادمہ انھیں دیکھتے ہی بدحواس ہو کر چلائی "یہ تمہیں کیا ہوا؟ کس نے پیٹا تمہیں؟ گھر میں تمہاری خالہ جان آئی ہوئی ہیں۔ وہ تمہیں اس حالت میں دیکھ کر کیا کہیں گی!"

سعد اور حسن اپنی ماں کے سامنے جانے سے گھبرا رہے تھے۔ اب خالہ کی آمد کی خبر ملی تو دونوں ٹھٹھک کر رہ گئے۔ ان کی ماں ایک کمرے میں اپنی بہن کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں۔ صحن میں خادمہ کی آواز سن کر وہ باہر نکلیں "کیا ہوا؟" انھوں نے سوال کیا

حسن نے گھبرا کر منہ دوسری طرف پھیر لیا لیکن سعد نے قدرے جرأت سے کام لیتے ہوئے کہا "کچھ نہیں امی جان ہم نے کشتی لڑی تھی۔"

"کشتی نہیں۔ آج تم کسی کے ساتھ لڑ کر آئے ہو۔ دیکھو کیا حالت بنا رکھی ہے تم

نے۔ تمہاری خالہ آئی ہوئی ہیں، وہ کیا خیال کریں گی۔"

احمد بولا "ایک لڑکے نے بھائی جان کے ساتھ کشتی شروع کی تھی لیکن اس نے بھائی جان کو مکا مار دیا۔ پھر انھوں نے اسے خوب پیٹا۔"

اتنی دیر میں ان کی خالہ بھی باہر آ چکی تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھی۔ سعد اور احمد نے اسے سلام کیا۔ لیکن حسن اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

ماں نے کہا۔ "حسن اپنی خالہ کو سلام نہیں کیا تم نے؟" حسن نے منہ ان کی طرف کیے بغیر دبی زبان سے سلام کہہ دیا۔ ماں نے پھر کہا۔ "حسن اس طرف منہ کرو!"

حسن نے ماں کے حکم کی تکمیل کی لیکن اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا خالہ نے آگے بڑھ کر چہرے سے اس کے ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی لیکن وہ پوری قوت سے اپنا منہ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ راستے میں احمد اسے کئی بار بتا چکا تھا، کہ تمہارے چہرے پر ضربوں کے نشانات سعد کی نسبت زیادہ ہیں۔

ماں نے ذرا ڈانٹ کر کہا۔ "حسن ہاتھ نیچے کرو!"

حسن نے بے بسی کی حالت میں ہاتھ نیچے کر لیے اور سر جھکا دیا۔

ماں نے کہا۔ "بہن یہ ان دونوں سے زیادہ شریر ہے۔"

خالہ نے جھک کر اس کا چہرہ دیکھا اور پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "اسے کچھ نہ کہو۔ اسے کچھ نہ کہو۔ اندلس کو ایسے بچوں کی ضرورت ہے حسن بیٹا! اگر تم مار کھا کر بھاگ نہیں آئے تو تمہیں اس قدر نادم نہیں ہونا چاہیے۔"

"میں مار کھا کر نہیں بھاگا"۔ حسن نے تن کر کہا۔

"تو پھر اس قدر پریشان کیوں ہو؟"

احمد نے کہا "خالہ جان! حسن اس لیے پریشان ہے کہ اس نے غلطی سے ایک لڑکے کو پیٹ ڈالا تھا۔"

خالد نے کہا: "لیکن اس نے بھی تو کمی نہیں کی۔ خدا کا شکر ہے اس کی آنکھ بچ گئی۔"

حسن نے کہا: "اُس کی آنکھ میرے سے بھی زیادہ خراب تھی۔ اور وہ دو تھے۔ ایک تو پہلا مُکا کھا کر ہی بھاگ گیا تھا۔"

(۴)

سعد، احمد اور حسن قرطبہ کے ایک با اثر خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا باپ عبدالمنعم اپنی دولت اور ثروت کے اعتبار سے قرطبہ کے گنے چنے اُمراء میں سے ایک تھا۔ قرطبہ میں ایک وسیع جائداد کا مالک ہونے کے علاوہ اُسے گھوڑوں کی تجارت کا شوق تھا اور اس تجارت کے سلسلے میں وہ کئی بار مراکش، مصر، عرب اور دوسرے ممالک کا سفر کر چکا تھا۔

ایک مرتبہ جب عبدالمنعم گھوڑے فروخت کرنے کے لیے قبرص گیا تو وہاں اس کی ملاقات ایک شامی تاجر سے ہوئی۔ اس تاجر نے عبدالمنعم کو بتایا کہ اس کا چھوٹا بھائی جو چند ماہ قبل وفات پا چکا ہے، قبرص کی بحری فوج میں کپتان تھا۔ اس کی دو لڑکیاں اور ایک بیوہ ہے۔ بڑی لڑکی کی شادی غرناطہ کے ایک رئیس کے ساتھ ہو گئی تھی۔ وہ چند سال قبل حج کے لیے آیا تھا۔ حج سے واپس آتے ہوئے اس کے جہاز کو کوئی حادثہ پیش آیا۔ اتفاق سے میرے بھائی کا جہاز جس پر وہ بحری ڈاکوؤں کا تعاقب کر رہا تھا، اس طرف آنکلا اور اس کی جان بچ گئی۔ میرا بھائی اُسے اپنے ساتھ لے آیا اور چند ہفتوں کے بعد اس کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا۔ اب میرے بھائی کی بیوہ اور چھوٹی لڑکی غرناطہ میں بڑی لڑکی کے پاس جانا چاہتی ہیں اور اس لیے میں آپ کو تکلیف دینا چاہتا ہوں۔

عبدالمنعم نے اُسے جواب دیا: "مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ ہمارا جہاز ویسے بھی خالی جا رہا ہے۔"

تاجر نے کہا: "بعض مجبوریوں کے باعث میں خود ان کے ساتھ نہیں جا سکتا۔ میرے

بھائی کا ایک وفادار نوکر ان کے ساتھ جائے گا۔ آپ انھیں مالقہ پہنچا دیں۔ وہاں سے وہ خود غرناطہ چلے جائیں گے۔"

عبدالمنعم نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا: "آپ فکر نہ کریں۔ میں خود غرناطہ تک ان کے ساتھ جاؤں گا۔"

عبدالمنعم نے ان خواتین کے لیے اپنے جہاز کے ایک حصہ میں پردے کا انتظام کر دیا اور تیسرے دن وہ قبرص سے روانہ ہوئے۔

صقلیہ کے ساحل سے کچھ دُور عبدالمنعم کے جہاز پر بحری قزاقوں نے حملہ کر دیا۔ جہاز کا کپتان ایک تجربہ کار ملاح تھا اور عبدالمنعم خود بھی جہاز رانی کا کافی تجربہ حاصل کر چکا تھا۔ اس نے ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے جہاز کو بہترین جنگی سامان سے آراستہ کر رکھا تھا۔ کپتان کے علاوہ اس کے جہاز کا ہر ملاح، بحری جنگ کا عملی تجربہ رکھتا تھا۔

بحری ڈاکوؤں کے ایک جہاز کو عبدالمنعم اپنے لیے کوئی بڑا خطرہ نہ سمجھتا تھا لیکن اس مرتبہ اس کے ساتھ دو عورتیں تھیں اور اُس کے نزدیک اُن کی حفاظت کا مسئلہ جہاز سے کہیں زیادہ اہم تھا۔

ڈاکوؤں کا جہاز انھیں شام سے کچھ دیر قبل دکھائی دیا۔ اور عبدالمنعم نے کپتان کو حکم دیا کہ وہ مقابلہ کرنے کی بجائے بچ نکلنے کی کوشش کرے۔ کپتان اور ملاحوں کی تمام کوششوں کے باوجود دونوں جہازوں کا درمیانی فاصلہ بتدریج کم ہوتا گیا۔ اس کے بعد انھوں نے رات کی تاریکی سے فائدہ اُٹھایا لیکن علی الصباح ڈاکوؤں کا جہاز پھر اُن کے پیچھے تھا۔ عبدالمنعم نے کپتان کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد لڑنے کا فیصلہ کیا۔ ڈاکوؤں کو بہت حد تک یہ اطمینان ہو چکا تھا کہ اُن کے مدِ مقابل لڑائی کی ہمت نہیں رکھتے اور جب دوسرے جہاز سے اُن کے ابتدائی تیروں کا جواب بھی نہ آیا تو اُن کا حوصلہ اور بھی بڑھ گیا۔ ڈاکوؤں کے سردار نے بلند آواز میں اپنے ساتھیوں سے

کہا۔ "یہ جہاز بہت قیمتی ہے۔ اس لیے اسے نقصان سے بچانے کی کوشش کی جائے!"
لیکن جب وہ قریب آگئے تو عبدالمنعم کے جہاز سے اچانک تیروں کی بارش ہونے لگی۔
چند ڈاکو جو تختے پر کھڑے کمندیں پھینکنے کی تیاری کر رہے تھے۔ زخمی ہو کر گر پڑے۔ اس
کے ساتھ ہی چند آتشیں تیر ڈاکوؤں کے جہازوں کے بادبانوں میں پیوست ہو گئے۔

ڈاکوؤں نے اچانک اپنے جہاز کا رُخ بدل کر عبدالمنعم کے جہاز کے ساتھ سیدھی
ٹکر لگانے کی کوشش کی۔ لیکن ہوشیار کپتان نے فوراً اپنے جہاز کا رُخ بدل دیا اور ڈاکوؤں
کا جہاز عبدالمنعم کے جہاز کو عین درمیان سے پاش پاش کرنے کی بجائے ایک پہلو سے
رگڑتا ہوا اس کے ساتھ جا لگا۔ ڈاکوؤں نے کمندیں پھینک کر عبدالمنعم کے جہاز پر کودنے
کی کوشش کی۔ لیکن مدِمقابل کے نیزوں اور تلواروں کے سامنے ان کی پیش نہ گئی۔
چند لمحات کے اندر اندر ڈاکوؤں کے کئی آدمی ہلاک ہو چکے تھے اور ان کے جہاز میں
آگ کے شعلے نہایت خطرناک صورت اختیار کر چکے تھے۔ عبدالمنعم کا جہاز ان کے جہاز
کے ساتھ رگڑ کھاتا ہوا آگے نکل گیا لیکن اتنی دیر میں ڈاکوؤں کے چند آتشیں تیر اس جہاز
کے بادبانوں میں بھی آگ لگا چکے تھے۔ چند ملاح آگ پر قابو پانے کی کوشش کر رہے تھے
اور باقی دشمن کے جلتے ہوئے جہاز سے سمندر میں چھلانگیں لگانے والوں پر تیر برسا
رہے تھے۔ چند ڈاکو کشتیوں میں سوار ہو کر بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے کہ عبدالمنعم کے
ساتھیوں نے منجنیق کے ساتھ پتھروں کی بارش کر دی اور انکی کشتی تھوڑی دُور جا کر ڈوب گئی

اس کے بعد عبدالمنعم کے ساتھیوں کو فکر ہوئی۔ آگ ان کی تمام کوششوں کے باوجود
قابو سے باہر ہو چکی تھی بالآخر کپتان نے اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "اب
جہاز چھوڑنے کے علاوہ ہمارے لیے کوئی چارہ نہیں۔

جہاز کے ساتھ دو کشتیاں تھیں۔ عبدالمنعم نے خواتین کے نوکر سے کہا۔ "تم خواتین
سے کہو کہ وہ فوراً کشتی پر سوار ہو جائیں۔"

دوسرے ملاحوں کی طرح عبدالمنعم خود بھی ایک زخمی کو اُٹھا کر کشتی تک لے گیا۔
تھوڑی دیر بعد جب کشتیاں جلتے ہوئے جہازوں کو چھوڑ کر روانہ ہوئیں تو عبدالمنعم
نے اچانک چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ جس کشتی میں وہ کھڑا تھا۔ وہاں صرف ایک عمر
رسیدہ عورت تھی اور دوسری کشتی پر بھی اُسے کوئی عورت دکھائی نہ دی۔ وہ چلایا۔
"ٹھہرو! کشتی کو واپس لے چلو۔ غضب خدا کا، ایک ماں کو اپنی بیٹی کا خیال نہ آیا۔ جلدی کرو
کشتی موڑو!"

"ایک ماں کے متعلق ایسی رائے نہیں رکھنی چاہیے۔ میں یہیں ہوں۔"

عبدالمنعم نے حیران ہو کر اپنے قریب ایک مسلح سپاہی کی طرف دیکھا۔ اس کے سر
پر آہنی خود تھا اور ہاتھ میں خون آلودہ تلوار۔ اس کی زرہ اس کے جسم کے مقابلہ میں بہت
کشادہ تھی۔ عبدالمنعم کی حیرانی دور کرنے کے لیے کپتان نے کہا۔ "آپ نے غور نہیں کیا یہ
لڑائی میں شروع سے آخر تک ہمارے ساتھ تھیں۔ میں ان کی شجاعت سے بہت
متاثر ہوں۔ میں حیران ہوں کہ یہ زرہ انھوں نے کہاں سے لی۔"

لڑکی نے جواب دیا۔ "یہ تلوار میرے ابا کی نشانی ہے، زرہ اور خود مجھے جہاز کے
ایک کمرے سے مل گئے تھے۔ میں نے مردانہ لباس تلاش کرنے کے لیے ایک صندوق
کھولا تھا۔ لیکن وہاں سب اسی قسم کی چیزیں تھیں۔"

(۵)

عبدالمنعم اور اس کے ساتھی سارا دن کشتیوں میں بیٹھے رہے۔ انھیں ساحل
تک پہنچنے سے زیادہ اس بات کی امید تھی کہ اس طرف کوئی نہ کوئی جہاز آ نکلے گا۔
شام کے وقت شمالی افق پر کسی جہاز کے بادبان دکھائی دیئے اور انھوں نے کشتیوں
کا رُخ اس طرف پھیر دیا۔ لیکن شام کی بڑھتی ہوئی تاریکی نے ان کی امیدوں پر پانی
پھیر دیا۔ اگلے دن ان کی پریشانی مایوسی میں تبدیل ہو رہی تھی۔ خوراک کا ذخیرہ قریباً

ختم ہو چکا تھا۔ عبدالمنعم کی تقلید میں اس کے تمام ساتھی پیاس کے باوجود اپنے حصے کا گھونٹ گھونٹ پانی زخمیوں کو دے رہے تھے۔ دوپہر کے وقت عبدالمنعم نے عمر رسیدہ عورت کو پیاس سے نڈھال دیکھ کر اُسے پانی کے چند گھونٹ دیئے۔ اس کے بعد وہ نوجوان لڑکی کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ ایک زخمی کے قریب بیٹھ کر اُسے تسلی دے رہی تھی۔ "تمھیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ خدا نے ہمیں ڈاکوؤں سے بچایا ہے، وہ ہمیں اس مصیبت سے بھی نجات دے گا۔"

عبدالمنعم نے پیالے میں پانی کے چند گھونٹ ڈالنے کے بعد اس کے قریب آ کر کہا۔ "یہ آپ کا حصہ ہے۔ پیجیئے، اس کے بعد شاید آپ کو پانی نہ ملے۔"

لڑکی نے جواب دیا۔ "میں اپنا حصہ لے چکی ہوں۔ آپ نے صبح سے ایک گھونٹ بھی نہیں پیا۔"

عبدالمنعم بولا۔ "ان حالات میں مَیں اپنے متعلق سوچ نہیں سکتا۔ لیجئے!"

لڑکی نے عبدالمنعم کے ہاتھ سے پیالہ لے کر اِدھر اُدھر دیکھا اور ایک زخمی کے منہ کو لگاتے ہوئے کہا۔ "ان حالات میں میں بھی اپنے متعلق نہیں سوچ سکتی۔"

اس لڑکی کا نام سکینہ تھا۔ عبدالمنعم نے پہلے اس کے ہاتھ میں تلوار دیکھی تھی اور اپنے دل میں خوش گوار دھڑکنیں محسوس کی تھیں۔ اس کے بعد اس کے نازک ہاتھ زخمیوں کی مرہم پٹی کر رہے تھے تو وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ کوئی اس کے سازِ حیات کے خاموش تاروں کو چھیڑ رہا ہے۔ تاہم وہ اس کے لیے ایک اجنبی تھی لیکن ایک زخمی کو اپنے حصے کا پانی پلاتے وقت اس کے مرجھائے ہوئے چہرے پر اطمینان کی ایک غیر معمولی جھلک دیکھنے کے بعد عبدالمنعم یہ محسوس کر رہا تھا کہ قدرت نے اس کے اپنے دل کی گہرائیوں سے ایک حسین تصویر نکال کر اُسے زندگی عطا کر دی ہے۔ سکینہ اس کے لیے اجنبی نہیں وہ اُسے مدت سے جانتا ہے۔ عنفوانِ شباب سے

لے کر اب تک وہ اس کے دل میں بس رہی تھی۔ اس کے ذہن میں اس کے کئی نام تھے۔

تیسرے دن علی الصباح جب بھوک، پیاس اور تھکاوٹ کے باعث عبدالمنعم کے بیشتر ساتھی نیم بیہوشی کی حالت میں کشتی میں پڑے ہوئے تھے۔ وہ کشتی کی پتوار سنبھالے ہوئے تھا۔ اس کی طاقت جواب دے چکی تھی۔ لیکن آنکھوں میں ابھی تک اُمید کی جھلک باقی تھی۔ اچانک دوسری کشتی سے ایک ملّاح نے ہاتھ کے اشاروں سے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا اور پھر ایک طرف اشارہ کر دیا۔ عبدالمنعم نے دیکھا کچھ فاصلے پر ایک جہاز اُن کی طرف آ رہا تھا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں کو آواز دینے کی کوشش کی۔ لیکن سوکھے ہوئے حلق سے آواز نہ نکل سکی۔ جہاز پر طرابلس کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ عبدالمنعم نے کشتی پر کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ بلند کر دیے اور جب جہاز کے تختے پر سے ملاح اپنے ہاتھ ہلا کر اس کے اشاروں کا جواب دینے لگے تو وہ آگے بڑھ کر سکینہ کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ سکینہ نے آنکھیں کھولیں اور عبدالمنعم نے اُسے اپنے بازو کا سہارا دے کر بٹھاتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے جہاز کی طرف اشارہ کر دیا۔

(۶)

یہ جہاز سبتہ جا رہا تھا۔ اگلے دن جب سکینہ عرشے پر کھڑی غروب آفتاب کا منظر دیکھ رہی تھی۔ عبدالمنعم نے اس کے قریب آ کر کہا۔ "ہم پرسوں تک سبتہ پہنچ جائیں گے۔ وہاں سے ہمیں مالقہ کا جہاز مل جائے گا۔"

سکینہ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے آپ کے جہاز کی تباہی کا بہت افسوس ہے۔ آپ کے کپتان کو بہت صدمہ ہوا ہے۔ ہمارا آنا آپ کے لیے اچھا شگون نہ ہوا۔"

"نہیں بلکہ آپ کی وجہ سے ہماری جانیں بچ گئیں۔"

سکینہ دوبارہ اُفق کی طرف دیکھنے لگی۔ عبدالمنعم نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ "میں ابھی تمہاری والدہ کے پاس ایک درخواست لے کر گیا تھا۔ میں ایک تباہی ہوں۔

مجھے معلوم نہیں کہ مجھے کس طرح بات کرنی چاہیے تھی۔ تاہم انھوں نے میری بات کو بُرا نہیں جانا۔" عبدالمنعم یہاں تک کہہ کر رُک گیا اور پھر ایک فیصلہ کن انداز میں بولا۔" میری درخواست تمہارے متعلق تھی۔ کشتی پر مصیبت کی آخری رات میں سوچ رہا تھا کہ اگلی شام تک قدرت نے کسی کو ہماری مدد کے لیے نہ بھیجا تو ہم شاید زندگی کی ایک اور صُبح نہ دیکھ سکیں۔ میں موت سے کبھی نہیں ڈرا لیکن اس مرتبہ مجھے اپنی زندگی پہلے کی نسبت کہیں زیادہ عزیز تھی۔ چاند کی روشنی میں تمہارا مُرجھایا ہُوا چہرہ دیکھ کر میں نے بار ہا تم سے کچھ کہنے کی ضرورت محسوس کی لیکن میرے سوکھے ہُوئے حلق سے آواز نہ نکلی لیکن تم سمجھ گئی ہوگی کہ میں کیا چاہتا تھا؟"

"میں کچھ نہیں سمجھی۔" سکینہ نے اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہُوئے جواب دیا۔

"میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ مرتے وقت میرے ذہن میں آخری سوال یہ ہوگا، کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے پیدا ہوئے تھے۔"

سکینہ نے جھجکتے اور شرماتے ہوئے سوال کیا۔" امی جان سے آپ نے کیا کہا ہے؟"

"ان سے میں نے بہت کچھ کہا ہے اور وہ شاید تم سے بھی کچھ کہیں گی لیکن تم سے میں صرف ایک مختصر سے سوال کا جواب پوچھنے آیا ہوں۔ تمہیں میری رفیقۂ حیات بننے پر کوئی اعتراض تو نہیں؟"

سکینہ نے ایک ثانیہ کے لیے عبدالمنعم کی طرف دیکھا اور کچھ کہے بغیر وہاں سے چل پڑی اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ اس کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر مسرّت کی مسکراہٹیں اور آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ اپنی ماں کے قریب پہنچ کر وہ ایک لمحہ کے لیے رُکی اور پھر بے اختیار "امی! امی!" کہتی ہوئی اس کے ساتھ لپٹ گئی۔

"کیا ہے بیٹی؟"

"کچھ نہیں امی!..."

ماں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔"تم بہت خوش نصیب ہو بیٹی!"

(۷)

غرناطہ پہنچنے کے چند دن بعد عبدالمنعم اور سکینہ کی شادی ہوگئی۔ قرطبہ کے طبقۂ اعلیٰ میں کئی دن اس بات کا چرچا رہا کہ عبدالمنعم نے اندلس کے بہترین خاندانوں کی لڑکیوں کے رشتے ٹھکرا کر کسی گمنام خاندان کی لڑکی کے ساتھ شادی کرلی ہے۔ سکینہ کو اپنے خاوند کی عزّت اور شہرت کا صحیح اندازہ نہ تھا۔ وہ صرف یہ جانتی تھی کہ وہ ایک تاجر ہے جو جہاز ڈُوب جانے کے باعث اپنا بہت کچھ کھو چکا ہے لیکن جب قرطبہ آکر عبدالمنعم کا عالی شان محل دیکھا تو وہ دنگ رہ گئی۔ عبدالمنعم اُسے رہائشی مکان کے ایک خوب صورت کمرے میں بٹھا کر دیوان خانے میں اُن دوستوں کے پاس چلا گیا جو مبارکباد دینے کے لیے جمع ہو رہے تھے اور سکینہ کو قرطبہ کے اُونچے طبقہ کی خواتین نے گھیر لیا۔ کوئی اس کے لباس اور کوئی اس کے بالوں کی بناوٹ کے متعلق رائے زنی کر رہی تھی۔ سکینہ حیران تھی، کہ اس کی تعریف ہو رہی ہے یا مذمّت، قرطبہ کی خواتین بات بات پر شعر پڑھتی تھیں۔ پھر ایک دوسری سے ان شعروں کا مطلب پوچھتی تھیں اور اس کے بعد وہ بحث کرتی تھیں کہ شعر کا اصلی مفہوم کیا ہے۔ بالآخر وہ دُلہن کی طرف متوجہ ہو کر پوچھتیں۔"آپ بتائیں آپ کے خیال میں فلاں شعر کا کیا مطلب ہے؟"

سکینہ کے پاس ان سوالات کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ مبہوت سی ہو کر ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

ایک شوخ و طرار لڑکی نے کہا۔" دیکھو جی میری بھابی کو تنگ نہ کرو۔ انھیں شاعری سے کوئی لگاؤ نہیں، کوئی اور بات کرو۔ ہاں انھیں موسیقی سے رغبت ہے۔"

سکینہ نے معصومانہ انداز میں جواب دیا۔"نہیں مجھے موسیقی کے ساتھ بھی کوئی رغبت نہیں"

"تو پھر آپ کیا جانتی ہیں؟" لڑکی نے ایک شرارت آمیز مُسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

سکینہ کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ اُس نے کہا "میں کچھ نہیں جانتی۔ اگر آپ کو اس بات سے تسکین ہو سکتی تو مجھے اس بات کا اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ میں ایک غریب سپاہی کی لڑکی ہوں۔ میرے والدین نے مجھے شاعری اور موسیقی کی تعلیم نہیں دی۔ وہ میرے لیے فقط قرآن کی تعلیم کافی سمجھتے تھے۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ لباس جسم ڈھانپنے کے لیے ہے۔ نمائش کی چیز نہیں ہے۔ میں نے تہذیب و تمدّن کے اس گہوارے میں آنکھ کھولی تھی۔ جہاں ایک عورت صرف ایک بیٹی، ایک بیوی اور ماں کی حیثیت میں پہچانی جاتی ہے۔ آپ کے سامنے فخر اور غرور کے لیے میرے پاس کچھ نہیں۔ صرف ایک بات ہے جسے سننا شاید آپ پسند نہ کریں، اور وہ یہ ہے کہ میں وہ سب کچھ ہوں جو میرے شوہر کو پسند ہے اور میرا شوہر وہ سب کچھ ہے جس کی میں خواہش کر سکتی تھی"

ایک عمر رسیدہ عورت نے سکینہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹی تم ان سب سے زیادہ جانتی ہو۔ میں عبدالمنعم کے حسنِ انتخاب کی داد دیتی ہوں۔"

غرناطہ میں سکینہ کی بڑی بہن کا خاوند ابو صالح ایک با اثر رئیس تھا۔ سکینہ کی ماں کچھ عرصہ اپنی بڑی بیٹی کے پاس رہنے کے بعد قرطبہ آگئی۔

شادی کے ایک سال بعد عبدالمنعم کا بڑا لڑکا سعد پیدا ہوا۔ سعد کی پیدائش سے تین ماہ بعد سکینہ کی ماں چند دن بیمار رہنے کے بعد چل بسی۔

سعد کی پیدائش سے دو سال بعد عبدالمنعم کا دوسرا بیٹا احمد پیدا ہوا۔ سکینہ کی بڑی بہن کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی اس لیے وہ سکینہ کے بچوں کے ساتھ بے حد پیار کیا کرتی تھی۔ ہر دوسرے یا تیسرے مہینے کبھی وہ اپنے خاوند کے ساتھ قرطبہ آجاتی اور کبھی سکینہ اور عبدالمنعم بچوں کے ساتھ چند دن کے لیے غرناطہ چلے جاتے۔

شادی کے پانچویں سال حسن کی پیدائش کے بعد عبدالمنعم حج کے لیے چلا گیا۔ واپسی پر وہ اپنے بچوں کے لیے ایک عجیب و غریب کھلونا لایا اور یہ عجیب و غریب کھلونا

ایک شیر کا بچہ تھا، جو افریقہ کے ایک سردار نے عبدالمنعم کو بطور تحفہ پیش کیا تھا۔

الماس عبدالمنعم کا ایک بربری نوکر تھا۔ اپنی شادی سے تین سال قبل عبدالمنعم مراکش سے اُسے اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ الماس نے اپنی ذاتی خوبیوں کے باعث تھوڑے ہی عرصے میں عبدالمنعم کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور قرطبہ میں لوگ اُسے ایک نوکر کی بجائے عبدالمنعم کے بھائی کی حیثیت سے دیکھتے تھے۔ عبدالمنعم کی غیر حاضری میں اس کی تمام جائداد کا انتظام الماس کے سپرد ہوتا۔

الماس کی عمر چالیس سال سے اوپر تھی لیکن وہ جسمانی صحت کے لحاظ سے ہزاروں نوجوانوں کے لیے قابلِ رشک تھا۔ اُسے تیراندازی اور شہسواری میں کمال حاصل تھا۔

شادی کے بعد عبدالمنعم کی زندگی ہر لحاظ سے خوشگوار تھی۔ دنیا میں کوئی ایسی نعمت نہ تھی جو اُسے میسر نہ تھی۔ ایک خاوند کی حیثیت میں وہ اپنی بیوی اور ایک باپ کی حیثیت سے وہ اپنے بچوں پر فخر کر سکتا تھا۔ اس کے دوست اس سے محبت کرتے اور دشمن اس سے خوف کھاتے تھے۔ تاہم وہ مطمئن نہ تھا۔ اندلس کے مستقبل کا خیال اسے ہر وقت پریشان رکھتا تھا۔ شادی سے قبل وہ ایک فارغ البال اور آزاد منش انسان تھا۔ اس کی زندگی نئے نئے خطرے تلاش کرنے اور ان کا مقابلہ کرنے تک محدود تھی، اپنا بیشتر وقت قرطبہ سے باہر گزارا کرتا تھا۔ تجارت کا مشغلہ اس نے دولت کمانے کے لیے اختیار نہیں کیا تھا۔ بلکہ یہ سیر و تفریح کے لیے ایک بہانہ تھا۔ لیکن سکینہ کے ساتھ شادی کرنے کے بعد اس کی دنیا بدل چکی تھی۔ سعد، احمد اور حسن کے مستقبل کا تصور اُسے قرطبہ اور اندلس کے متعلق سوچنے پر مجبور کر دیتا۔

ایک مُلک اور کئی بادشاہ

پانچویں صدی ہجری میں مسلمانانِ اندلس اپنی تاریخ کے نازک ترین دَور سے گزر رہے تھے۔ اموی خاندان کا پُرشکوہ دَورِ حکومت افسانۂ ماضی بن چکا تھا۔ وہ عظیم الشان سلطنت جس کی طاقت اور سطوت سے مغرب کے تاجدار مرعوب تھے۔ طوائف الملوکی کے باعث پارہ پارہ ہو چکی تھی۔ وہ باغ جسے عبدالرحمن اوّل کے جانشینوں نے تین صدیوں تک آبیار کیا تھا۔ اب خزاں کی آندھیوں کا سامنا کر رہا تھا۔ نااہل حکمران، خود غرض راہنما اور حریص قسمت آزما۔ اندلس کو قریباً بیس چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر چکے تھے اور ہر ریاست کے لیے کئی دعویدار برسرِ پیکار تھے۔ ایک کو امرا تخت پر بٹھاتے اور وہ غلاموں کے ہاتھوں مارا جاتا۔ دوسرے کے سَر پر علما دستار باندھتے اور اسے پہریدار اور خواجہ سرا پھانسی پر لٹکا دیتے۔ تیسرا بربریوں کے ہاتھوں کا کھلونا بن کر مسندِ حکومت پر رونق افروز ہوتا اور اُسے عرب یا اندلسی مسند سے اتار کر قید خانے کی تنگ و تاریک گوٹھڑی میں پہنچا دیتے۔ چوتھا عوام کے کندھوں پر سوار ہو کر چند دن ایوان حکومت کی سیر کرتا اور جب عوام کا جوش و خروش کم ہو جاتا تو یہ خبر سنی جاتی کہ ان کے محبوب حکمران کی لاش غسل خانے کے آتش دان سے برآمد ہوئی۔

قرطبہ جو اموی اقتدار کے زمانے میں مغرب کے لیے روشنی کا مینار تھا۔ جس کے سپاہی کسی زمانے میں فرانس کے دروازوں پر دستک دیا کرتے تھے، جس کے باغات اور عمارتیں[1] بغدا

---

[1] مورخوں، سیاحوں اور شاعروں نے قرطبہ کے باغات کے متعلق اتنا کچھ لکھا ہے کہ اس کا خلاصہ پیش

د کے محلوں کے لیے بھی باعثِ رشک تھیں، اب ایک ایسی لاش بن چکا تھا، جسے اقتدار پسند عناصر گدھوں کی طرح نوچ رہے تھے۔ چند سال کے عرصے میں حکومت کے کئی امیدوار گمنامی

کرنے کے لیے بھی ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔ اس کے محلات اور باغات دنیا بھر میں اپنی نظیر آپ تھے۔ عبدالرحمن اوّل نے اندلس کی سلطنت پر قابض ہونے کے بعد مختلف ممالک میں اپنے آدمی بھیجے تاکہ وہ قرطبہ کے باغات کیلیے عمدہ اور نایاب پودے اور بیج لائیں۔ اس کا یہ شوق دیکھ کر دنیا کے بہترین باغبان اپنے فن کا کمال دکھانے کیلیے قرطبہ پہنچنے لگے۔ ان باغات کو سیراب کرنے کیلیے وادی الکبیر سے نہریں نکالی گئیں اور ان کا پانی سنگِ مرمر کے وسیع تالابوں میں جمع کرنے کے بعد سیسہ، پیتل اور بعض اوقات چاندی اور سونے کے نلوں سے تقسیم کیا جاتا تھا۔ قرطبہ کا شہر وادی الکبیر (ایک دریا) کے کنارے دس میل کی لمبائی میں پھیلا ہوا تھا۔ پچاس ہزار سے زیادہ عہدیداروں اور ایک لاکھ سے زیادہ عام لوگوں کے مکانات تھے۔ سات سو مساجد اور نو سو حمام تھے اور سینکڑوں کی تعداد میں کتب خانے اور درسگاہیں تھیں قرطبہ کی عمارتوں میں جامع مسجد بہترین سمجھی جاتی تھی۔ آج بھی یہ مسجد دنیا بھر میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اس کی تعمیر امیر عبدالرحمن الداخل نے شروع کی اور اس کے بعد ہر سلطان اس عمارت کی رعنائی، دلفریبی اور وسعت میں اضافہ کرتا چلا گیا۔

قرطبہ کی دوسری شاندار عمارت مدینۃ الزہرا تھی، جسے اندلس کے خلیفۂ اعظم عبدالرحمن الناصر (ثالث) نے اپنی بیوی زہرا کی خواہش پر تعمیر کیا تھا۔ اسے عمارت کے بجائے ایک شہر کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ قرطبہ سے چند میل کے فاصلے پر جبل العروس کے دامن میں اس کی بنیاد رکھی گئی۔ عبدالرحمن ثالث ہر سال اپنی آمدنی کا ایک تہائی حصہ اس کی تعمیر پر صرف کیا کرتا تھا۔ اس نئے شہر کے پندرہ ہزار دروازے تھے۔ دیوانِ عام کی چھت اور دیواریں سنگِ مرمر کی تھیں۔ دیوانِ عام کے وسط میں پارے کا ایک حوض تھا۔ جب آفتاب کی شعاعیں پارے سے بھرے ہوئے حوض پر پڑتیں تو سارا دیوان جگمگا اُٹھتا۔ جگہ جگہ ہرے بھرے باغ اور صاف شفاف پانی کے فوارے تھے۔

آج الزہرا کے کھنڈر دیکھنے والوں کو یہ یقین نہیں آتا ہوگا کہ یہاں کسی زمانے میں یورپ اور ایشیا کے فرمانرواؤں کے سفیر اور ایلچی دم بخود ہو کر عبدالرحمن ثالث اور اس کے جانشینوں کا جاہ و جلال دیکھا کرتے تھے۔ قرطبہ میں دوسری محل سرائیں بھی تھیں، جن کے نام قصر المعشوق، قصر السرور اور قصر التاج وغیرہ تھے۔ طوائف الملوکی کے دور میں مسجدِ قرطبہ کے سوا ان سب عمارات کو تباہی اور بربادی سے دوچار ہونا پڑا۔

کے پردوں سے نکل کر مسندِ حکومت اور مسندِ حکومت سے نکل کر مقتل یا قید خانے میں پہنچ چکے تھے۔ قرطبہ میں اس بدنظمی اور انتشار کے باعث اندلس کا ہر ضلع ایک علیحدہ سلطنت اور ہر بڑا شہر کسی خاندان کا دارالامارت بن چکا تھا۔

غرناطہ اور اس کے قرب و جوار کے علاقے بنی زیری کے تصرف میں تھے۔ سرقسطہ اور ناردہ پر بنو ہود قابض تھے۔ طلیطلہ پر بنو ذالنّون، اشبیلیہ پر بنو عباد، قرطبہ پر بنی جہور، المیریا پر بنی سمادح، بطلیوس پر بنی افطس، شلب پر بنی مزین، سہلہ پر بنی ازین، ولبہ پر بنی بکر، قرمونہ پر بنی رزال اور مالقہ پر بنی حمود قبضہ جما چکے تھے۔

شیروں کی کچھاریں گیدڑوں کی آماجگاہیں بن چکی تھیں۔ عقابوں کے نشیمن زاغوں کے تصرّف میں آچکے تھے۔ اُٹھائی گیر، چور اور اچکے عدل و انصاف کی کرسیوں پر براجمان تھے۔ ملوک الطوائف میں سے بیشتر ایسے تھے کہ انھیں ان کی سیرت اور کردار کے لحاظ سے جرائم پیشہ لوگوں کی صفِ اوّل میں شمار کیا جا سکتا تھا۔ بعض ریاستیں ایسی بھی تھیں جن کی سرحدیں فقط ان کے دارالامارت تک محدود تھیں لیکن اس کے باوجود یہ لوگ امیر، بادشاہ، سلطان اور خلیفۃ المسلمین کہلانا پسند کرتے تھے۔ وہ حریر و اطلس کی قبائیں اور جواہرات سے مرصع ٹوپیاں پہنتے تھے۔ اپنے لیے القابات کے انتخاب میں بھی وہ دورِ زوال کے عباسی خلفا سے پیچھے نہ تھے۔ کوئی مہدی تھا۔ کوئی الناصر، کوئی المنصور، کوئی المقتدر باللہ، کوئی المؤید باللہ، کوئی المعتصم باللہ، کوئی الموفق باللہ، کوئی المعتضد باللہ، کوئی المعتمد باللہ، کوئی المعزد باللہ اور کوئی المامون باللہ کہلانا پسند کرتا تھا۔

غالباً اسی زمانے کا ایک شاعر ان نودولت نقالوں کے متعلق لکھتا ہے:

"جب میں سرزمین اندلس میں ہر طرف سے مقتدر اور معتمد کے الفاظ سنتا ہوں تو مجھے نفرت ہوتی ہے۔ ان لوگوں کے لیے یہ بے جا شاہی القاب بالکل ایسے معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے کوئی بلی اپنے آپ کو پھلا پھلا کر شیر کی سی صولت کا اظہار کرے۔"

ان خودسر حکمرانوں کے درباروں میں مفکروں، سیاستدانوں اور انتظامی قابلیت رکھنے والوں کی جگہ مغنیوں، مسخروں اور خوشامدی شاعروں نے لے لی تھی۔

جب کسی قوم میں زندہ رہنے کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں تو اس کا شعر و ادب بھی اس کے لیے افیون کا کام دیتا ہے۔ زندہ قوم کے شاعر شاہراہِ ترقی میں قوم کے نقیب بن جاتے ہیں اور ان کا کلام بعض اوقات مُردوں میں بھی زندگی کی حرارت پھونک دیتا ہے۔ لیکن اندلس کے اس دورِ زوال کے شاعروں کی تمام صلاحیتیں نااہل حکمرانوں کی مدح سرائی کے لیے وقف تھیں۔ ہر امیر کی خدمت کے لیے شاعروں کا ایک گروہ موجود تھا۔ وہ ان کی خوشامد کے لیے قصائد لکھتے تھے اور ان قصائد میں ہر چھوٹے بڑے امیر کو ہفت اقلیم کا بادشاہ ثابت کیا جاتا تھا۔ بعض امیروں کا یہ حال تھا کہ ان کی فوج کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی لیکن درباری شاعروں کا یہ فرض تھا کہ وہ انھیں دنیا کا سب سے بڑا فاتح ثابت کریں۔ بعض کے خزانوں میں اتنا روپیہ بھی نہ تھا کہ وہ ان عظیم الشان عمارتوں کی مرمت ہی کروا سکیں جو ان کے اسلاف کی یادگاریں تھیں۔ لیکن ان کے قصیدہ گو شاعر ان کی دولت اور ثروت کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے تھے۔ امیر سے انعام حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اس کی مدح سرائی کے ساتھ ساتھ دوسرے اُمرا کی مذمت کی جائے۔ اس لیے قصیدہ گوئی کے ساتھ ہجو گوئی کا فن بھی اوج کمال تک پہنچ چکا تھا۔ جس امیر کے شاعر اس کی تعریف میں بہترین قصائد اور اس کے مخالفین کی مذمت میں بدترین ہجو لکھ سکتے تھے۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ دُنیا کی نگاہوں میں اس کا درجہ اُونچا ہو گیا ہے۔

قرطبہ، اشبیلیہ اور غرناطہ کے اسلحہ خانوں میں اب موسیقی کے آلات بنائے جاتے تھے۔ شہروں سے باہر کھلے میدانوں میں جہاں لوگ کبھی زمانے سپاہیوں کی نیزہ بازی اور تیراندازی کے کمالات دیکھا کرتے تھے، اب شعر کہنے اور شعر کی داد دینے والوں کی ٹولیاں نظر آیا کرتی تھیں۔ شاعری کی وبا سے وہ عظیم الشان درسگاہیں بھی محفوظ نہ تھیں، جہاں

ریاضی، طب، تاریخ، فلسفہ، طبیعات اور علوم دین کے متلاشی دُور دراز سے چل کر آیا کرتے تھے۔ عوام اپنے حکمرانوں سے زندگی کے آداب سیکھتے ہیں، اس لیے اگر قرطبہ کے امرا شاعری کو معراجِ انسانیت قرار دیتے تھے تو قرطبہ کے باغبان، بافندے اور کمہار بھی شعر سننے اور شعر کہنے کے عادی ہو چکے تھے۔ اگر اشبیلیہ کے شاہی دربار اور امراء کی محفلوں میں مشاعرے ہوتے تھے، تو ماہی گیروں کی جھونپڑیوں میں بھی مشاعرے ہوا کرتے تھے۔

فارغ البالی کے دور میں اکثر قومیں فنونِ لطیفہ کی دلدادہ بن جاتی ہیں۔ لیکن اہلِ اندلس کے لیے یہ فارغ البالی کا دَور نہ تھا۔ وہ اس وقت بھی شعر کہتے تھے جب گھٹنوں تک خون میں ڈوبے ہوتے تھے۔ انھیں اس وقت بھی طاؤس و رباب سے عشق تھا جب کہ تباہی اور بربادی کی آگ اُن کے گھروں تک پہنچ چکی تھی۔

(۲)

شمال میں قسطلہ کا عیسائی حکمران فرڈیننڈ اوّل مُسلمان اُمراء کی خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھا کر ان کے کئی علاقے اپنی سلطنت میں شامل کر چکا تھا۔ وہ متحارب فریقوں میں سے کبھی ایک اور کبھی دوسرے کی مدد کرتا اور معاوضے میں ان سے اپنی سرحدوں کے ساتھ ملحقہ علاقے چھین لیتا۔ اس کے علاوہ وہ اپنی فوج کے مصارف پورے کرنے کے لیے اُن سے بھاری خراج وصول کرتا۔ ملوک الطوائف آپس کی جنگوں میں فرڈیننڈ کو ایک فیصلہ کن عنصر سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ فرڈیننڈ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اُسے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر خراج ادا کرتے تھے۔

اس انتشار اور بدنظمی کے دَور میں اشبیلیہ کے عبادی حکمران معتضد نے اپنی طاقت میں بہت زیادہ اضافہ کر لیا۔ اس نے کبھی حیلہ جُوئی سے اور کبھی بزورِ شمشیر مرسیہ، لبلہ، اوکش، مورور، ولبہ، لبلبہ، شلب، مشنت، ماریتہ الغرب اور جزیرۃ الخضراء کو مغلوب کر کے یہ سلطنتیں اشبیلیہ میں شامل کر لیں۔ ابتدا میں لوگ اُسے اندلس کا نجات دہندہ سمجھتے تھے لیکن اس کی سخت گیری کے باعث وہ جلد ہی اس سے متنفر ہو گئے۔

معتضد پرلے درجہ کا بدباطن، منتقم مزاج اور خود سر تھا۔ شراب نوشی اور فسق و فجور میں وہ اندلس کے باقی امراء سے کہیں آگے تھا۔ اس کے باوجود وہ شاعری کا دلدادہ اور شاعروں کا قدردان تھا۔ اس کے قوائے جسمانی اس قدر مضبوط تھے کہ کثرتِ عیاشی کے باوجود سخت محنت کا عادی تھا۔ مغلوب دشمن کو اذیتیں دے کر قتل کرنے سے اسے ایک لذّت حاصل ہوتی تھی۔ وہ دشمن کی کھوپڑیوں میں پھولوں کے پودے لگواتا تھا اور ان پودوں سے اپنے قصر کے صحن کو آراستہ کرتا تھا۔ یہ اس کا باغ تھا۔ بڑے بڑے امیروں کی کھوپڑیاں اس نے ایک صندوق میں بند کر کے محل کے تہہ خانے میں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنے بیٹے اسماعیل کو حکم عدولی کے جرم میں اپنے ہاتھوں سے ذبح کیا تھا۔

معتضد نے غرناطہ کے بربری حکمران بادیس کے چند شہر اس سے چھین لیے۔ ایک مرتبہ جب وہ رندہ میں تھا بعض بربری سرداروں نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن رندہ کے ایک امیر کے رشتہ دار نے انھیں روک دیا۔ تاہم معتضد اپنے خلاف ایسا سوچنے والوں کو بھی معاف کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس نے اشبیلیہ پہنچ کر رندہ، مورور، ارکش اور سریش کے ساٹھ بربری رؤسا کو ضیافت میں مدعو کیا اور انھیں کھانے سے پہلے اپنے عجیب و غریب حمام میں غسل کرنے کے لیے بھیج دیا۔ بربری اس وسیع حمام میں لطف اندوز ہو رہے تھے، کہ باہر نکلنے کے تمام دروازے اور ہوا کے تمام راستے بند ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی حمام اس قدر گرم ہو گیا کہ وہ تڑپتے ہوئے موت کی آغوش میں سو گئے۔ معتضد کے اس فعل سے غرناطہ اور اس کی ہمسایہ سلطنتوں میں عربوں اور بربروں کی نزاع ایک نئی شدت کے ساتھ شروع ہوئی۔ معتضد نے قرطبہ پر بھی کئی حملے کیے لیکن قرطبہ کی تسخیر کی خواہش پوری نہ کر سکا۔

معتضد کی اس حکمتِ عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ باقی ملوک الطوائف نے اس کی ہوسِ ملک گیری سے بچنے کے لیے قسطلہ کے عیسائی حکمران کو اپنا سرپرست اور محافظ بنا لیا اور اُسے خراج ادا کرنے لگے۔ ۴۴۷ھ ہجری میں فرڈیننڈ اوّل نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھایا اور

بطلیوس کے حکمران مظفر سے چند شہر چھین لیے۔ ۴۴۹ھ ہجری میں اس نے سرقسطہ کے چند علاقہ چھین لیے۔

اندلس میں اشبیلیہ کے بعد اب طلیطلہ کی سلطنت سب سے طاقتور تھی اور طلیطلہ کا امیر مامون ذالنون بھی قرطبہ پر قابض ہونے کے لیے بے تاب تھا لیکن فرڈینینڈ نے اس کے بعض علاقے بھی چھین لیے۔ مامون نے لڑنے کی بجائے اُسے خراج دینا منظور کر لیا۔ سرقسطہ کا حکمران بھی فرڈینینڈ کا باجگزار بن گیا۔ اس کے بعد اشبیلیہ کی باری آئی۔ اہلِ اشبیلیہ کو معتضد سے یہ توقع تھی کہ وہ قسطلہ کے عیسائی حکمران کے جارحانہ اقدام کا ڈٹ کر مقابلہ کرے گا لیکن معتضد نے بھی فرڈینینڈ کو خراج دینا منظور کر لیا۔

معتضد کی اس کمزوری کے بعد ان لوگوں کی مایوسی کا اندازہ کرنا مشکل نہیں جو صرف اس امید پر اس کی سفاکی برداشت کر رہے تھے کہ وہ کسی دن اندلس کے مسلمانوں کو اس خطرۂ عظیم سے نجات دلائے گا جو قسطلہ کی سلطنت میں پل رہا تھا۔ اندلس کے کسی چوراہے میں اگر دو سنجیدہ آدمیوں کی ملاقات ہوتی تو ان کی گفتگو کا پہلا فقرہ یہ ہوتا کہ اب ہمارا کیا انجام ہو گا!

فرڈینینڈ اوّل کی موت کے بعد الفانسو ششم صلیب کا جھنڈا جبل الطارق تک لے جانے کا عہد کر چکا تھا اور معتضد کی موت کے بعد اشبیلیہ کی حکومت ایسے نوجوان کے ہاتھ آ چکی تھی جن کا سب سے بڑا کمال شاعری تھا۔ معتضد کے بیٹے نے مسندِ حکومت پر رونق افروز ہو کر اپنے لیے معتمد باللہ کا لقب پسند کیا۔

۴۵۸ھ ہجری میں فرڈینینڈ مر گیا۔ لیکن مسلمانانِ اندلس کو اہلِ قسطلہ کی چیرہ دستیوں سے نجات نہ ملی۔ الفانسو ششم نے قسطلہ کے تخت پر قابض ہوتے ہی سپین کے شمال میں عیسائیوں کی چھوٹی سلطنتوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کر لیا۔ قسطلہ کے ساتھ لیون، جلیقیہ

۵ے عربی تاریخوں میں ALPIUNS ؂ افونش اور ادفنش لکھا گیا ہے۔

اور النوار[1] کے الحاق سے الفانسو کی طاقت میں بہت اضافہ ہوا۔ اس کے بعد اس نے اسلامی اندلس کی طرف توجہ کی اور فرڈینینڈ کے طریق کار پر عمل کرتے ہوئے ملوک الطوائف کو یکے بعد دیگرے اپنا باجگزار بنا لیا۔ الفانسو کی ہوسِ ملک گیری بڑھتی گئی اور اندلس میں ملوک الطوائف کی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کی حدود جنوب کی طرف سمٹتی گئیں۔ الفانسو ایک امیر کی پیٹھ پر ہاتھ رکھتا اور دوسرے کو دھمکی دے کر اس سے بعض علاقے چھین لیتا۔ پھر دوسرے کو دوست بنا لیتا اور تیسرے کو اپنے مطالبات ماننے پر مجبور کر دیتا۔ اب کسی کو شبہ نہ تھا کہ الفانسو اندلس کے مسلمانوں کے ڈگمگاتے ہوئے اقتدار کو آخری ضرب لگانے کا عزم کر چکا ہے۔ عوام جنہیں الفانسو کا خراج مہیا کرنے کے لیے اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ اپنے نااہل امرا کی نذر کرنا پڑتا تھا انتہائی اضطراب کے دن گزار رہے تھے، بھاری ٹیکسوں کے باعث اندلس کے مسلمانوں کی صنعت و حرفت زوال پذیر تھی۔ بعض امرا نے عوام کا زیادہ سے زیادہ خون چوسنے کے لیے ٹیکس وصول کرنے کا کام یہودی اہلکاروں کے سپرد کر رکھا تھا۔ حق پرستوں کی نگاہیں کسی نجات دہندہ کی تلاش میں تھیں۔

(۳)

اشبیلیہ کا امیر معتمد ایک بلند پایہ شاعر تھا لیکن ایک قوم کی بدقسمتی نے اُسے حکمران بنا دیا تھا۔ معتمد کے وزیر، عہدیدار اور فوجی افسر، ان کی بیگمات اور لونڈیاں اور اس کے خواجہ سرا سب شاعر تھے۔ ابن عمار ایک پریشان روزگار شاعر تھا۔ چند سال قبل معتضد نے شلب فتح کرنے کے لیے جو فوج روانہ کی، اس کی سپہ سالاری اپنے کم سن بیٹے معتمد کے سپرد کی۔ محاصرۂ شلب کے دوران میں ابنِ عمار سے اس کی ملاقات ہوئی۔ ابنِ عمار نے معتمد کی شان میں پہلا قصیدہ لکھ کر ہی اسے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ شلب فتح کرنے کے بعد معتمد وہاں کا گورنر مقرر ہوا

---

[1] NAVARE عربی میں اسے النوار کہا جاتا ہے۔

تو اس نے ابنِ عمار کو اپنا مشیر بنا لیا۔ معتمد ایک پیدائشی شاعر ہونے کے باوجود سپاہیانہ خصلتوں کا مالک تھا۔ اگر اسے جوانی کی ابتدا ہی میں کچھ ایسے مصاحب، رفیق یا دوست مل جاتے تو ممکن تھا کہ اندلس کی ترقی اور خوشحالی کا نیا دور اس کا مرہونِ احسان ہوتا لیکن ابنِ عمار کی رفاقت نے اُسے پرلے درجہ کا عیش پسند بنا دیا۔ شلب میں معتمد نے ابن عمار کے ساتھ جس عیش و نشاط کے دن گزارے، ان کا ذکر اس کے کلام میں موجود ہے۔ معتضد کی وفات کے بعد معتمد نے سلطنت کی باگ ڈور سنبھال لی تو اس نے ابن عمار کی درخواست پر اُسے شلب کا گورنر مقرر کر دیا۔ یہ وہی شہر تھا جہاں لوگ کبھی اس کی مفلسی کا مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ ابنِ عمار شلب میں شاہانہ کروفر کے ساتھ داخل ہُوا۔ کسی زمانے میں وہ اس شہر کے تاجروں کے قصیدے لکھا کرتا تھا اب شلب کے شاعروں کا ایک لشکر اس کے پیچھے تھا۔ ابن عمار نے سب سے پہلے اس شخص کو چاندی کی ایک تھیلی بھر کر بھیجی، جس نے چند سال قبل ایک قصیدے کے عوض جو کا ایک توبرا بھیجا تھا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر تم مجھے جو کی بجائے گندم دیتے تو آج میں تمہیں چاندی کی بجائے سونا دیتا۔ ابن عمار نمائشی شان و شوکت کا بھوکا تھا اور شلب کا خزانہ اس کے دربار کی زینت، رقص و سرود کی محفلوں اور شراب و کباب کی دعوتوں پر صرف ہو رہا تھا۔ معتمد کی دلجوئی کے لیے اشبیلیہ میں شاعروں کی کمی نہ تھی لیکن ابنِ عمار کی جدائی وہ دیر تک برداشت نہ کر سکا، یہاں تک کہ اس نے ابن عمار کو شلب سے اشبیلیہ بلا لیا اور سلطنت کی وزارت اُسے سونپ دی۔

معتمد کے دربار میں رسائی حاصل کرنے کے لیے شاعری پہلا اور آخری زینہ تھا۔ اس لیے سلطنت کے تمام بڑے بڑے عہدوں پر شاعروں کا قبضہ تھا۔ جب قسطلہ کے اسلحہ خانوں میں دشمنانِ اسلام اپنی تلواریں تیز کر رہے تھے، اشبیلیہ کا حکمران اور اس کے اُمراء کئی کئی گھنٹے ایک ایک شعر کی نوک پلک دُرست کرنے میں صرف کر دیا کرتے تھے۔ جب لیون اور اشتالہ کے گرجوں میں صلیب کی فتح کے لیے دُعائیں کی جا رہی تھیں۔ اشبیلیہ کے ایوانوں میں

رقص و شراب کی محفلیں گرم تھیں۔

(۴)

شاعری اور ابنِ عمار کے بعد معتمد کو دُنیا میں سب سے زیادہ ایک عورت سے محبت تھی۔ شلب کی گورنری کے زمانے میں معتمد، ابن عمار کے ساتھ چند دنوں کے لیے اشبیلیہ آیا۔ ایک شام بھیس بدل کر یہ دونوں دریا کے کنارے تفریح گاہ میں ٹہل رہے تھے۔ ہوا کے جھونکوں سے دریا کی سطح پر ہلکی ہلکی لہریں پیدا ہو رہی تھیں، معتمد نے اپنے ساتھی کو دریا کی طرف متوجہ کرتے ہوئے یہ مصرع کہا ع

"نسیم کے جھونکوں سے پانی کی موجیں زرہ بن گئیں"

ابھی یہ دونوں دوسرا مصرع سوچ رہے تھے کہ پیچھے سے ایک ہلکا سا نسوانی قہقہہ سنائی دیا۔ الہڑ سی حسینہ جس کی آواز میں موسم بہار کے پرندوں کی دلکشی تھی۔ آنکھیں مٹکاتی ہوئی آگے بڑھی اور بولی

"اگر پانی کی سطح منجمد ہو جاتی تو یہ زرہ لڑنے والے کے کام آ سکتی۔"

معتمد اس کی حاضر جوابی سے زیادہ اس کی شکل صورت سے متاثر ہوا۔ نازنین مسکراہٹوں کے پھول برساتی ہوئی گزر گئی۔ معتمد بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ ابن عمار کے اشارے سے ایک خادم اس کا سُراغ لگانے کے لیے روانہ ہوا۔

اگلے دن جب خواجہ سرا نے اس حسینہ کو شاہی محل میں پہنچا دیا تو اُسے معلوم ہوا کہ اس کی شوخ نگاہوں کا شکار اشبیلیہ کا ولی عہد ہے۔

"تم کون ہو؟" معتمد نے بظاہر بے اعتنائی سے سوال کیا۔

"عالی جاہ! میں رمیک کی لونڈی ہوں۔"

"تمہارا نام؟"

"میرا نام اعتماد تھا لیکن اب مجھے رمیک کی لونڈی ہونے کے باعث رمیکیہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔"

معتمد نے چند بار اپنے دل میں اعتماد وزرمیکیہ کے الفاظ دہرانے کے بعد سوال کیا۔
"تمہاری شادی ہو چکی ہے؟"

"میں ایک لونڈی ہوں۔ عالی جاہ!" اس نے قدرے مغموم لہجے میں جواب دیا۔
"نہیں نہیں۔ تم ایک ملکہ ہو ــــ میرا مطلب ہے کہ اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو اشبیلیہ کا ولی عہد تمہیں اپنے تاج کا ہیرا بنانے کے لیے تیار ہے۔"

"عالی جاہ! آپ مذاق کرتے ہیں۔" رمیکیہ نے اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

معتمد نے کہا "میرے سوال کا جواب دو۔ رمیکیہ کیا تمہیں میری رفیقۂ حیات بننا منظور ہے؟"

رمیکیہ نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے جواب دیا "میں آپ کی کنیز بننا بھی اپنے لیے باعث فخر سمجھتی لیکن رمیک کی لونڈی کے تخیل کی پرواز اس محل کی چار دیواری تک کیسے پہنچ سکتی ہے؟"

"میں رمیک سے تمہاری آزادی خرید چکا ہوں۔ اب تمہاری پرواز پر کوئی پابندی نہیں۔ میرے سوال کا جواب دو!"

رمیکیہ مسکرائی۔ "شہزادے اگر آپ دل لگی نہیں کرتے تو میں آپ کے ہر سوال کا جواب دے چکی ہوں۔"

رمیکیہ کے ساتھ شادی کرنے کے بعد معتمد کے لیے ہر صبح، صبحِ مسرت، ہر شب شبِ نشاط تھی۔ رمیکیہ بذلہ سنجی، شیریں کلامی اور خوش ادائی اور حاضر جوابی میں اپنی مثال آپ تھی۔ اس کی ہر خواہش کو پورا کرنا معتمد اپنی زندگی کا اوّلین فرض سمجھتا تھا۔ حق گو اس بات سے نالاں تھے کہ رمیکیہ نے معتمد کو عیش و نشاط اور لہو و لعب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ لیکن رمیکیہ کے پاس ایسی شکایت کے جواب میں حقارت آمیز تبسم کے سوا کچھ نہ

تھا۔ معتمد کی مسند نشینی کے بعد سلطنت کے کاروبار میں رمیکیہ کا اشارہ ایک حکم سمجھا جاتا تھا۔ اب معتمد کی زندگی ہر لحاظ سے ایک شاعر کا خواب تھی۔ شعر و نغمہ کی مجلسوں اور ضیافتوں کا انتظام ابن عمار کے سپرد تھا اور حرم کے عیش و نشاط کو رمیکیہ نے اوجِ کمال تک پہنچا دیا تھا۔ مفکر، سیاستدان اور علوم و فنون کے ماہرین، شاہی محل کے خانساموں، باورچیوں اور سازندوں کی قسمت پر رشک کرتے تھے۔

قرطبہ، طلیطلہ اور اشبیلیہ

قرطبہ کی عظیم الشان سلطنت کسی زمانے میں بحیرۂ روم کے ساحل سے لے کر پرینیز کے پہاڑوں تک پھیلی ہوئی تھی لیکن اب اس کی وسعت اندلس کے ایک چھوٹے سے ضلع سے زیادہ نہ تھی۔ تاہم اس گئی گزری حالت میں بھی اموی خاندان کے دارالحکومت کو عروس البلاد کہا جاتا تھا اور ملوک الطوائف میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو قرطبہ پر قبضہ کرنے کے لیے بیقرار نہ ہو۔ اشبیلیہ کا حکمران معتمد اور طلیطلہ کا حکمران مامون ذوالنون، دُوسرے امراء کی نسبت زیادہ طاقتور تھے اور ان دونوں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ وہ اندلس کے شہنشاہ ہیں اس لیے قرطبہ پر پہلا حق بھی انہی کا ہے۔ چنانچہ ایک طرف مامون اور دوسری طرف معتمد قرطبہ کی سرحدوں پر اپنی افواج جمع کر رہے تھے۔ اب صرف یہ سوال تھا، کہ پہل کون کرے؟ معتمد کو یہ خطرہ تھا کہ اگر میں نے پہل کی تو مامون اہلِ قرطبہ کا طرف دار ہو کر میرے خلاف لڑے گا اور مامون کو یہ ڈر تھا کہ اگر میں نے قرطبہ پر حملہ کیا تو معتمد نہ صرف اہلِ قرطبہ کی اعانت کے لیے اپنی فوجیں بھیج دے گا بلکہ وہ براہِ راست طلیطلہ پر حملہ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔

قرطبہ میں آئے دن مسندِ حکومت کے لیے نئے نئے دعویداروں کی چیرہ دستیوں سے تنگ آ کر اکثر علماء اور عوام نے ایک عمر رسیدہ سیاستدان ابنِ جہور کو حکومت کی مسند پر بٹھا دیا۔ کچھ عرصہ علماء کی مجلسِ شوریٰ کے صلاح و مشورے سے حکومت کا کاروبار چلتا رہا لیکن جب ابنِ جہور کے بیٹے عبدالملک نے اپنے باپ کو سلطنت کے معاملات سے بے دخل کر کے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی تو سلطنت کے جمہوری خصائل ختم ہو گئے

اور مجلسِ شوریٰ جی حضوریوں کی ایک ٹولی بن کر رہ گئی۔

اس عرصے میں مامون ذوالنون، قسطلہ کے عیسائی حکمران الفانسو ششم کے ساتھ معاہدہ کر چکا تھا کہ اگر قرطبہ پر حملے کی صورت میں معتمد کے ساتھ اس کی ٹکر ہو گئی تو وہ اس کی مدد کریگا۔ ابنِ جہور کی حکومت کو کسی حد تک عوام کا اعتماد حاصل تھا۔ اس لیے مامون نے الفانسو کی حمایت کے یقین کے باوجود بھی حملہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن جب اُسے یہ معلوم ہوا، کہ حکومت کی گدی عبدالملک نے سنبھال لی ہے اور عوام اس کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو رہے ہیں تو اُس نے فوراً قرطبہ پر حملہ کر دیا۔ معتمد کے لیے اس کی یہ حرکت ناقابلِ برداشت تھی لیکن وہ کسی جوابی کاروائی کے لیے آمادہ نہ ہوا۔

اہلِ قرطبہ اس گئی گزری حالت میں بھی طلیطلہ کے حکمران اور وہ بھی الفانسو کے ایک باجگزار کی غلامی کی لعنت قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ لوگ جو عبدالملک کی گزشتہ بدعنوانیوں کے باعث قرطبہ کی سیاسیات سے کنارہ کشی کر چکے تھے، اپنے اپنے گوشوں سے نکل آئے اور انھوں نے یہ نعرہ بلند کیا "قرطبہ ہمارا ہے"!

عبدالمنعم کو زندگی میں پہلی بار کسی بڑے مقصد کے لیے کام کرنے کا موقع ملا اور اُس نے قرطبہ کے عوام کو ایک راہنما کی حیثیت سے اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا معترف بنا لیا۔ اُس نے قرطبہ کے اکابر کے ایک وفد کے ساتھ عبدالملک سے ملاقات کی اور اس ملاقات کے بعد اس نے شاہی ایوان کے دروازے پر جمع ہونے والے لوگوں کو یہ مژدہ سنایا کہ عبدالملک نے جنگ میں عوام کا تعاون حاصل کرنے کے لیے ہمارے یہ مطالبات مان لیے ہیں کہ وہ اختتامِ جنگ تک مجلسِ شوریٰ کے فیصلوں پر عمل کرے گا۔ فوج کی قیادت مجلسِ شوریٰ کی ہدایت کے مطابق تجربہ کار اور قابلِ اعتماد لوگوں کے ہاتھ میں دی جائے گی۔ غیر ذمہ دار اور نالائق عہدیداروں کو معزول کیا جائے گا۔ جنگ کے اختتام کے بعد قرطبہ کے علماء اور اکابر کا اجلاس طلب کیا جائے گا اور وہ عبدالملک کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے مجاز ہوں گے۔

عبدالمنعم کا یہ اعلان قرطبہ کے ہر کوچے، ہر مدرسے، ہر درس گاہ اور مسجد میں دہرایا جانے لگا اور عوام کا یہ نعرہ بلند ہوتا گیا۔ کہ "قرطبہ ہمارا ہے!"

ایک دن جب قرطبہ کے ایک سرحدی قلعہ پر مامون کے حملے کی خبر مشہور ہو چکی تھی۔ قرطبہ کے عوام جامعہ قرطبہ میں عبدالمنعم کی رُوح پرور تقریر سُن رہے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا:

"مسلمانو! یہ وہ مسجد ہے جہاں تمہارے اسلاف عبدالرحمان، الحکم اور المنصُور جیسے مجاہدوں کا اعلانِ جہاد سُننے کے لیے جمع ہوا کرتے تھے۔ اس کے فرش پر خدا کے ان بندوں کے سجدوں کے نشان ہیں، جن کے پاؤں تلے مغرور نصرانی بادشاہوں کے تاج روندے جاتے تھے۔ لیکن آج ہم اس لیے یہاں جمع ہوئے ہیں کہ تباہی کا سیلاب جو ہمارے گھروں تک پہنچ چکا ہے اسے کس طرح روکا جائے۔ آج ہمارے تیروں کی ہدف کفر کی پناہ گاہیں نہیں بلکہ ہمارے سامنے یہ مسئلہ ہے کہ ہم اپنی آزادی اور بقا کے لیے دشمنوں کی یلغار کو کیونکر روک سکتے ہیں۔ تم سن چکے ہو کہ طلیطلہ سے مامون ذالنّون قرطبہ کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ تم میں سے بعض لوگ شاید یہ خیال کرتے ہوں گے کہ مامون اور دوسرے ملوک الطوائف میں کوئی فرق نہیں۔ وہ اگر آئے گا تو زیادہ سے زیادہ عبدالملک کو قرطبہ کی مسندِ حکومت سے اتار کر خود اس کی جگہ بیٹھ جائے گا اور عوام کے لیے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ لیکن میری بات کان کھول کر سن لو۔ عبدالملک کو تمہاری بے حسی اور تمہارے امراء کی خود غرضی نے جنم دیا ہے۔ لیکن مامون اسلام کے بدترین دشمنوں کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔ اس کی آمد کے بعد طلیطلہ اور قرطبہ کے درمیان جو نیا راستہ تیار ہوگا، وہ نصرانی حملہ آوروں کے لیے ایک شاہراہ کا کام دے گا۔ مامون ہمارے لیے الفانسو کی غلامی کی زنجیریں لے کر آ رہا ہے۔ قرطبہ میں جو جھنڈا اس کے ہاتھوں نصب ہوگا، اس پر تم صلیب کا نشان دیکھو

گے۔ الزہرا میں اقتدار کی جو کرسیاں خالی ہوں گی وہ مامون اور اس کے خود غرض امراء کے نہیں بلکہ الفانسو اور اس کے سپاہیوں کے حصے میں آئیں گی۔ جو گردنیں مامون کے سامنے جھکیں گی ان پر کسی دن الفانسو کی تلوار لٹک رہی ہوگی۔ ہماری جو بستیاں اور شہر مامون کے قبضہ میں چلے جائیں گے، جو ہاتھ مامون کی غلامی کی زنجیریں پہنیں گے وہ کسی دن الفانسو کے حکم سے کاٹ دیے جائیں گے۔ جو لوگ اس مسجد میں جمع ہو کر مامون کی بیعت کریں گے وہ کسی دن اس منبر سے الفانسو کی بادشاہت کا اعلان سنیں گے!

مسلمانو! میں مامون کا راستہ روکنا چاہتا ہوں۔ اس لیے نہیں کہ میں عبدالملک کی حکومت سے مطمئن ہوں۔ اگر اس جنگ کے نتائج صرف دو حکمرانوں تک محدود رہتے تو مجھے اس کی طاقت آزمائی سے کوئی دلچسپی نہ ہوتی۔ میں قوم کو ان دونوں سے نجات دلانے کے لیے مناسب وقت کا انتظار کرتا۔ لیکن میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تباہی کے جس گڑھے کی طرف ہمیں مامون دھکیلنا چاہتا ہے، وہ اس قدر ہولناک ہے کہ ہم شاید دوبارہ کبھی نہ اُٹھ سکیں۔ مجھے یہ گوارا نہیں کہ یہ شہر جسے ہم اسلام کا آخری حصار بنانا چاہتے ہیں، عیسائی حملہ آوروں کی بیرونی چوکی بن جائے۔ میں بنی جہور کے اقتدار کے لیے نہیں بلکہ اپنی بقا کے لیے لڑنا چاہتا ہوں۔ مسلمانو! تم آج تک ملوک الطوائف کی خانہ جنگی تماشائیوں کی حیثیت میں دیکھتے رہے ہو لیکن آج تم مامون کے نیام میں جو تلوار دیکھ رہے ہو اس کا قبضہ الفانسو کے ہاتھ میں ہے اور اس تلوار کا ہر وار اُن لوگوں پر ہوگا جو مسلمانوں کی حیثیت میں زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ مامون نے الفانسو کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی سلطنت کی کئی بستیاں اس کے حوالے کر دی ہیں۔ ان بستیوں کے مسلمانوں کو بھیڑ

بکریاں سمجھ کر عیسائیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ تم اس سے یہ توقع نہ رکھو کہ وہ تمہیں عیسائیوں کے پاس فروخت کرنے سے دریغ کرے گا۔ اگر وہ اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہوا تو یہ کامیابی درحقیقت الفانسو کی کامیابی ہوگی اور میں یہ نہیں سمجھتا کہ تم میں سے کسی کو الفانسو کے عزائم کے متعلق غلط فہمی ہے۔ اگر ہم اس خطرے کو قرطبہ کی چار دیواری سے باہر نہ روک سکے تو اندلس کے مسلمان آہستہ آہستہ بحیرۂ روم کی طرف دھکیل دیے جائیں گے ......

ہمارے پیچھے بھیڑیوں کے لشکر ہوں گے اور سامنے سمندر کی لہریں لیکن اگر ہم خودکشی کا ارادہ نہیں کر چکے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہم اس خطرۂ عظیم کو روک سکتے ہیں۔ آج بھی مسلمانانِ قرطبہ میں اتنی ہمت ہے کہ وہ بڑے سے بڑے طوفان کا رُخ بدل سکیں۔ مامون اور اس کے نصرانی حلیفوں کا رُخ پھیرنے کے لیے صرف پچاس ہزار رضاکاروں کو میدان میں لایا جا سکتا ہے اور جب اہلِ قرطبہ میدان میں آئیں گے تو باقی اندلس کے مسلمان ان کی پشت پر ہوں گے اور ہم نہ صرف قرطبہ کو بچا سکیں گے بلکہ سارے اندلس کو ان ملوک الطوائف سے بچا سکیں گے جن کا وجود مسلمانانِ اندلس کے مستقبل کے لیے ایک دائمی خطرہ ہے۔ ان لوگوں میں سے اگر کسی کو اسلام کا مستقبل عزیز ہوگا تو وہ ہمارا ساتھ دے گا، ورنہ ہم ان کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو ملت کے غداروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

مسلمانو ! اب تقریروں کا وقت نہیں، اب مورچے بنانے اور خندقیں کھودنے کا وقت ہے، تم سن چکے ہو کہ دشمن قرطبہ سے دور نہیں، وقت کا نقیب تم سے صرف ایک سوال پوچھتا ہے اور وہ یہ سوال ہے کہ کیا تم تیار ہو؟"

سامعین جوش و خروش کے ساتھ یہ نعرے بلند کر رہے تھے "ہم تیار ہیں۔ ہم سب تیار ہیں!!!"

(۲)

عوام کو تیاری کا موقع دینے کے لیے عبدالملک کی فوج نے قرطبہ سے پیش قدمی کر کے مامون ذالنون کے لشکر کو سرحد پر روکنے کی کوشش کی۔ کئی دن فریقین کے درمیان معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ مامون برسوں کی تیاری کے بعد میدان میں آیا تھا، اس کی فوج اسلحہ کی برتری اور تعداد کے لحاظ سے قرطبہ کی فوج کے مقابلے میں کہیں زیادہ طاقتور تھی اس کے علاوہ الفانسو اور شمال کے عیسائی امراء جو اس کے زیر اثر تھے۔ مامون کی پشت پر تھے۔

بالآخر ایک فیصلہ کن معرکے میں قرطبہ کی افواج کو شکست ہوئی اور مامون اُن کا تعاقب کرتا ہوا قرطبہ کی چار دیواری تک پہنچ گیا۔ اس عرصے میں قرطبہ کے عوام کو تیاری کا موقع مل چکا تھا۔ علما کی کوششوں سے مختلف شہروں سے رضاکاروں کی ٹولیاں قرطبہ کی حفاظت کے لیے پہنچ رہی تھیں۔ قرطبہ کا عقب وادی الکبیر[1] کے باعث محفوظ تھا اور الزہرا کی عمارات وادی الکبیر کے دوسرے کنارے پر تھیں، اس لیے وہ خطرے کی زد سے باہر تھیں۔ قرطبہ اور الزہرا کے درمیان آمد و رفت کے لیے دریا کے راستے محفوظ تھے۔

مامون کے لشکر نے تین اطراف سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ کئی بار طلیطلہ کی افواج یلغار کرتی ہوئی قرطبہ کے دروازوں تک پہنچ گئیں لیکن اہل قرطبہ کی شدید مزاحمت کے باعث انہیں ہر بار پیچھے ہٹنا پڑا۔ تاہم مامون نے شدید نقصانات اٹھانے کے باوجود قرطبہ کا محاصرہ جاری رکھا۔ اُسے یہ امید تھی کہ الفانسو اس کی مدد کے لیے پہنچ جائے گا لیکن اس کی یہ توقع غلط ثابت ہوئی۔

الفانسو کو مامون کی فتح یا اہلِ قرطبہ کی شکست سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ صرف ان دو فریقوں میں جنگ کا خواہشمند تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ آپس کی زور آزمائی سے طلیطلہ اور قرطبہ اسقدر

---

[1] یہ وہ مشہور دریا ہے جس کے کنارے قرطبہ اور وہاں سے کچھ فاصلے پر مدینۃ الزہرا ہے اور اندلس کا دوسرا عظیم الشان شہر "اشبیلیہ" بھی اسی دریا کے کنارے آباد ہے۔

کمزور ہو جائیں کہ وہ کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر دونوں کو مغلوب کر سکے۔ اس نے قرطبہ پر حملہ کرنے کے لیے مامون کی پیٹھ ٹھونکی تھی لیکن جب مامون قرطبہ کی چار دیواری تک پہنچ گیا تو اس نے اپنے وعدوں کے باوجود اس کی اعانت کے لیے فوج نہ بھیجی۔ وہ مامون کے ایک حلیف کی حیثیت سے میدان میں آنے کی بجائے ایک تماشائی کی حیثیت میں قرطبہ کی جنگ کے نتائج کا انتظار کر رہا تھا۔

اب اشبیلیہ کے حکمران معتمد کی باری تھی، وہ اپنی فراست سے یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ الفانسو مامون کا دوست نہیں بلکہ وہ جنوب کی طرف پاؤں پھیلانے سے طلیطلہ کو ہڑپ کرنا ضروری سمجھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس نے مامون کی فوجی قوت زائل کرنے کے لیے اُسے قرطبہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی ہے۔

جب قرطبہ کے محاصرے نے طول کھینچا اور الفانسو کی طرف سے مامون کو کوئی کمک نہ پہنچی تو اس کا یہ یقین اور بھی پختہ ہو گیا، کہ الفانسو کو اس کی فتح کی بجائے اس کی شکست کے ساتھ زیادہ دلچسپی ہے۔ معتمد ہر میدان میں مامون کی شکست کو اپنی فتح سمجھتا تھا۔ اس کے جاسوس اسے قرطبہ کے حالات سے ہر وقت باخبر رکھتے تھے اور اُسے یہ اطمینان ہو چکا تھا، کہ مامون دیر تک محاصرہ جاری نہیں رکھ سکتا۔

لیکن قرطبہ میں جو حالات پیدا ہو رہے تھے وہ اس کے لیے پریشان کن تھے۔ اس کے جاسوس اسے بتا چکے تھے کہ قرطبہ آہستہ آہستہ اندلس کے تمام علماء کی توجہ کا مرکز بن رہا ہے۔ ان کی تبلیغ سے مختلف شہروں سے رضاکاروں کی جماعتیں قرطبہ میں جمع ہو رہی ہیں، اور اندلس کے بعض علماء کی یہ تحریک زور پکڑ رہی ہے۔ کہ قرطبہ کو مرکز بنا کر سارے اندلس پر اسلامی حکومت نافذ کی جائے اور عامۃ المسلمین کو ان ملوک الطوائف کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا جائے جو مسلمانوں کی عزت اور آزادی کو اپنے ذاتی اقتدار کی بھینٹ چڑھا رہے ہیں معتمد کے جاسوس اُسے یہ اطلاع بھی دے چکے تھے کہ بطلیوس کا حکمران عمر المتوکل

اہلِ قرطبہ کی مدد کے لیے پہنچ چکا ہے اور وہ بھی علماء کی اس تحریک کا حامی بن چکا ہے۔ مامون کو یقیناً شکست ہوگی لیکن اس کی شکست کے بعد قرطبہ میں علمائے دین کا اقتدار اس قدر بڑھ جائے گا کہ وہ بڑی سے بڑی طاقت کے ساتھ ٹکر لینے سے دریغ نہیں کریں گے، عبدالملک یا تو ان کے اشاروں پر چلے گا، ورنہ علماء کی مجلسِ شوریٰ اسے کان سے پکڑ کر مسندِ حکومت سے اُتار دے گی۔ ان حالات میں قرطبہ پر قبضہ کرنے کے لیے معتمد جس موقع کا منتظر ہے وہ کبھی نہیں آئے گا۔ بلکہ اُندلس میں اسلام کے احیاء کی یہ تحریک اشبیلیہ میں اس کے اقتدار کے لیے خطرے کا باعث ہوگی۔ اس کے شاعروں، وزیروں، امیروں اور اس کی ملکہ کو یہ گوارا نہ تھا، کہ اسلام کے نام لیوا کسی دن ان کے عشرت کدوں میں گھس آئیں اور ان کی عیش و نشاط کی محفلیں درہم برہم کر ڈالیں۔ بلکہ وہ قرطبہ اور الزہرا کے ایوانوں کو بھی اپنی عیاشی کے اڈے بنانا چاہتے تھے

(۳)

عبدالمنعم کی بیوی صبح کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا کر رہی تھی کہ صحن میں کسی کے پاؤں کی آہٹ سن کر اس کا دل دھڑکنے لگا۔ "اللہ تیرا شکر ہے!" اس نے تشکر کے آنسوؤں کے ساتھ دُعا ختم کی اور اُٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

اس کا شوہر زرہ میں ملبوس تھا۔ برآمدے کے قریب پہنچ کر اس نے اپنا چمکتا ہوا خود سر سے اتارا۔ اس کے تھکے ہوئے چہرے پر مُسکراہٹ دیکھ کر بیوی تمام کلفتیں بھول گئی۔

عبدالمنعم برآمدے میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ بیوی نے جھک کر اس کا موزہ اتارنا چاہا لیکن عبدالمنعم نے اُسے منع کرتے ہوئے کہا۔ "نہیں بیگم میں صرف ایک ساعت کے لیے آیا ہوں بیٹھ جاؤ!"

بیوی نے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔ "جنگ کی حالت ٹھیک ہے نا؟"

"بالکل ٹھیک ہے۔ رات کو دشمن کا حملہ بہت شدید تھا لیکن ہم نے انہیں بہت بڑی شکست دی ہے۔ اب ہم فیصلہ کن حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ بچے کہاں ہیں؟"

"سعد نماز پڑھتے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر الزہرا چلا گیا تھا اور احمد اور حسن باہر صحن میں ہیں۔ کل شام آپ نے سعد کو پھر اجازت دے دی تھی۔ ورنہ میں نے اُسے منع کر دیا تھا۔"

عبدالمنعم نے کہا۔ "آج رات لڑائی میں عبدالجبار میرے ساتھ تھا۔ وہ سعد سے بہت خوش معلوم ہوتا تھا۔"

"عبدالجبار کون! ادریس کا باپ؟"

"ہاں، وہ کہتا تھا کہ سعد نے ادریس اور اس کے تمام دوستوں کو اچھے خاصے تیرانداز بنا دیا ہے"

عبدالمنعم کی بیوی نے کہا۔ "سعد کہتا ہے کہ مامون کی فوجوں نے قرطبہ کی کئی بستیاں جلا دی ہیں۔ میں بچوں کی ایک فوج تیار کر رہا ہوں۔ بڑے ہو کر ہم طلیطلہ پر حملہ کریں گے اور مامون سے انتقام لیں گے۔"

احمد اور حسن صحن میں داخل ہوئے اور بھاگتے ہوئے اپنے باپ کے ساتھ لپٹ گئے۔

احمد نے سوال کیا۔ "ابا جان اشبیلیہ کی فوج کب آئے گی؟"

"بیٹا اشبیلیہ کی فوج شاید آج پہنچ جائے گی۔"

عبدالمنعم کی بیوی نے کہا۔ "شہر کے لوگ خوشیاں منا رہے ہیں۔"

عبدالمنعم نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ "اب مامون کو شکست دینے کے لیے ہمیں معتمد کی ضرورت نہ تھی۔"

اس کی بیوی نے کہا۔ "واقعی اشبیلیہ کا لشکر بہت دیر سے آیا ہے۔ پھر بھی یہ اچھا شگون ہے۔ میرے خیال میں اشبیلیہ کی فوج دیکھتے ہی مامون کا رہا سہا حوصلہ ٹوٹ جائے گا۔"

عبدالمنعم بولا۔ "مامون کا حوصلہ پہلے ہی ٹوٹ چکا ہے۔ اب خدا کرے، معتمد کی فوج کی آمد ہمارے لیے کسی نئی مصیبت کا پیش خیمہ ثابت نہ ہو۔ اگر وہ خلوص دل سے قرطبہ کی مدد کرنا چاہتے تھے، تو انہیں کئی دن پہلے یہاں پہنچنا چاہیے تھا۔ اب بھی وہ ایک ہفتہ سے قرطبہ سے بیس میل دور پڑاؤ ڈال کر مشاعرے کر رہے ہیں۔ کل ہمیں اطلاع ملی تھی کہ وہ وہاں

سے کوچ کر چکے ہیں اور شام تک یہاں پہنچ جائیں گے۔ شام کے وقت فوج ان کے استقبال کے لیے الزہرا میں جمع ہو گئی تھی اور کئی رضاکار بھی بازاروں کو سجانے میں مصروف ہو گئے تھے۔ عشا کی نماز کے بعد ہمیں اطلاع ملی کہ اشبیلیہ کی فوج یہاں سے آٹھ میل کے فاصلے پر رک گئی ہے اور وہ صبح تشریف لائیں گے۔ دشمن کو شاید ان واقعات کا علم ہو گیا تھا۔ اس نے رات کے وقت پوری قوت کے ساتھ تین اطراف سے حملہ کر دیا۔ اگر بطلیوس کے سپاہی ڈٹ کر مقابلہ نہ کرتے تو اس وقت شہر پر مامون کا قبضہ ہو چکا ہوتا۔ دشمن کو رات کے تیسرے پہر شہر پناہ سے پیچھے ہٹانے کے بعد میری یہ کوشش تھی کہ ہم فیصلہ کن حملہ کریں لیکن بدقسمتی سے لوگوں میں وہ پہلا سا جوش و خروش باقی نہیں رہا، قرطبہ کی فوج کے اکثر رضاکار بھی یہ محسوس کر رہے ہیں کہ دشمن پر آخری ضرب لگانے کے لیے صرف اشبیلیہ کی فوج کافی ہوگی۔ اگر ان کے سر پر علماء کا پہرا نہ ہو تو وہ اپنے اپنے مورچے چھوڑ کر گھروں کی طرف بھاگ آئیں۔"

خادمہ نے آکر بتایا کہ کھانا تیار ہے اور عبدالمنعم اُٹھ کر اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ کھانے کے کمرے میں داخل ہوا۔

(۴)

ادریس تیر کمان ہاتھ میں لیے اپنے مکان کے سامنے وسیع باغ میں کھڑا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ ایک کبوتر فضا میں اڑتا ہوا آیا۔ اس نے جلدی سے نشانہ باندھ کر تیر چلا دیا لیکن کبوتر بچ کر نکل گیا۔ پیچھے سے اسے ایک قہقہہ سُنائی دیا۔ ادریس نے غصے کی حالت میں مڑ کر دیکھا تو اس کی چھوٹی بہن میمونہ ہاتھ میں ایک گڑیا لیے کھڑی تھی۔

"تم کس بات پر ہنسی ہو؟" ادریس نے برہم ہو کر کہا۔

میمونہ اُسے جواب دیے بغیر بھاگی اور زمین پر گرا ہوا تیر اُٹھا لائی۔ "یہ لو!" اُس نے شرارت آمیز تبسم سے اپنے بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ادریس نے تیر پکڑنے کی بجائے میمونہ کے دوسرے ہاتھ سے گڑیا چھین لی اور اسے پاس ہی ایک درخت پر پھینک دیا۔

گڑیا درخت کی ایک شاخ پر اٹک کر رہ گئی۔ میمونہ نے تیر پھینک دیا اور کچھ دیر منہ بسورنے کے بعد درخت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اتار لوں گی!"

"کیسے اتارو گی؟"

میمونہ پاس ہی ایک کیاری سے مٹی کے ڈھیلے اٹھا کر درخت پر پھینکنے لگی!

"تم سے نہیں اترے گی۔ دیکھو میں تیر کے ساتھ نشانہ کرتا ہوں۔ ابھی نیچے آجائے گی

یہ کہتے ہوئے ادریس نے گڑیا کا نشانہ کرنے کی کوشش کی لیکن میمونہ بھاگ کر اس کے بازو کے ساتھ لپٹ گئی۔ "نہیں۔ نہیں میری گڑیا پر تیر مت چلاؤ!"

ادریس نے کہا۔ "اچھا، چھوڑو۔ میں ڈھیلا مار کر اتار دیتا ہوں۔"

میمونہ نے ادریس کا بازو چھوڑ دیا۔ ادریس ڈھیلا اٹھانے کے لیے بڑھا لیکن اتنی دیر میں باہر پھاٹک پر سعد نمودار ہوا اور ادریس گڑیا کا خیال چھوڑ کر اس کی طرف بڑھا۔

"آج باقی لڑکے نہیں آئے؟" سعد نے گھوڑے سے اترتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں وہ آج نہیں آئے، وہ سب اشبیلیہ کے لشکر کا جلوس دیکھنے چلے گئے ہیں۔"

"لیکن ابھی تو اشبیلیہ کا لشکر نہیں آیا؟"

"وہ کہتے تھے کہ وہ یہاں سے بالکل قریب پہنچ چکے ہیں۔ آج الزہرا کو بہت سجایا گیا ہے۔ کہتے ہیں معتمد کا وزیر ابنِ عمار بھی فوج کے ساتھ ہے۔"

سعد نے کہا۔ "چچا الماس کہتا تھا کہ وہ صرف شعر کہنا اور شطرنج کھیلنا جانتا ہے۔"

"میرے ابا جان بھی کہتے تھے کہ وہ آٹھ دن سے بیس میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ شاید راستے میں شطرنج کھیلتے ہوں گے!"

ادریس سعد کا گھوڑا لے کر اصطبل کی طرف چلا گیا۔

میمونہ کچھ دیر چند قدم دور کھڑی رہی اور پھر درخت کے قریب پہنچ کر اوپر ڈھیلے پھینکنے لگی۔

"کیا ہے میمونہ؟" سعد نے اس کے قریب جا کر سوال کیا۔

"ادریس نے درخت پر میری گڑیا درخت پر پھینک دی ہے۔" میمونہ نے شکایت کے لہجے میں جواب دیا۔

"ٹھہرو میں اتار دیتا ہوں۔" سعد نے کمان میں تیر چڑھاتے ہوئے کہا۔

میمونہ نے احتجاج کیا۔ "نہیں نہیں۔ دیکھو میری گڑیا!"

"تم فکر نہ کرو۔ میرا تیر تمہاری گڑیا کو نہیں لگے گا۔" سعد نے یہ کہہ کر تیر چھوڑ دیا۔ ٹہنی میں تیر لگنے سے گڑیا نیچے گر پڑی اور میمونہ نے اٹھا کر اسے گلے لگاتے ہوئے کہا:

"اگر بھائی ادریس نشانہ کرتا تو اس کا تیر ضرور اس کی آنکھ میں لگتا۔"

"ادریس کا نشانہ ایسا برا تو نہیں۔"

"ہو نہہ برا نہیں۔ اس نے ابھی اڑتے ہوئے کبوتر پر نشانہ کیا تھا تو تیر زمین پر آگرا تھا۔"

سعد نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تیر تو میرا ابھی زمین پر آگرا ہے۔"

کچھ دیر دونوں خاموش رہے۔ اچانک میمونہ نے سوال کیا۔ "تم میری گڑیا کا نام جانتے ہو؟"

"نہیں — گڑیوں کے نام بھی ہوتے ہیں؟"

"کیوں نہیں ہوتے؟"

"اچھا بتاؤ کیا نام ہے تمہاری گڑیا کا؟"

"اس کا نام ہے سلطانہ رمیکیہ۔ جانتے ہو سلطانہ رمیکیہ کون ہے؟"

"تم نے ابھی تو کہا ہے کہ یہ تمہاری گڑیا کا نام ہے۔"

"نہیں امی جان کہتی تھیں کہ سلطانہ رمیکیہ اشبیلیہ کی ملکہ ہے۔"

سعد نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تو تمہاری گڑیا اشبیلیہ کی ملکہ ہے۔"

میمونہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

سعد نے کہا "تمہاری گڑیا کے لیے رمیکیہ کچھ اچھا نام نہیں۔ اس لیے تم اسکا کوئی اور نام رکھو۔"

میمونہ نے پریشان ہو کر سوال کیا "اچھا تم بتاؤ کیا نام رکھوں اس کا؟"

"تم اسے میمونہ کہا کرو۔ یہ نام بہت اچھا ہے۔"

میمونہ نے پھر ہنستے ہوئے کہا "میمونہ تو میرا اپنا نام ہے۔"

اتنی دیر میں ادریس گھوڑا باندھ کر واپس آ گیا اور دونوں تیر اندازی کی مشق کے لیے باغ کی طرف چل دیے۔ میمونہ ان کے پیچھے پیچھے جا رہی تھی۔

اشبیلیہ کی فوج نے قرطبہ اور الزہرا کے درمیان وادی الکبیر کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا۔ معتمد کا بیٹا عباد اور اس کا وزیر ابنِ عمار اس فوج کے ساتھ آئے تھے۔ اہلِ قرطبہ نے اُن کے استقبال میں بے پناہ جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ اب عوام نہ صرف اپنی فتح کے متعلق پُر امید تھے۔ بلکہ وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ دشمن کو شکست دینے کے بعد وہ طلیطلہ تک اس کا تعاقب جاری رکھ سکیں گے۔ تاہم بطلیوس کا حکمران عمر المتوکل جو ایک ہزار سواروں کے ساتھ اہلِ قرطبہ کی مدد کے لیے آیا تھا۔ اس صورتِ حال سے خوش نہ تھا۔ اس نے عبد الملک کو سمجھایا کہ تم اشبیلیہ والوں کے خلوص پر بھروسہ کر کے غلطی کر رہے ہو لیکن عبد الملک کے صلاح کاروں کے سامنے اس کی پیش نہ گئی۔ عبد المنعم اور اس کے چند ہم خیال [illegible] کے سوا کوئی اشبیلیہ والوں کی نیّت پر شبہ کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ عمر المتوکل نے آزردہ خاطر ہو کر اپنے سپاہیوں کو واپسی کا حکم دیا عوام نے ان کی آمد پر خوشی کے نعرے لگائے تھے لیکن اپنے نئے مددگاروں کی تعداد دیکھ کر انھوں نے ایک ہزار سواروں کے بگڑ کر واپس چلے جانے کو کوئی اہمیت نہ دی۔

عبد الملک، ابنِ عمار اور قرطبہ کے رہنماؤں کے درمیان یہ فیصلہ ہوا کہ مامون کو شکست دینے کے بعد پوری قوت کے ساتھ اس کا تعاقب کیا جائے۔ چنانچہ [illegible] ہفتوں کی تیاری کے بعد ایک دن علی الصباح اچانک شہر کے دروازے کھول دیے گئے، اور قرطبہ اور اشبیلیہ [illegible] افواج اور رضا کاروں کی جماعتوں نے شہر سے باہر نکل کر دشمن پر حملہ کر دیا۔ دوپہر کے

وقت مامون کی فوج شکست کھا کر بھاگ گئی تھی۔ شام کے وقت جب عبد الملک اور اُس کے ساتھی دشمن کے تعاقب میں قرطبہ سے چند کوس دور جا چکے تھے تو انھیں اس بات کا احساس ہوا کہ اشبیلیہ کے بیشتر سپاہیوں نے یا تو تعاقب میں حصّہ ہی نہیں لیا اور اگر حصّہ لیا ہے تو وہ واپس لوٹ گئے ہیں۔ ابنِ عمار اور عباد بھی پیچھے رہ گئے تھے۔ اشبیلیہ کے سات ہزار سپاہیوں میں سے صرف دو ہزار ان کے ساتھ تھے۔

رات کے وقت جب تھکے ہوئے سپاہیوں نے ایک چھوٹے سے شہر میں قیام کیا، تو عبد الملک نے قرطبہ کے لیڈروں کی ایک خفیہ مجلس بلائی۔ بعض نے یہ خیال ظاہر کیا، کہ اشبیلیہ کی فوج اپنی بزدلی اور تساہل کے باعث پیچھے رہ گئی ہے۔ عبد المنعم بھی اس مجلس میں شریک تھا اور وہ ان لوگوں کا ہم خیال تھا جو ابنِ عمار کا پیچھے رہنا خطرناک سمجھتے تھے۔ بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ عبد الملک پانچ سو سواروں کے ساتھ فوراً واپس چلا جائے اور باقی فوج یہیں ٹھہر کر قرطبہ کی اطلاعات کا انتظار کرے۔

جب یہ لوگ اس قسم کی باتیں کر رہے تھے۔ قرطبہ کی اسٹیج پر نیا کھیل کھیلا جا رہا تھا۔

ابنِ عمار بظاہر تین ہفتوں سے مامون پر فیصلہ کن حملہ کی تیاریوں میں مصروف تھا لیکن در اصل اس کا مقصد کچھ اور تھا۔ وہ اشبیلیہ سے اپنے ساتھ سونے اور چاندی کے انبار لے کر آیا تھا اور تحائف اور انعامات کے عوض ان خود غرض لوگوں کے ضمیر خرید چکا تھا جنہیں عبد الملک نے مجلسِ شوریٰ کے مطالبے پر ملازمتوں سے برطرف کر دیا تھا۔ عیش پسند [illegible] کا ایک گروہ اس جنگ کے باعث علمائے دین کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو اپنے لیے خطرناک سمجھتا تھا۔ یہ لوگ پہلے ہی معتمد کے ساتھ ساز باز کر چکے تھے۔ خوشامدی شاعر جو یہ سمجھتے تھے کہ قرطبہ میں اسلامی نظامِ حکومت کے بعد ان کے قصائد سن کر انعام دینے والے [illegible] ہو جائیں گے۔ سب سے زیادہ پریشان تھے۔

ابنِ عمار ان سب کو یقین دلا چکا تھا کہ معتمد تمہارا نجات دہندہ ہے۔ یہ لوگ قرطبہ کے

بازاروں میں معتمد اور ابنِ عمار کا کلام پڑھ کر لوگوں کو سناتے تھے اور ان کی سخاوت اور دریا دلی کی داستانیں سنا کر لوگوں پر یہ اثر ڈالنے کی کوشش کرتے تھے کہ عبدالرحمٰن اعظم (ثالث) کے بعد اندلس کے مسلمان اگر کسی کی ذات پر فخر کر سکتے ہیں تو وہ معتمد ہے۔

حریص لوگوں کی نگاہیں ابنِ عمار کے سونے اور چاندی سے خیرہ ہو رہی تھیں۔ جاہ پسندوں کو خوش کُن وعدوں کے ساتھ خریدا جا چکا تھا۔ الزہرا کے محافظ اور خواجہ سراؤں کو تحائف اور انعامات دیے جا چکے تھے۔

اہلِ قرطبہ صرف معتمد کے وزیر کے فیاض ہاتھوں کو دیکھ کر متاثر ہو رہے تھے، کسی کو یہ خیال تک نہ تھا کہ ان ہاتھوں میں ایک زہر آلود نشتر بھی چھپا ہوا ہے۔ ابنِ عمار نے اپنی سازش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کمال رازداری سے کام لیا تھا۔

قرطبہ کے علما اپنے اپنے مورچوں پر ڈٹے ہوئے تھے۔ ابنِ عمار بارہا یہ اعلان کر چکا تھا کہ اس کی منزل طلیطلہ ہے اور قرطبہ کے بے حد محتاط لوگ بھی اس کی نیک نیتی پر شبہ کرنے کے لیے تیار نہ تھے جب فیصلہ کُن حملہ کیا گیا، تو ابنِ عمار نے اپنے دو ہزار سپاہی الزہرا اور قرطبہ کے درمیان اپنے پڑاؤ ہی میں روک لیے۔ پانچ ہزار سپاہیوں نے اہلِ قرطبہ کا ساتھ دیا لیکن مامون کو شکست دے کر چند میل ان کا تعاقب کرنے کے بعد ان میں سے تین ہزار ایک طرف سے چکر کاٹ کر واپس آ گئے۔ عوام فتح کی خوشی میں مست تھے۔ اس لیے کسی ذی شعور لیڈر نے ان کے واپس آنے پر اعتراض بھی کیا تو انھوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ معتمد کا بیٹا عباد مسجدِ قرطبہ کے دروازے کی سیڑھیوں پر کھڑا فتح کی خوشی میں لوگوں پر سونے اور چاندی کے سِکّے پھینک رہا تھا اور لوگ اس پر پھول نچھاور کر رہے تھے۔ شہر کے ہر چوک میں قرطبہ اور اشبیلیہ کے مشہور شاعر اپنے سپاہیوں کے بہادرانہ کارنامے بیان کر رہے تھے۔ رات کو شہر میں چراغاں کیا گیا۔

عبدالملک اپنی فوج کے پانچ سو سواروں کے ساتھ رات کے تیسرے پہر شہر

میں داخل ہوا تو اس وقت بھی بعض بازاروں اور کوچوں میں لوگوں کی چہل پہل تھی، عبدالملک اور اس کے ساتھیوں کو اطمینان ہوا، کہ ان کے خدشات بے بنیاد تھے۔ اس نے قصرِ زہرا کا رُخ کیا لیکن وہاں سے تھوڑی دُور اشبیلیہ کی فوج کے ایک دستے نے اس کا راستہ روک لیا اور اس دستے کے سالار نے آگے بڑھ کر کہا "ٹھہریے! آپ آگے نہیں جا سکتے!"

عبدالملک کے ایک ساتھی نے کہا "تم ہمارا راستہ روکنے والے کون ہو؟"

"ہمیں حکم ہے کہ شہر کے کسی آدمی کو مدینۃ الزہرا کی طرف نہ جانے دیا جائے۔"

"یہ سلطان عبدالملک ہیں اور تم ان کا راستہ نہیں روک سکتے!"

"آپ کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ یہ سلطان عبدالملک ہیں؟ وہ تو دُشمن کے تعاقب میں گئے ہوئے ہیں!"

عبدالملک کی فوج کے ایک اور افسر نے اپنا گھوڑا آگے بڑھا کر دبی زبان میں اس سے کہا "یہ کوئی سازش ہے۔ ہمارے لیے شہر جانا بہتر ہوگا۔"

عبدالملک نے بلند آواز میں اپنے ساتھیوں سے کہا "ہم واپس جا کر شہر میں قیام کریں گے" لیکن جب وہ واپس مڑ کر شہر کا رُخ کر رہے تھے، تو اچانک رات کی تاریکی میں انھیں گھوڑوں کی ٹاپ سُنائی دی اور اشبیلیہ کے سواروں نے جو سڑک کے آس پاس موقع کے منتظر تھے، ان کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ عبدالملک کے بعض ساتھی حملہ آوروں کا گھیرا توڑ کر اِدھر اُدھر نکل گئے اور دوسروں نے معمولی مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈال دیے۔

صبح کے وقت عبدالملک اپنے محل کے قریب ایک قید خانے میں پڑا ہوا تھا۔ اس کا باپ ابن جہور اور اس کے خاندان کے باقی افراد اور الزہرا کے بااثر امراء پہلے ہی وہاں پہنچ چکے تھے۔ عبدالملک کو ان کی زبانی معلوم ہوا کہ ابنِ عمار نے قرطبہ کے بعض غداروں اور الزہرا کے پہریداروں کے ساتھ ساز باز کر کے عشا کی نماز سے تھوڑی دیر بعد ہی الزہرا پر قبضہ کر لیا تھا۔

قرطبہ کی جو فوج مامون کے تعاقب میں گئی تھی اُسے بھی ایک غیر متوقع صورتحال کا سامنا کرنا پڑا۔ عبدالملک کی روانگی سے تھوڑی دیر بعد اشبیلیہ کی فوج کے سالار نے بھی اپنے دو ہزار سپاہیوں کو واپسی کا حکم دیا۔

عبدالمنعم نے اشبیلیہ کے سالار کو روکنے کی کوشش کی لیکن اس نے جواب دیا ہم قرطبہ جاکر اپنی باقی فوج کا حال معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ عبدالمنعم نے اُسے سمجھایا کہ اس مقصد کے لیے چند سواروں کو بھیج دیں۔ وہ کل تک تمام حالات معلوم کرکے واپس آجائیں گے لیکن اشبیلیہ کے سپہ سالار نے یہ کہہ کر بحث ختم کردی کہ ہم بہتر سمجھتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے!

اشبیلیہ کے سالار کے اس طرزِ عمل کے بعد قرطبہ کے سپاہیوں کے یہ شکوک اور بھی پختہ ہوگئے کہ قرطبہ میں کوئی خطرناک سازش ہو رہی ہے۔

قرطبہ کے سالار نے رضاکاروں کے قائد عبدالمنعم سے مشورہ کرنے کے بعد آدھی رات کو یہ فیصلہ کیا کہ ان حالات میں ہمیں یہاں ٹھہرنے کی بجائے قرطبہ کا رُخ کرنا چاہیئے۔

یہ فوج اگلے دن قرطبہ میں داخل ہوئی تو قرطبہ کی عمارات پر معتمد کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔

(۶)

عبدالمنعم نے شہر میں داخل ہوتے ہی سیدھا اپنے مکان کا رُخ کیا۔ دروازے پر شہر کا نیا کوتوال، اشبیلیہ کی فوج کے دو افسر اور چند سپاہی اس کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ نیا کوتوال قرطبہ کے ان فوجی افسروں میں سے تھا جو کچھ عرصہ قبل علمائے قرطبہ کے مشورے سے معزول کیے جاچکے تھے۔

عبدُالمنعم نے اپنا گھوڑا روکا تو کوتوال نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔ "آپ فوراً ہمارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوجائیں۔ قصرِ زہرا میں آپ کا انتظار ہو رہا ہے!"

"کیا یہ حکم ہے!" عبدالمنعم نے اطمینان سے سوال کیا۔

کوتوال کے بجائے اشبیلیہ کے افسر نے جواب دیا۔ "اگر آپ حکم کے بغیر ہلنے کے عادی نہیں تو یہی سمجھ لیجیے!"

"کس کا حکم ہے؟"

"یہ قرطبہ کے گورنر عباد ابنِ معتمد کا حکم ہے۔"

عبدالمنعم نے کہا۔ "تو لومڑی اپنا جال بچھا چکی ہے۔"

اشبیلیہ کے فوجی گورنر کا چہرہ غصّے سے تمتما اُٹھا لیکن کوتوال نے اسے بولنے کا موقع دینا نامناسب سمجھتے ہُوئے کہا۔ "ہم آپ کے ساتھ بحث نہیں کرنا چاہتے۔ ہمیں حکم ہے کہ اگر آپ مزاحمت نہ کریں تو آپ کو عزت کے ساتھ لایا جائے ورنہ گرفتار کرکے وہاں پہنچایا جائے۔ اگر آپ وعدہ کریں کہ بھاگنے کی کوشش نہیں کریں گے تو ہم آپ کو تھوڑی دیر کے لیے گھر جانے کا موقع دینے کے لیے تیار ہیں۔"

عبدالمنعم نے اپنے ایک نوکر کو اشارہ کیا اور نیچے اتر کر گھوڑا اس کے حوالے کرتے ہوئے کوتوال سے کہا۔ "اگر کسی کے گھر میں چور گھس آئیں تو وہ گھر چھوڑ کر بھاگ نہیں جاتا۔ میں ابھی آتا ہوں۔" یہ کہہ کر عبدالمنعم گھر میں داخل ہوگیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے مکان کے صحن میں اپنے بیوی اور بچوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ بیوی نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔ "آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ قرطبہ میں معتمد کی بادشاہت کا اعلان ہوچکا ہے۔"

"ہاں۔" عبدالمنعم نے اپنے چہرے پر مغموم مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

بیوی نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ "آپ کے بہت سے دوست جنہوں نے معتمد کی حکومت تسلیم کرنے سے انکار کردیا تھا گرفتار کرلیے گئے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے۔"

عبدالمنعم یہ کہہ کر سعد کی طرف متوجہ ہوا۔ "سعد بیٹا! تم باہر جاؤ، اپنے بھائیوں کو بھی لے جاؤ۔ میں تمہیں ابھی بلاتا ہوں۔"

سعد، احمد اور حسن ڈیوڑھی میں چلے گئے۔ تو عبدالمنعم نے اپنی بیوی سے کہا۔ "انھوں نے

مجھے بلانے کے لیے سپاہی بھیجے ہیں۔"

بیوی نے جواب دیا "مجھے معلوم ہے۔ وہ دیر سے ہمارے مکان پر پہرہ دے رہے ہیں۔"

عبدالمنعم نے کہا "دیکھو اگر مجھے واپس آنے میں دیر لگے تو بہتر ہوگا کہ تم بچوں کو غرناطہ لے جاؤ۔"

"نہیں۔ نہیں" بیوی نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔

"اس وقت تم شاید نہ سمجھ سکو۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد تم یہ محسوس کرو گی کہ قرطبہ کا ماحول ان بچوں کی تربیت کے لیے سازگار نہیں۔ یہاں ان کے سینوں سے غیرت کی چنگاریاں بجھ جائیں گی۔ معتمد کی بادشاہت یہاں اپنے ساتھ عیاری، مکاری اور فحاشی کا سیلاب لے کر آئے گی۔ یہاں زندگی کی قدریں یکسر بدل دی جائیں گی۔ ان بچوں کو میرا ادھورا کام پورا کرنا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ غرناطہ قرطبہ سے بہت بہتر ہے۔ لیکن وہاں ان کی نگرانی اور تربیت کے لیے ان کے خالو موجود ہیں۔"

بیوی نے کہا "اگر یہ آپ کا حکم ہے تو مجھے انکار کی مجال نہیں لیکن کیا آپ ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے؟"

"نہیں ابھی نہیں۔ میں ڈوبتی ہوئی کشتی کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ طوفان عارضی ہے۔ ہم ایک چھوٹے سے مقصد کے لیے لڑ رہے تھے۔ خدا ہمیں ایک بڑے مقصد کی طرف بلا رہا ہے۔ اگر میں یہ سمجھتا کہ اس مقصد کے لیے تمہارا بھی یہاں رہنا ضروری ہے تو میں تمہیں غرناطہ جانے کا مشورہ نہ دیتا۔ ممکن ہے کہ میں آج واپس لوٹ آؤں۔ ممکن ہے کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہو۔ لیکن میں تم سے توقع رکھتا ہوں کہ ان بچوں کو تمہارا پہلا اور آخری سبق یہ ہوگا کہ ایک مسلمان کا مقصد اس کی زندگی سے بڑا ہے۔"

بیوی نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا "میرے آقا! اس سبق کی مجھے بھی ضرورت تھی۔"

عبدالمنعم نے کہا "عبدالجبار رات کے وقت دشمن کے تعاقب میں زخمی ہو گیا تھا۔ اس کی حالت بہت خراب تھی۔ میں الیاس کو اس کی حفاظت کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔ الیاس اُسے گھر پہنچا کر شام تک یہاں آ جائے گا۔ آپ گھر کا سارا انتظام اس کے سپرد کر دیں۔

اگر ضرورت پڑے، تو کل تو گھوڑے فروخت کروا دیں۔"

بیوی نے کہا "کل جب آپ دشمن کے تعاقب میں جا چکے تھے، عبدالجبار کی بیوی اپنے بچوں کے ساتھ مجھے فتح کی مبارکباد دینے آئی تھی، وہ کہتی تھی اس کے خاوند نے فتح کے بعد اُسے حج پر لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ عبدالجبار کے زخم زیادہ تشویشناک تو نہیں؟"

"طبیب اس کے متعلق بہت پریشان تھے۔ وہ قرطبہ سے تھوڑی دور زخمی ہو گیا تھا لیکن ہمیں اس کے زخمی ہونے کا اس وقت علم ہوا جب وہ بیہوش ہو کر گھوڑے سے گر پڑا تھا۔"

عبدالمنعم نے بچوں کو آواز دی اور وہ بھاگتے ہوئے اس کے پاس آ گئے۔ عبدالمنعم نے انہیں یکے بعد دیگرے اٹھا کر گلے لگایا اور پھر سعد کی طرف متوجہ ہو کر کہا "سعد بیٹا! میں ایک ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں۔ میری غیر حاضری میں اپنے بھائیوں کا خیال رکھنا اور اپنی امی کو تنگ نہ کرنا۔"

حسن نے اپنے باپ کی ٹانگوں سے لپٹتے ہوئے کہا "ابا جان مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیے، آپ نے وعدہ کیا تھا کہ جب لڑائی ختم ہو گی آپ مجھے ساتھ لے جایا کریں گے۔"

"ابھی لڑائی ختم نہیں ہوئی بیٹا!" عبدالمنعم نے حسن کو دوبارہ گلے لگاتے ہوئے کہا۔ پھر ایک لمحے کے لیے سعد، احمد اور اپنی بیوی کی طرف دیکھنے کے بعد اس نے حسن کو نیچے اتار دیا اور خدا حافظ کہہ کر لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔

بچے اپنی ماں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سعد کی پرنم آنکھیں بتا رہی تھیں، کہ وہ دوسروں کی نسبت زیادہ جانتا ہے۔

(۷)

عبدالمنعم کو قصرِ زہرا کے دارالامراء میں عباد اور ابن عمار کے سامنے پیش کیا گیا۔ عباد معتمد کے گورنر کی حیثیت سے مسندِ حکومت پر رونق افروز تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ ابن عمار اور بائیں طرف اشبیلیہ کا قاضی بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے پیچھے اشبیلیہ کے فوجی افسروں کی

کرسیاں تھیں۔ مسند سے نیچے قرطبہ کے ان امراء کی کرسیاں تھیں جو معتمد کی بادشاہت تسلیم کرچکے تھے۔ ان کرسیوں کے پیچھے پہریدار اور سپاہی صف بستہ کھڑے تھے۔ مسند کے پاس دونوں طرف چند کرسیاں کسی خاص مقصد کے لیے خالی رکھی گئی تھیں۔

عبدالمنعم سپاہیانہ وقار کے ساتھ دربار میں داخل ہوا۔ اس نے ایک حقارت آمیز تبسم کے ساتھ ان امراء کی طرف دیکھا جو ان کرسیوں پر بیٹھنے کے لیے قرطبہ کی عزت اور آزادی کا سودا کرچکے تھے۔ کسی کو اس کے ساتھ آنکھ ملانے کی ہمت نہ ہوئی۔ ابن عمار کے اشارے سے اشبیلیہ کا ایک فوجی افسر اُٹھا اور اُس نے ایک خالی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عبدالمنعم کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ لیکن عبدالمنعم نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔

ابن عمار نے کہا۔ "ہم نے آپ کو ایک دوست کی حیثیت میں یہاں آنے کی تکلیف دی ہے۔ تشریف رکھیے!"

عبدالمنعم نے جواب دیا۔ "نہیں میں اس کرسی کی خاطر آپ کی دوستی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ میں کھڑا رہنے کو ترجیح دیتا ہوں۔"

ابنِ عمار نے کہا۔ "آپ کو معلوم ہے کہ اہلِ قرطبہ کی اکثریت شہنشاہِ اشبیلیہ کی حکومت کو تسلیم کرچکی ہے۔"

"میں اس سے زیادہ جانتا ہوں۔"

"اور وہ کیا ہے؟"

"وہ ایک لمبی داستان ہے جسے سننا آپ لوگوں کو پسند نہیں ہوگا۔"

"آپ کو بولنے کی اجازت ہے۔"

"بولنے کے لیے مجھے آپ کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ جب تک میرے منہ میں زبان ہے میں حق کی آواز بلند کرسکتا ہوں۔ سنیئے۔ قرطبہ کی آزادی اور عزت پر چھاپہ مارنے کے لیے طلیطلہ سے ڈاکوؤں کا ایک گروہ آیا تھا۔ اہلِ قرطبہ ان ڈاکوؤں کے ساتھ لڑ رہے

تھے کہ اشبیلیہ سے چوروں کا ایک گروہ ان کی دوستی کا لبادہ اوڑھ کر آ گیا۔ انھوں نے ان چوروں کو اپنی عزت اور آزادی کا محافظ سمجھ کر اپنے گھروں میں جگہ دی اور خود ڈاکوؤں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے گھروں سے نکل گئے۔ انھوں نے ڈاکوؤں کو بھگا دیا لیکن جب وہ واپس آئے تو چوروں کا گروہ ان کے گھروں پر قابض ہوچکا تھا۔ تم لوگوں نے دوستی کا نقاب اوڑھ کر ہماری پیٹھ میں ایک زہر آلود خنجر گھونپا ہے اور میں یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوں کہ قرطبہ میں ایسے لوگ ہیں جن پر اس زہر کا اثر ہوچکا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انھوں نے اپنی مرضی سے تمہاری غلامی کی ذلّت قبول کرلی ہے۔ اُنھوں نے اپنی گردنوں پر تمہاری تلواریں دیکھ کر اپنی کمزوری اور بے بسی کا اعتراف کیا ہے۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ اہلِ قرطبہ تمہاری غلامی پر قانع ہیں تو ایک بار اپنی فوجوں کو قرطبہ کی چار دیواری سے باہر لے جاؤ، پھر دیکھو کہ اہلِ قرطبہ تمہارے لیے الزہرا کے دروازے کھولتے ہیں یا اشبیلیہ کی دیواروں تک تمہارا تعاقب کرتے ہیں۔ تم نے اشبیلیہ سے یہاں تک پہنچتے پہنچتے ایک مہینہ لگا دیا تھا لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اہلِ قرطبہ تمہیں ایک ہی دن میں اشبیلیہ پہنچا دیں گے۔"

ابنِ عمار نے میز پر پڑے ہوئے کاغذات اُٹھائے اور انھیں لپیٹ کر عبدالمنعم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کی اخلاقی جرأت کا اعتراف کرتا ہوں لیکن یہ دیکھیے یہ ان علماء کے فتوے ہیں جو سلطان معتمد کی بیعت کرچکے ہیں۔"

عبدالمنعم نے جواب دیا۔ "میں ان کاغذوں کو دیکھے بغیر ان نام و نہاد علماء کے نام بتا سکتا ہوں۔ میرے نزدیک ان سب کے ایمان کی قیمت اس سیاہی سے بھی کم ہے جو ان کاغذوں کو سیاہ کرنے کے لیے استعمال کی گئی ہے۔ جس جنگل میں شیر رہتے ہیں۔ اس میں لومڑیاں بھی ہوتی ہیں، بلکہ لومڑیوں کی تعداد شیروں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ ان فتووں پر اُن علماء کے دستخط ہوں گے جو یہ سمجھتے ہیں کہ تم قرطبہ کی لاش نوچتے ہوئے انھیں بھی اپنے ساتھ حصّہ دار بناؤ گے لیکن میں تمہیں ایسے علماء کا نام بتا سکتا ہوں جنہوں نے اس

ایوان کی کرسیوں کی بجائے تمہارے قید خانے کو ترجیح دی ہے۔"

اشبیلیہ کے قاضی نے کہا "میرا خیال تھا کہ آپ اندلس میں انتشار اور لامرکزیت کا دور ختم کرنے میں ہمارا ساتھ دیں گے۔ کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ معتمد کے سوا کوئی اور حکمران اندلس کے مسلمانوں کو ملوک الطوائف سے نجات دلا سکتا ہے؟"

عبدالمنعم نے کہا "آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ یہ خود غرضی، عیاری، مکاری اور عیاشی کا زمانہ ہے، اس لیے اندلس کے مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے کہ وہ ملوک الطوائف میں سے اس شخص کی غلامی قبول کر لیں جو سب سے زیادہ عیاش۔ سب سے زیادہ خود غرض اور عیّار ہے۔ تم اہلِ قرطبہ سے معتمد کی بیعت لینے آئے ہو۔ کیا اس لیے کہ وہ عیسائیوں کا باجگزار ہے اور الفانسو کے چہرے کا نقاب ہے۔ تم اُسے مسلمانانِ اندلس کا نجات دہندہ کہتے ہو۔ کیا اس لیے کہ اُس نے مسلمانوں میں انتشار کا بیج بونے میں سب سے بڑھ چڑھ حصّہ لیا ہے"

حاضرینِ محفل کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ معتمد کا نوعمر بیٹا جس نے ابھی تک کوئی بات نہیں کی تھی، اضطراب کی حالت میں اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ اشبیلیہ کے فوجی افسر اُٹھ اُٹھ کر احتجاج کر رہے تھے۔ ابنِ عمار نے گرج کر کہا "خاموش! تم اپنے آپ کو بدترین سزا کے مستحق ثابت کر چکے ہو۔"

لیکن عبدالمنعم نے اپنی تقریر جاری رکھی۔ قرطبہ کے غدار بھی شور مچا رہے تھے لیکن عبدالمنعم کی آواز سب سے بلند تھی۔

بالآخر ابنِ عمار چلایا "اس بدبخت کو لے جاؤ!"

پندرہ بیس پہریدار عبدالمنعم پر جھپٹ پڑے اور اسے دھکیلتے ہوئے باہر لے گئے۔

قرطبہ کا ایک با اثر امیر جو تھوڑی دیر پہلے معتمد کے ساتھ وفاداری کا اعلان کر چکا تھا اچانک اُٹھ کر بولا "ابنِ عمار! عبدالمنعم نے جو کچھ کہا ہے۔ میں بھی اس کی تائید کرتا ہوں۔"

اور ابنِ عمار کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ عبدالمنعم کے پیچھے ہو لیا۔

(۸)

رات کے وقت حسن نے سونے سے پہلے اپنی ماں سے حسب معمول کہانی سنانے کی درخواست کی، لیکن ماں نے کہا "بیٹا! آج تمہیں سعد کہانی سنائے گا۔"

سکینہ سعد کو کہانی سنانے کا حکم دے کر اپنے کمرے میں آگئی۔ وہ دیر تک اپنی کرسی پر بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ پھر دوسرے کمرے سے ایک کتاب اُٹھا لائی اور کرسی کھسکا کر شمع کے قریب بیٹھ گئی۔ یہ کتاب عبدالرحمٰن الداخل کی سوانح حیات تھی۔ چند صفحات پڑھنے کے بعد اس نے کتاب بند کر دی اور اُٹھ کر بستر پر لیٹ گئی۔

سعد دبے پاؤں اُس کے کمرے میں داخل ہوا۔ "امی جان!" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"کیا ہے بیٹا؟" ماں نے اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا "تم ابھی تک سوئے نہیں؟"

سعد نے کہا "امی جان مجھے معلوم ہے کہ ابا جان قید ہو چکے ہیں۔"

سکینہ نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا "تمہیں کس نے بتایا؟"

"میں مغرب کی نماز کے لیے مسجد میں گیا تھا تو وہاں لوگ ان کا ذکر کر رہے تھے۔"

"تم نے اپنے بھائیوں کو بھی بتا دیا ہے؟"

"امّی جان مسجد میں احمد بھی میرے ساتھ تھا، اسے بھی معلوم ہو چکا ہے لیکن ہم نے حسن کو نہیں بتایا — امّی جان میں بڑا ہو کر ابّا جان کو قید سے چھڑا آؤں گا!"

سکینہ نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا "سعد تمہارے ابا جان کا حکم ہے کہ ہم غرناطہ چلے جائیں۔"

سعد نے بدحواس ہو کر کہا "لیکن ابّا جان کو قید خانے میں چھوڑ کر ہم کیسے جا سکتے ہیں"

ماں نے کہا "بیٹا قید خانے کے دروازے توڑنے کے لیے طاقت کی ضرورت ہے۔ تمہارے باپ کی یہ خواہش ہے کہ تم غرناطہ سے ایک مجاہد بن کر نکلو۔ غرناطہ میں تمہارے خالو اور اُن کے دوست تمہیں وہ تعلیم دے سکتے ہیں جو ایک مجاہد کے لیے ضروری ہے۔"

سعد کچھ کہنا چاہتا تھا، کہ خادمہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے کہا "الماس آگیا ہے

اور وہ پوچھتا ہے میرے لیے کیا حکم ہے ؟"

سکینہ نے کہا" اسے بلاؤ۔ میں دروازے پر خود اس کے ساتھ بات کرتی ہوں"۔ خادمہ چلی گئی تھوڑی دیر بعد کمرے سے باہر الماس کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ سکینہ دروازے کے پردے کے پیچھے کھڑی ہوگئی اور سعد نے باہر نکل کر سوال کیا" چچا الماس ادریس کے ابا کیسے ہیں ؟"

الماس نے جواب دیا" میں نے انھیں گھر پہنچا دیا ہے۔ ان کی حالت اچھی نہیں۔

سکینہ نے کہا" تم ان کے علاج کے لیے یہاں سے کسی تجربہ کار طبیب کو لے جاتے !"

الماس نے کہا" قرطبہ میں ابوالفتح سے بہتر طبیب کون ہوسکتا ہے۔ لیکن وہ بھی زیادہ پُرامید نہیں۔ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آقا میرے متعلق کیا حکم دے گئے ہیں !! مجھے الزہرا ہی میں ان کے متعلق علم ہوگیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ میں نے یہاں حاضر ہونے میں دیر لگائی۔ میں شہر میں ان کے بعض دوستوں سے مشورہ کرنے کے لیے چلا گیا تھا لیکن جس سے مجھے نیک مشورے کی اُمید تھی، وہ یا تو قرطبہ سے بھاگ گئے ہیں یا قید ہو چکے ہیں۔"

سکینہ نے کہا" سردست تمہاری بھاگ دوڑ ٹھیک نہیں۔ وہ تمہارے لیے جو حکم چھوڑ گئے ہیں۔ وہ تمہیں بتا دیا جائے گا۔ اب تم جاکر آرام کرو اور علی الصباح جاکر معلوم کرو کہ عبدالجبار کی حالت کیسی ہے۔ سعد کے ابا تمہیں اپنا بھائی سمجھتے تھے اور میں بھی تمہیں نوکر نہیں بلکہ اپنا بھائی سمجھتی ہوں لیکن اگر اشبیلیہ والوں کو یہ شک ہوگیا، کہ تم ایک بھائی اور دوست کی حیثیت میں ان کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے ہو تو ممکن ہے وہ تمہیں بھی گرفتار کرلیں۔"

"آپ کیا کہتی ہیں۔ ان کی خاطر اگر وہ میری بوٹیاں بھی نوچ ڈالیں تو میں اُف نہیں کروں گا۔"

"الماس! میں تمہیں جانتی ہوں۔ لیکن ان کی خاطر تمہارا قید سے باہر رہنا ضروری ہے۔ اب جاکر آرام کرو!"

سعد نے اندر آکر کہا" امی جان میں بھی صبح الماس کے ساتھ جاؤں گا۔"

"بہت اچھا بیٹا چلے جانا۔"

الماس چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں سعد اپنے کمرے میں جاکر بستر پر لیٹ گیا تو مختلف خیالات اس کے دماغ میں چکر لگا رہے تھے۔ کبھی وہ قید خانے پر حملہ کر رہا تھا کبھی وہ اشبیلیہ کی فوج کے ساتھ جنگ کر رہا تھا اور کبھی یہ کہہ کر ادریس اور اس کی بہن میمونہ کو تسلی دے رہا تھا۔ گھبراؤ نہیں تمہارے ابا ٹھیک ہو جائیں گے۔ آدھی رات کے وقت اُسے نیند آگئی اور جب صبح کے وقت اس کی آنکھ کھلی تو ماں اس کے سرہانے کھڑی کہہ رہی تھی" سعد! سعد! اٹھو بیٹا نماز کا وقت جا رہا ہے۔"

سعد نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا" امی جان چچا الماس چلا گیا؟"

"ہاں بیٹا! وہ تمہیں بلانے آیا تھا لیکن تم سو رہے تھے۔ اب تم نماز پڑھو۔ وہ تھوڑی دیر تک واپس آجائے گا۔"

نماز پڑھنے اور ناشتہ کرنے کے بعد سعد کچھ دیر الماس کا انتظار کرتا رہا۔ جب وہ نہ آیا تو اس نے ماں سے اجازت لے کر گھوڑے پر زین ڈالی اور الزہرا کا رُخ کیا۔

ادریس کے مکان پر اُسے معلوم ہوا کہ اس کا باپ فوت ہو چکا ہے اور لوگ اس کا جنازہ قبرستان لے جا چکے ہیں۔ سعد کچھ دیر سکتے کے عالم میں مکان کے دروازے پر کھڑا رہا اور پھر قبرستان کی طرف چل دیا۔

لوگ قبرستان سے نکل رہے تھے۔ سعد نے چاردیواری کے قریب ایک درخت کے ساتھ گھوڑا باندھا اور اندر داخل ہوا۔ عبدالجبار کی قبر پر مٹی ڈالی جا چکی تھی اور چند آدمی قبر کے پاس کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ الماس اور ادریس بھی وہیں تھے۔ سعد نے فاتحہ پڑھی اور آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا ادریس کے پاس جا کھڑا ہوا۔ وہ اپنی انتہائی کوشش کے باوجود اپنے دوست کے ساتھ اظہار ہمدردی کے لیے موزوں الفاظ تلاش نہ کرسکا۔ جب وہ قبرستان سے باہر نکل رہے تھے تو سعد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا" ادریس!" ادریس نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ سعد اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کی آنکھوں میں

جھلکتے ہوئے آنسو اس کے احساسات کی ترجمانی کر رہے تھے۔ادریس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

اگلے دن سعد اپنی ماں اور بھائیوں کے ساتھ ادریس کے گھر آیا اور اس نے ادریس کو بتایا کہ ہم پرسوں غرناطہ جا رہے ہیں۔

ادریس نے پوچھا" واپس کب آؤ گے؟"

سعد نے آبدیدہ ہو کر جواب دیا" مجھے معلوم نہیں۔امّی جان کہتی ہیں، کہ اب ہم قرطبہ میں نہیں رہیں گے۔"

میمونہ ان کی باتیں سن رہی تھی۔وہ سسکیاں بھرتے ہوئی بولی" ہم بھی یہاں نہیں رہیں گے۔"

سعد نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی لیکن وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

سعد کی ماں نے آگے بڑھ کر اُسے گود میں لیا اور پیار کرتے ہوئے کہا" ہم بہت جلد واپس آئیں گے اور ہر روز تمہارے پاس آیا کریں گے۔"

جب وہ رخصت ہو رہے تھے تو ادریس اور میمونہ مکان سے باہر ان کی بگھی کے قریب کھڑے تھے۔

سعد کی ماں نے بگھی پر سوار ہونے سے پہلے ایک بار پھر میمونہ کو پیار کیا اور پھر ادریس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا" بیٹا! تم مرد ہو، اپنی ماں اور بہن کو تسلی دیا کرو!"

بگھی روانہ ہوئی تو ادریس اور میمونہ دیر تک باہر کھڑے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

تیسرے دن الماس عبدالمنعم کے مکان کے دروازے پر کھڑا اسی بگھی کو غرناطہ کا رُخ کرتے دیکھ رہا تھا۔سعد کھڑکی سے سر نکال کر کہہ رہا تھا" چچا الماس! ادریس کے پاس ضرور جانا!"

حالات بگڑتے گئے

غرناطہ میں عبدالمنعم کی بیوی اپنی رہائش کے لیے ایک مکان خرید چکی تھی۔قرطبہ کی جائداد سے اس کی سالانہ آمدنی اس کی ضروریات کے لیے کافی تھی۔عبدالمنعم نے قید ہونے سے پہلے جن یتیموں اور بیواؤں کے وظائف مقرر کر رکھے تھے اس کی بیوی نے انھیں بند کرنا گوارا نہ کیا۔

قرطبہ میں معتمد کے حکام کچھ اپنے حکمران کی عیاشیوں کا سامان مہیا کرنے اور الفانسو کا خراج پورا کرنے کے لیے خوشحال لوگوں پر زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگا رہے تھے۔الماس نے ایسے حکام کی ایک فہرست تیار کر رکھی تھی۔جو ہر سال اس سے نئے اضافوں کے ساتھ حکومت کا ٹیکس وصول کرنے کے علاوہ اس سے اپنے لیے بھی کچھ وصول کر لیا کرتے تھے، وہ ہر سال غرناطہ آتا اور زمین اور باغات کی ساری آمدنی عبدالمنعم کی بیوی کے سامنے پیش کرنے کے بعد اس بات پر اصرار کرتا کہ اس سے حساب لیا جائے۔عبدالمنعم کی بیوی کہتی" نہیں الماس تمہیں حساب دینے کی ضرورت نہیں"۔ وہ پریشان ہو کر سعد سے شکایت کرتا" دیکھو سعد! اب تم بڑے ہو گئے ہو۔اب تم مجھ سے حساب لیا کرو!"

سعد کہتا" نہیں چچا۔تم سے تو ابا جان بھی حساب نہیں لیا کرتے تھے۔"

الماس کہتا" بیٹا! وہ زمانہ اور تھا۔اب ہر سال ایسی باتیں ہوتی ہیں، جو میں تمہیں بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔سنو! ورنہ میں خفا ہو جاؤں گا۔احمد، حسن، تم بھی بیٹھو!"

وہ مجبوراً اس کے سامنے بیٹھ جاتے۔ان کی ماں اور خالہ پردے کے پیچھے کھڑی ہو کر اس کی باتیں سنتیں۔بعض اوقات ابوصالح بھی اس کی باتوں میں دلچسپی لیتے۔الماس آمدنی کی

تفصیلات سمجھانے کے بعد اخراجات کا حساب دیتا اور سننے والوں کے لیے اس کی گفتگو دلچسپ بن جاتی۔

"دیکھو سعد! پچھلے سال معتمد نے قرطبہ میں چار دربار، چالیس ضیافتیں اور مشاعروں کی پچاس مجلسیں منعقد کی تھیں۔ اس لیے رعایا پر اس قدر زائد ٹیکس لگایا گیا تھا۔ معتمد نے پچھلے سال کی نسبت اس سال الفانسو کو خراج کی رقم ڈیڑھ گنا زائد دی تھی۔ اس لیے ہم پر جو ایک خاص ٹیکس لگایا گیا تھا، اس کی رقم آتنی تھی۔ قرطبہ کے گورنر نے اپنے لنگر خانے کے زائد اخراجات پورے کرنے کے بہانے ایک اور خاص ٹیکس وصول کیا ہے لیکن لوگ کہتے ہیں کہ یہ رقم فرانس سے شراب منگوانے پر صرف ہوئی ہے۔ مجھ سے اتنے دینار وصول کیے گئے۔ پچھلے سال ملکہ رمیکہ نے قرطبہ میں ایک ماہ قیام کیا تھا۔ اس سال انھوں نے تین ماہ قیام کیا ہے، اس لیے ہمیں مجموعی مالیہ کے ہر دینار کے ساتھ اتنے درہم زائد ادا کرنے پڑے۔ اب ایک افواہ یہ بھی ہے کہ ملکہ شاید مستقل طور پر یہاں تشریف لے آئے، اس لیے قرطبہ کے بہت سے لوگ اپنی جائدادیں چھوڑ کر بھاگنے کی فکر میں ہیں۔"

اخراجات کی تفصیل سنانے کے بعد الماس اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر سعد کو دیتے ہوئے کہتا۔ "اور یہ کاغذ سنبھال کر اپنے پاس رکھو، اس پر اُن عہدہ داروں کے نام ہیں جنھوں نے مجھ سے زبردستی پیسے بٹورے ہیں۔ ان رشوت خوروں اور بددیانتوں کا یوم حساب دُور نہیں لیکن اگر میں اس سے [illegible] تو تمہارا فرض ہوگا کہ ان لوگوں سے پائی پائی وصول کر دو۔"

(۲)

قرطبہ کے قید خانے میں عبدالمنعم کے ساتھ اس کے کسی دوست یا عزیز کو ملنے کی اجازت نہ تھی۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اُسے شاہی خاندان کے قیدیوں کے ساتھ کسی جزیرے میں پہنچا دیا گیا ہے اور بعض حلقوں میں اس قسم کی افواہیں مشہور تھیں کہ اُسے اور اس کے ساتھیوں کو در پردہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ دو سال بعد عبدالمنعم کا ایک ساتھی کسی طرح قید خانے سے فرار ہوا اور غرناطہ پہنچ کر اس نے ابو صالح کو بتایا کہ عبدالمنعم ابھی تک قرطبہ

کے قید خانے میں ہے۔

سعد، احمد اور حسن کی زندگیوں پر اپنے باپ کی قید اور قرطبہ سے ہجرت کے واقعات کا گہرا اثر تھا۔ ماں کی تربیت نے انھیں بچپن میں ہی قوم کے ماضی، حال اور مستقبل کے متعلق غور و فکر کرنے کا عادی بنا دیا تھا۔ ان کے خالو نے انھیں غرناطہ کے فوجی مکتب میں داخل کروا دیا۔

یہ فوجی مکتب کسی زمانے میں ایک عظیم الشان ادارہ تھا۔ جہاں حکومت کے خرچ پر بچوں کو فنونِ سپہگری کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لیکن اب نااہل حکمرانوں کی بے توجہی کے باعث اس کی اہمیت بہت کم ہو چکی تھی۔ ایک طویل مدّت حکومت کی اعانت سے محروم ہونے کے باعث یہ مکتب بند رہا۔ اس کے بعد غرناطہ کے چند مخیر رؤسا نے اس کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا ایک مالدار تاجر نے اپنی جائداد کا بیشتر حصّہ اس مدرسے کے لیے وقف کر دیا۔ پھر علماء کی ایک جماعت نے غرناطہ کے حکمران پر زور ڈالا اور شاہی خزانہ سے ایک معقول رقم اس کی اعانت کے لیے منظور کروالی۔

سکینہ جس مشن کے لیے ان بچوں کو تیار کرنا چاہتی تھی، اس کے لیے فوجی مکتب کی تعلیم کافی نہ سمجھتے ہوئے اس نے ایک اتالیق کی خدمات حاصل کر لیں۔ یہ اتالیق غرناطہ کے علماء کی صفِ اوّل میں شمار ہوتا تھا۔ عبدالمنعم کے بیٹے مکتب کے علاوہ گھر پر اپنے اتالیق سے قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ، جغرافیہ اور ریاضی کی تعلیم لیا کرتے تھے۔

مکتب کے تمام اُستاد ان لڑکوں کی خداداد صلاحیتوں کا اعتراف کرتے تھے۔ غرناطہ کے نوعمر لڑکوں کی محفلوں میں جب تیر اندازی اور شہسواری کے متعلق باتیں ہوتی تھیں، تو عبدالمنعم کے بیٹوں کا ذکر ضرور آجاتا۔

احمد کو اپنے بھائیوں کی نسبت مطالعے کا بہت زیادہ شوق تھا۔ شیخ ابو صالح کے ذاتی کتب خانے میں سینکڑوں کتابیں موجود تھیں۔ احمد ہر دوسرے تیسرے دن اس کتب خانے میں چلا جاتا اور ایک نئی کتاب اٹھا لاتا۔ سعد اور حسن زیادہ تر اپنی درسی کتابیں

پڑھنے پر اکتفا کیا کرتے تھے۔ انھیں سپاہیانہ کھیلوں کے ساتھ زیادہ دلچسپی تھی۔

سترہ سال کی عمر میں سعد اپنی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے غرناطہ کے ہزاروں نوجوانوں کے لیے باعثِ رشک تھا۔ یہ فوجی مکتب میں اس کی تعلیم کا آخری سال تھا۔

(۳)

اہلِ قرطبہ کے لیے اشبیلیہ والوں کی بدعہدی ناقابلِ برداشت تھی لیکن ابن عمار کی سازش اس قدر کامیاب تھی کہ وہ بروقت کوئی قدم نہ اٹھا سکے۔ وہ علماء اور راہنما جن سے بغاوت کی توقع ہو سکتی تھی، اچانک حراست میں لے لیے گئے تھے اور ان کا اثر و اقتدار زائل کرنے کے لیے ضمیر فروشوں کی خدمات حاصل کر لی گئی تھیں۔ کسی کو دولت اور کسی کو عہدے کا لالچ دے کر خرید لیا گیا تھا چنانچہ پہلے ہی دن بعض مساجد کے خطیب معتمد کے عدل و انصاف اور فیاضی کی داستانیں سنا رہے تھے۔ عوام اہلِ طلیطلہ کے ساتھ ایک طویل جنگ سے تنگ آ چکے تھے۔ اس لیے ان میں سے بعض یہ کہتے تھے کہ معتمد بہرحال ایک مسلمان ہے۔ بعض یہ کہتے تھے کہ وہ عبدالملک سے یقیناً بہتر ہے اور جو لوگ اس صورت حال سے نالاں تھے، وہ اشبیلیہ والوں کی تلواروں کے خوف سے کسی کھلی بغاوت کے لیے تیار نہ تھے۔ ان کے جو راہنما ابھی تک قید خانوں سے باہر تھے، وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ سر دست ان کی طرف سے کوئی فوری اقدام خوشگوار نتائج پیدا نہیں کرے گا۔ اس لیے وہ وقت کا انتظار کر رہے تھے۔

معتمد شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ قرطبہ میں آیا۔ الزہرا میں اس کے دربار کی شان و شوکت دیکھ کر بعض سادہ دل لوگ بے حد مرعوب ہوئے۔ لیکن سنجیدہ لوگوں کو اس کی ظاہری نمائش متاثر نہ کر سکی۔

معتمد سے کہیں زیادہ اس کی ملکہ رمیکیہ ظاہری شان و شوکت، نمائشی دعوتوں اور عیش و نشاط کی محفلوں پر جان دیتی تھی۔ معتمد کی ملکہ کی حیثیت سے قصرِ زہرا میں داخل ہونا اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی۔

معتمد اور رمیکیہ ہر سال کچھ عرصہ قصرِ زہرا میں گزارا کرتے تھے اور باقی سارا سال ان کے حکام اور عہدہ دار ان کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف رہتے تھے۔

معتمد کا بیٹا عباد قرطبہ کا گورنر تھا۔ وہ والدین کی تربیت اور ابن عمار کی صحبت کے باعث کم سنی ہی میں پرلے درجہ کا عیاش بن چکا تھا۔ اہلِ قرطبہ کو الزہرا میں عیش و نشاط کی محفلوں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے بھاری ٹیکس ادا کرنے پڑتے تھے۔ اشبیلیہ کے حکام رعایا سے سرکاری لگان وصول کرنے کے علاوہ اپنے لیے رشوتیں اور نذرانے بھی لیا کرتے تھے۔ اس لیے جو لوگ معتمد کی ضیافتوں کی داستانیں سنا کرتے تھے، اب یہ محسوس کر رہے تھے کہ ان ضیافتوں کا سارا بوجھ ان کی کمر پر لادا جاتا ہے۔

آہستہ آہستہ اہلِ قرطبہ کے دلوں میں معتمد کے خلاف نفرت کا دبا ہوا جذبہ اُبھرنے لگا۔ قرطبہ کی مساجد کے دروازوں پر آئے دن اس قسم کے اشتہارات دیکھے جاتے تھے۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس حکمران کے متعلق جو رعایا کا خون چوس کر اپنے عیش و عشرت کا سامان اور دشمنانِ اسلام کے لیے خراج مہیا کرتا ہے۔ جس کی ملکہ اسلام کے ہر اصول کا مذاق اڑاتی ہے؟

قرطبہ کے لوگو! تمہارا حکمران الفانسو کا باجگزار ہے اور تمہارا مستقبل ایک ایسی عورت کی خواہشات پر قربان کیا جا رہا ہے جس نے الزہرا کے ایوانوں کو عیاشی اور فحاشی کے اڈوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ اُٹھو اور ان لوگوں کی حکومت کا تختہ الٹ دو جو خدا اور رسولؐ کے باغی ہیں۔

بعض اوقات قرطبہ کے بازاروں میں ان فقہا کے فتووں کو مشتہر کیا جاتا تھا جو دوسرے شہروں میں معتمد کی دست درازی سے محفوظ تھے۔ ان فتووں میں رمیکیہ کو خاص طور پر ہدفِ ملامت بنایا جاتا تھا۔

چار سال کے بعد قرطبہ میں وہ مواد پھوٹ نکلا جو اندر ہی اندر پک رہا تھا۔ عوام نے اہلِ اشبیلیہ کے خلاف بغاوت کی لیکن یہ بغاوت کسی بلند شخصیت کی قیادت سے محروم تھی۔

ابن عکاشہ کسی زمانے میں ایک مشہور قزاق تھا۔ اس نے حالات سے فائدہ اٹھایا اور باغیوں

کا رہنما بن گیا۔

ایک رات جب الزہرا میں عباد اور اس کے افسر رقص و سرور سے لطف اندوز ہو رہے تھے، ابن عکاشہ باغیوں کے ساتھ اچانک محل میں داخل ہوا۔ عباد لڑتا ہوا مارا گیا۔ صبح تک قرطبہ اور الزہرا پر ابن عکاشہ کا قبضہ ہو چکا تھا۔

(۴)

ایک دن سعد اور اس کے بھائی مکتب میں جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ کہ باہر دروازے پر کسی نے دستک دی، سعد نے باہر جھانک کر دیکھا تو باہر اس کا اتالیق کھڑا تھا۔

اتالیق نے اسے دیکھتے ہی کہا "سعد! میں نے ابھی قرطبہ کے متعلق ایک اہم خبر سنی ہے۔ باغیوں کی کسی جماعت نے حکومت پر قبضہ کر لیا ہے۔ مجھے اس خبر کی تفصیلات معلوم نہیں ہوئیں صرف یہ پتہ چلا ہے کہ معتمد کا بیٹا جو قرطبہ کا گورنر تھا، قتل ہو چکا ہے اور بغاوت کرنے والوں کے راہنما کا نام ابن عکاشہ ہے"۔

یہ خبر سُن کر تھوڑی دیر کے لیے سعد کے منہ سے کوئی بات نہ نکلی۔ بالآخر اس نے سوال کیا۔

"آپ نے یہ خبر کس سے سُنی ہے؟"

اتالیق نے جواب دیا "تھوڑی دیر ہوئی، مجھے شہر کا کوتوال ملا تھا اور اس نے یہ بتایا کہ قرطبہ کے چند آدمی آدھی رات کے وقت یہاں پہنچے اور انھوں نے پہریداروں کو یہ خبر سُنائی۔ پہریداروں نے انھیں مشکوک سمجھ کر شہر میں اپنے رشتہ داروں کے پاس جانے کی اجازت دینے کی بجائے صبح تک چوکی میں بٹھائے رکھا۔ صبح کے وقت ان کے رشتہ دار چوکی میں بلائے گئے اور انھوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ واقعی ان کے عزیز ہیں۔ کوتوال نے مجھے بتایا تھا کہ وہ خود اس خبر کی تصدیق کر چکا ہے۔ تاہم میں ان میں سے ایک کے رشتہ داروں کے گھر کا پتہ پوچھ آیا ہوں اگر تم مناسب سمجھو تو ہم وہاں پہنچ کر تصدیق کر سکتے ہیں"۔

سعد نے کہا "نہیں میں ابھی سیدھا قرطبہ جاؤں گا"۔

تھوڑی دیر بعد سعد اپنی ماں اور بھائیوں کو خدا حافظ کہہ رہا تھا۔ گھوڑے پر سوار ہونے سے پہلے اس نے احمد کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "احمد! اب تم بڑے ہو گئے ہو۔ میں گھر میں اپنے حصے کی ذمہ داریاں تمہیں سونپ کر جا رہا ہوں"۔

(۵)

قرطبہ میں آمدورفت کے تمام راستوں پر ابن عکاشہ کے سپاہیوں کا پہرہ تھا۔ شہر میں جانے والوں کو بیرونی چوکیوں اور دروازوں پر روکا جا رہا تھا۔ معتمد کے ان اہل کاروں کو جنھوں نے مزاحمت کے بغیر ابن عکاشہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اشبیلیہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت تھی۔ اشبیلیہ کے جو سپاہی لڑائی میں مارے جا چکے تھے، یا قید ہو چکے تھے، ان کے بال بچوں کو بھی قرطبہ چھوڑنے کی اجازت تھی۔ تاہم چوکیوں پر اس بات کی پوری چھان بین کی جاتی تھی کہ ہجرت کرنے والوں کے ساتھ قرطبہ کے بااثر لوگ فرار نہ ہو سکیں۔ ابن عکاشہ کے حملے کی رات قرطبہ کے چند بااثر لوگ شہر سے فرار ہو کر قرب و جوار کی بستیوں کے لوگوں کو اس کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کر رہے تھے اور اس صورت حال سے باخبر ہوتے ہی اس نے یہ حکم دے دیا تھا کہ عورتوں اور بچوں کے سوا جو لوگ شہر سے ہجرت کرنا چاہیں وہ پہلے تحریری اجازت نامہ حاصل کریں۔ ان لوگوں کے لیے صرف شہر کا مغربی دروازہ کھلا تھا۔

سعد جنوب اور مشرق کے دروازوں سے شہر میں داخل ہونے کی ناکام کوشش کے بعد مغربی دروازے پر پہنچا۔ وہاں دروازے سے باہر کھلے میدان میں کوئی پانچ سو آدمی پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثر قرطبہ کے وہ باشندے تھے، جو کسی نہ کسی وجہ سے حملہ کے دن قرطبہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ چند ایسے بھی تھے، جو اشبیلیہ اور دوسرے شہروں سے اپنے عزیزوں، دوستوں اور رشتہ داروں کی خبر لینے آئے تھے، ان سب کے لیے ایک ہی حکم تھا، کہ وہ دس دن تک انتظار کریں۔ بعض لوگ شہر کے آس پاس سراؤں، کسانوں اور ماہی گیروں کی بستیوں میں پناہ لے چکے تھے۔

حاصل کرنے کے بعد بھیڑیوں کے ایک نئے گروہ کی شکارگاہ بن چکا ہے۔ ورنہ میں تمہیں پریشان نہ کرتا۔"

فوجی افسر نے انتہائی غصّہ کی حالت میں یکے بعد دیگرے سعد کو دو کوڑے رسید کر دیئے۔ ایک کوڑا سعد نے اپنے بازو پر روک لیا اور دوسرا اُچھلتے ہوئے گھوڑے کے منہ پر لگا۔ گھوڑا بیخ پا ہو کر ایک طرف کو بھاگ نکلا۔ چیختے چلاتے لوگ اس کا راستہ چھوڑ کر اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ افسر نے غصّے کی حالت میں دروازے کے آس پاس جمع ہونیوالے چند آدمیوں کو بھی کوڑے سے پیٹنا شروع کر دیا۔

سعد نے چند گز دُور گھوڑے کو روکا۔ نیام سے تلوار نکالی اور گھوڑے کی گردن پر چند تھپکیاں دینے کے بعد دروازے کی طرف باگ موڑ لی لیکن ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ "بیوقوف مت بنو! ایسے موقعوں پر تلوار نیام میں رکھنا بھی بہادری ہے۔ تم نے صرف ایک بھیڑیا دیکھا ہے لیکن اس وقت بھیڑیوں کا ایک پورا لشکر قرطبہ پر مسلط ہو چکا ہے۔"

سعد نے اس نوجوان کی طرف دیکھا۔ وہ ایک بربری چرواہے کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ تاہم سعد کے دل کی پہلی آواز یہ تھی کہ میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔ نوجوان مسکرایا اور سعد کو اس کی مسکراہٹ میں ایک جانی پہچانی صورت کے دھندلے نقوش دکھائی دینے لگے۔

لوگ سعد کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ نوجوان نے کہا۔ "اگر تم غرناطہ سے آئے ہو اور تمہارا نام سعد بن عبدالمنعم ہے تو دریا کے کنارے تمہارا ایک دوست انتظار کر رہا ہوگا۔ یہاں باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔" نوجوان اس کے گھوڑے کی باگ چھوڑ کر دریا کی طرف چل دیا۔ اتنی دیر میں لوگ سعد کے گرد جمع ہو کر فوجی افسر کے طرزِ عمل کے خلاف غم و غصّے کا اظہار کرنے لگے۔ سعد نے ان کی باتوں پر توجہ دینے کی بجائے اپنی تلوار نیام میں ڈالی اور گھوڑے کو دریا کی طرف موڑ دیا۔ وہ غصّے کی بجائے اپنے دل میں خوشگوار دھڑکنیں محسوس کر رہا تھا۔ ——— دریا سے تھوڑی دور وہ نوجوان کے ساتھ جا ملا اور گھوڑے سے کود کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے بولا۔ "اگر تمہارے لباس کی طرح تمہارے چہرے کی رنگت بھی مصنوعی ہے تو میں اپنے دوست سے یہیں ملنا چاہتا ہوں۔

سعد کچھ دیر دروازے پر کھڑا ان لوگوں کے چھوٹے چھوٹے قافلے دیکھتا رہا، جو پولیس اور فوج کے افسروں کو اپنے اپنے اجازت نامے دکھانے کے بعد شہر سے نکل رہے تھے۔ بالآخر اس نے قدرے جُرأت سے کام لیتے ہوئے آگے بڑھ کر ایک فوجی افسر سے کہا۔ "میں غرناطہ سے آیا ہوں۔ قرطبہ میں میرے عزیز ہیں اور میں ان کی خیریت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

افسر نے دروازے سے باہر لوگوں کے ہجوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اِدھر دیکھیے ان میں سے اکثر قرطبہ کے باشندے ہیں اور ان سب کا کوئی نہ کوئی عزیز اس شہر میں ہے۔ آپ یا تو وہاں قیام فرمائیں یا دس دن کے بعد تشریف لائیں۔"

سعد نے اس افسر کی رسمی ملائمت سے اس کی شرافت کا غلط اندازہ لگایا۔ اس نے کہا۔ "اگر آپ کو مجھ پر کوئی شبہ ہے تو آپ اپنے کسی سپاہی کو میرے ساتھ بھیج دیں۔ میں تھوڑی دیر میں اس کے ساتھ ہی واپس آجاؤں گا۔"

افسر نے اپنا لہجہ بدلتے ہوئے کہا۔ "نوجوان تم میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔"

سعد کے دل میں خیال آیا کہ اگر میں اپنے باپ کا نام لوں تو ممکن ہے کہ افسر اپنے طرزِ عمل میں تبدیلی ضرورت محسوس کرے، لیکن اب تک لوگوں کی زبانی قرطبہ کے انقلاب کے متعلق جو کچھ سن چکا تھا اس کے پیش نظر اس نے اپنے باپ کا ذکر کرنا مصلحت کے خلاف سمجھا۔ ایک اور نوجوان نے آگے بڑھ کر افسر سے کہا۔ "دیکھیے میری بیوی سخت بیمار ہے۔ آپ میرے متعلق قرطبہ کے ہر شریف آدمی سے دریافت کر سکتے ہیں کہ میں ایک قالین باف ہوں اور میرا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔"

فوجی افسر نے اُسے دھکا دے کر پیچھے ہٹاتے ہوئے۔ "بھاگ جاؤ یہاں سے!"

سعد ابھی دروازے کے سامنے تذبذب کی حالت میں کھڑا تھا۔ افسر قالین باف کو چند گالیاں دینے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوا۔ "تم ابھی تک یہیں کھڑے ہو؟"

سعد نے اپنا گھوڑا آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے معلوم نہیں تھا، کہ قرطبہ بنی عباد سے نجات

نوجوان بے اختیار اس کے ساتھ لپٹ گیا۔ یہ ادریس بن عبدالجبار تھا۔

سعد نے کہا: "تم یہاں کیا کر رہے ہو اور تمہیں اس غلط فہمی میں کس نے مبتلا کر دیا ہے کہ تم چہرے پر سیاہی ملنے اور چرواہے کا لباس پہننے سے اپنے دوستوں کو دھوکا دے سکتے ہو؟"

ادریس نے جواب دیا: "واہ! تم اس بات کی داد نہیں دیتے، کہ جب تک میں نے خود تمہیں اپنی طرف متوجہ نہیں کیا۔ تمہیں میرے متعلق شبہ بھی نہیں ہوا!"

(۶)

دریا کے کنارے پہنچ کر سعد نے ایک درخت کے ساتھ گھوڑا باندھا اور ادریس کے ساتھ زمین پر بیٹھ گیا۔

سعد نے کہا: "اچھا یہ بتاؤ کہ تمہاری والدہ اور ہمشیرہ کیسی ہیں؟"

ادریس نے جواب دیا: "جب میں قرطبہ سے فرار ہوا تھا تو وہ بخیریت تھیں، اب خدا بہتر جانتا ہے۔ تمہاری والدہ اور بھائی کیسے ہیں؟"

"وہ سب خوش ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ غرناطہ ابھی تک ایسے ہنگاموں سے محفوظ ہے، اچھا یہ بتاؤ کہ تم قرطبہ سے کیوں فرار ہوئے تھے؟"

ادریس نے اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد سعد کو اپنی سرگزشت سنائی:

"بات یہ ہوئی کہ مجھے آج سے دو ہفتے قبل اس شرمناک سازش کا علم ہو گیا تھا۔ قرطبہ میں معتمد کی حکومت کا تختہ الٹنے کی تحریک جن لوگوں نے شروع کی تھی ان کے مقاصد برے نہ تھے۔ لیکن آہستہ آہستہ منافقوں اور اقتدار پرستوں کا ایک گروہ باغیوں کی خفیہ جماعت میں شامل ہو گیا۔ ایک دن شہر میں میرے ایک ہم مکتب کے بڑے بھائی کی شادی تھی۔ رات کے وقت میں دعوت میں شریک تھا اور مجھے وہاں دیر لگ گئی۔ میرے ماموں بھی اس دعوت میں شریک تھے، انھوں نے مجھ سے کہا: "اب دیر ہو گئی ہے۔ تم ہمارے پاس ٹھہرو۔ صبح چلے جانا" لیکن میں نے گھر سے باہر رہنا مناسب نہ سمجھا۔ آدھی رات کے وقت میں گھوڑے پر سوار ہو کر

اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ وادی الکبیر کے پل سے آگے میں نے کوئی نصف میل طے کیا ہوگا کہ پیچھے سے مجھے گھوڑوں کی آہٹ سنائی دی۔ میں نے اپنا گھوڑا ایک طرف کر لیا۔ ایک تیز رفتار بگھی مجھ سے آگے گزر گئی۔ بگھی کے گزرتے ہی مجھے چند اور گھوڑوں کی آہٹ سنائی دی اور مجھے دوبارہ اپنا گھوڑا سڑک سے ایک طرف ہٹانا پڑا۔ اشبیلیہ کے امراء کی بگھیوں کے ساتھ سوار ضرور ہوتے ہیں اور بگھیوں کو معمولی رفتار سے چلانا بھی اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اس لیے مجھے یہ شک نہ ہوا کہ سوار بگھی کے تعاقب میں جا رہے ہیں لیکن ایک میل دور چلنے کے بعد مجھے چند سوار شہر کی طرف آتے ہوئے ملے۔ ان کی تعداد سے مجھے شک ہوا کہ یہ وہی ہیں جو تھوڑی دیر پہلے بگھی کے پیچھے جا رہے تھے۔ میں نے مصلحتاً اپنا گھوڑا ایک طرف ہٹا لیا اور سڑک کے پاس درختوں کے پیچھے چھپ گیا۔ ایک سوار اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔ "اب ہمیں سڑک چھوڑ کر بکھر جانا چاہیے" وہ گزر گئے تو میں نے دوبارہ سڑک پر آ کر گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔ تھوڑی دور اور چلنے کے بعد میں نے دیکھا کہ بگھی سڑک کے ساتھ ہی ایک گڑھے میں الٹی پڑی ہوئی ہے۔ میں نے قریب جا کر دیکھا تو بگھی کے پاس مجھے زمین پر دو لاشیں نظر آئیں۔ اچانک مجھے بگھی کے اندر کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے بڑی مشکل سے ایک آدمی کو باہر نکالا، وہ بُری طرح زخمی تھا، میں تاریکی میں اُسے پہچان نہ سکا۔ اس نے ہوش میں آتے ہی مجھ سے سوال کیا۔ "تم کون ہو؟" میں نے اُسے تسلی دی کہ میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا: "اب مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر تم چاہو تو قرطبہ کو تباہی سے بچا سکتے ہو، میں تمہیں چند آدمیوں کے نام بتاتا ہوں، تم فوراً قرطبہ کی حکومت کے کسی ذمہ دار عہدہ دار سے ملو۔ بہتر ہے کہ گورنر سے ملنے کی کوشش کرو۔ وہ بیوقوف ہے لیکن ممکن ہے کہ اپنی جان بچانے کے لیے قرطبہ کی حفاظت کرنے پر بھی مجبور ہو جائے" نقاہت کے باوجود اس شخص کی آواز میرے کانوں کے لیے نامانوس نہ تھی میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا: "میرے خیال میں آپ عبدالرحمان ہیں۔ میں آپ کو گھر پہنچا دیتا ہوں۔"

اس نے کہا: "نہیں میرا وقت آ چکا ہے۔"

میں نے چند بار اصرار کیا۔ لیکن اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر سینے سے لگاتے ہوئے کہا "ادھر دیکھو، میں صرف چند سانس لینے کے لیے زندہ ہوں اور مرنے سے پہلے کسی کو یہ باتیں بتانا ضروری سمجھتا ہوں"۔

ایک خنجر قبضے تک اس کے سینے میں اترا ہوا تھا۔ میں نے کہا "اگر آپ کو اس بات سے تسکین ہو سکتی ہے تو میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپ کی وصیت پر عمل کروں گا"۔

اس کے بعد اس نے مجھے جو واقعات سنائے وہ مختصراً یہ تھے کہ وہ قرطبہ کی حکومت کے باغیوں کی جماعت کا رکن تھا۔ رات کے وقت اُسے قرطبہ کی خفیہ جماعت کے اجتماع میں حصہ لینے کے لیے بلایا گیا تھا۔ اس جلسے میں اُسے معلوم ہوا کہ اُن کے ساتھی ابنِ عکاشہ کی وساطت سے مامون ذالنون کے ساتھ ساز باز کر رہے ہیں۔ ابنِ عکاشہ ایک تاجر کے بھیس میں اس اجتماع میں شریک ہوا تھا اور اس اجتماع سے پہلے ہی جماعت کی اکثریت اسے اپنا راہنما تسلیم کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ حاضرین یکے بعد دیگرے ابنِ عکاشہ سے وفاداری کا حلف اٹھانے لگے تو عبدالرحمٰن نے انہیں ملامت کی اور کہا کہ اگر تم ایک ڈاکو کو اپنا راہنما بناتے ہو تو میرا اس جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔ دو اور آدمیوں نے اس کا ساتھ دیا۔ ان تینوں کو جماعت کے ساتھ غداری کرنے کا مجرم ٹھہرایا گیا۔ یہ لوگ غصے کی حالت میں اُٹھ کر مجلس سے نکل آئے۔ بدمعاشوں کی ایک ٹولی باہر کھڑی ابنِ عکاشہ کے حکم کا انتظار کر رہی تھی وہ ان پر ٹوٹ پڑے۔ دونوں جوانوں نے اپنی تلواریں سونت لیں اور عبدالرحمٰن کو تاریکی میں مکان سے باہر نکلنے کا موقع مل گیا۔ سڑک پر اس کی گھوڑی کھڑی تھی وہ بھاگ کر اس پر سوار ہو گیا۔ جب تک ابنِ عکاشہ کے آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے تعاقب میں نکلے وہ کافی فاصلہ طے کر چکا تھا۔ لیکن الزہرا سے تھوڑی دور انھوں نے اسے گھیر لیا اور اس کے کوچوان اور نوکر کو قتل کرنے اور اسے گھائل کرنے کے بعد یہ سمجھ کر کہ وہ مر چکا ہے واپس چلے گئے۔

یہ واقعات سننے کے بعد میں نے کہا کہ اب اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں قرطبہ کی حکومت

کو اس بات سے آگاہ کردوں تو میں اس بات کے لیے تیار ہوں لیکن اس وقت میرا فرض آپ کو آپ کے گھر پہنچانا ہے لیکن اس نے کہا۔ پہلے ان لوگوں کے نام سُن لو، جو قرطبہ کو ابنِ عکاشہ اور مامون کے پاس فروخت کرنا چاہتے ہیں، اگر یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تو یاد رکھو قرطبہ کسی دن بھیڑیوں کی شکار گاہ بن جائے گا۔ میں بنی عباد کا بدترین دشمن ہوں لیکن اگر میں زندہ رہوں تو قرطبہ کے ان نئے دشمنوں کی ہولناکیوں سے بچانے کے لیے خاندانِ عباد کے جھنڈے تلے لڑنا بھی اپنے لیے سعادت کا باعث سمجھوں گا۔ پھر اس نے مجھے کوئی بیس آدمیوں کے نام بتائے ان میں سے اکثر قرطبہ کے بااثر امراء تھے اور بعض ایسے بھی تھے جو حکومت کے اہم عہدوں پر فائز تھے

اس کے بعد میں نے عبدالرحمان کو اپنے گھوڑے پر لادا۔ اس کا مکان ہمارے مکان سے زیادہ دور نہ تھا۔ راستے میں وہ کبھی بیہوش ہو جاتا اور کبھی ہوش میں آکر میرے ساتھ باتیں کرنے لگتا۔ جب میں اس کے گھر پہنچا تو وہ بالکل بیہوش تھا اور میں سمجھتا تھا کہ وہ اپنا سفرِ حیات ختم کر چکا ہے۔ مجھے ان ناموں کے بھول جانے کا اندیشہ تھا جو اس نے بتائے تھے۔ اُسے گھر پہنچاتے ہی میں نے مختصراً اس کی بیوی، ماں اور نوکروں کے سوالات کے جواب دینے کے بعد ایک کاغذ لیا اور یادداشت کے لیے یہ نام لکھ لیے۔ تاہم چند ناموں کے متعلق میرے ذہن میں کچھ الجھن تھی تھوڑی دیر بعد اُسے ہوش آیا تو اس نے میری طرف دیکھتے ہی سوال کیا "دیکھو اپنا وعدہ پورا کرنا۔ وہ نام لکھ لو!"

میں نے لکھے ہوئے نام اُسے سُنا دیئے تین نام غلط تھے اور اُس نے ان کی اصلاح کرنے کے مجھے آٹھ اور آدمیوں کے نام بھی لکھوا دیئے۔ پھر اس نے مجھ سے سوال کیا "تم یہیں رہتے ہو؟"

میں نے جواب دیا "ہاں میرا گھر یہاں سے تھوڑی دور ہے۔ میں عبدالجبار کا بیٹا ہوں"۔

اس نے کہا "تم ایک بہادر کے بیٹے ہو۔ اب مجھے اطمینان ہے"۔

صبح کی اذان سے کچھ دیر پہلے وہ چل بسا۔ میں نے گھر جا کر قرطبہ کے گورنر کے نام ایک طویل مراسلہ لکھا جس میں یہ تمام واقعات درج تھے۔ اس کے بعد میں دوپہر تک گورنر کے محل کا

طواف کرتا رہا لیکن وہاں تک میری رسائی ممکن نہ تھی۔ تیسرے پہر میں قصرِ زہرا کے ناظم کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہوا۔ اس نے مجھے بتایا کہ میں اپنی معروضات پیش کروں اور اس کے جواب کا انتظار کروں۔

مجبوراً میں نے اپنا مراسلہ پیش کر دیا اور ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ اگر آج ہی آپ گورنر کو یہ مراسلہ پیش کر سکیں تو ممکن ہے کہ آپ قرطبہ کو تباہی سے بچا سکیں۔

شام کے وقت کوتوال کا لڑکا جو میرا ہم مکتب تھا، ہمارے گھر آیا اور اس نے کہا "ادریس تمہیں میرے ابا گھر پر بلاتے ہیں۔" میں اس کے ساتھ کوتوال کے گھر پہنچا، وہ میرے والد کو جانتا تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ "ادریس تم کوئی بہت بڑی حماقت کر چکے ہو۔ مجھے تھوڑی دیر پہلے گورنر کا حکم ملا ہے کہ تمہیں گرفتار کر لیا جائے اور تاحکمِ ثانی تنہائی کی قید میں رکھا جائے۔ جانتے ہو اس کا مطلب کیا ہے؟"

میں نے بدحواس ہو کر کہا۔ "آپ مذاق کرتے ہیں!"

"میں مذاق نہیں کرتا۔ تاحکمِ ثانی قید کا مطلب یہ ہے کہ تم پر مقدمہ نہیں چلایا جائے گا اور تمہیں شاید ہمیشہ کے لیے ایسی کوٹھڑی میں پھینک دیا جائے گا۔ جہاں سے تمہاری فریاد باہر نہیں آ سکے گی۔ اب بتاؤ تم نے کیا جرم کیا ہے؟"

میں نے اس سوال کے جواب میں اُسے تمام واقعات بتا دیے۔

کوتوال کچھ دیر حیرت و استعجاب کے عالم میں میری طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے مجھ سے کہا۔ "اچھا اب مجھے ان لوگوں کے نام بتاؤ!"

کاغذ کے ایک پُرزے پر ان ناموں کی ایک نقل ابھی تک میری جیب میں تھی۔ میں نے جیب میں سے کاغذ نکالا اور تمام نام پڑھ کر سُنا دیے۔

کوتوال ایک نام سُن کر اچانک چونک پڑا اور اُس نے کہا۔ "ارے بدبخت تم نے مگرمچھوں کی جھیل میں چھلانگ لگا دی ہے۔ تمہیں یہ بھی خیال نہیں آیا کہ جن لوگوں کے خلاف تم شکایت کر

رہے ہو۔ ان میں ناظمِ زہرا کا بھائی بھی ہے۔ ناظمِ زہرا نے تمہارا مراسلہ پڑھ لیا ہوگا اور گورنر سے تمہاری گرفتاری کے حکم پر دستخط کروانا اس کے لیے کوئی مشکل بات نہیں۔ اب تمہاری قید موت سے بھی بدتر ہو گی، باقی آدمیوں میں سے بھی اکثر ایسے ہیں جن کے ہاتھوں میں گورنر ایک کھلونا ہے۔"

میں نے کہا۔ "مجھے آپ ایک بار گورنر تک جانے کا موقع دیں۔ مجھے یقین ہے کہ میں اسے سمجھا سکوں گا۔"

"تم بیوقوف ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ وہ لوگ تمہیں گورنر تک پہنچنے دیں گے اور اگر پہنچ بھی جاؤ تو ان کے مقابلے میں تمہاری بات سنی جائے گی۔ دیکھو اب تمہارے لیے یہی راستہ ہے کہ تم یہاں سے فرار ہو جاؤ۔ اگر تم قرطبہ کو بچانا چاہتے تو ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ تم سیدھے اشبیلیہ جاؤ اور وہاں کے حاکم سے مل کر یہ تمام واقعات بتاؤ۔ اگر اس تک نہ پہنچ سکو تو اس کے اہل کاروں سے ملو۔ مساجد کے خطیبوں سے ملو۔ چوراہوں میں کھڑے ہو کر چلاؤ، وہاں کوئی نہ کوئی تمہاری بات پر توجہ دے گا۔ اگر کوئی توجہ نہ بھی دے تو بھی کم از کم تم اپنی جان بچا سکو گے۔ یہاں اگر میں تمہیں گرفتار نہ کروں تو شام تک وہ مجھے معزول کر کے دوسرے کوتوال سے یہ کام لے سکتے ہیں۔ ناظم نے یہ حکم بھیجا تھا کہ میں تمہیں گرفتار کرتے ہی اُسے اطلاع دوں۔ وہ یقیناً بہت پریشان ہوگا، ممکن ہے کہ اب تک وہ خود تمہارے گھر کا محاصرہ کر چکا ہو۔ اب باتوں کا وقت نہیں۔ شہر سے تین میل دور اشبیلیہ کی سڑک پر ایک چھوٹی سی سرائے ہے، تم وہاں پہنچ کر انتظار کرو۔ عشاء کی نماز کے بعد میں تمہارے لیے گھوڑا اور اخراجات کے علاوہ معتمد کے نام اپنی طرف سے ایک خط بھیج دوں گا لیکن اسے یہ ضرور بتانا ہو گا کہ تمہارا اشبیلیہ پہنچنا میری کوششوں کا نتیجہ تھا۔ اب تم گھر نہیں جا سکتے۔ میں تمہاری والدہ کو تمام واقعات بتا دوں گا۔"

اس کے بعد کوتوال نے اپنے لڑکے کو آواز دی اور اس سے کہا کہ مجھے بگھی پر بٹھا کر اشبیلیہ کی سڑک پر سرائے میں چھوڑ آئے۔

کوتوال کا لڑکا مجھے سرائے میں چھوڑ کر چلا گیا۔ عشاء کی نماز کے بعد کوتوال کا ایک نوکر

میر سے لیے گھوڑا، چند دینار اور کوتوال کا مراسلہ لے کر پہنچ گیا اور میں نے اشبیلیہ کا رُخ کیا۔

اشبیلیہ کے شاہی ایوان میں ضیافتوں، شاعروں، گویّوں اور نقالوں کی مجلسوں کا زور تھا دس دن کی ذلت و خواری کے بعد ایک مسجد کے خطیب کی کوششوں کے باعث مجھے معتمد کے دربار میں باریابی کا شرف حاصل ہوا۔ لیکن جس وقت میں دربار میں کھڑا اپنی سرگزشت سنا رہا تھا۔ اسی وقت قرطبہ سے ایک قاصد پہنچا اور اس نے یہ خبر سنائی کہ معتمد کا بیٹا قتل ہو چکا ہے اور ابنِ عکاشہ نے قرطبہ پر قبضہ کر لیا ہے۔

معتمد نے پہلا حکم یہ دیا کہ تمام پہریدار اور افسر گرفتار کر لیے جائیں، جنہوں نے اتنے دن اس نوجوان کو ہمارے پاس آنے سے روکے رکھا تھا۔ میرے متعلق یہ حکم ہوا کہ اشبیلیہ میں میری رہائش کا انتظام کیا جائے۔ اب میں اپنی ماں اور بہن کا حال معلوم کرنے آیا ہوں اور یہ جانتا ہوں کہ قرطبہ میں ابنِ عکاشہ کے ساتھی سب سے زیادہ میری تلاش کر رہے ہوں گے۔

میں علی الصباح یہاں پہنچا تھا۔ مدینۃ الزہرا کی ناکابندی شہر کی نسبت کہیں زیادہ شدید ہے۔ اور میرا براہِ راست وہاں جانے کی کوشش کرنا بھی خطرناک تھا کیونکہ مجھے وہاں پہچاننے والوں کی تعداد شہر کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔ اس لیے میں نے یہ سوچا ہے کہ پہلے قرطبہ پہنچ کر اپنے عزیزوں اور دوستوں سے اپنے گھر کے حالات معلوم کروں۔ ممکن ہے کہ والدہ اور ہمشیرہ شہر میں میرے ماموں کے پاس آ چکی ہوں۔ علی الصباح باہر سے پھل، سبزیاں، اناج، ایندھن اور چارہ وغیرہ لے جانے والے لوگوں کو قرطبہ کے مشرقی اور جنوبی دروازوں سے شہر میں داخل ہونے کی اجازت دی جاتی ہے اور میں ایک لکڑہارے کے بھیس میں قسمت آزمائی کرنا چاہتا ہوں۔ میں یہاں سے تھوڑی دور اشبیلیہ کی سڑک کے کنارے ایک بستی میں اپنا گھوڑا چھوڑ آیا ہوں۔ وہاں کا ایک کسان کچھ مدت پہلے ہمارے باغ کا مالی تھا اور یہ لباس بھی میں نے وہیں تبدیل کیا ہے۔ یہاں دروازے پر کھڑا میں یہ دیکھ رہا تھا کہ شہر سے باہر نکلنے والوں میں سے اگر کوئی میرا جان پہچان والا ہو تو اس سے اپنے گھر کا حال پوچھوں۔ اب تم بتاؤ تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

سعد نے جواب دیا "میں اباجان کا حال معلوم کرنے آیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ باغیوں نے سب سے پہلے انھیں آزاد کروایا ہوگا۔ لیکن ان حالات کے پیشِ نظر میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اباجان ابنِ عکاشہ جیسے آدمی کی اطاعت قبول کر کے آزادی حاصل کرنے پر قید کو ترجیح دیں گے اور تمہاری سرگزشت سننے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تمہیں ہرگز شہر میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔ شہر میں جس کام کے لیے تم اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا چاہتے ہو وہ میں باآسانی کر سکتا ہوں۔ اگر تم اپنی والدہ اور بہن کو اشبیلیہ لے جانا چاہتے ہو تو میں انھیں تمہارے پاس پہنچا دوں گا۔ میرے لیے صرف شہر میں داخل ہونا ہی ایک مسئلہ ہے اس کے بعد میں ہر جگہ آزادی کے ساتھ پھر سکوں گا۔ لیکن تمہارے لیے وہاں کوئی جگہ محفوظ نہیں ہوگی۔ وہ یقیناً تمہاری تلاش میں ہوں گے اور مدینۃ الزہرا میں تمہارے مکان اور قرطبہ میں تمہارے رشتہ داروں کے گھروں پر ان کا پہرہ ہوگا اور اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ تم ان کی مدد کرنے کی بجائے ان کے لیے مصیبت کا باعث بن جاؤ۔"

ادریس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا "اگر قدرت نے تمہیں میری مدد کے لیے بھیجا ہے تو میں خوامخواہ خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔"

شام ہو رہی تھی۔ سعد اور ادریس نے دریا کے کنارے نماز پڑھی اور بستی کی طرف چل دیے رات کے وقت انھوں نے کسان کے گھر قیام کیا۔ علی الصباح سعد نے اپنا گھوڑا وہیں چھوڑا اور ایک گدھے پر جلانے کی لکڑیاں لاد کر شہر کی طرف روانہ ہوا۔

اسے رخصت کرتے وقت ادریس نے اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا "سعد میں نے کبھی اتنا خوش وضع لکڑہارا نہیں دیکھا۔ تم ہر لباس میں ایک سپاہی نظر آتے ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ تم پہرے داروں کو دھوکا نہیں دے سکو گے۔"

سعد نے جواب دیا "اطمینان رکھو، پہرے دار مجھے تمہاری آنکھوں سے نہیں دیکھیں گے۔"

الماس اپنے اصطبل کے سامنے لکڑی کے ایک تختے پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔ اچانک پیچھے سے کسی نے آکر بلند آواز میں کہا "آپ لکڑیاں خریدیں گے؟"

الماس نے چونک کر پیچھے دیکھتے ہوئے نوعمر لکڑہارے سے کہا "بھاگ جاؤ، ہمیں لکڑیوں کی ضرورت نہیں" لیکن اچانک اس کی توجہ لکڑیوں سے لدے ہوئے گدھے کی طرف مبذول ہوگئی جو اصطبل کی تازہ گھاس کے ڈھیر پر چڑھ کر اپنی بھوک کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

الماس آگ بگولا ہو کر اٹھا اور لکڑہارے کے ہاتھ سے ڈنڈا چھین کر گدھے پر ٹوٹ پڑا۔ گدھا چند ڈنڈے کھانے کے بعد باغ کی طرف بھاگ نکلا۔ لکڑہارے نے آگے بڑھ کر الماس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا "چچا الماس یہ گدھا پرایا ہے!"

الماس نے غصے کی حالت میں اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی لیکن لکڑہارے کے ہاتھ کی گرفت اس کی توقع سے کہیں زیادہ سخت تھی۔ اس نے پہلی بار لکڑہارے کی طرف غور سے دیکھا اور اس کا غصہ مسرت میں تبدیل ہوگیا "سعد! تم!؟" اس نے لکڑہارے کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

سعد نے سوال کیا "پہلے مجھے ابا جان کے متعلق بتاؤ!"

الماس نے مغموم لہجے میں جواب دیا "ان کا کچھ پتا نہیں چلا۔ ابھی تک ان کا کوئی اور ساتھی بھی رہا نہیں ہوا۔"

الماس سعد سے کئی سوالات پوچھنے کے لیے بے قرار تھا لیکن باقی نوکروں کو اس کے گرد جمع ہوتے دیکھ کر اس نے سعد کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے مکان کی طرف کھینچتے ہوئے کہا "اگر کوئی خطرناک بات ہے تو تمہارا یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔"

مکان کے ایک کمرے میں داخل ہو کر الماس نے کہا "تم یہاں بیٹھو میں نوکروں کو کچھ ہدایات دے آؤں!"

سعد نے کہا "چچا الماس گھبراؤ نہیں۔ میں نے یہ بھیس صرف شہر میں داخل ہونے کے لیے تبدیل کیا تھا۔ اب میرے لیے ایک طالب علم کے لباس کا انتظام کرو۔ مجھے شہر میں

ایک ضروری کام کے لیے جانا ہے۔"

الماس نے کہا "آقا کے متعلق میں ان کے ہر دوست سے پوچھ چکا ہوں۔ وہ سب کہتے ہیں کہ ابنِ عکاشہ قیدیوں کو رہا کرنے سے پہلے ان سے طلیطلہ کے حکمران مامون کی بیعت لے گا۔ مامون شاید آج یا کل یہاں پہنچ جائے۔"

"لیکن تمہارا کیا خیال ہے کہ اہلِ قرطبہ مامون کی غلامی قبول کر لیں گے؟"

الماس نے جواب دیا "اہلِ قرطبہ اب بکریوں کا ریوڑ بن چکے ہیں جنہیں ہر وہ شخص جس کے پاس چھڑی ہو ہانک سکتا ہے۔ امراء کے ایک گروہ نے انہیں اشبیلیہ والوں کے ہاتھ فروخت کیا اس کے بعد امراء کا دوسرا گروہ اٹھا اور انھوں نے ان بکریوں کو طلیطلہ والوں کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔ جس رات ابنِ عکاشہ نے گورنر کے محل پر قبضہ کیا تھا ہم بہت خوش تھے۔ مجھے یقین تھا کہ قدرت نے اسے اہلِ قرطبہ کو اشبیلیہ والوں کی غلامی سے آزاد کرنے کے لیے بھیجا ہے لیکن دن ہی میں یہ پتہ چلا کہ وہ قرطبہ کے بااثر آدمیوں سے مامون کی بیعت لے رہا ہے اور جو لوگ اس کی بیعت سے انکار کرتے ہیں انھیں پھانسی یا قید کی سزا دی جا رہی ہے۔ حملے سے ایک ہفتہ پہلے ہی باہر سے کئی لوگ شہر میں جمع ہو رہے تھے اور اہلِ قرطبہ یہ سمجھ کر انہیں اپنے گھروں میں جگہ دے رہے تھے کہ یہ لوگ قرطبہ کی جنگِ آزادی میں حصہ لینے کے لیے آئے ہیں لیکن یہ مامون کے سپاہی تھے۔ میں نے بھی چار دن تک پندرہ آدمیوں کو اس مکان میں چھپنے کے لیے جگہ دی تھی۔"

سعد نے سوال کیا "تمہیں ادریس کے خاندان کا کچھ علم ہے؟"

الماس نے جواب دیا "میں تمہیں یہ بتانے ہی والا تھا۔ ادریس اس انقلاب سے کئی روز پہلے غائب ہو گیا تھا۔ چند دن پولیس اس کی تلاش میں بہت سرگرداں رہی۔ شہر کے بعض امراء جو اب ابنِ عکاشہ کے طرفدار ہیں ان دنوں ادریس کی تلاش میں عباد کے سپاہیوں کی نسبت کہیں زیادہ مضطرب تھے۔ میں حیران ہوں کہ اس نے کس جرم کے عوض ایک دقت

اشبیلیہ کے حکمرانوں اور قرطبہ کے بااثر لوگوں کی دشمنی مول لے لی تھی۔ شہر میں اُس کے ہر عزیز اور رشتہ دار کے گھر کی تلاشی لی گئی۔ اس کے ماموں نے اس کی ماں اور بہن کو مدینۃ الزہرا سے شہر میں لانے کی کوشش کی لیکن انھیں وہاں سے گھر چھوڑنے کی اجازت نہیں ملی۔ اس انقلاب کے بعد میرا یہ خیال تھا کہ ان کے ساتھ ابنِ عکاشہ کا رویہ عباد کے طرزِ عمل سے مختلف ہوگا لیکن کل شام مجھے مسجد میں ادریس کا ماموں ملا تھا اس نے بتایا کہ اب ادریس کے مکان پر ابنِ عکاشہ کی پولیس کا پہرہ اور زیادہ سخت ہے۔ ادریس کا ماموں زاد بھائی جس کی عمر بارہ سال سے زیادہ نہیں ان کی خبر لینے کے لیے گیا تھا۔ سپاہیوں کو شک گزرا کہ وہ شاید ادریس کا ایلچی بن کر آیا ہے۔ چنانچہ اسے سخت جسمانی اذیتیں پہنچا کر ادریس کا پتہ دینے پر مجبور کیا گیا لیکن اُسے معلوم ہی نہیں تھا کہ ادریس کہاں ہے۔"

سعد نے سوال کیا "کسی نے اُس کی ماں اور بہن کے ساتھ سختی تو نہیں کی؟"

"اشبیلیہ والے تو پولیس کو عورت پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتے تھے لیکن اب ایک ڈاکو کی حکومت ہے اور ہر بات ممکن ہے۔"

سعد نے کہا "میں انھیں فوراً ادریس کے پاس پہنچانا چاہتا ہوں۔ وہ شہر سے باہر ان کا انتظار کر رہا ہے۔"

"وہ تمھیں کب ملا؟"

"کل۔"

"تم نے پوچھا کہ اس نے کیا جرم کیا ہے؟"

"اس نے حکومت کو بروقت ابنِ عکاشہ کی سازش سے باخبر کرنے کی کوشش کی تھی۔"

الماس نے حیران ہو کر سوال کیا "اگر یہ بات تھی تو اشبیلیہ کے حکام اسے کس لیے گرفتار کرنا چاہتے تھے؟"

اس سوال کے جواب میں سعد نے مختصراً ادریس کی سرگزشت بیان کر دی۔

(۸)

رات کے وقت ادریس کی بہن میمونہ ایک کرسی پر بیٹھی شمع کی روشنی میں کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ اس کی ماں دوسرے کمرے میں عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد حسبِ معمول کوئی وظیفہ پڑھ رہی تھی کہ کسی نے آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

میمونہ چونک کر اٹھی اور پاس ہی اپنے بستر کے تکیے کے نیچے چھپا ہوا خنجر نکال کر دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازے کی کنڈی اندر سے بند تھی۔ میمونہ کچھ دیر دروازے کے ساتھ کان لگائے کھڑی رہی۔ تھوڑی دیر بعد پھر کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ "کون ہے؟" میمونہ نے سہمی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

باہر سے کسی نے دبی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "ڈرو نہیں میں سعد ہوں اور ادریس کا پیغام لایا ہوں۔"

اتنی دیر میں میمونہ کی ماں بھی برابر کے کمرے سے نکل کر اپنی بیٹی کے قریب پہنچ گئی اور اس نے خوفزدہ ہو کر کہا "کیا ہے میمونہ؟"

میمونہ کی بجائے باہر سے سعد نے جواب دیا "میں سعد بن عبدالمنعم ہوں، مجھے ادریس نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔"

میمونہ کی ماں نے قدرے توقف کے بعد دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر داخل ہوا۔ سعد ایک سپاہی کے لباس میں تھا اور میمونہ اور اس کی ماں تذبذب اور پریشانی کی حالت میں اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

سعد نے اپنی جیب سے ایک کاغذ کا ایک پرزہ نکال کر ادریس کی ماں کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "مجھے ڈر تھا کہ آپ شاید مجھے پہچان نہ سکیں۔ اس لیے ادریس سے یہ رقعہ لے آیا ہوں۔" ادریس کی ماں دروازے کو بند کر کے کنڈی لگانے کے بعد شمع کے قریب جا کر رقعہ پڑھنے لگی۔

اچانک مکان کے ایک کونے سے کسی کمرے کا دروازہ کھلنے کی آہٹ سنائی دی اور کسی نے

نسوانی آواز میں کہا "میمونہ! میمونہ!!"

میمونہ بدحواس ہو کر اپنی ماں کی طرف دیکھنے لگی۔

برآمدے میں کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور میمونہ کی ماں نے قدرے خوفزدہ ہو کر کہا "بیٹا تم پچھلے کمرے میں چھپ جاؤ۔ یہ ہماری نئی خادمہ ہے۔ جسے ناظم زبیر نے ہم پر جاسوسی کے لیے مقرر کیا ہے۔"

سعد بھاگ کر کمرے کے عقب میں ایک کوٹھڑی کے اندر چلا گیا۔ میمونہ اپنی ماں کے اشارے سے بستر پر لیٹ گئی اور ماں نے جلدی سے کاغذ کا پرزہ اس کے تکیے کے نیچے چھپا دیا۔

خادمہ نے دروازے کے قریب پہنچ کر کہا "ابھی باہر سے اس طرف کوئی آیا ہے؟"

"اس وقت کون آسکتا ہے؟"

"مجھے ابھی دروازہ کھلنے کی آہٹ سنائی دی تھی۔"

"میمونہ کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ میں نے ابھی بند کیا ہے۔"

"مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ یہاں کوئی باتیں کر رہا ہے۔"

"میں میمونہ کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔"

"نہیں آپ کی آواز برآمدے میں نہیں پہنچ سکتی۔ شاید کوئی برآمدے میں بول رہا تھا۔"

ادریس کی ماں نے دروازہ کھولتے ہوئے باہر نکل کر کہا "تمہیں مغالطہ ہوا ہے ابھی ڈیوڑھی میں نوکر شور مچا رہے تھے۔"

خادمہ نے اندر جھانکتے ہوئے کہا "کیوں میمونہ تم نے بھی کسی کی آواز نہیں سنی؟"

میمونہ نے قدرے بگڑ کر کہا "کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ تم کسی طبیب سے اپنے کانوں کا معائنہ کراؤ۔"

خادمہ کے دل میں جو شبہات ادریس کی ماں کی گھبراہٹ کے باعث پیدا ہوئے تھے، وہ میمونہ کی خود اعتمادی نے دور کر دیے اور وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

ادریس کی ماں نے دوبارہ دروازہ بند کر دیا اور کچھ دیر خادمہ کے واپس لوٹتے ہوئے قدموں

کی آواز سنتی رہی۔ بالآخر جب اس کے کمرے کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

سعد عقب کی کوٹھڑی سے نکل کر کمرے میں آگیا۔ ادریس کی ماں نے میمونہ سے کہا "بیٹی تمہیں اس کے ساتھ اس طرح پیش نہیں آنا چاہیے۔ وہ اگر نوکروں کو بلا کر مکان کی تلاشی لیتی تو پھر کیا ہوتا؟"

میمونہ نے کہا "میں اس کے سینے میں خنجر گھونپ دیتی۔"

سعد نے کہا "میرے خیال میں اگر میمونہ کا طرزِ عمل اس سے مختلف ہوتا تو اس کے شکوک اتنی جلدی دور نہ ہوتے۔"

"بیٹا! تم اُسے نہیں جانتے، وہ سونے سے پہلے ایک بار نوکروں کو باخبر رہنے کے لیے ضرور کہے گی۔ ہمارا یہاں باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔ میں حیران ہوں کہ تم مکان میں کیسے داخل ہوئے؟"

سعد نے جواب دیا "میں باغ کی طرف سے دیوار پھاند کر آیا ہوں۔"

"چلو اسی کمرے میں" یہ کہتے ہوئے میمونہ کی ماں نے شمع اٹھالی اور میمونہ اور سعد اس کے پیچھے عقب کے کمرے میں داخل ہوئے۔

میمونہ کی ماں کے استفسار پر سعد نے مختصراً ادریس کے ساتھ اپنی ملاقات کے واقعات بیان کر دیے۔ اختتام پر جب اس نے انہیں یہ کہا کہ آپ تھوڑی دیر تک یہاں سے چلنے کے لیے تیار ہو جائیں تو میمونہ کی ماں نے کہا "بیٹا! تمہیں شاید معلوم نہیں کہ ہمارے تمام پرانے نوکروں کو یہاں سے نکال دیا گیا ہے۔ دو نوکر جو اس وقت ڈیوڑھی میں ہیں وہ پولیس کے آدمی ہیں۔ یہ خادمہ بھی ان کے ساتھ ہے۔ پرسوں میرے بھائی کا کمسن لڑکا ہماری خبر لینے کے لیے آیا تھا ان نوکروں نے پولیس کو خبر پہنچا دی اور وہ اُسے پکڑ کر چوکی میں لے گئے۔ ہمیں یہ خبر بھی نہیں کہ اس کے ساتھ کیا سلوک ہوا ہے!"

سعد نے کہا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسے زد و کوب کر کے ادریس کا پتہ معلوم کرنے کی

کوشش کی گئی تھی۔ اب وہ اپنے گھر میں ہے۔"

ان حالات میں تم خود سمجھ سکتے ہو کہ ہمارا یہاں سے نکلنا کتنا مشکل ہے۔"

"آپ اس کی فکر نہ کریں۔ میں سارا انتظام کر چکا ہوں۔"

میمونہ کی ماں نے کہا "مجھے ڈر ہے کہ ہماری وجہ سے ادریس گرفتار نہ ہو جائے۔ کاش تم اُسے واپس اشبیلیہ چلے جانے کا مشورہ دیتے اور ہم حالات کے اعتدال پر آتے ہی وہاں روانہ ہو جاتیں۔"

سعد نے کہا "وہ قرطبہ سے باہر ایک محفوظ جگہ پر ہے۔ آپ اس کے متعلق پریشان نہ ہوں۔ میں تھوڑی دیر کے لیے باہر جاتا ہوں، اتنے عرصے میں آپ تیار ہو جائیں۔"

میمونہ نے پریشان ہو کر کہا "آپ ڈیوڑھی میں پہریداروں کے ساتھ الجھنے کی کوشش نہ کریں۔ وہ دو ہیں، اور ممکن ہے کہ سڑک پر گشت لگانے والے سپاہیوں کی کوئی ٹولی بھی ان کی مدد کے لیے پہنچ جائے۔"

سعد نے جواب دیا "آج میں لڑنے کے ارادے سے نہیں آیا، تاہم اگر لڑائی کی ضرورت پڑی تو میں اکیلا نہیں ہوں۔"

سعد نے دوسرے کمرے میں آکر آہستہ سے دروازہ کھولا اور دبے پاؤں باہر نکل گیا۔

ماں اور بیٹی ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔

(۹)

تھوڑی دیر بعد میمونہ اور اس کی ماں سفر کی تیاری کرنے کے بعد اپنے سونے کے کمرے میں سعد کا انتظار کر رہی تھیں۔ میمونہ کی ماں اپنے زیورات کے علاوہ چند ضروری کپڑے ایک چھوٹی سی گٹھڑی میں باندھ چکی تھی۔

میمونہ نے اپنے تکیے کے نیچے سے ادریس کا رقعہ نکالتے ہوئے اپنی ماں سے کہا "امی! دیکھیے اگر ہم یہ رقعہ یہاں چھوڑ جاتے تو غضب ہو جاتا!"

ماں نے رقعہ اس کے ہاتھ سے لے کر شمع کی لو پر رکھ کر جلاتے ہوئے کہا "خدا کا شکر ہے کہ تمہیں اس کا خیال آ گیا۔ ورنہ میں تو بھول چکی تھی۔"

ایک ساعت اور گزرنے کے بعد انھیں ڈیوڑھی کی طرف کچھ شور سنائی دیا۔ میمونہ نے اپنا خنجر سنبھالتے ہوئے کہا "امی وہ شاید لڑ رہے ہیں۔"

میمونہ نے باہر نکلنا چاہا لیکن اس کی ماں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا "ٹھہرو! ایسے موقع پر ذرا سی غلطی ہمیں مصیبت میں ڈال دے گی۔"

میمونہ کو پیچھے ہٹا کر وہ خود دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ لیکن ڈیوڑھی کی طرف سے اب کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اچانک خادمہ پھر "میمونہ! میمونہ!" کہتی ہوئی اپنے کمرے سے باہر نکلی۔ میمونہ نے اپنی ماں کو دروازے سے ایک طرف ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "امی اسے اندر آنے دو، ورنہ وہ شور مچائے گی۔"

خادمہ نے کمرے کے قریب پہنچتے ہوئے پھر کہا "میمونہ یہ شور کیسا تھا؟ میمونہ! میمونہ! بولتی کیوں نہیں۔ دروازہ کھولو!"

"دروازہ کھلا ہے۔ لیکن تم چاہتی کیا ہو؟"

خادمہ نے اندر داخل ہو کر کہا "تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتیں۔ اس وقت ادریس آیا تھا اور تم نے اُسے اندر چھپا رکھا ہے۔"

میمونہ نے اچانک اس کی طرف اپنا خنجر سیدھا کر دیا۔ خادمہ نے بدحواس ہو کر پیچھے ہٹنا چاہا لیکن میمونہ نے اُس کا راستہ روکتے ہوئے کہا "اگر تم نے شور مچایا تو میں خنجر تمہارے پیٹ میں گھونپ دوں گی!"

"نہیں نہیں۔ میں نے تمہارے ساتھ کوئی بُرائی نہیں کی۔ دیکھو یہ خنجر بہت تیز ہے ایسا مذاق اچھا نہیں ہوتا۔ بیگم آپ اسے منع کریں!"

"دیکھو میں تمہیں کہتی ہوں، شور نہ مچاؤ۔ اگر اپنی جان کی خیر چاہتی ہو تو اس کوٹھڑی

میں چلی جاؤ۔ ورنہ!" میمونہ نے خنجر کو ذرا جنبش دی اور خادمہ خوف سے کانپتی ہوئی کوٹھری کے اندر چلی گئی۔ میمونہ نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا اور پھر کنڈی چڑھاتے ہوئے کہا۔ "بدطینت اور منافق لوگ ہمیشہ ڈرپوک ہوتے ہیں۔ دیکھو اگر تم نے اندر سے شور مچایا تو ہم اس مکان کو آگ لگا کر باہر نکل جائیں گے۔"

صحن میں سعد کو کسی کے ساتھ باتیں کرتا ہوا سن کر میمونہ اور اس کی ماں باہر نکل آئیں اب سعد کے چہرے پر نقاب تھا اور اس کے پیچھے ایک اور نقاب پوش کسی کو اپنے کندھے پر اٹھائے چلا آ رہا تھا۔ قریب آ کر سعد نے کہا۔ "میمونہ تمہاری خادمہ کون سے کمرے میں ہے؟"

میمونہ نے جواب دیا۔ "میں نے اُسے کوٹھری میں بند کر دیا ہے۔"

"بہت اچھا کیا۔ اب تمہارے نوکروں کے لیے بھی ایک کوٹھری کی ضرورت ہے۔"

"ان کے لیے ہمارے غسل خانے بہت رہیں گے۔"

"بہت اچھا۔ تم راستہ دکھاؤ!"

میمونہ نے شمع اٹھا کر اس کی راہنمائی کی اور قوی ہیکل نقاب پوش نے رسیوں میں جکڑے ہوئے نوکر کو غسل خانے کے اندر ڈال دیا۔ اس کے منہ پر کپڑا بندھا ہوا تھا اور میمونہ کو اس کی حالت دیکھ کر بے ساختہ ہنسی آ رہی تھی۔

سعد نے کہا۔ "اچھا اب دوسرے کو بھی لے آؤ!"

تھوڑی دیر میں سعد کے ساتھی نے دوسرے نوکر کو بھی غسل خانے میں پہنچا دیا۔ غسل خانے کا دروازہ بند کرنے کے بعد وہ خادمہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ سعد نے اس کی کوٹھری کا دروازہ کھول کر کہا۔ "دیکھو تم ایک عورت ہو۔ ہم تم پر سختی نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن اگر تم نے شور مچانے کی کوشش کی تو تمہارا گلا گھونٹ دیا جائے گا!"

میمونہ نے کہا۔ "آپ اس کی فکر نہ کریں اگر اس نے شور مچایا تو میں مکان کو آگ لگا دوں گی۔"

سعد نے دوبارہ دروازہ بند کرنے کے بعد خادمہ پر اور زیادہ اثر ڈالنے کی ضرورت

محسوس کرتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ "اب آپ سب آرام کریں۔ صرف ایک آدمی اس کوٹھری کا پہرہ دینے کے لیے کافی ہے۔"

(۱۰)

سعد کے ساتھ دوسرا نقاب پوش الماس تھا۔ آدھی رات کے قریب وہ میمونہ اور اس کی ماں کے ساتھ دبے پاؤں مکان کا صحن عبور کرنے کے بعد ڈیوڑھی میں پہنچے۔ سعد نے ڈیوڑھی کا دروازہ کھول کر ادھر اُدھر دیکھا۔ سڑک پر تھوڑی دور اُسے چند آدمیوں کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور وہ بھاگ کر ڈیوڑھی کے اندر آ گیا۔

الماس نے کہا۔ "اگر ہم مکان کے عقب سے دیوار پھاند کر باغ میں داخل ہو جاتے تو بہتر ہوتا"

"ٹھہرو!" سعد یہ کہتے ہوئے کواڑوں کی درز سے باہر جھانکنے لگا۔

جب پاؤں کی آہٹ قریب آ گئی تو الماس نے کہا۔ "دروازہ بند کر دو۔ یہ پہریداروں کی ٹولی معلوم ہوتی ہے۔"

سعد نے قدرے توقف کے بعد دروازہ بند کر دیا۔ جب گشت لگانے والے پہریدار گزر گئے، تو اس نے دوبارہ دروازہ کھول کر باہر جھانکتے ہوئے کہا۔ "اب جلدی سے نکل آؤ!"

چند قدم چلنے کے بعد وہ سڑک چھوڑ کر ایک گھنے باغ میں داخل ہو گئے اور سعد نے مُڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "چچا الماس! اب تم رہنمائی کرو!" الماس ان کے آگے ہو گیا

مدینۃ الزہرا کے شاہی ایوان اور سرکاری عمارات کی چار دیواری سے باہر مغرب کی طرف باغات کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ کہیں کہیں گہرے کھڈ جو برسات کے دنوں میں تیز رفتار پہاڑی ندیوں اور نالوں میں تبدیل ہو جاتے تھے اور باغات کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرتے تھے۔ گزشتہ چند ماہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے یہ ندیاں قریباً خشک تھیں۔ باغات کو سیراب کرنے والی بعض نہروں میں گھٹنے گھٹنے پانی تھا۔

رات کے پچھلے پہر یہ ایک لمبا سا چکر کاٹ کر کوئی اڑھائی تین میل نیچے کی طرف

دریائے وادی الکبیر کے کنارے پہنچ چکے تھے۔

الماس نے کہا "اب آپ یہاں ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں" یہ کہہ کر الماس نے چھوٹی سی گٹھڑی زمین پر رکھ دی اور تاریکی میں غائب ہو گیا۔ میمونہ کی ماں جو تھکاوٹ سے چور ہو چکی تھی، زمین پر بیٹھ گئی۔

سعد نے کہا "آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔ میں نے پہلے سوچا تھا کہ آپ کے لیے گھوڑوں کا انتظام کروں۔ لیکن اس میں بہت سے خطرات تھے۔"

"بیٹا میری تھکاوٹ ادریس کو دیکھتے ہی دور ہو جائے گی۔ وہ یہاں سے کتنی دور ہے؟"

"بس دریا کو عبور کرنے کے بعد ہمیں زیادہ سے زیادہ کوئی آدھ میل اور چلنا پڑے گا۔ خدا کرے کہ کشتی والا ماہی گیر پہنچ گیا ہو!"

"اور اگر وہ نہ آیا تو؟"

"پھر ہم یہ کوشش کریں گے کہ آس پاس کی بستیوں سے کسی اور ماہی گیر کی کشتی مل جائے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکا تو میں تیر کر دریا عبور کروں گا اور ادریس کو یہاں بلا لاؤں گا۔ ایک گھوڑا ادریس کا اپنا ہے اور ایک میں اس کے پاس چھوڑ آیا ہوں۔ ہم گھوڑے بھی اس پار لے آئیں گے۔ یہاں سے چند میل اور نیچے کی طرف ایک پل ہے۔ اس پل کو عبور کرنے کے بعد آپ اشبیلیہ کی طرف جانے والی سڑک پر پہنچ سکیں گی، لیکن مجھے یقین ہے وہ ماہی گیر ضرور آئے گا۔ الماس نے جس آدمی کے سپرد یہ کام کیا تھا، وہ بہت ہوشیار ہے۔"

(۱۱)

میمونہ دریا کے کنارے کھڑی سنگریزے اٹھا اٹھا کر پانی میں پھینک رہی تھی۔ اچانک اس کی ماں کے دل میں کوئی خیال آیا اور اس نے کہا "بیٹا مجھے معاف کرنا! میں اس قدر پریشان تھی کہ تمہاری ماں کی خیریت پوچھنا بھول گئی۔ ان کا کیا حال ہے؟"

"وہ بخیریت ہیں۔ امی جان نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں قرطبہ پہنچ کر آپ کا حال ضرور معلوم کروں

"تمہارے ابا جان! ان کا کچھ پتہ چلا یا نہیں؟"

"وہ ابھی تک قید میں ہیں۔"

میمونہ یہ گفتگو سن کر ان کے قریب آ گئی۔ اس نے جھجکتے ہوئے سوال کیا "آپ بھی ہمارے ساتھ اشبیلیہ جائیں گے؟"

"نہیں میں تمہیں ادریس کے ساتھ روانہ کرنے کے بعد واپس قرطبہ جاؤں گا میں ابا جان کے متعلق معلوم کرنے آیا تھا۔"

میمونہ کی ماں نے کہا "بیٹا! ان کا پتہ لگانے کے بعد ہمیں ضرور اطلاع دینا اور اگر خدانخواستہ وہ قید سے آزاد نہ بھی ہوں تو بھی تمہارا قرطبہ رہنا ٹھیک نہیں ہو گا۔ ابن عکاشہ ہر نیک انسان کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔"

سعد نے جواب دیا "اندلس کی زمین اب ہر جگہ خدا کا نام لینے والوں کے لیے تنگ ہو رہی ہے۔ خدا معلوم ہمارا انجام کیا ہو گا؟"

دور سے الماس کی آواز آئی "سعد! آؤ!!"

سعد، میمونہ اور اس کی ماں دریا کے اوپر کی طرف چل پڑے۔ الماس کے قریب پہنچ کر سعد نے سوال کیا "ماہی گیر کہاں ہے؟"

"وہ کشتی دریا کے کنارے لگا کر سو رہا تھا، اب اس طرف آ رہا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد ماہی گیر کشتی لے کر پہنچ گیا اور وہ سب اس پر سوار ہو گئے۔

ملاح نے کہا "دیکھیے آپ باتیں نہ کریں۔ اگر دوسرے کنارے کسی سپاہی نے مجھے اس وقت کشتی چلاتے دیکھ لیا تو کشتی ضبط کر لی جائے گی اور میں قید خانے بھیج دیا جاؤں گا۔ رات کے وقت ہمیں کسی کو کشتی پر بٹھانے کی اجازت نہیں۔ آپ دوسرے کنارے پہنچ کر کسی سے اس بات کا ذکر بھی نہ کریں!"

دوسرے کنارے پہنچ کر کشتی سے اترنے کے بعد الماس نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی

سی تھیلی نکال کر ملاح کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "اس تھیلی میں دس دینار ہیں۔ تمہارے ساتھ آٹھ کا وعدہ کیا تھا۔ میں دو دینار تمہیں بطورِ انعام دے رہا ہوں۔"

علی الصباح میمونہ اور اس کی ماں بستی کے ایک تنگ مکان کے صحن میں ادریس کے سامنے کھڑی تھیں۔ ان کے چہروں پر مسکراہٹیں اور آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔

گھوڑے تیار کروانے کے بعد سعد نے کہا "ادریس اب باتوں کا وقت نہیں تم فوراً سوار ہو جاؤ" مکان سے باہر نکل کر وہ گھوڑوں پر سوار ہو گئے ادریس نے میمونہ کو اپنے ساتھ بٹھا لیا اور اس کی ماں دوسرے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ سعد نے اپنی جیب سے ایک تھیلی نکال کر ادریس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ لو تمہیں راستے میں ضرورت پڑے گی!"

ادریس نے احسان مندی اور محبت کے جذبات سے مغلوب ہو کر کہا "سعد! راستے کی ضرورت کے لیے میرے پاس بہت ہے۔ اگر ضرورت ہوتی تو میں خود مانگ لیتا۔"

سعد نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ تم اشبیلیہ کی سڑک میں داخل ہوتے ہی ایک اور گھوڑا خرید لو تاکہ میمونہ کو تکلیف نہ ہو۔"

"مجھے گھوڑا خریدنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ معتمد کے وزیر نے مجھے قرطبہ کی سرحدی چوکی کے افسر کے نام مراسلہ دیا تھا وہ مجھے ہر ممکن سہولت مہیا کرے گا۔"

ادریس کی ماں نے کہا "سعد بیٹا! میں بھی گھر سے خالی ہاتھ نہیں آئی۔ میں نے گٹھڑی میں تمام نقدی اور جواہرات باندھ لیے تھے۔"

سعد نے کہا "بہت اچھا۔ میں آپ کو مجبور نہیں کرتا۔ دیکھو ادریس جب تم اشبیلیہ پہنچو تو غرناطہ میں ہمارے گھر ضرور اطلاع دے دینا۔ شاید میں بھی چند دن تک وہاں پہنچ جاؤں۔"

"تم کبھی اشبیلیہ نہیں آؤ گے؟"

سعد نے قدرے توقف کے بعد جواب دیا "اس وقت میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تاہم میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ کسی دن اشبیلیہ میرے راستے کی اہم ترین منزل ہو گا۔ خدا بہتر جانتا

ہے کہ دوسری بار ہم کب اور کون سے بھیس میں ملیں گے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ہم کسی وقت کے بغیر ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔"

میمونہ غور سے سعد کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی عمر کے اس حصے میں تھی جہاں لمسنی اور جوانی کی سرحدیں آپس میں ملتی ہیں۔ اس عمر کی لڑکیوں کے تاثرات عام طور گہرے اور دیرپا نہیں ہوتے۔ گزشتہ چند گھنٹوں میں اس نے سعد کے متعلق اس سے زیادہ نہ سوچا تھا کہ وہ اس کے بھائی کا دوست ہے اس لیے اُسے ان کے ساتھ ہمدردی ہے۔ وہ رحمدل اور بہادر ہے اور انھیں مصیبت سے نجات دلانا چاہتا ہے۔ ایک دفعہ اس نے تیر چلا کر اس کی گڑیا درخت سے اتاری تھی اور وہ اپنی سہیلیوں سے کہا کرتی تھی کہ اس کے بھائی کا ایک دوست قرطبہ کا بہترین تیر انداز ہے اور اب جب کہ اس نے پانچ سال کے بعد اُسے ایک سپاہی کے لباس میں دیکھا تھا تو وہ یہ سوچ رہی تھی کہ میں اشبیلیہ میں اپنی نئی سہیلیوں کو یہ واقعات بتایا کروں گی۔

سعد نے اچانک اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا "کیوں میمونہ تم بھی مجھے پہچان لوگی نا؟"

میمونہ نے ایک خفیف سی مسکراہٹ کے بعد آنکھیں جھکا لیں۔ جب وہ وہاں سے روانہ ہو گئے تو میمونہ کچھ دور تک مڑ مڑ کر سعد کی طرف دیکھتی رہی۔ سعد کے الفاظ بار بار اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ وہ تصورات کی ایک نئی دنیا میں تھی۔ مستقبل کی کسی موہوم شاہراہ کے چوراہے پر کوئی اجنبی اُسے کہہ رہا تھا "میمونہ! تم مجھے پہچانتی ہو نا؟" اور وہ ماضی کے دھندلے سے آئینے میں اُسے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے دل کی معصوم لطیف اور خوشگوار دھڑکنیں کہہ رہی تھیں کاش یہ اجنبی سعد کے سوا کوئی اور نہ ہو!

ادریس کے روانہ ہونے سے تھوڑی دیر بعد سعد اور الماس دیہاتی کاشتکاروں کے بھیس میں شہر کا رُخ کر رہے تھے۔ سعد اپنے سر پر سیب اور الماس مرغیوں کی ٹوکری اٹھائے ہوئے تھا

(۱۲)

سعد قرطبہ میں تین ہفتے رہا۔ اس عرصے میں مامون ذالنون ایک فاتح کی حیثیت سے شہر

میں داخل ہو چکا تھا۔ بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ مامون کو دیکھ کر اہلِ قرطبہ کی غیرت ایک بار پھر جوش مارے گی لیکن انھیں مایوسی ہوئی۔ جب ابنِ عکاشہ مامون کے استقبال کے لیے شہر سے باہر نکلا تو قرطبہ کے بااثر امرا اس کے ساتھ تھے۔ شہر کے تاجروں نے اپنے نئے حکمران کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بازاروں کو سجایا اور عوام ابنِ عکاشہ کی فوج اور پولیس کے احکام کی تعمیل میں سڑکوں پر قطار باندھے کھڑے تھے۔ مامون کا جلوس گزر گیا اور اُس کے فوراً بعد شہر کے تمام دروازے کھول دیے گئے۔ کسی نے آواز بلند نہ کی۔ کوئی مظاہرہ نہ ہوا۔ قرطبہ کے حریت پسند خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ رات کے وقت چند آدمی شہر کے ایک چوراہے میں کھڑے دو آدمیوں کی بحث سن رہے تھے۔ ایک یہ کہہ رہا تھا کہ معتمد کا جلوس زیادہ پرشکوہ تھا اور دوسرا یہ کہہ رہا تھا کہ مامون کا جلوس زیادہ شاندار تھا۔ ایک عمر رسیدہ آدمی تھوڑی دیر یہ بحث سنتا رہا اور پھر یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا "قرطبہ میں اگر شیطان آجائے تو بھی یہ لوگ اس کا جلوس نکالنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ اب اس قوم کو کوئی معجزہ ہی تباہی سے بچا سکتا ہے۔"

جن محبانِ قوم کو پانچ سال قبل معتمد کے گورنر اور اس کے وزیر نے قید کیا تھا، ان کے سامنے ابنِ عکاشہ نے یہ شرط پیش کی کہ وہ اگر مامون کی بیعت کرلیں تو انھیں رہا کر دیا جائے گا لیکن چند ایک کے سوا کسی نے اس شرط پر رہا ہونا قبول نہ کیا۔ عبدالمنعم کو ابنِ عکاشہ اور مامون کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے ابنِ عمار کے دربار کی طرح ان کے سامنے بھی اُسی جرأت کا ثبوت دیتے ہوئے کہا "میں نے پانچ سال قبل ایک ڈاکو کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کیا تھا اور اس نے مجھے قید کر دیا تھا، اب ایک نیا ڈاکو مجھے قید خانے سے باہر نکال کر یہ کہتا ہے کہ تم میری بیعت کرلو، میرے لیے اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں کہ میں پھر اُسی قید خانے میں جانے کے لیے تیار ہو جاؤں۔"

مامون نے کہا "تمہاری یہ خواہش پوری کی جائے گی لیکن میرے خیال میں تمہارے لیے اب قرطبہ کا قید خانہ موزوں نہیں ہوگا۔"

چند دنوں کے بعد ایک رات عبدالمنعم اور اس کے بیس ساتھیوں کو قرطبہ کے قید خانے

سے نکال کر طلیطلہ کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ اس کام میں اس قدر احتیاط برتی گئی کہ اہلِ قرطبہ کو ان کے منتقل کیے جانے کا علم نہ ہو سکا۔ لوگوں کی رہی سہی بے چینی دور کرنے کے لیے ابنِ عکاشہ نے یہ اعلان کر دیا، کہ شہر پر اس کا قبضہ ہونے سے پہلے ہی عبدالمنعم اور اس کے ساتھی قید خانے سے غائب ہو چکے تھے، ان کے متعلق تحقیقات ہو رہی ہے۔ اس اعلان سے دو دن بعد ایک شخص نے جامع قرطبہ میں یہ اعلان کیا کہ میں عبدالمنعم کے ساتھ قید ہوا تھا، عبدالمنعم اور میرے دوسرے ساتھیوں نے ایک رات قید خانے سے بھاگنے کی کوشش کی، لیکن پہریداروں نے انھیں گرفتار کر لیا اور اس کے بعد داروغہ نے انھیں خطرناک قیدی سمجھ کر قتل کروا دیا۔ میں چونکہ ان دنوں بیمار تھا اور میں نے فرار ہونے کی سازش میں حصہ نہیں لیا تھا اس لیے میں قتل ہونے سے بچ گیا۔"

یہ آدمی وہی تھا جس نے قید سے آزاد ہونے کے لیے مامون کی بیعت کر لی تھی اور مسجد میں یہ اعلان اس نے ابن عکاشہ کے حکم سے کیا تھا۔

اس کے بعد چند دن تک ابنِ عکاشہ اپنے زرخرید علماء کی وساطت سے یہ منادی کرواتا رہا کہ اہلِ قرطبہ معتمد سے عبدالمنعم اور ان کے ساتھیوں کے قتل کا انتقام لیے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ پھر ایک دن مامون خود جامعہ قرطبہ میں آیا اور اس نے تقریر کی کہ "ہمیں ان بہادروں کے قتل کیے جانے کا بہت دکھ ہے اور ہم اہلِ قرطبہ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم اپنے خزانے سے ان کے بال بچوں کی پرورش کا انتظام کریں گے۔"

(۱۳)

سعد کمرے میں بیٹھا ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ الماس اندر داخل ہوا۔ سعد نے کتاب بند کرتے ہوئے کہا "یہ کوتوال کیا کہتا تھا؟"

"وہ کہتا تھا کہ اگر تمہارے آقا کے بال بچے غرناطہ سے یہاں نہیں آسکتے تو پرسوں تمہیں خود بادشاہ کے سامنے پیش ہونا پڑے گا۔"

"تم نے اسے یہ نہیں کہا کہ ہم سرکاری اعانت کے محتاج نہیں؟"

"میں نے کہا تھا۔ لیکن وہ یہ کہتا تھا کہ تم بیوقوف ہو۔ مامون کی سرپرستی کوئی معمولی بات نہیں۔ انہیں فوراً یہاں آنے کے لیے کہو۔"

سعد نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا: "چچا الماس میں کل جا رہا ہوں اور میں اس یقین کے ساتھ جا رہا ہوں کہ ابا جان قتل نہیں ہوئے۔ ابنِ عکاشہ نے انھیں قرطبہ کے قید خانے سے کسی اور مقام پر بھیج دیا ہے۔ ورنہ ان کے قتل کے متعلق اعلان کرنے سے کئی دن پہلے اُسے ٹال مٹول کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اس نے مامون کی آمد کے بعد ان کے قتل کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کیا ہے۔ اگر اُسے قیدیوں کے ساتھ ہمدردی ہوتی تو وہ قرطبہ پر قابض ہوتے ہی ان کی خبر لیتا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ ابا جان اور ان کے ساتھیوں نے مامون کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کیا ہے، اس لیے انہیں کسی دوسرے قید خانے میں بھیج دیا گیا ہے اور اگر وہ قتل بھی ہوئے ہیں تو ان کے قاتل مامون اور ابنِ عکاشہ کے سوا اور کوئی نہیں۔ ہم اس کی اعانت کے محتاج نہیں، وہ ناپاک ہاتھ جنھوں نے قوم کی شاہرگ پر خنجر چلائے ہیں چاندی اور سونے کے سکوں کی جھنکار سے ہماری اطاعت نہیں خرید سکتے۔"

"کوتوال یہ بھی کہتا تھا کہ اگر تمہارے آقا کے بیٹے نہ آئیں تو تمہیں مامون کے سامنے پیش ہونا پڑے گا اور قرطبہ سے ان کی دائمی غیر حاضری کی وجہ بیان کرنی پڑے گی۔"

سعد نے کہا: "تم یہ کہہ دو کہ عبدالمنعم کے بیٹے اس حکومت کے باغی ہیں۔"

الماس بولا: "لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟"

سعد نے جواب دیا: "میں جانتا ہوں، کہ تم قرطبہ میں نہیں رہ سکو گے، ہماری جائداد ضبط کر لی جائے گی لیکن مجھے اس کی پروا نہیں۔ میں پیٹ پر پتھر باندھ کر اندلس کی جنگِ آزادی میں حصہ لینا چاہتا ہوں۔ تم بھی جب یہ محسوس کرنے لگو، کہ قرطبہ میں رہنا تمہارے ضمیر کے لیے ایک بوجھ ہے تو غرناطہ چلے آؤ۔"

الماس نے قدرے مغموم ہو کر کہا: "لیکن میں وہاں کیا کروں گا؟"

"تمہاری ہر جگہ ضرورت ہے۔ غرناطہ میں تم ان نوجوانوں کو تیر اندازی سکھایا کرو گے جو اندلس

کی جنگِ آزادی میں حصہ لینے والے ہیں۔"

"یہ آپ کا حکم ہے کہ میں قرطبہ چھوڑ کر غرناطہ چلا آؤں؟"

"میں تمہیں حکم نہیں دیتا بلکہ تمہارا یہ حق تسلیم کرتا ہوں کہ تمہیں اپنے ضمیر کے مطابق عمل کرنے کی آزادی ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کسی دن تمہارا ضمیر ان حالات میں قرطبہ کے خلاف بغاوت کرے گا۔"

"میرا ضمیر یہ کہتا ہے کہ میں ان چوروں اور ڈاکوؤں کو اس گھر سے دور رکھوں۔"

سعد نے کہا: "جن چوروں اور ڈاکوؤں نے سارے اندلس کو اپنی شکارگاہ بنا رکھا ہے اُن پر تم دیر تک اس گھر کا دروازہ بند نہیں کر سکتے۔ الماس! اس وقت قوم کی کشتی ڈگمگا رہی ہے، اگر یہ کشتی ڈوب گئی تو ہم سب ڈوب جائیں گے۔"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

سعد نے کچھ دیر سوچنے کے بعد مغموم لہجے میں جواب دیا: "ابھی مجھے معلوم نہیں کہ میں کیا کروں گا۔ مجھے اپنے سامنے تاریکی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ ہم صرف اسلام کا سہارا لے کر اُٹھ سکتے ہیں۔ لیکن آج ہمارا طبقۂ اعلیٰ احیائے اسلام کا بدترین دشمن ہے۔ اگر امراء کی خود غرضی اور جمہور کی بے حسی کا یہی عالم رہا تو وہ دن دور نہیں جب ہم نصرانیوں کے ہاتھوں سمندر کی طرف دھکیل دیے جائیں گے۔ اندلس کا نجات دہندہ شاید اب تک پیدا نہیں ہوا۔ میں اپنے متعلق صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں چین سے نہیں بیٹھ سکوں گا۔"

رات کے پچھلے پہر سعد بن عبدالمنعم جامع قرطبہ میں سربسجود ہو کر یہ دعا مانگ رہا تھا:

"میرے اللہ میری قوم کو تباہی سے بچا۔ مجھے دین اسلام کا ایک سپاہی بننے کی ہمت دے۔ مجھے ایک غازی کی زندگی اور شہید کی موت کی تمنا دے۔ میرے دل میں یقین اور ایمان کی وہ مشعل روشن کر دے جسے گمراہی اور ظلمت کی آندھیاں نہ بجھا سکیں!"

صبح کی نماز سے تھوڑی دیر بعد وہ ایک تیز رفتار گھوڑے پر غرناطہ کا رُخ کر رہا تھا۔

رضا کار

غرناطہ واپس آکر چند ماہ بعد سعد بن عبدالمنعم فوجی مکتب سے فارغ التحصیل ہوگیا۔ مکتب کے فارغ التحصیل طلباء عام طور پر فوج میں لے لیے جاتے تھے لیکن سعد نے غرناطہ کی برائے نام فوج کی ملازمت پسند نہ کی۔ اس مکتب میں غرناطہ کے بااثر رؤسا اور شاہی خاندان کے کئی لڑکے تعلیم پاتے تھے۔ ان کی کوششوں سے سعد کو مکتب میں ایک معلم کا عہدہ پیش کیا گیا۔ سعد اس کے لیے بھی تیار نہ تھا۔ لیکن اپنے خالو اور غرناطہ کے بااثر عالم قاضی ابوجعفر کے سمجھانے پر اُسے اپنا ارادہ تبدیل کرنا پڑا۔ قاضی ابوجعفر اندلس کو اسلامی نظامِ حکومت کے ماتحت متحد کرنے کی تحریک کے زبردست حامی تھے اور غرناطہ کے علاوہ کئی اور شہروں کے نوجوان اُن کے خیالات سے متاثر تھے۔ وہ ایک مدت سے فوجی مکتب میں صحیح الخیال معلموں کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔ انھوں نے سعد کو سمجھایا کہ تم اس مکتب میں معلم کی حیثیت سے ایک بلند نصب العین کے لیے کام کر سکتے ہو۔ غرناطہ میں ہم لوگ جو انقلاب لانا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے قلم کے ساتھ ساتھ تلوار کی بھی ضرورت ہے، اب تک جو نوجوان وہاں تعلیم پاتے ہیں وہ غرناطہ کے شاہی خاندان کی حفاظت کرنا اپنا نصب العین بنا لیتے ہیں لیکن تم جیسے معلم ان میں ایک اجتماعی شعور بیدار کر سکتے ہیں۔

سعد نے کہا: "اگر آپ کی یہی رائے ہے تو میں اس خدمت کے لیے تیار ہوں۔"

قاضی ابوجعفر نے کہا: "لیکن مکتب کے اساتذہ میں سے کسی کو یہ نہ بتانا کہ تم نے میرے مشورے سے اپنا فیصلہ تبدیل کیا ہے۔ ورنہ وہ تمہارا مکتب کی چار دیواری کے پاس پھٹکنا بھی گوارا نہیں کریں گے۔"

اگلے دن مکتب کے طلباء ایک دوسرے کو خوشخبری سنا رہے تھے کہ مکتب کے منتظمین نے انہیں تیغ زنی، تیر اندازی اور شاہسواری کے فنون سکھانے کے لیے سعد بن عبدالمنعم کی خدمات حاصل کرلی ہیں۔

مکتب کے نوجوانوں کے ساتھ فنونِ حرب کی مشق، کتب خانوں میں کتابوں کی ورق گردانی اور غرناطہ کے علماء اور فقہا کی محفلوں کے علمی مباحثوں میں حصہ لینے کے بعد سعد تنہائی کے لمحات میں اندلس کے ماضی، حال اور مستقبل کے متعلق سوچا کرتا تھا۔ اس کے ایک کمرے میں اندلس اور دوسرے اسلامی ممالک کے نقشے آویزاں تھے۔ ان نقشوں پر مختلف لکیروں کی صورت میں مسلمانوں کے عروج و انحطاط کی داستانیں لکھی ہوئی تھیں۔ سعد اس کمرے میں بیٹھ کر ان صحرانشینوں کے قافلوں کا تصور کرتا جن کی قوتِ تسخیر کے سامنے دنیا کی وسعتیں سمٹ کر رہ گئی تھیں۔ وہ ان وجوہات پر غور کرتا جن کے باعث مسلمانوں کی فتوحات کی تاریخ ایک قصۂ ماضی بن چکی تھی۔

کبھی کبھی وہ احمد اور حسن کو اپنے پاس بٹھا لیتا اور اندلس کے ماضی، حال اور مستقبل کے متعلق تبصرہ شروع کر دیتا۔ غرناطہ میں اس کے بھائیوں کے علاوہ کئی اور نوجوان اس کے ہم خیال بن چکے تھے۔ وہ سب موجودہ صورت حال سے پریشان تھے۔ لیکن ان کے سامنے جدوعمل کا کوئی معین راستہ نہ تھا۔ یہ لوگ کسی نقیب، کسی راہنما اور کسی مشعل بردار کے منتظر تھے۔ سعد سے ایک سال بعد احمد بھی فارغ التحصیل ہوگیا۔ اب وہ اپنا تمام وقت غرناطہ کے مشہور کتب خانوں میں صرف کیا کرتا تھا۔

مامون ذالنون قرطبہ میں چھ ماہ زندہ رہ کر مرگیا۔[1] ابن عکاشہ اس کی زندگی میں ہی تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے چکا تھا۔ طلیطلہ کی حکومت مامون کے بیٹے یحییٰ کے حصے میں آئی جس میں اپنے باپ کی تمام برائیاں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔

قرطبہ میں ابنِ عکاشہ کے مظالم بڑھتے گئے۔ دو سال کے بعد الماس قرطبہ چھوڑ کر سعد کے پاس آگیا اور اس نے بتایا کہ: "اب میرا وہاں رہنا ممکن نہ تھا۔ اس سال قرطبہ کی جائداد سے جو آمدنی

---

[1] بعض مورخین کا خیال ہے کہ مامون کی موت ابن عکاشہ کی کسی سازش کا نتیجہ تھی۔

ہوتی ہے۔ ابنِ عکاشہ کے حکام اس سے زیادہ ٹیکس مانگتے ہیں۔ قرطبہ کے عوام کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ بہت جلد کھلی بغاوت کے لیے تیار ہو جائیں گے۔"

اگلے سال حسن بھی فارغ التحصیل ہو گیا۔ اپنے خالو کے تجارتی کاروبار میں ہاتھ بٹانے کے علاوہ سواری اور تیر اندازی اس کی سب سے بڑی دلچسپی تھی۔ کبھی کبھی وہ احمد کے ساتھ کتب خانوں میں بھی چلا جاتا لیکن مطالعے سے اس کی طبیعت جلد ہی اچاٹ ہو جاتی۔

۴۷۱ھ میں قرطبہ میں ایک اور انقلاب آیا۔ معتمد نے قرطبہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کی چند ناکام کوششوں کے بعد ایک زبردست فوج کے ساتھ حملہ کیا۔ شہر کے عوام بھی اس کے طرفدار ہو گئے۔ ابنِ عکاشہ بھاگنے کی کوشش میں مارا گیا اور اشبیلیہ کی فوج قرطبہ پر قابض ہو گئی۔ اہلِ قرطبہ کو ابنِ عکاشہ کے مظالم سے نجات مل گئی لیکن اس کے ساتھ ہی معتمد کی شاہانہ ضیافتوں، درباروں اور شعر و شاعری کی مجلسوں کا نیا دور شروع ہوا۔ رمیکیہ کی عیاشیوں کا ساز و سامان مہیا کرنے والے ٹیکس گزار یہ محسوس کر رہے تھے، کہ انھوں نے ایک وحشی لٹیرے سے نجات حاصل کرنے کی کوشش میں ایک مہذب ڈاکو کو اپنے سر پر مسلط کر لیا ہے۔

سعد الماس کو ساتھ لے کر ایک بار پھر قرطبہ گیا۔ لیکن اُسے اپنے باپ کا کوئی سراغ نہ ملا قرطبہ کے نئے گورنر نے اس کی تمام جائداد جسے ابنِ عکاشہ کی حکومت ضبط کر چکی تھی واپس دے دی اور الماس اس کا انتظام اپنے ایک پرانے نوکر کے سپرد کر کے سعد کے ساتھ واپس چلا آیا۔

قرطبہ پر قبضہ کرنے کے بعد معتمد نے مرسیہ کی طرف توجہ کی۔ اس کے وزیر ابنِ عمار نے مرسیہ فتح کرنے کا بیڑا اُٹھایا اور سرحد کے ایک قلعہ دار ابنِ رشیق اور مرسیہ کے چند اور با اثر اُمراء کو طرح طرح کے لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ مرسیہ کے عوام اپنے آرام طلب حکمران سے پہلے ہی نالاں تھے۔ چنانچہ ابنِ عمار نے کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر مرسیہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد معتمد نے طلیطلہ میں مامون کے جانشین یحییٰ القادر کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر وادی الکبیر اور وادی آنہ کے درمیان اس کی سلطنت کے بعض علاقے بھی چھین لیے۔

بعض لوگ جو اندلس میں طوائف الملوکی سے تنگ آچکے تھے معتمد کی کامیابیوں پر خوش تھے لیکن الفانسو معتمد کی بڑھتی ہوئی طاقت کو برداشت نہ کر سکا۔ اس نے معتمد کو لکھا کہ اب تمہاری سلطنت وسیع ہو گئی ہے، اس لیے ہم خراج بھی پہلے کی نسبت دو گناہ زیادہ لیں گے۔ معتمد نے الفانسو کو ٹالنے کی کوشش کی تو اس نے اشبیلیہ پر لشکر کشی کر دی۔ اب جو مسلمان معتمد سے نالاں تھے، انھیں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ اشبیلیہ عیسائیوں کے قبضے میں چلا جائے۔ اندلس کے مختلف شہروں کے علما اور فقہا نے فتویٰ دیا کہ اشبیلیہ کی حفاظت کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ بیعہ کا مشہور عالم قاضی ابو الولید علماء کا ایک وفد لے کر مختلف شہروں میں گیا اور اس کی اپیل پر رضاکاروں کی جماعتیں اشبیلیہ پہنچنے لگیں۔ غرناطہ سے قاضی ابو جعفر نے قاضی ابو الولید کی اس تحریک کی حمایت کی۔ انھوں نے غرناطہ کے حکمران پر زور دیا کہ وہ الفانسو کے خلاف اہلِ اشبیلیہ کی حمایت کا اعلان کرے۔ لیکن جب غرناطہ کا حکمران معتمد کے خلاف اپنی پرانی رنجشیں فراموش کرنے کے لیے تیار نہ ہوا تو انھوں نے عوام کی طرف توجہ کی۔

پہلے دن قاضی ابو جعفر نے غرناطہ کی ایک مسجد میں تقریر کی۔ جب وہ حاضرین سے اہلِ اشبیلیہ کی اعانت کی اپیل کر رہے تھے، تو تین نوجوانوں نے اٹھ کر ان کی آواز پر لبیک کہا۔ ان میں سے ایک سعد بن عبد المنعم اور دو اس کے بھائی تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی پندرہ بیس اور نوجوان اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ چند دن کی انتھک کوششوں کے بعد قاضی ابو جعفر نے قریباً اڑھائی سو رضاکار تیار کر لیے۔ غرناطہ کے حکمران کو یہ بھی گوارا نہ تھا، کہ غرناطہ کا کوئی باشندہ معتمد کی اعانت کے لیے تلوار اٹھائے۔ اس لیے اس نے اپنے حکام کے ذریعہ رضاکاروں کو ڈرانے دھمکانے کی کوشش کی۔ لیکن نوجوانوں پر ان دھمکیوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ سعد بن عبد المنعم نے مکتب سے رخصت لینے کی کوشش کی لیکن اس کی درخواست رد کر دی گئی۔ چنانچہ اس نے ملازمت سے استعفےٰ دیدیا روانہ ہونے سے پہلے جب ان رضاکاروں کی قیادت کا مسئلہ پیش آیا تو سب کی نگاہیں سعد پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ الماس بھی سعد اور اس کے بھائیوں کا ساتھ دینا چاہتا تھا۔ لیکن سعد اور

اس کے خالو نے اُسے سمجھا بجھا کر گھر میں رہنے پر رضا مند کر لیا۔

(۳)

ایک صبح عبدالمنعم کے تینوں بیٹے سپاہیانہ لباس پہنے مکان کے صحن میں ماں کے سامنے کھڑے تھے۔ یہ تین آئینے تھے جن میں عبدالمنعم کی بیوی اپنے شوہر کے مختلف عکس دیکھ رہی تھی۔ سعد کے چہرے پر عبدالمنعم کا مردانہ وقار تھا۔ احمد اس کی سنجیدگی اور متانت کی تصویر تھا اور حسن کے تیکھے نقوش اور عقابی نگاہوں میں وہ اس کے عزم و استقامت کی جھلک دیکھ رہی تھی۔

مکان سے باہر ایک کشادہ چوک میں جمع ہونے والے رضا کاروں کی آوازیں آرہی تھیں۔ سعد کی خالہ نیم وا دروازے سے باہر جھانک رہی تھی۔

سعد نے مُسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: "امی وہ ہمارا انتظار کر رہے ہیں"

ماں نے کسی گہرے خیال سے چونک کر اس کی طرف دیکھا، اور کہا: "جاؤ بیٹا خدا تمہیں ہر میدان میں فتح دے!"

ماں دروازے تک ان کے ساتھ آئی۔ جب وہ ماں اور خالہ کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکل رہے تھے تو اچانک ماں نے آگے بڑھ کر حسن کو آواز دی۔

حسن نے مڑ کر دیکھا اور کہا: "کیا ہے امی؟"

"یہاں آؤ!" ماں نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

حسن نے اس کے قریب آکر دوبار ۔۔ال کیا: "کیا ہے امی جان؟"

"کچھ نہیں بیٹا!" ماں نے اضطراری حالت میں دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ دیے۔

باہر سے احمد کی آواز آئی: "حسن! حسن!!"

"آتا ہوں بھائی جان! ــــ امی جان اجازت دیجیے!"

ماں نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا: "جاؤ بیٹا، جاؤ!"

حسن باہر نکل گیا، تو اس کی ماں اپنی بہن کے قریب کھڑی ہو کر باہر جھانکنے لگی۔ الماس اور ایک نوکر تینوں گھوڑوں کی باگیں تھامے کھڑے تھے اور سعد کا خالو شیخ ابو صالح اور قاضی ابو جعفر شہر کے ان معززین سے باتیں کر رہے تھے جو مجاہدین کو رخصت کرنے کے لیے آئے تھے۔

سعد نے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے پہلے الماس اور پھر آگے بڑھ کر خالو اور قاضی ابو جعفر کے ساتھ مصافحہ کیا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

احمد اور حسن بھی گھوڑوں پر سوار ہو کر رضا کاروں کی صف میں کھڑے ہو گئے۔ سعد نے رضا کاروں کی گرد ایک چکر کاٹنے کے بعد کوچ کا حکم دیا۔

جب تک گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دیتی رہی سعد کی ماں دروازے پر کھڑی رہی اور جب یہ آوازیں فضا میں گم ہو کر رہ گئیں تو اس کی بہن نے کہا: "سکینہ! تمہیں مغموم نہیں ہونا چاہیے۔ یہ تمہاری فتح کا دن ہے۔ آج اگر عبدالمنعم ان بچوں کو دیکھتا تو وہ یہ سمجھتا کہ اُسے دنیا کی بادشاہت مل گئی ہے۔ چلو اندر چلیں!"

سکینہ کی بہن اسے ہاتھ سے پکڑ کر اندر لے گئی۔ سعد، احمد اور حسن کے کمروں میں ابھی تک ان کے ہلکے اور میٹھے قہقہے گونج رہے تھے۔

دبی دبی سسکیوں کے ساتھ سعد، احمد اور حسن کا نام پکارنے کے بعد اس نے سجدے میں گر کر دُعا مانگی: "میرے اللہ! مجھے صبر اور ہمت دے۔"

(۴)

اشبیلیہ کی فوج کی قیادت کے لیے تجربہ کار آدمیوں کی کمی نہ تھی لیکن معتمد اور ملکہ رمیکیہ کو ابنِ عمار سے زیادہ کسی اور پر اعتماد نہ تھا چنانچہ کئی باثر اور سنجیدہ مزاج لوگوں کی مخالفت کے باوجود اشبیلیہ کے حکمران نے ابنِ عمار کو سپہ سالار بنا دیا۔

ابنِ عمار شمالی سرحد پر پڑاؤ ڈال کر دادِ عیش دے رہا تھا اور اندلس کے دوسرے مقامات سے رضا کاروں کی ٹولیاں اس کے گرد جمع ہو رہی تھیں۔ پڑاؤ کے درمیان ابنِ عمار کی قیام گاہ کی آرائش و زیبائش دیکھنے والے یہ محسوس کرتے تھے کہ یہاں کوئی شہنشاہ قیام پذیر ہے۔ وسیع خیموں

میں اس کے لیے سونے بیٹھنے اور کھانے کے کمرے بیش قیمت قالینوں سے آراستہ تھے، روشنی کے لیے کافوری شمعیں اور خوشبو کے لیے مشک اور عنبر استعمال کیا جاتا تھا۔ ہر وقت سینکڑوں آدمی پہرے کے لیے موجود رہتے تھے۔ گویّوں، سازندوں خوشامدی شاعروں اور نقالوں کے علاوہ بہت کم لوگ ایسے تھے جنہیں بلا روک ٹوک ابن عمار کے کیمپ میں آنے جانے کی اجازت تھی۔

جو سپاہی اشبیلیہ سے آئے تھے وہ اس صورت حال سے قطعاً پریشان نہ تھے۔ وہ خندقیں کھودنے یا مورچے بنانے سے زیادہ دن بھر شطرنج کھیلنے میں دلچسپی لیتے تھے۔ صرف وہ رضاکار پریشان تھے جو یہ سمجھ کر یہاں پہنچے تھے کہ اہلِ اشبیلیہ نصرانی حملہ آوروں کے خلاف جہاد کا علم بلند کر چکے ہیں۔ وہ اشبیلیہ کی فوج کے افسروں سے پوچھتے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ ہم کب تک یہاں بیکار پڑے رہیں گے؟ سپہ سالار کی قیام گاہ میں ان ضیافتوں اور رقص و سرود کی محفلوں کا کیا مطلب ہے؟ اشبیلیہ کے افسر یا تو ان سوالات پر مسکرا دیتے اور یا زیادہ سے زیادہ یہ کہہ دیتے کہ تم عنقریب ایک خوشخبری سنو گے۔ کچھ ہو رہا ہے۔ لیکن خود انہیں بھی معلوم نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔

ایک دن علی الصباح سعد بن عبدالمنعم پڑاؤ میں داخل ہوا۔ وہ ایک عیسائی راہب کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس کے ساتھی اُسے دیکھتے ہی اس کے گرد جمع ہو گئے۔ غرناطہ کے ایک نوجوان نے کہا۔ ”آپ نے بہت دیر لگائی۔ ہم بہت پریشان تھے۔ کہیے کیا خبر لائے ہیں؟“

سعد نے جواب دیا۔ ”میں سب کچھ دیکھ آیا ہوں۔ الفانسو کا لشکر واقعی چار کوس کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ یہاں سے شام کے وقت اشبیلیہ کی فوج کے جو افسر روانہ ہوئے تھے میں نے انھیں دشمن کے پڑاؤ میں داخل ہوتے اور کافی دیر کے بعد واپس آتے دیکھا ہے۔ ایک عیسائی راہب کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ انھوں نے الفانسو کے ساتھ ملاقات کی ہے۔“

احمد نے کہا۔ ”پرسوں جو لوگ یہاں سپہ سالار سے ملنے کے لیے آئے تھے ان کے متعلق کل میں نے اشبیلیہ کی فوج کے ایک افسر سے پوچھا تھا، وہ یہ کہتا تھا کہ وہ سب قسطلہ کے بڑے بڑے نائٹ ہیں اور ان میں دو الفانسو کے قریبی رشتہ دار تھے۔ میرے خیال میں مصالحانہ گفتگو شروع ہو چکی ہے۔“

سعد نے کہا۔ ”میں ان کی تیاریاں دیکھ آیا ہوں، ان سے مصالحت کی توقع کرنا خود فریبی ہے۔“

احمد نے کہا۔ ”لیکن اگر یہ شاعر جسے معتمد نے اشبیلیہ کی بربادی کے لیے منتخب کیا ہے خود فریبی میں مبتلا رہنا چاہتا ہے تو اُسے کون روک سکتا ہے۔ مجھے اشبیلیہ کے فوجی افسر نے یہ بھی بتایا تھا کہ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، کچھ ہو رہا ہے۔“

قرطبہ کے ایک رضاکار نے کہا۔ ”قسطلہ کے اُمرا جب ابن عمار کی قیام گاہ میں داخل ہو رہے تھے تو میں نے انھیں دیکھا تھا۔ جب وہ ملاقات کے بعد باہر آ رہے تھے تو ہر ایک کے گلے میں جواہرات کا ہار پڑا تھا۔ میں نے ان کے ہاتھوں میں تھیلیاں بھی دیکھی تھیں۔ میرے خیال میں ابنِ عمار لڑنے کی بجائے انھیں رشوت دے کر خوش کرنا چاہتا ہے۔“

سعد نے کہا۔ ”وہ رشوت لے کر بھی لڑیں گے۔“

حسن جو یہ گفتگو خاموشی کے ساتھ سن رہا تھا، اپنے بھائی سے مخاطب ہو کر بولا۔ ”بھائی جان! میں تو جب سے یہاں آیا ہوں یہی محسوس کر رہا ہوں کہ اہلِ اشبیلیہ کسی دسترخوان پر اہلِ قسطلہ کے ساتھ مقابلہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ابنِ عمار نے الفانسو کے پاس اس کے سوا اور کیا پیغام بھیجا ہوگا کہ آؤ کھانے پینے، گانے اور شطرنج کھیلنے میں ہمارا مقابلہ کر کے دیکھ لو —— کاش قاضی ابوجعفر یہاں ہوتے!“

ایک نوجوان بھاگتا ہوا آیا اور اس نے چند قدم دور ہی سے چلّانا شروع کر دیا۔ ”ابنِ عمار کہیں جا رہا ہے۔ میں نے اُسے پالکی پر سوار ہو کر باہر نکلتے دیکھا ہے۔ اشبیلیہ اور قسطلہ کی فوج کے چند افسر اس کے ساتھ جا رہے ہیں۔ دیکھو اس طرف جا رہا ہے وہ!“

نوجوان کی بدحواسی بلاوجہ نہ تھی۔ رضاکاروں میں سے بہت کم ایسے تھے جنھیں ابنِ عمار کا دیدار حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ اس کی ضیافتیں اور مجلسیں سنگین پہرے کے اندر ہوا کرتی تھیں۔ آج اس کا کیمپ سے باہر نکلنا ایک نئی بات تھی۔

حسن نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ”بھائی میں تو اس پردہ نشین سپہ سالار کو ضرور دیکھوں گا!“

چند نوجوان ہنستے ہوئے اس کے پیچھے چل دیے۔ سعد احمد اور غرناطہ کے چند اور نوجوان کچھ دیر وہیں کھڑے رہے۔ بالآخر سعد نے کہا "چلو بھئی ہم بھی اس کے نیاز حاصل کرلیں۔ ایسی صورتیں دیکھنے کا موقع بار بار نہیں ملتا۔"

(۵)

آٹھ قوی ہیکل حبشی اپنے کندھوں پر ابنِ عمار کی پالکی اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ ایک بیش قیمت قبا اور جواہرات سے مرصع بالشت بھر اونچی ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔ اشبیلیہ کے چند چیدہ چیدہ فوجی افسر اور قسطلہ کے چار نائٹ اس کے دائیں بائیں اور پیچھے گھوڑوں پر سوار جا رہے تھے۔ نقیب سونے کا عصا لیے آگے آگے تھا۔ کہیں کہیں پالکی رک جاتی اور نقیب اردگرد جمع ہونے والے سپاہیوں سے بلند آواز میں کہتا "مسلمانو! آج بہت بڑے امتحان کا دن ہے۔ سپہ سالار کی کامیابی کے لیے دعا کرو!" اور وہ ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہے تھے ——— حسن بن عبدالمنعم اپنے ایک ہم عمر رضا کار کے کان میں کہہ رہا تھا "بے وقوف کہیں کے، یہ سپہ سالار ہے یا دلہن ہے۔ کاش میں اشبیلیہ جاکر معتمد کے انتخاب کی داد دے سکتا۔"

ابنِ عمار کا رخ شمال کی طرف تھا اور لوگوں کو یہ جاننے میں دیر نہ لگی کہ جس امتحان میں کامیابی کے لیے دعائیں کی جا رہی تھیں وہ کیسا تھا۔

ابنِ عمار نے لڑنے کی بجائے حیلہ جوئی سے دشمن کو ٹالنا زیادہ آسان خیال کیا۔ اس نے الفانسو کی فوج کے بااثر افسروں کو گراں قدر انعامات اور رشوتیں دے کر ان کے ساتھ راہ و رسم پیدا کی اور پھر ان کے ساتھ وعدہ کیا کہ اگر تم الفانسو کو جنگ کیے بغیر واپس لوٹ جانے کا مشورہ دو تو میں تمہیں اور بھی بہت کچھ دوں گا۔ قسطلہ کے افسر ابنِ عمار کی فیاضی سے مرعوب ہو چکے تھے۔ لیکن الفانسو کو جنگ سے باز رکھنے کی کوئی تدبیر ان کے ذہن میں نہ آئی۔

ابنِ عمار نے انھیں اپنی قیام گاہ پر بلا کر ایک شطرنج دکھائی جس کے مہرے بیش قیمت ہیروں کو تراش کر بنائے گئے اور ان سے کہا کہ یہ شطرنج دنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے

تم الفانسو کے پاس جاکر اس کی بے حد تعریف کرو تاکہ وہ اسے دیکھنے کے لیے بیقرار ہو جائے۔ پھر میں اسے اس شرط پر یہ شطرنج پیش کرنے کے لیے رضامند ہو جاؤں گا کہ وہ پہلے میرے ساتھ ایک بازی کھیلے۔ اگر میں ہار جاؤں تو شطرنج اس کی اور اگر وہ ہار جائے تو وہ میری ایک درخواست قبول کرلے گا۔ اگر میں جیت جاؤں تو الفانسو سے یہ کہوں گا کہ وہ اشبیلیہ پر حملہ نہ کرے۔"

الفانسو کے امراء نے واپس جاکر اس کے سامنے شطرنج کی اس قدر تعریف کی کہ وہ اسے حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو گیا۔ تاہم وہ ابنِ عمار کے ساتھ شرط لگانے سے کتراتا تھا۔ امراء نے اسے سمجھایا کہ آپ شرط لگانے سے کیوں گھبراتے ہیں۔ اگر ہم جیت گئے تو اس کے بدلے اہلِ اشبیلیہ سے لڑے بغیر ان کے کئی علاقے چھین لیں گے اور اگر وہ جیت گیا اور اس نے آپ سے کوئی ناجائز مطالبہ کر دیا، تو ہم اس کی بات نہیں مانیں گے۔

بالآخر شطرنج کھیلی گئی[1] ابنِ عمار جیت گیا اور الفانسو نے پوچھا "اب تم کیا چاہتے ہو؟"

ابنِ عمار نے جواب دیا "میرا مطالبہ یہ ہے کہ آپ ہمارے ساتھ جنگ کیے بغیر لوٹ جائیں"

الفانسو چلایا "نہیں ہرگز نہیں، میں نے عہد کیا ہے کہ میں اشبیلیہ فتح کیے بغیر واپس نہیں جاؤں گا"

"لیکن آپ شرط ہار چکے ہیں اور وعدے سے پھر جانا ایک بادشاہ کی شان کے شایان نہیں"

الفانسو نے علیحدگی میں اپنے امراء کے ساتھ مشورہ کیا تو انھوں نے سمجھایا کہ شطرنج میں آپ کا ہار جانا بُرا شگون ہے۔ ممکن ہے کہ آپ اس سال جنگ کریں تو آپ کو شکست ہو جائے۔ اشبیلیہ کی مدد کے لیے دوسری سلطنتوں کے بے شمار رضا کار پہنچ رہے ہیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہم اگلی بار زیادہ تیاری کے ساتھ حملہ کریں۔ سرِدست آپ ابنِ عمار سے خراج کی ایک بہت بڑی رقم کا مطالبہ کریں۔ قسطلہ کے توہم پرست پادریوں نے بھی امراء کی اس رائے کے ساتھ اتفاق کیا کہ شطرنج میں آپ کی ہار ایک بُرا شگون ہے۔ چنانچہ الفانسو نے مجبور ہو کر لڑائی کا ارادہ تبدیل کر دیا اور ابنِ عمار نے اس کے بدلے پہلے کی نسبت کئی گنا زیادہ خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا۔

ابنِ عمار نے الفانسو کے ساتھ شطرنج کی بازی میں فتح حاصل کرنے کے بعد واپس اپنی قیام گاہ

[1] اسپین کی مختلف تاریخوں میں ابنِ عمار اور الفانسو کی شطرنج کی تفصیلات ملتی ہیں۔

میں آیا، تو اشبیلیہ کی فوج فلک شگاف نعروں سے اس کا استقبال کیا۔
رات کے وقت فتح کا جشن منایا جا رہا تھا۔ پڑاؤ میں چراغاں کیا گیا۔ ضیافتیں اڑائی گئیں۔ رقص و سرود کی محفلیں منعقد ہوئیں۔ شاعروں نے اپنے دلوں کی بھڑاس نکالی اور یہ ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ عبدالرحمٰن اعظم کے بعد اگر کوئی فاتح ہوا ہے تو وہ ابنِ عمار ہے اور ابنِ عمار شراب کے نشے میں سچ مچ یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ فاتحین کی صفِ اول میں پاؤں رکھ چکا ہے۔ وہ رضا کار جو جہاد کا عزم لے کر دُور دُور سے آئے تھے انتہائی مایوسی، بے بسی اور ندامت کے آنسوؤں کے ساتھ یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔
پچھلے پہر جب رقص و سرود کے ہنگامے کسی حد تک سرد ہو چکے تھے، پڑاؤ کے ایک کونے میں ایک نوجوان سجدے میں سر رکھ کر ہچکیاں لے رہا تھا اور اس کے منہ سے یہ دُعا نکل رہی تھی:

"ربُ العالمین! میری قوم کو تباہی سے بچا، ہمیں ان چند آدمیوں کے اعمال کی سزا نہ ملے جو ملک کے اقتدار پر قابض ہو چکے ہیں ——
مولائے کریم! مجھے ہمت دے کہ میں تباہی کے اس گڑھے کو پاٹ سکوں جسے یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے کھود رہے ہیں۔ مجھے جرأت دے کہ میں ان فرعونوں کے سامنے حق کی آواز بلند کر سکوں!"

یہ نوجوان سعد بن عبدالمنعم تھا۔
اگلے دن جب غرناطہ کے رضا کار کوچ کی تیاری کر رہے تھے تو سعد نے اپنے بھائیوں سے کہا۔ "تم ان کے ساتھ جاؤ، میں چند دنوں تک آؤں گا۔"
احمد نے پوچھا۔ "آپ یہاں کیا کریں گے؟"
سعد نے کہا۔ "میں اپنا آخری فرض پورا کرنے کے لیے اشبیلیہ جا رہا ہوں۔"
احمد نے پوچھا۔ "آپ معتمد کے پاس جائیں گے؟"
"مجھے معلوم ہے کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا تاہم میں یہ ارادہ کر چکا ہوں۔"
"میں آپ کے ساتھ جاؤں گا۔"
"اور میں بھی۔" حسن نے کہا۔

غرناطہ کے ایک اور رضا کار الیاس نے کہا۔ "میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ اب ہم واپس جا کر کیا منہ دکھائیں گے۔ اب ہمارا اولین فرض ہے کہ ہم معتمد کے منہ پر کہیں کہ تمہیں شکست ہوئی ہے۔ ممکن ہے کہ اس میں غیرت کی کوئی چنگاری باقی ہو!"
غرناطہ کے تین اور رضا کار سعد کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ سعد نے اپنی ماں کی طرف ایک خط لکھا اور ایک نوجوان کو جو باقی رضا کاروں کے ساتھ واپس جا رہا تھا۔ یہ خط دیتے ہوئے کہا۔ "یہ ہمارے گھر دے دینا۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ ایک ہفتہ تک غرناطہ پہنچ جائیں گے۔"

ایک سپاہی شاعروں کی دُنیا میں

ایک دن ملکہ رمیکیہ معتمد کے ساتھ کشتی پر دریا کی سیر کا لطف اٹھا رہی تھی۔ دریا کے کنارے چند غریب عورتیں اینٹیں بنانے کے لیے پاؤں سے مٹی گوندھ رہی تھیں۔ رمیکیہ کے اشارے پر ملاحوں نے کشتی دریا کے کنارے پر لگا دی۔ ملکہ کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر غریب عورتیں پریشان سی ہو کر رہ گئیں۔ رمیکیہ نے ایک شرارت آمیز تبسم کے ساتھ اپنے خاوند کی طرف دیکھا اور مٹھی بھر اشرفیاں کیچڑ کے ڈھیر میں پھینک دیں۔ عورتوں کو رمیکیہ کی اس حرکت پر پہلے تو تعجب ہوا لیکن جب معتمد نے بھی طلائی سکوں کی ایک مٹھی ان کی طرف پھینکی تو وہ ہنستی، چیختی اور چلاتی مٹی کے ڈھیر پر ٹوٹ پڑیں۔ سکوں کی تلاش میں ایک دوسری پر گرنے اور آپس میں گتھم گتھا ہونے کے باعث وہ سر سے پاؤں تک کیچڑ میں لت پت ہو چکی تھیں، اور رمیکیہ مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ معتمد کو اس بات کا افسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنے ساتھ زیادہ اشرفیاں لے کر نہیں آیا۔

شاہی محل میں واپس پہنچ کر رمیکیہ نے معتمد سے شکایت کی کہ "تم نے مجھے ایک قیدی کی طرح اس محل کی چار دیواری میں بند کر رکھا ہے۔ زندگی کی ہزاروں نعمتیں ایسی ہیں جو مجھے میسر نہیں۔"

معتمد رمیکیہ کی ایک مسکراہٹ کے لیے خزانے لٹا دینے کا عادی تھا۔ اُسے اس شکایت سے بے حد صدمہ ہوا۔ وہ بولا: "ملکہ تمہاری کونسی ایسی خواہش ہے جسے میں نے پورا نہیں کیا؟"

رمیکیہ نے کہا: "اس وقت میرے دل میں ایک ایسی خواہش ہے جسے تم پورا نہیں کر سکتے"

معتمد نے کہا: "میرا امتحان لے سکتی ہو۔"

"مجھے ان عورتوں کی زندگی پر رشک آتا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ مجھے بھی ان کی طرح مٹی گوندھنے کی آزادی ہو۔"

معتمد نے چند دنوں کے اندر اندر محل میں مشک عنبر اور کافور کے ڈھیر لگوا دیے۔ پھر ان اشیاء کو کوٹ کر یک جا کیا گیا اور گلاب کے عرق سے نمی دی گئی۔ جب یہ تیاریاں مکمل ہو گئیں تو رمیکیہ کو بلایا گیا، وہ شہر کی چیدہ چیدہ خواتین اور اپنی سہیلیوں اور خادماؤں کے جلوس میں تشریف لائی اور ننگے پاؤں اس مشک و عنبر اور کافور کی کیچڑ میں کود پڑی، جسے جمع کرنے کے لیے معتمد نے لاکھوں روپے صرف کر دیے تھے۔ طبقۂ اعلیٰ کی بعض سنجیدہ مزاج خواتین کو بھی مجبوراً اس کھیل میں اس کا ساتھ دینا پڑا۔

معتمد اور اس کے چند مخصوص احباب اور شاہی گھرانے کے چند نوجوان ایک طرف کھڑے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ شہر کی بعض خواتین شرم و حیا کے باعث اس کھیل میں حصہ لینے سے کتراتی تھیں، لیکن رمیکیہ اور اس کی منچلی سہیلیاں انھیں زبردستی کھینچ کھینچ کر اپنے ساتھ شامل کر رہی تھیں۔ معتمد کے قریب ایک لونڈی موتیوں سے بھرا ہوا سنہری طشت اٹھائے کھڑی تھی۔ اس نے موتیوں کی چند مٹھیاں کیچڑ کے ڈھیر پر پھینک دیں اور بعض عورتوں نے قیمتی موتی حاصل کرنے کے لیے ایک دوسری کو دھکیلنا اور گرانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر میں سب ایک دوسری کو گرانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ان کے قیمتی لباس کیچڑ میں لت پت ہو چکے تھے۔ شوخ لڑکیاں ایک دوسری کے منہ پر کیچڑ ملنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

میمونہ پہلی بار اپنی سہیلیوں کے اصرار پر شاہی محل میں آئی تھی۔ اُسے صرف یہ بتایا گیا تھا کہ رمیکیہ نے شہر کے تمام بڑے بڑے حکام اور معززین کی بہو بیٹیوں کو کھانے کی دعوت دی ہے۔ لیکن یہ تماشا اُس کی توقع سے بہت زیادہ تھا۔ زندہ دلی میں وہ اپنی عمر کی کسی لڑکی سے کم نہ تھی۔ لیکن مردوں کی موجودگی میں اس کے لیے ایک تماشائی کی حیثیت میں وہاں کھڑا رہنا بھی صبر آزما تھا۔ جب یہ کھیل شروع ہوا تو وہ کشادہ صحن سے ایک طرف ہٹ کر ایک برآمدے کے ستون کے پیچھے کھڑی ہو گئی، اچانک اس نے محسوس کیا، کہ قریب ہی ایک نوجوان کھڑا اُسے گھور گھور کر دیکھ رہا ہے۔ اس نے جلدی سے چہرے پر نقاب ڈال لیا اور خواتین کے اس گروہ کے پاس جا کھڑی ہوئی جو ابھی تک کیچڑ میں کودنے سے پس و پیش کر رہی تھیں۔ جب رمیکیہ اور اس کی سہیلیاں ان کے ساتھ زور آزمائی کرنے لگیں تو میمونہ نے دوسری سمت ایک اور ستون کی پناہ لینے کی

کوشش کی لیکن تھوڑی دیر میں وہی نوجوان پیچھے سے اس کے قریب آ کر بولا۔ "دیکھیے اگر آپ کو یہ کھیل پسند نہیں تو چلیے میں آپ کو باغ کی سیر کراتا ہوں۔ آپ کہاں سے آئی ہیں؟"

میمونہ نے مڑ کر دیکھا اور غصے سے ہونٹ کاٹتی ہوئی دوبارہ عورتوں کے ہجوم کے پاس آ گئی۔ ایک چنچل لڑکی نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے سے نقاب نوچ کر ایک طرف پھینک دیا۔ دوسری نے اسے بازو سے پکڑ کر کیچڑ کے ڈھیر کی طرف کھینچنے کی کوشش کی لیکن میمونہ نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا لیا۔ اس کی ایک سہیلی "میمونہ! میمونہ!" کہتی ہوئی آگے بڑھی، لیکن میمونہ نے غصے کی حالت میں اسے دونوں ہاتھوں سے دھکا دیا اور وہ کیچڑ کے ڈھیر میں پیٹھ کے بل گر پڑی۔ وہ اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ ایک اور لڑکی نے اس کے سر اور منہ پر کیچڑ تھوپ دیا۔ قہقہوں اور مسرت کی چیخوں کے درمیان کسی کو کسی کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ معتمد بدستور ایک طرف کھڑا موتیوں کی مٹھیاں بھر بھر کر پھینک رہا تھا۔ میمونہ بھاگتی ہوئی وہاں سے نکلی۔ کچھ دیر محل کی بھول بھلیوں میں اسے باہر نکلنے کا راستہ نہ ملا۔ ایک برآمدے کے کونے پر اُسے خواجہ سرا نظر آیا۔ وہ آگے بڑھ کر اس سے باہر نکلنے کا راستہ پوچھ رہی تھی کہ اچانک ایک طرف سے وہی نوجوان نمودار ہوا جس نے تھوڑی دیر پہلے باغ میں سیر کی دعوت دی تھی۔ اس نے اسی طرح مسکراتے ہوئے کہا "چلیے میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ آتا ہوں!"

میمونہ کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا اور وہ کچھ کہے بغیر ایک طرف چل پڑی۔ بدحواسی کی حالت میں سنگِ مرمر کی سلوں پر سے اس کا پاؤں پھسلا اور وہ سنبھلنے کی کوشش کے باوجود وہ گر پڑی۔ نوجوان آگے بڑھا اور اس نے میمونہ کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اٹھنے کے لیے سہارا دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "مجھے افسوس ہے۔ آپ کو چوٹ تو نہیں آئی؟"

میمونہ نے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا "مجھے معلوم نہ تھا کہ قرطبہ کا شاہی محل بھی تم جیسے بے حیا لوگوں کی دسترس سے محفوظ نہیں۔"

خواجہ سرا نے آگے بڑھ کر کہا "آپ شہزادہ رشید کے ساتھ گستاخی سے پیش آ رہی ہیں!"

نوجوان نے خواجہ سرا کو ڈانٹا "تم خاموش رہو!"

میمونہ اٹھتے ہی تیزی سے آگے بڑھی۔ چند قدم چلنے کے بعد اُسے نیچے اترنے کے لیے سیڑھیاں دکھائی دیں۔ ابھی اس نے نصف سیڑھیاں طے کی تھیں کہ شہزادہ رشید تیزی سے اس سے آگے نکل گیا اور اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ سیڑھیاں کافی کشادہ تھیں۔ میمونہ نے کترا کر دوسری طرف سے گزرنے کی کوشش کی لیکن رشید نے پھر اس کا راستہ روک لیا۔ میمونہ نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا "تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟ میرا مطلب ہے آپ کا نام کیا ہے۔ آپ کہاں سے تشریف لائی ہیں اور کسی کو ایک ہی نگاہ میں گھائل کر دینے کے انداز آپ نے کہاں سے سیکھے ہیں اور ہم سے کیا جرم سرزد ہوا ہے کہ آپ کا چہرہ انگارے کی طرح سُرخ ہو رہا ہے؟"

میمونہ نے جواب دیا "میں ایک مسلمان لڑکی ہوں اور تمہارے تمام سوالات کا میرے پاس ایک ہی جواب ہے۔"

"فرمائیے!"

میمونہ نے پوری قوت کے ساتھ اس کے منہ پر تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا "یہ!"

شہزادہ رشید غصے، ندامت اور پریشانی کی حالت میں کھڑا اپنا گال سہلا رہا تھا اور میمونہ سیڑھیوں سے نیچے اتر کر دروازے کا رخ کر رہی تھی۔

دروازے سے نکلتے ہی میمونہ نے محسوس کیا کہ کوئی اس کے پیچھے آ رہا ہے۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ یہ خواجہ سرا تھا۔ راستے میں لوگوں کی نظر سے بچنے کے لیے میمونہ نے اپنی رفتار کم کر دی۔ خواجہ سرا نے قریب پہنچ کر کہا "اشبیلیہ میں شاید ہی کوئی لڑکی تم جیسی نادان ہو گی۔ تمہیں معلوم نہیں وہ شہزادہ رشید ہے۔ اشبیلیہ میں صرف تم ہی ایسی لڑکی ہو کہ وہ تھپڑ کھا کر مسکرا رہا تھا۔ ٹھہرو! میری بات سنو، نادان نہ بنو۔ تمہیں اس پر خفا ہونے کی بجائے اپنی فتح پر ناز کرنا چاہیے۔ تمہیں اس نوجوان نے پسند کیا ہے جس پر اشبیلیہ کی ہزاروں لڑکیاں فدا ہیں۔ تم ایسے شخص کو اپنا دشمن بنانے کی غلطی نہ کرو جس کی ایک نگاہ تمہیں اندلس کی معزز ترین عورتوں کی صف میں کھڑا کر سکتی ہے۔ اس کی دشمنی مول لو گی تو تم اپنے خاندان کے لیے بُرا کرو گی۔"

میمونہ محسوس کر رہی تھی کہ کوئی اس کے سر پر ابلتا ہوا پانی ڈال رہا ہے۔ تاہم اس نے ضبط سے کام لیا۔ خواجہ سرا بکتا رہا اور میمونہ کی رفتار غیر شعوری طور پر تیز ہوتی گئی۔ اپنی بھاری

توند کے باعث خواجہ سرا کے لیے اس کی رفتار کا ساتھ دینا مشکل تھا اور وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا، یہاں تک کہ اس کے لیے بات کرنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔

مکان تک پہنچتے پہنچتے میمونہ خواجہ سرا سے کوئی پچاس قدم آگے نکل چکی تھی۔ مکان میں داخل ہوتے ہی میمونہ بھاگ کر ایک کمرے سے کمان اور ترکش اُٹھا لائی اور ڈیوڑھی کے نیم وا دروازے کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ خواجہ سرا دروازے سے چند قدم دور کھڑا ایک لڑکے سے پوچھ رہا تھا: "یہ کس کا مکان ہے؟"

"ادریس کا۔"

"وہ کون ہے؟"

"تم نہیں جانتے۔ وہ دار الضرب کے ناظم ہیں۔"

اچانک میمونہ کی کمان سے ایک تیر نکلا اور خواجہ سرا کی کلاہ سر سے گر پڑی۔ وہ بدحواس ہو کر پیچھے ہٹا، ایک اور تیر آیا اور اس کے پاؤں کے قریب زمین میں دھنس گیا۔ ایک اور تیر اس کی ران کو چھوتا ہوا گزر گیا۔ خواجہ سرا الٹے پاؤں پیچھے ہٹ رہا تھا اور تیر اس کے دائیں بائیں اور سامنے گر رہے تھے۔ وہ چلا رہا تھا: "دیکھو دیکھو ایسا مذاق ٹھیک نہیں!"

ایک نو عمر لڑکا اس کی بدحواسی پر ہنس رہا تھا اور میمونہ کے دو نوکر بھی سڑک پر آ کر قہقہے لگا رہے تھے۔ ایک بوڑھا نوکر ڈیوڑھی میں میمونہ کے پاس کھڑا کہہ رہا تھا: "بیٹی! احتیاط سے۔ یہ شاہی محل کا خواجہ سرا معلوم ہوتا ہے۔ کہیں اسے زخمی نہ کر دینا!"

لڑکے نے خواجہ سرا کی کلاہ زمین پر سے اٹھائی اور اس سے تیر نکال کر جھاڑتے ہوئے پھر خواجہ سرا کے سر پر رکھ دی۔ پھر ایک تیر آیا اور کلاہ پھر چند قدم دور جا گری۔ خواجہ سرا منہ پھیر کر پوری قوت سے بھاگنے لگا۔ اچانک اس کا پاؤں الجھا اور وہ منہ کے بل زمین پر آ رہا۔

رات کے وقت وہ محل میں شہزادہ رشید کو سمجھا رہا تھا: "حضور! اگر اس لڑکی کے ساتھ عشق کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو ساری عمر اپنے جسم پر آہنی خول پہننا پڑے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی اس کا نشانہ ٹھیک نہیں ورنہ میں چھلنی ہو گیا ہوتا۔"

(۲)

میمونہ اپنے مکان کی بالائی منزل کے ایک کمرے میں دریا کی طرف کھلنے والے دریچے کے سامنے کھڑی شام کی خوشگوار ہوا سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ بہار کے دن تھے اور دریا کے کناروں پر اشبیلیہ کے امیر طبقوں کے بے فکر لوگوں کا میلہ لگا ہوا تھا۔ بے شمار چھوٹی چھوٹی کشتیاں جن پر زیادہ تر اشبیلیہ کے امیر طبقے کے لوگ سوار تھے اِدھر اُدھر گھوم رہی تھیں بعض کشتیوں سے شام کے میٹھے اور دلکش راگ سنائی دے رہے تھے۔ شعر و سخن کے دلدادہ لوگوں نے کنارے کے باغات میں پھولوں کی کیاریوں کے آس پاس اپنی محفلیں جما رکھی تھیں۔ گویّوں اور شاعروں کے علاوہ مسخرے، بازی گر اور مداری بھی لوگوں کو اپنے اپنے کمالات دکھا رہے تھے۔

غروبِ آفتاب کے بعد میمونہ ساتھ والے کمرے میں جا کر نمازِ مغرب کے لیے کھڑی ہو گئی۔ نماز کے بعد وہ ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگ رہی تھی، کہ نیچے مکان کے صحن میں اسے چند لڑکیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ میمونہ دُعا ختم کرنے کے بعد برآمدے میں آ کر نیچے جھانکنے لگی۔ اس کی چار سہیلیاں خادمہ سے باتیں کر رہی تھیں۔ ایک لڑکی میمونہ کو دیکھتے ہی چلائی: "میمونہ آؤ نا! دیر ہو رہی ہے۔ ابھی تم نے لباس بھی تبدیل نہیں کیا!"

دوسری لڑکی نے کہا: "نہیں نہیں، میمونہ کو لباس تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں۔ دیکھو وہ اس سیدھے سادے لباس میں بھی ایک ملکہ معلوم ہوتی ہے۔" تمام لڑکیوں کی نگاہیں میمونہ کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں اور وہ اپنے گالوں پر ایک خوشگوار حرارت محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی۔ ایک ثانیہ توقف کے بعد وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھی اور نیچے اترنے لگی۔

ایک لڑکی نے کہا: "ہمارا خیال تھا کہ تم جا چکی ہو گی۔ اچھا اب تیاری کرو!"

"کہاں؟" میمونہ نے بے اعتنائی سے کہا۔

دوسری لڑکی نے کہا: "قربان جاؤں اس بے نیازی پر۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ سلطانہ زبیدہ خود آپ کو لینے کے لیے آئیں گی؟"

"میں نے کب کہا ہے کہ ملکہ رمیکیہ مجھے لینے آئے!"

"اچھا اب تیاری کرو، دیر ہو رہی ہے۔ آؤ میں تمہارے بال سنوار دوں" یہ کہتے ہوئے ایک دراز قامت لڑکی نے اس کا بازو پکڑ لیا اور نچلی منزل کے ایک کمرے کی طرف دھکیلنے لگی۔

میمونہ نے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے کہا "میں نہیں جاؤں گی!"

"تم نہیں جاؤ گی؟" چند لڑکیوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔

"نہیں!"

"کیوں؟"

"میری مرضی!"

پہلی لڑکی نے کہا "تم سلطانہ رمیکیہ کی دعوت ٹھکرا دو گی؟"

میمونہ نے اطمینان سے جواب دیا "کیا سلطانہ رمیکیہ کی دعوتوں میں شریک ہونا بھی ارکانِ دین میں شامل ہو چکا ہے؟"

دراز قامت لڑکی نے کہا "دیکھو میمونہ، اگر تمہاری مرضی نہیں تو ہم تمہیں مجبور نہیں کر سکتیں۔ لیکن تمہارے لیے یہ ٹھیک نہیں کہ تم خواہ مخواہ سلطانہ سے اُلجھنے کی کوشش کرو۔ اگر اسے یہ احساس ہو گیا کہ تم عمداً ان کی دعوت میں شریک نہیں ہوئیں تو وہ اُسے گستاخی سمجھیں گی۔ اور یہ بات شاید تمہارے بھائی کے لیے اچھی نہ ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ پچھلے ہفتے اشبیلیہ کی ایک مسجد کے خطیب کو صرف اس لیے شہر بدر کر دیا گیا ہے اس نے مجمع کو عام تقریر کرتے ہوئے یہ کہہ دیا تھا کہ سلطانہ رمیکیہ اشبیلیہ کی خواتین کو بے حیائی کی تبلیغ کر رہی ہیں۔"

میمونہ نے قدرے برہم ہو کر جواب دیا "آپ میرے بھائی کی فکر نہ کریں۔ جلاوطنی ان کے لیے نئی بات نہیں۔ وہ ملکہ رمیکیہ کی بجائے خدا کی خوشنودی حاصل کرنا پسند کریں گے۔"

میمونہ کی ایک اور سہیلی نے کہا "بہت اچھا ہم آپ کو مجبور نہیں کرتیں لیکن یہ بہتر ہوگا کہ اگر ملکہ آپ کو بُلا کر اس غیر حاضری کی وجہ پوچھیں تو آپ ان کے ساتھ بحث میں اُلجھنے

کی بجائے کوئی عذر پیش کر دیں۔"

"تم مطمئن رہو۔ میں اُسے جواب دے سکوں گی۔"

لڑکیاں ایک دوسری کے ساتھ کانا پھوسی کرتی ہوئی مکان سے باہر نکل گئیں۔ سڑک پر ان کی بگھی کھڑی تھی۔ جب وہ بگھی پر سوار ہو گئیں تو ایک لڑکی نے سرگوشی کے انداز میں کہا "مجھے معلوم تھا کہ میمونہ جشن میں حصہ نہیں لے گی۔"

دوسری لڑکی نے سوال کیا "آخر اس کی وجہ؟"

"تم نہیں جانتیں۔ بات یہ ہے کہ شہزادہ رشید میمونہ کے ساتھ شادی کرنے پر بضد ہے۔"

"اگر میمونہ شہزادہ رشید کو ٹھکرا رہی ہے تو اس کا دماغ خراب ہو چکا ہے۔"

"نہیں دماغ نہیں خراب ہوا۔ بات یہ ہے کہ میمونہ کو اپنے حُسن کی قوتِ تسخیر کا احساس ہو چکا ہے۔ وہ جانتی ہے کہ وہ جس قدر پیچھے ہٹے گی اس قدر شہزادہ رشید کی بیقراری میں اضافہ ہوگا"

بالآخر ایک لڑکی نے کہا "تم سب رائی کا پہاڑ بنانا چاہتی ہو۔ میں میمونہ کو جانتی ہوں رمیکیہ کا بیٹا اگر آدھی دنیا پر حکمران ہو تو بھی وہ اُسے قابلِ توجہ نہیں سمجھے گی۔ تم جانتی ہو کہ جب سے اس کی ماں فوت ہوئی ہے، وہ کسی محفل میں شریک نہیں ہوتی۔ وہ صرف ایک بار رمیکیہ کی دعوت میں شریک ہوئی تھی اور وہاں جو کچھ اس نے دیکھا تھا، وہ اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ خصوصاً شہزادہ رشید کی حرکات سے وہ بہت پریشان ہوئی تھی۔"

دراز قامت لڑکی جو میمونہ کے انکار پر بہت خفا معلوم ہوتی تھی، بولی "تم میں سے کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ میمونہ اور رشید کا معاملہ کہاں تک پہنچ چکا ہے۔ کسی دن تم اچانک یہ سنو گی۔ کہ میمونہ شاہی محل میں پہنچ چکی ہے۔ میرا بھائی......!"

وہ یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئی اور دوسری لڑکیاں اصرار کرنے لگیں۔ "ہاں ہاں کہو نا۔ خاموش کیوں ہو گئیں!"

"کچھ نہیں۔ میرا مطلب ہے کہ شہزادہ رشید میرے بھائی کا دوست ہے اور وہ اپنا

کوئی بھید اس سے نہیں چھپاتا۔"

"اور تمہارے بھائی نے تمہیں بتا دیا ہوگا کہ میمونہ کے متعلق شہزادہ رشید کے عزائم کیا ہیں؟"

دراز قامت لڑکی نے قدرے پریشان ہو کر کہا۔" بھائی جان نے مجھے کچھ نہیں بتایا لیکن ان کی بعض باتوں سے میرا اندازہ ہے کہ شہزادہ رشید میمونہ کو اپنے دل میں جگہ دے چکا ہے۔"

"یہ کون سی نئی بات بتائی تم نے۔ شہزادہ رشید کے متعلق کون نہیں جانتا کہ وہ لڑکیوں کے معاملے میں اپنے دادا کی روایات پر عمل کرے گا۔"

دراز قامت لڑکی نے بگڑ کر کہا۔" کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم شاہی گھرانے کو موضوعِ بحث نہ بنائیں"

اس کے جواب میں دوسری لڑکی کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اس کے قریب بیٹھنے والی لڑکی نے اس کے بازو پر چٹکی لی اور وہ خاموش ہو گئی۔

(۴)

ان لڑکیوں کو رخصت کرنے کے بعد میمونہ نے ایک کمرے کے اندر جا کر الماری سے ایک کتاب نکالی اور شمع دان کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ برآمدے سے نوکرانی نے آواز دی۔

"کھانا لے آؤں؟"

"نہیں۔ میں بھائی جان کا انتظار کروں گی۔" یہ کہہ کر میمونہ اٹھی اور وضو کرنے کے بعد عشاء کی نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔ نماز سے فارغ ہو کر اس نے دوبارہ کتاب اٹھائی۔ تھوڑی دیر بعد ادریس بھی آگیا اور اس نے صحن میں داخل ہوتے ہی خادم سے سوال کیا۔" میمونہ کہاں ہے؟"

"میں یہاں ہوں بھائی جان!" میمونہ نے جلدی سے برآمدے کے دروازے میں آکر کہا۔

ادریس آہستہ آہستہ پاؤں اٹھاتا ہوا اندر داخل ہوا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر تھکاوٹ اور پریشانی کے آثار تھے۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے بھائی جان؟" میمونہ نے قدرے فکر مند سی ہو کر سوال کیا۔ ادریس نے اپنے چہرے پر مغموم سی مسکراہٹ لاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور کہا —"میں....

میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم نے کھانا نہیں کھایا؟"

"میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔"

"میں نے تمہیں کہا تھا کہ کھانے کے لیے میرا انتظار نہ کیا کرو!"

"لیکن آج تو آپ نے دیر نہیں لگائی۔ میں ابھی نماز سے فارغ ہوئی ہوں۔"

ادریس نے محسوس کیا کہ پریشانی میں اُسے وقت کا اندازہ بھی نہیں رہا۔ تھوڑی دیر بعد بھائی اور بہن دسترخوان پر کھانا کھا رہے تھے۔ ادریس شاہی محل میں جشن کی تیاریوں کا ذکر کر رہا تھا۔ اچانک اس نے میمونہ سے سوال کیا۔" میمونہ! تمہیں کوئی بلانے تو نہیں آیا؟"

میمونہ نے جواب دیا۔" ابھی تھوڑی دیر ہوئی زیاد کی بہن اور اس کے ساتھ چند اور لڑکیاں آئی تھیں۔ لیکن میں نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔"

ادریس تھوڑی دیر خاموش رہا اور میمونہ اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھتی رہی۔ اچانک ادریس نے کہا۔" تم کھانا نہیں کھاتیں؟"

"بھائی جان! مجھے بھوک نہیں۔"

ادریس نے کہا۔" میمونہ آج دوپہر کے وقت شہزادہ رشید ملا تھا اور اس کے بعد میں سارا دن پریشان رہا ہوں۔ ایک بھائی کے لیے اس سے زیادہ پریشانی اور کیا ہو سکتی ہے کہ......" یہاں تک کہہ کر ادریس کی آواز بیٹھ گئی۔ اب دسترخوان کی طرف کسی کی بھی توجہ نہ تھی دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

میمونہ نے کہا۔" بھائی جان! ہم دونوں نے ایک ہی ماں کا دودھ پیا ہے اور باپ کی غیرت بھی ہم دونوں کے حصے یکساں آئی ہے۔ آپ کی بہن پوچھتی ہے کہ اُس نے آپ سے کیا کہا اور آپ نے کیا جواب دیا؟"

"جواب صرف تم دے سکتی ہو میمونہ! اس نے تمہارے ساتھ شادی کی درخواست کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے سلطانہ رمیکیہ کو منا لیا ہے اور وہ اس جشن کے ایام میں سلطان کو رضامند

کرلیں گی۔ اب تم بتاؤ، میں اُسے کیا جواب دوں؟"

میمونہ کا چہرہ غصّے سے تمتما اٹھا۔ وہ ایک ثانیہ کے لیے بھائی کی طرف دیکھتی رہی اور پھر اچانک اٹھ کر تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی ــــ ادریس نے جلدی سے پانی کے چند گھونٹ پیے اور اُٹھ کر "میمونہ! میمونہ!!" کہتا ہوا دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپائے کمرے کے ایک کونے میں کھڑی تھی۔ ادریس نے اس کے قریب جاکر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میمونہ! میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ رشید تمہاری طرف کب اور کیسے متوجہ ہوا۔ اگر کوئی ایسی بات ہوئی ہے جس نے اُسے آج میرے ساتھ ہمکلام ہونے کی جُرأت دلائی ہے۔ تو تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا ــــ؟"

میمونہ نے مڑکر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ بولی "میرا قصور یہ ہے کہ میں اپنی سہیلیوں کے اصرار پر رمیکیہ کی محفل میں شریک ہوئی تھی۔ میرا قصور یہ تھا کہ جب اس نے بے حیائی کا مظاہرہ کیا تھا تو میں نے احتجاج کیا تھا اور وہاں سے بھاگ آئی تھی۔ پھر جب محل کی سیڑھیوں سے اترتے ہوئے اس نے میرا تعاقب کیا تھا تو میں نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کردیا تھا۔ اس کے بعد میرا قصور یہ تھا کہ جب اس نے میرے پاس ذلیل قسم کے خطوط بھیجنے شروع کیے تو میں نے انھیں پڑھے بغیر جلا دینا کافی سمجھا اور اپنے بھائی کو بتانے کی جرأت نہ کی۔ اس لیے کہ مجھے انتقامی جذبات کی تسکین سے زیادہ اپنے بھائی کی زندگی عزیز تھی اور میرا خیال تھا، کہ میری خاموشی سے اس کا حوصلہ پست ہوجائے گا اور وہ میرا پیچھا چھوڑ دے گا۔ زیادی کی بہن مجھے ڈرایا کرتی تھی کہ اگر تم نے یہ راز فاش کیا تو تمہارے بھائی کے لیے بُرا ہوگا۔"

"اور تمہارے بھائی کا قصور یہ ہے کہ اُس نے آج اُس کے منہ پر طمانچہ نہیں مارا۔ تمہارا بھائی تم سے معافی مانگتا ہے۔ میمونہ مجھے تم پر فخر ہے!" ادریس نے میمونہ کا سر اپنے سینے سے لگا کر دلاسا دیا۔ کے ساتھ آنسو پونچھنے کے بعد اُسے ایک کرسی پر بٹھا دیا اور اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "میمونہ تمہارے پاس رشید کے خطوط زیادی کی بہن لایا کرتی تھی؟"

"ہاں"

"تو بھائی اور بہن کے سامنے ایک ہی مہم ہے۔ ابھی جب میں آرہا تھا، تو راستے میں مجھے زیادنے روک لیا۔ بڑا ذلیل آدمی ہے۔ وہ مکان کے دروازے تک میرے ساتھ آیا اور سارا راستہ رشید کی وکالت کرتا رہا۔"

میمونہ نے کہا "بھائی جان میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ مجھے کسی ایسی جگہ بھیج دیں جہاں انسانوں کی حکومت ہو؟"

ادریس نے مغموم لہجے میں کہا۔ "اندلس سے انسانوں کی حکومت ختم ہوچکی ہے۔ پھر بھی میں سوچ رہا ہوں.... شاید غرناطہ کے حالات یہاں سے بہتر ہوں۔ میں سعد کے متعلق معلوم کروں گا۔ ممکن ہے وہ ابھی تک وہیں ہو اور اس کی کوششوں سے مجھے غرناطہ میں کوئی ملازمت مل جائے۔"

سعد اور غرناطہ کا نام سن کر میمونہ کے دل میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ پھر ایک مبہم سی تصویر ماضی کے دھندلکوں سے نکل کر اس کی آنکھوں کے سامنے آگئی۔ سعد کی تصویر ــــ جو اس کے خیالوں کی دنیا میں بڑھنے پھولنے اور پنپنے کے بعد اب کچھ عرصے سے یہ کہہ رہا تھا "میمونہ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں میں تمہاری حیا اور غیرت کی حفاظت کے لیے ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ تعمیر کررہا ہوں ــــ!"

ادریس نے کہا۔ "میمونہ تمہیں معلوم ہے کہ رمیکیہ اور اس کا بیٹا اچانک تمہاری طرف متوجہ کیوں ہوئے ہیں؟... بات یہ ہے کہ انھوں نے عریانی اور بے حیائی کی تبلیغ کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا ہے اور وہ دوسروں کی حیا اور شرافت کو اپنے لیے باعثِ تذلیل خیال کرتے ہیں۔ رمیکیہ یہ سمجھتی ہے کہ اشبیلیہ کی ہر شریف اور پاکباز عورت اس کا تمسخر اڑا رہی ہے، اس لیے وہ ہر ایک کے چہرے سے شرم و حیا کا نقاب نوچنا اپنا فرض سمجھتی ہے..... اور یہی حال اُس کے بیٹوں کا ہے۔ اب معتمد کے دربار میں عزت اور اقتدار کی کرسیاں آہستہ آہستہ ان لوگوں کے

لیے وقف ہو رہی ہیں، جو بے غیرتی اور بے حیائی میں نام پیدا کر چکے ہیں اب ہمیں کوئی اور جائے پناہ تلاش کرنی پڑے گی۔"

میمونہ نے کہا۔ "بھائی جان مجھے یقین ہے کہ غرناطہ کے حالات اشبیلیہ سے بہتر ہوں گے۔ ورنہ ہمیں قرطبہ چلے جانا چاہیے۔ وہاں ہم اجنبی نہیں ہوں گے۔"

ادریس نے کہا۔ "کچھ عرصے تک قرطبہ کی حالت شاید اشبیلیہ سے بھی بدتر ہو جائے۔ رشید وہاں کا گورنر بن کر جانے والا ہے۔"

(۴)

خادمہ نے اندر جھانکتے ہوئے کہا۔ "صحن میں نوکر کھڑا ہے۔ شاید باہر آپ سے کوئی ملنا چاہتا ہے۔"

ادریس نے نوکر کو آواز دے کر بلایا اور اس نے دروازے کے قریب آکر کہا۔ "غرناطہ سے آپ کے دوست آئے ہیں۔ میں نے انھیں دیوان خانے میں بٹھا دیا ہے۔"

ادریس نے فوراً باہر آکر نوکر سے سوال کیا۔ "تم نے ان کا نام پوچھا؟"

"جی ہاں! لیکن وہ کہتے ہیں کہ میرے متعلق صرف اتنا کہہ دو کہ میں غرناطہ سے آیا ہوں۔"

میمونہ ایک لمحے کے لیے بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ پھر وہ اٹھی اور جلدی سے صحن میں آگئی... غرناطہ سے کون آیا ہے؟ اس کے دل کی دھڑکنیں اس سوال کا جواب دے رہی تھیں۔ وہ اپنی زندگی کے پُرسکون سمندر میں ایک طوفان محسوس کر رہی تھی اور ایک بے پایاں مسرت سے اس کا سارا جسم لرز رہا تھا۔ صحن میں کھڑی ہو کر وہ تھوڑی دیر کے لیے آسمان کے ستاروں کی طرف دیکھتی رہی۔ ان کی خاموش مسکراہٹیں قہقہوں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ "سعد! سعد!" اس نے اپنے دل میں کہا۔ "کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تم......؟" اور زندگی کے کئی معصوم، دلکش اور حسین نقوش ماضی کے دھندلکوں سے نکل کر اس کے گرد رقص کرنے لگے۔ سعد کا نام ایک مضراب تھا جس نے زندگی کے خاموش تاروں کو چھیڑ کر نغموں کی ایک نئی دنیا بیدار کر دی تھی۔

میمونہ صحن عبور کرنے کے بعد دیوان خانے کے ایک کمرے کے نیم وا دروازے کے ساتھ لگ کر اندر جھانک رہی تھی۔ اب اس کا بھائی ایک آدمی سے بغل گیر ہو رہا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو بھینچ رہے تھے۔ ایک دوسرے پر سوالات کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ اجنبی کا چہرہ دوسری طرف تھا اس لیے میمونہ اُسے پہلی نگاہ میں اچھی طرح نہ دیکھ سکی۔ اچانک ادریس نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر اپنے دونوں ہاتھ سعد کے کندھوں پر رکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے اپنی صورت تو دیکھ لینے دو!"

اب میمونہ بھی اُسے اچھی طرح دیکھ سکتی تھی ـــــ سعد! اس کے بچپن کا سعد اب مردانہ حسن و وقار کا ایک پیکر بن چکا تھا۔ میمونہ کے دل کی دھڑکنیں سرگوشیوں میں کہہ رہی تھیں۔ "تم وہی ہو ـــ تم میرے ہو۔ تم میرے لیے آئے ہو۔" میمونہ نے خود فراموشی کی حالت میں اپنا ایک پاؤں دہلیز پر رکھ دیا۔ جذبات کے طوفان کی ایک سرکش لہر اُسے دھکیل کر کمرے کے اندر لے جانا چاہتی تھی لیکن اچانک اس نے ایک جھرجھری لی اور ایک طرف ہٹ کر چوکھٹ کے ساتھ سر لگا کر کھڑی ہو گئی۔ "سعد ـــ! سعد! مجھے معلوم تھا تم آؤ گے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ زندگی کے حسین چہرے سے وقت کی آندھیوں کا غبار دُھل رہا تھا۔

ہوا کا ایک جھونکا آیا اور دونوں کواڑ کھل گئے...... وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی لیکن ادریس نے اسے دیکھ لیا اور وہ چلا اٹھا۔ "میمونہ سعد آیا ہے ـــ!"

لیکن اب طوفان کے جھونکوں کا رُخ بدل چکا تھا۔ میمونہ بے تحاشا بھاگ رہی تھی۔ اپنے کمرے میں داخل ہو کر وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ پھر اچانک اٹھی اور دیوار کے ساتھ آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ "پگلی کہیں کی!" اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپاتے ہوئے کہا۔ بے قراری کی حالت میں کمرے کے دو تین چکر کاٹنے کے بعد وہ پھر باہر نکلی اور برآمدے کے ایک کونے سے زینے پر بھاگتی ہوئی بالائی منزل کی چھت پر جا پہنچی، اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور ستارے اُسے آپس میں سرگوشیاں کرتے ہوئے دکھائی دیے۔ دریا کی طرف سے کسی ماہی گیر کے گانے کی آواز آ رہی تھی۔ میمونہ یہ گیت کئی بار سن چکی تھی لیکن آج وہ پہلی

رتبہ یہ محسوس کر رہی تھی کہ اس قسم کے ہزاروں گیت اس کے دل میں کروٹیں لے رہے ہیں

خادمہ نے زینے پر سے آواز دے کر پوچھا۔ "مہمان کے لیے کھانا تیار کردوں؟"

"ہاں ہاں!" اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا۔ "یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے جلدی کرو۔ لیکن نہیں میں خود آتی ہوں۔ میں خود کھانا تیار کردوں گی!"

دیوان خانے میں ادریس اور سعد اب قدرے اطمینان کے ساتھ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے۔ اپنے متعلق ادریس کے چند سوالات کا جواب دینے کے بعد سعد نے کہا۔ "تمہاری امی جان کیسی ہیں؟ پہلے انھیں میرا اسلام پہنچادو، پھر باتیں کریں گے"

"امی جان تو پچھلے سال فوت ہوگئیں۔" ادریس نے قدرے مغموم لہجے میں کہا۔

سعد اظہار افسوس کے لیے موزوں الفاظ سوچ رہا تھا کہ ادریس نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے لیے کھانے کا انتظام کر آؤں!"

"نہیں کھانا میں نے سرائے میں کھالیا تھا۔"

"کب پہنچے تم یہاں؟"

"ہم شام سے تھوڑی دیر پہلے یہاں پہنچ گئے تھے۔ مجھے یہ یقین نہیں تھا کہ آپ یہاں ہوں گے میرا خیال تھا کہ آپ قرطبہ چلے گئے ہوں گے۔ لیکن خوش قسمتی سے سرائے کے نزدیک ایک مسجد کا خطیب آپ کو جانتا تھا اور اس نے ایک آدمی کے ساتھ مجھے یہاں تک پہنچادیا۔ احمد اور حسن بھی میرے ساتھ ہیں۔ لیکن وہ بہت تھکے ہوئے ہیں، اس لیے میں انھیں وہیں چھوڑ آیا ہوں"

ادریس نے کمرے سے نکل کر ایک نوکر کو آواز دی اور کہا۔ "تم فوراً میری بگھی تیار کرو!" اور پھر دوبارہ کمرے میں آکر سعد کی طرف متوجہ ہوا۔ "میں خود احمد اور حسن کو لے کر آتا ہوں اگر تمہیں نیند آرہی ہے تو اطمینان سے سو جاؤ۔ میں تمہارا بستر بچھوائے دیتا ہوں۔"

سعد نے اٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "ادریس تم بیٹھ جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ چند باتیں کرنے کے بعد واپس چلا جاؤں گا۔ میرے ساتھ چند اور نوجوان بھی ہیں اور میں

انہی کے پاس رہنا مناسب سمجھتا ہوں۔"

ادریس نے کہا۔ "کیا کہہ رہے ہو تم — کیا یہ ہوسکتا ہے۔ کہ میرے یہاں ہوتے ہوئے کسی سرائے میں ٹھہرو۔ تمہارے ساتھ اگر پچاس آدمی بھی ہوں تو میں یہ گوارا نہیں کروں گا کہ وہ سرائے میں رہیں۔ ہمارا سارا مکان خالی پڑا ہے۔"

سعد نے کہا۔ "سردست ہمارا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ ہم ایک مقصد سے اشبیلیہ آئے ہیں۔ میری بات تو سنو!"

ادریس نے قدرے مایوس ہو کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم بہت ضدی ہو۔ اچھا کہو کیا کہتے ہو؟"

سعد نے کہا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ ابنِ عمار نے نہ صرف معتمد کو دھوکا دیا ہے۔ بلکہ سارے اندلس کے مسلمانوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ وہ پانچ ہزار رضا کار جو مختلف شہروں سے کفر و اسلام کی جنگ میں حصہ لینے کی نیت سے آئے تھے، یہ تلخ احساس لے کر واپس گئے ہیں کہ اب اندلس میں مسلمانوں کے دن گنے جاچکے ہیں۔ اگر الفانسو کے ساتھ جنگ چھڑ جاتی تو مجھے یقین تھا کہ چند دنوں کے اندر اندر ان رضا کاروں کی تعداد دس گنا زیادہ ہو جاتی اور اندلس کی رائے عامہ ہر حکمران کو معتمد کا ساتھ دینے پر مجبور کردیتی۔ میں معتمد سے ملنا چاہتا ہوں۔ میں اُسے یہ بتانا اپنا فرض سمجھتا ہوں...... کہ ابنِ عمار نے جس دشمن کو رشوت دے کر رخصت کیا ہے وہ دوسری بار زیادہ تیاریوں کے ساتھ واپس آئے گا۔ دوسری بار بھی اگر اہلِ اشبیلیہ نے اسی طریق کار پر عمل کیا تو وہ پہلے کی نسبت کئی گنا زیادہ خراج اور رشوت مانگے گا۔ اس طرح معتمد کو اشبیلیہ کی آزادی کے ہر سانس کی قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ یہاں تک کہ اشبیلیہ کے خزانے میں ایک کوڑی تک باقی نہ رہے گی۔ ابھی یہ حالت ہے کہ ابنِ عمار نے پانچ سو بہترین گھوڑے اُن کے حوالے کر دیے ہیں۔ آئندہ چند سالوں میں شاید وہ سپاہیوں کو بھی دشمن کے پاس فروخت کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ پھر اشبیلیہ والوں کے پاس کچھ بھی نہیں رہے گا تو الفانسو کسی

مزاحمت کا سامنا کیے بغیر اشبیلیہ پر قابض ہو جائے گا۔ اشبیلیہ کے لوگوں میں مقابلہ کرنے کی بجائے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی سکت بھی نہیں ہوگی اور باہر کے مسلمان اپنے سابقہ تجربات کے باعث ان کا ساتھ دینا مناسب نہ سمجھیں گے۔ شاید اس وقت ابن عمار جیسے سیاستدان بھی معتمد کے اقتدار کی گرتی ہوئی عمارت کو سہارا دینے کی بجائے الفانسو کی شان میں قصائد لکھنا اپنے لیے زیادہ سودمند خیال کریں ــــ میں معتمد کو اس صورتِ حال سے آگاہ کرنا اپنا آخری فرض سمجھتا ہوں۔ ورنہ تم جانتے ہو کہ اشبیلیہ کی تباہی سارے اندلس کی تباہی کا پیش خیمہ ہوگی۔"

ادریس نے کہا "میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم پر جنون سوار ہے اور تم اندلس کو تباہی سے بچاتے بچاتے خود کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے... شاید تمہیں معلوم نہیں کہ معتمد ابنِ عمار کی اس کامیابی کو اپنی زندگی میں سب سے بڑی فتح سمجھتا ہے۔ اس نے الفانسو کی واپسی کی خبر سنتے ہی فتح کے جشن کی تیاریوں کا حکم دے دیا ہے۔ پرسوں ابنِ عمار یہاں آئے گا۔ تو معتمد کے تمام وزراء اور بڑے بڑے عہدہ دار شہر سے باہر نکل کر ان کا استقبال کریں گے اس کے بعد جشن شروع ہوگا اور نہ معلوم کب تک جاری رہے گا۔ اول تو تمہارے لیے معتمد تک رسائی حاصل کرنا ممکن نہ ہوگا۔ اگر تم وہاں تک پہنچنے میں کامیاب بھی ہو جاؤ تو بھی ابن عمار کے خلاف تمہاری شکایات سننے کی بجائے تمہیں دھکے دے کر باہر نکال دیا جائے گا۔ معتمد شاید تمہارے لیے یہی سزا کافی سمجھے۔ لیکن اس کے بعد تم اشبیلیہ کی ہر دیوار کے پیچھے اپنے لیے ایک دشمن پاؤ گے اور تمہارا یہاں سے نکلنا ایک معجزہ ہوگا۔"

سعد نے قدرے توقف کے بعد کہا "ادریس! ممکن ہے کہ اپنے مشن کی ناکامی کے بعد مجھے اپنی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ میرے منہ سے حق کی آواز معتمد کو راہِ راست پر لے آئے، اور میری قوم تباہی سے بچ جائے!!"

ادریس نے کہا "میں جانتا ہوں کہ اگر تم معتمد سے ملنے کا ارادہ کر چکے ہو تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں نہیں روک سکتی۔

تم میری کامیابی کے لیے دعا کرو۔ معتمد سے ملاقات کا اگر کوئی خوشگوار نتیجہ نکلا تو میں آمنہ اور حسن کو ساتھ لے کر سیدھا تمہارے گھر آؤں گا اور اس وقت تک یہاں رہوں گا جب تک کہ تم تنگ نہ آ جاؤ۔ لیکن سرِ دست میں یہ نہیں چاہتا کہ کسی کو ہمارے دوستانہ تعلقات کا بھی علم ہو۔"

ادریس نے کہا "تم سمجھتے ہو کہ تمہارے یہاں ٹھہرنے سے میری ملازمت خطرے میں پڑ جائے گی۔ لیکن کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ میں یہاں خون کے گھونٹ پی رہا ہوں۔ اگر مجھے میمونہ کا خیال نہ ہوتا تو میں کب سے اشبیلیہ چھوڑ کر کہیں جا چکا ہوتا۔"

"ادریس ہماری دوستی رسمی نہیں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میں کہاں ٹھہرا ہوں۔ ہم صبح و شام ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں۔"

ادریس نے کہا "ان دنوں معتمد سے ملاقات کرنا بہت مشکل ہے۔ شاہی ایوان کا ناظم میرا واقف ہے لیکن وہ جشن کی تیاریوں میں مصروف ہوگا۔"

سعد نے کہا "تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں کسی نہ کسی طرح اس کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ آپ مجھے اجازت دو۔"

ادریس نے کہا "نہیں۔ سرائے تک میں تمہارے ساتھ چلوں گا ــــ میں ابھی آتا ہوں۔"

"میمونہ! میمونہ!" ادریس نے رہائشی مکان کے صحن کو عبور کرتے ہوئے آواز دی۔

"کیا ہے بھائی جان؟" میمونہ نے باورچی خانہ سے باہر جھانکتے ہوئے کہا "یہاں کیا کر رہی ہو تم؟"

"کھانا تیار کر رہی ہوں بھائی جان!"

"تم یونہی تکلیف اٹھا رہی ہو۔ سعد کھانا نہیں کھائے گا۔ وہ جا رہا ہے۔"

میمونہ مبہوت سی ہو کر رہ گئی۔ اس کا دل ایک ناقابلِ برداشت بوجھ سے پسا جا رہا تھا۔ "وہ...... وہ جا رہے ہیں؟" اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں!" ادریس یہ کہہ کر آگے بڑھا۔ اب باورچی خانہ کے دروازے سے دھندلی سی روشنی

ادریس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ ادریس کے چہرے پر ہلکا سا تبسم دیکھ کر میمونہ کی کائنات پھر ایک بار امید کی روشنی سے جگمگا اٹھی۔ اُس نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا: "میں سمجھتی تھی کہ وہ سچ مچ جا چکے ہیں۔"

"میں مذاق نہیں کرتا میمونہ! سرائے میں ان کے چند دوست ہیں وہ ان کے پاس رہنا چاہتے ہیں۔ سعد کے چھوٹے بھائی بھی آئے ہوئے ہیں۔"

"آپ نے انھیں......؟" میمونہ کی آواز ڈوب گئی اور اس نے منہ پھیر لیا۔

ادریس نے کہا: "پگلی تمہارا خیال ہے میں نے سعد کو روکا نہیں ـــــ بات یہ ہے کہ وہ ایک ضروری کام سے آیا ہے۔ کام سے فارغ ہو کر وہ ہمارے پاس آجائے گا۔ اب میں انھیں چھوڑنے جا رہا ہوں۔"

میمونہ نے قدرے مطمئن ہو کر پوچھا: "آپ نے اُن کے گھر کی خیریت پوچھی ہے؟"

"ہاں وہ سب خوش ہیں۔"

(۵)

ابنِ عمار ایک عظیم الشان جلوس کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ اشبیلیہ کے عوام اور حکومت کے عہدہ دار اس کے راستے میں صفیں باندھے کھڑے تھے۔ گزشتہ دو تین دنوں میں حکومت کے ڈھنڈورچی اشبیلیہ کے عوام کو یہ احساس دلا چکے تھے کہ ابنِ عمار قوم کا سب سے بڑا محسن ہے اور اس کا تازہ کارنامہ عوام کی طرف سے بڑے سے بڑے انعام کا مستحق ہے اور وہ تشکر و احسان مندی کے اظہار کے لیے اس پر پھول برسا رہے تھے۔ شاہی محل کے دروازے پر جلوس رکا۔ معتمد اور ملکہ رمیکیہ اور شاہی گھرانے کے دوسرے افراد دروازے کے سامنے بیش قیمت قالینوں سے آراستہ چبوترے پر کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ چبوترے سے نیچے کئی گز تک سڑک پر بھی قالین بچھے ہوئے تھے۔ ابنِ عمار گھوڑے سے اترا۔ سیڑھیاں طے کرنے کے بعد اُس نے معتمد اور رمیکیہ کو جھک کر سلام کیا اور انھوں نے آگے بڑھ کر یکے بعد دیگرے جواہرات کے دو بیش قیمت ہار اس کے گلے میں ڈال دیے۔ اس کے بعد معتمد اور رمیکیہ کی راہنمائی میں

ابنِ عمار اور چیدہ چیدہ امراء محل کے اندر داخل ہوئے۔

سعد اور اس کے ساتھی لوگوں کے ہجوم میں کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ الیاس نے سعد کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "سعد میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ان لوگوں کو کیا سمجھاؤ گے! اب تو میرا خیال یہ ہے کہ تمہیں کئی دن تک معتمد کے ساتھ ملاقات کا موقع نہ ملے گا۔"

سعد نے کہا: "میں اس کے ساتھ ضرور ملوں گا۔ آج حماقت کا یہ مظاہرہ دیکھ کر میرا ارادہ اور بھی پختہ ہو گیا ہے۔"

مغرب کی نماز کے بعد وہ اپنے ساتھیوں کو سرائے میں چھوڑ کر سعد، احمد اور حسن کے ساتھ ادریس کے گھر چلا گیا۔ ادریس گھر میں نہ تھا۔ سعد واپس آنا چاہتا تھا لیکن اُس کے بوڑھے نوکر نے کہا: "وہ آنے ہی والے ہوں گے۔ آپ کے متعلق وہ ہمیں تاکید کر گئے ہیں کہ آپ تھوڑی دیر ان کا انتظار کریں۔"

نوکر کے اصرار پر سعد اور اس کے بھائی دیوان خانے میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ادریس بھی آگیا۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد وہ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ بالآخر سعد نے کہا: "اب بہت دیر ہو گئی ہے۔ ہمیں جانا چاہیے۔"

ادریس نے کہا: "آپ وہاں جا کر کیا کرو گے۔ یہیں سو رہو۔"

سعد نے جواب دیا: "نہیں ہمارے ساتھی پریشان ہوں گے۔"

کسی نے صحن کی طرف سے دروازہ کھٹکھٹایا اور ادریس اُٹھ کر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے واپس آکر کہا: "سعد! میمونہ تم سے بہت خفا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اگر تمہیں ہماری میزبانی قبول نہیں تو چھوٹے بھائیوں کو یہاں چھوڑ جاؤ۔"

سعد نے کہا: "ہم جانے سے پہلے آپ کی میزبانی کا پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے۔ اپنے کام سے فارغ ہوتے ہی میں آپ کے پاس آجاؤں گا۔ اس وقت ہمیں آپ اجازت دیجیے۔"

ادریس نے کہا: "میں خود آپ کے دوستوں کے پاس جاتا۔ لیکن میں بہت مصروف

ہوں۔ دارالضرب میں آج کل دن رات کام ہو رہا ہے۔ پرسوں وزیر خزانہ الفانسو کے پاس خراج کی رقم لے کر جا رہا ہے اور ہمیں تمام سونا اور چاندی سکوں میں تبدیل کروانے کا حکم ملا ہے۔ ابھی بہت سا کام باقی ہے اور میں باقی رات دارالضرب میں گزاروں گا۔ کل بھی شاید مجھے فرصت نہ ملے۔ اس کے بعد میں بالکل فارغ ہوں۔ امید ہے کہ معتمد کے ساتھ تمہاری ملاقات کا کوئی راستہ نکال سکوں گا۔ جشن کے اختتام پر ابن عمار بھی مرسیہ جا رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس کی غیر حاضری میں تمہیں زیادہ آزادی کے ساتھ باتیں کرنے کا موقع مل جائے گا"

سعد نے کہا "میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں ابنِ عمار کے منہ پر کہوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ ایک دو دن تک میں معتمد کے دربار میں رسائی حاصل کر سکوں گا۔"

"تم بہت ضدی ہو سعد، اچھا چلو!"

سعد اور اس کے بھائی ادریس کے ساتھ اس کی بگھی پر سوار ہو گئے۔ ادریس نے دارالامارہ کے قریب پہنچ کر بگھی سے اترتے ہوئے کوچوان کو حکم دیا کہ وہ مہمانوں کو سرائے میں چھوڑ آئے۔

(۶)

اگلے دن سعد صبح سے لے کر شام تک شاہی ایوان کا طواف کرتا رہا لیکن اُسے معتمد کے دربار میں حاضر ہونے کا موقع نہ ملا۔ شاہی ایوان کے ناظم کے سامنے اس کی پرجوش تقریریں بے اثر ثابت ہوئیں۔ ناظم کے پاس ایک ہی جواب تھا اور وہ یہ کہ سلطانِ معظم جشن منا رہے ہیں اور جشن کے دوران میں اگر غرناطہ کا حکمران بھی آ جائے۔ تو بھی وہ ملاقات سے انکار کر دیں گے۔ تم ایک ہفتہ صبر کرو۔ اس کے بعد میں تمہاری درخواست پیش کر دوں گا۔ پھر اُنھوں نے مناسب سمجھا تو وہ تمہیں ملاقات کے لیے وقت دے دیں گے۔ میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر تمہیں جلدی ہے تو تم شاہی مہمان خانے کے داروغہ سے ملو ممکن ہے کہ اس کی سفارش سے تمہیں جشن میں شریک ہونے کی اجازت مل جائے۔"

سعد شاہی مہمان خانے کے داروغہ کے پاس پہنچا تو اس نے یہ عذر پیش کیا کہ میں صرف

باہر سے آنے والے مشہور و معروف شعرا اور گویّوں کی سفارش کر سکتا ہوں اور وہ بھی اس صورت میں جب کہ میں اچھی طرح اس بات کا اطمینان کر لوں کہ وہ جشن میں حصہ لینے کے قابل ہیں"

تیسرے پہر سعد نے ذرا جرأت سے کام لیا اور وہ شعراء کی ایک ٹولی کے ساتھ محل میں داخل ہو گیا۔ لیکن محل کے بیرونی دروازے سے آگے پولیس کے چند افسر دعوت نامے دیکھنے پر متعین تھے۔ سعد نے آنکھ بچا کر گزرنے کی کوشش کی لیکن ایک افسر نے اُسے آواز دے کر روک لیا

"آپ کا اجازت نامہ؟" اس نے سوال کیا۔

"میں غرناطہ سے سلطان معظم کے لیے ایک ضروری پیغام لے کر آیا ہوں" سعد نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اجازت نامے بغیر تم اندر نہیں جا سکتے"

"میرا سلطان معظم کی خدمت میں حاضر ہونا بہت ضروری ہے اور میں اجازت نامے کا انتظار نہیں کر سکتا۔ اگر تمہیں میرے متعلق کوئی شبہ ہے تو مجھے گرفتار کر کے سلطان کے سامنے لے جاؤ"

"آپ کے مشورے پر عمل کرنا ہماری طاقت سے باہر ہے۔ آپ باہر تشریف لے جائیں اور دوبارہ اس دروازے میں داخل ہونے کی تکلیف نہ کریں"

سعد ان کے ساتھ جھگڑ رہا تھا کہ کوتوال وہاں آ پہنچا۔ پولیس کے آدمی جو سعد کے گرد جمع ہو رہے تھے، ایک طرف ہٹ گئے۔

کوتوال نے سوال کیا "یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

ایک افسر نے جواب دیا "یہ نوجوان بضد ہے کہ ہم اسے گرفتار کر کے سلطان معظم کے حضور میں لے جائیں"

کوتوال نے کہا "شبیلیہ میں دیوانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے۔ بہتر ہے کہ تم لوگ دروازے سے باہر ہی اجازت نامے دیکھ لیا کرو"

افسر نے کہا "لیکن یہاں کے دیوانے بھی ایوان شاہی کے آداب سے غافل نہیں ہوتے

یہ غرناطہ سے آیا ہے۔"

"تو پھر دو سپاہیوں سے کہو کہ اسے شہر سے باہر چھوڑ آئیں۔ لے جاؤ اسے!"

سعد خاموشی سے کوتوال کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس موٹے تازے آدمی کے خدوخال میں اُسے ماضی کی ایک موہوم سی تصویر نظر آرہی تھی۔ اچانک اس کے دل میں ناخوش گوار دھڑکنیں پیدا ہوئیں اور وہ باہر کے دروازے کی طرف چل دیا۔

"ٹھہرو!" کوتوال نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔

سعد رُک کر دوبارہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔

کوتوال چند قدم آگے بڑھا اور ایک ثانیہ کے لیے سعد کی طرف گھور گھور کر دیکھنے کے بعد بولا۔ "میں نے شاید پہلے بھی تمہیں دیکھا ہے؟"

"آپ کبھی غرناطہ گئے ہیں؟" سعد نے اطمینان سے کہا۔

"نہیں۔ لیکن میں نے تمھیں دیکھا ضرور ہے۔"

"میں دو دن سے یہاں پھر رہا ہوں۔"

"دو دن میں تمہیں یہ تجربہ نہیں ہوا کہ اشبیلیہ کا شاہی ایوان ایک سرائے نہیں جس کے دروازے ہر آوارہ مزاج آدمی کے لیے کھلے ہوں۔ آخر تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں سلطان معتمد سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"اور میں پوچھ سکتا ہوں کہ سلطانِ معظم کے حال پر آپ اس قدر مہربان کیوں ہیں؟"

"میں غرناطہ سے ایک رضا کار کی حیثیت میں آیا تھا اور واپس جانے سے پہلے....!"

کوتوال نے بات کاٹ کر کہا: "میں سلطان معظم کی طرف سے تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن اب تم تشریف لے جاؤ۔ یہاں خواہ مخواہ دھکے کھانے سے کیا فائدہ؟ جاؤ!"

سعد کچھ کہے بغیر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل آیا۔ کوتوال، پولیس کے آدمیوں سے کہہ رہا تھا: "ان لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ اشبیلیہ کے درختوں کے ساتھ پتوں کی بجائے

روپے لگتے ہیں ۔۔۔ اگر یہ دوبارہ یہاں آئے تو اُسے قید خانے میں بھیج دو۔"

(۷)

رات کے وقت سرائے کے ایک کمرے میں سعد اپنے بھائیوں اور ساتھیوں کو اپنی دن بھر کی کارگزاری سنا رہا تھا ۔۔۔ اختتام پر اس نے احمد کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "احمد تمہیں یاد ہے بچپن میں ایک دن ہماری مدینۃ الزہرا کے لڑکوں کے ساتھ لڑائی ہوئی تھی اور میں نے ایک موٹے سے لڑکے کو پیٹا تھا؟"

احمد نے جواب دیا: "ہاں! مجھے یاد ہے، اس کا نام زیاد تھا اور اگر میں نے اُسے پہچاننے میں غلطی نہیں کی تو وہ آج کل یہاں ہے۔ میں اُسے دوبارہ دیکھ چکا ہوں۔"

سعد نے کہا: "وہ آج کل اشبیلیہ کا کوتوال لگا ہوا ہے۔ یہ خوش قسمتی تھی کہ آج وہ مجھے پہچان نہ سکا۔"

الیاس نے کہا ۔۔۔ "میرے خیال میں اب ہمیں غرناطہ لوٹنے کی تیاری کرنی چاہیے، خواہ مخواہ بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے سے کوئی فائدہ نہیں؟"

سعد سوچ میں پڑ گیا۔ احمد اور حسن پہلی بار اس کے چہرے پر مایوسی کے آثار دیکھ رہے تھے ۔۔۔ احمد نے کہا: "بھائی جان! اگر آپ کو یقین ہے کہ معتمد سے آپ کی ملاقات کوئی خاطر خواہ نتیجہ پیدا کر سکتی ہے تو یہ کوئی مشکل کام نہیں۔"

سعد نے کہا: "مجھے اب کسی بات پر یقین نہیں، میں ہوائی قلعے تعمیر کر رہا ہوں، شاید اندلس کا ہر نوجوان جس کے دل میں قوم کا درد ہے، ہوائی قلعے تعمیر کر رہا ہے.....!"

احمد نے کہا: "لیکن اگر آپ چاہتے ہیں تو آپ کی ملاقات کا بندوبست ہو سکتا ہے۔"

اب سب احمد کی طرف دیکھ رہے تھے اور وہ اطمینان سے مُسکرا رہا تھا۔ سعد کو اس کی مُسکراہٹ کچھ بے محل سی محسوس ہوئی اور اس نے قدرے تلخ ہو کر کہا: "فرمائیے! آپ نے کیا طریقہ سوچا ہے؟"

احمد نے کہا: "میں نے جو کچھ سوچا تھا، اُس پر عمل بھی کر چکا ہوں..... اگرچہ اس سے فائدہ

کچھ نہیں ہوگا تاہم آپ کو اپنا فرض پورا کرنے کا موقع مل جائے گا۔ آج میں نے بھی کچھ دوڑ دھوپ کی ہے اور میری دوڑ دھوپ بے نتیجہ نہیں رہی، بات یہ ہے کہ شاہی محل کا دروازہ آج کل صرف شاعروں اور گویّوں کے لیے کھلا ہے۔ گویّے آپ بن نہیں سکتے۔ لیکن شاعروں کی نقل اتارنا آپ کے لیے مشکل نہیں۔"

"کیا مطلب ؟" سعد نے اور زیادہ بگڑ کر کہا۔

احمد نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک کاغذ نکالا اور سعد کو دکھاتے ہوئے کہا "یہ دیکھیے یہ معتمد کے محل کی کنجی ہے۔"

سعد نے کہا "یہ دل لگی کے لیے کونسا موقع ہے ؟"

"دل لگی نہیں بھائی جان! میں آپ سے انعام کا حق دار ہوں۔ یہ رمیکیہ کا قصیدہ ہے۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو اس وقت تک وہ اس کی دوسری نقل دیکھ چکی ہو گی اور اب شاید معتمد کو حکم دیا جا رہا ہو گا کہ غرناطہ کے اس نامور شاعر کو فوراً تلاش کرو جس نے میری شان میں یہ قصیدہ کہا ہے۔ "اے اشبیلیہ کی محبوب ملکہ! تیرا حُسن معتمد کے حسین سپنوں کی تعبیر ہے۔ اگر معتمد کے اشعار نے پرندوں کو نغمے سکھائے ہیں۔ تو پھولوں نے تیری مُسکراہٹیں چُرائی ہیں!"

سعد بولا "کیسے نالائق ہو۔ تم نے یہ شعر کہاں سے سُنا ؟"

"مجھے خود ہی یہ تکلیف اٹھانی پڑی .... لیکن بھائی جان! آپ پریشان نہ ہوں۔ میں نے صرف وقت کی ایک ضرورت کو پورا کیا ہے .... اگر اجازت ہو تو سارا قصیدہ سُنا دوں ؟"

"قصیدہ بعد میں سنوں گا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے اس حماقت کو کہاں تک پہنچایا ہے ؟"

احمد نے جواب دیا "ہر چیز اپنے مرکز کی طرف پرواز کرتی ہے اور ایسی حماقتوں کا مرکز معتمد کا دربار ہے۔ میں یہ قصیدہ شاہی مہمان خانے کے داروغہ کے پاس لے گیا تھا پہلے وہ میرے ساتھ بات کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ لیکن یہ قصیدہ پڑھتے ہی وہ چلا اٹھا "کہاں ہے وہ شاعر۔ وہ اب تک میرے پاس کیوں نہیں آیا ؟ اُسے میرا سلام کہو۔ میں آج ہی یہ قصیدہ ملکہ کے پاس بھیجتا ہوں .... مجھے یقین ہے کہ وہ اُسے بہت جلد بلائیں گی۔"

"تم نے سچ مچ یہ قصیدہ بھیج دیا ہے ؟"

"بھائی جان! میں آپ سے مذاق کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بہت جلد آپ کو بلائیں گے۔"

"مجھے .... ؟ یہ قصیدہ تم نے میرے نام سے بھیجا ہے ؟ اور یہ شعر دکھاؤ مجھے!"

سعد نے اس کے ہاتھ سے کاغذ چھین لیا اور اس پر ایک ثانیہ نظر دوڑانے کے بعد کہا۔ "نالائق تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ بوڑھی چڑیل اپنے متعلق ایسے اشعار سُننا پسند کرے گی ؟"

احمد نے اطمینان سے جواب دیا "بھائی جان! گھبرائیے نہیں۔ سرائے کے دوسرے کمرے میں قرطبہ کا ایک شاعر ٹھہرا ہُوا ہے۔ کل شام مجھے اس نے اپنی نظم دکھائی تھی اور آج وہ دربار میں سُنانے کے بعد پانچ سو دینار انعام لے کر آیا ہے۔ اس کی نظم کا پہلا شعر یہ تھا کہ: "زمانے کے بے رحم ہاتھوں نے ہر صورت مسخ کر ڈالی لیکن اے رمیکیہ تو وہی ہے جو آج سے تیس برس پہلے تھی۔"

"لعنت ہے ایسی رمیکیہ پر۔" سعد نے معصومانہ انداز میں کہا اور سب ہنس پڑے۔

احمد نے کہا "آپ کو شاعرانہ لباس کی ضرورت تھی اور میں نے قرطبہ کے شاعر کی قبا اور ٹوپی خرید لی ہے۔ صرف بیس دینار دینے پڑیں گے۔"

"تو تمہارا مطلب ہے کہ میں سچ مچ ایک شاعر بن کر وہاں جا رہا ہوں!"

"مجھے یقین تھا کہ آپ اپنا ارادہ تبدیل نہیں کریں گے۔"

"بہت شریر ہو تم!"

"شکریہ!" احمد نے مُسکرا کر کہا۔

اور رات کے وقت جب تینوں بھائی ایک دوسرے کے قریب اپنے اپنے بستر پر لیٹے ہوئے تھے، سعد نے آہستہ سے کہا "احمد!"

"کیا ہے بھائی جان ؟"

"تم نے شاعری کہاں سے سیکھی؟"

"آپ سے" اس نے بے ساختگی سے جواب دیا۔

"کیا کہا؟"

"ہاں بھائی جان آپ کو اندلس کے شاعروں سے نفرت تھی اور آپ کی نفرت کی وجہ سے مجھے دلچسپی ہو گئی۔ میں یہ سوچا کرتا تھا کہ اسلام کے عروج کے زمانے میں بھی تو شاعر ہوا کرتے تھے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ وہ اس قدر بدنام نہ تھے۔ پھر میں نے ان کا کلام پڑھا اور مجھے افسوس ہوا کہ وہ اپنے زمانے کے نقیب تھے۔ وہ سونے والوں کو بیدار کرتے تھے۔ وہ قوم میں زندگی کی رُوح پھونکتے تھے اور یہ قوم کو تھپکیاں دے کر موت کی نیند سُلا رہے ہیں۔"

سعد نے پوچھا "تم نے کوئی اور نظم بھی لکھی ہے؟"

احمد کے تذبذب پر حسن نے جواب دیا "ہاں بھائی جان۔ آج مجھے انھوں نے ایک اور نظم سُنائی تھی۔ اہلِ اشبیلیہ کے متعلق انھوں نے خوب لکھا ہے۔"

احمد نے فوراً صفائی پیش کرنے کی ضرورت محسوس کی لیکن اس نے تکیے سے سر اُٹھا کر شمع کی روشنی میں بھائی کی طرف دیکھا تو اس کی پریشانی جاتی رہی۔ سعد کے چہرے پر غصے کی بجائے مُسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ سعد نے قدرے توقف کے بعد پھر کہا "احمد! مجھے معلوم تھا کہ تم شاعر ہو۔"

"نہیں نہیں۔" احمد نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا "بھائی جان میں کبھی کبھی دل لگی کیا کرتا ہوں۔"

سعد نے کہا "گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ میں ایسی شاعری کے خلاف نہیں ہوں جو قوم کی اصلاح کے کام آ سکے۔ شاعر اگر اپنے ماحول سے بیگانہ نہ ہو تو وہ وقت کا نقیب بھی بن سکتا ہے۔ مجھے سناؤ! تم نے اہلِ اشبیلیہ کے متعلق کیا لکھا ہے؟"

احمد نے کہا "بھائی جان وہ نظم اس قابل نہیں کہ آپ کو سنائی جائے۔"

یہ باتیں سُن کر الیاس جو ساتھ والے کمرے میں لیٹا ہوا تھا، اٹھ کر سعد کے کمرے میں آ گیا اور بولا "بھائی ہم بھی سنیں گے!"

"سناؤ احمد!" سعد نے دوبارہ کہا۔

جب احمد نظم سنانے کے لیے تیار ہوا تو ساتھ والے کمرے سے اُن کے باقی ساتھی بھی اس کے گرد جمع ہو چکے تھے۔ احمد کی نظم کا مفہوم یہ تھا:

"اشبیلیہ کے جدت پسندوں نے الفاظ کا قدیم مفہوم بدل دیا ہے۔
اب بزدلوں کو بہادر اور لومڑیوں کو شیر کہا جاتا ہے۔
اب معتمد کی افواج کو کسی میدان میں شکست نہیں ہو گی۔
کیونکہ اشبیلیہ کے شاعر ہر شکست کو فتح کے نام سے یاد کیا کریں گے۔
جب ایک حقیر دشمن نے معتمد کو مقابلے کے لیے للکارا
تو اس نے اپنے دستر خوان کے شیروں کو آگے کر دیا۔
اب اہلِ اشبیلیہ...... کو تلواروں کی ضرورت نہیں رہے گی۔
کیونکہ ابنِ عمار شطرنج کھیلنے میں نام پیدا کر چکا ہے۔
اب اشبیلیہ کی خواتین کو دشمن کے وحشیانہ عزائم سے کوئی خطرہ نہیں۔
کیونکہ رمیکیہ نے نسوانی حیا اور آبرو کے تمام پردے چاک کر دیے ہیں۔
اب اسلام کی مشعل کو کفر کی آندھیوں سے کوئی خطرہ نہیں۔
کیونکہ اسلام کے نام لیوا خود ہی اس مشعل کو بجھانے کی فکر میں ہیں۔"

(۸)

اسی رات شہزادہ رشید شاہی محل کے ایک کشادہ کمرے میں آہستہ آہستہ ٹہل رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کبھی غصے اور کبھی پریشانی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ ایک خادمہ نے اندر جھانکتے ہوئے کہا "زیاد حاضر ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔"

رشید نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا "میں نے کب کہا تھا کہ اُسے میرے پاس آنے کے لیے اجازت کی ضرورت ہے!"

خادمہ اُلٹے پاؤں واپس مڑی اور تھوڑی دیر کے بعد زیاد اندر داخل ہوا۔

"معاف کیجیے مجھے دیر ہوگئی۔ میرا خیال تھا آپ سو گئے ہوں گے۔ اس لیے یہ مناسب سمجھا کہ خادمہ کو بھیج کر معلوم کر لوں۔"

رشید نے کہا۔ "اچھا یہ بتاؤ کیا خبر لائے ہو؟"

زیاد نے جواب دیا۔ "خبر کوئی تسلی بخش نہیں۔"

"مجھے معلوم تھا وہ بہت ضدّی ہے۔ بیٹھو!"

زیاد نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "وہ ضدّی ہونے سے زیادہ بے وقوف ہے۔ میں اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کر چکا ہوں۔ لیکن وہ نہیں مانتا۔"

"تم نے اسے بتایا کہ میں قرطبہ کا گورنر ہو کر جا رہا ہوں؟"

"ہاں۔ لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ آپ سارے اندلس کے حکمران ہو جائیں تو بھی میرا یہی جواب ہوگا۔"

"آخر کیوں؟" رشید نے دوسری کُرسی گھسیٹ کر زیاد کے پاس بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ کہتا ہے کہ میں نے حکومت کی ملازمت کی ہے اپنی بہن کی عزت کا سودا نہیں کیا۔"

"یعنی وہ یہ سمجھتا ہے کہ میرے ساتھ شادی کرنے میں اس کی بہن کی بے عزتی ہوگی! تم نے اسے یہ نہیں کہا کہ اندلس کے حکمران خاندانوں کی سینکڑوں لڑکیاں اس عزّت افزائی کی طلبگار ہیں؟"

زیاد نے کہا۔ "شہزادے اُسے سب کچھ معلوم ہے لیکن دنیا میں حماقت کا کوئی علاج نہیں۔ میں حیران ہوں کہ آپ اس کی بہن کے لیے اس قدر بے قرار کیوں ہیں۔ آپ اگر چاہیں تو اندلس سے باہر بھی کئی حکمران آپ کے ساتھ ناطہ جوڑنا اپنے لیے باعث فخر سمجھیں گے۔ اور اس لڑکی کے متعلق مجھے اندیشہ ہے کہ اگر ادریس رضامند ہو بھی جائے تو بھی سلطانِ معظم اُسے آپ کے لیے پسند نہ کریں گے۔"

رشید نے کہا۔ "امّی کو یقین ہے کہ اگر ادریس رضامند ہوگیا تو ابا جان بھی کچھ عرصہ پس و پیش کرنے کے بعد مان جائیں گے.... اور پھر قرطبہ کا گورنر بننے کے بعد میری حیثیت مختلف

ہوگی۔ میں انھیں مجبور بھی کر سکوں گا.... لیکن ادریس کے انکار سے ابا جان کو ایک معقول بہانہ مل جائے گا۔"

زیاد نے کہا۔ "شہزادے اگر یہ گستاخی نہ ہو تو میں ایک سوال پوچھتا ہوں ــــ آخر اس لڑکی میں آپ نے کیا خوبی دیکھی ہے؟ میرا خیال ہے زندگی کی اور لغزشوں کی طرح یہ بھی آپ کی ایک لغزش ہے.... سلطانِ معظم اگر مان بھی جائیں تو بھی انھیں اس بات کا دُکھ ضرور ہوگا کہ آپ نے سینکڑوں قابلِ عزت خاندانوں کو ٹھکرا کر ایک معمولی حیثیت کے خاندان کی لڑکی کو پسند کیا ہے۔"

رشید نے قدرے آزُردہ ہو کر کہا: "زیاد! تم نہیں جانتے۔ میمونہ ایک معمولی لڑکی نہیں۔ میں وہ بھولا بھالا چہرہ نہیں بھول سکتا جس پر حیا اور غصے کی سُرخ و سپید لہریں دوڑ رہی تھیں تم نے وہ بجلیاں نہیں دیکھیں جو اس کی آنکھوں میں تڑپ رہی تھیں، اس دن جب میرے سامنے لڑکیاں زبردستی اس کے چہرے کا نقاب الٹ رہی تھیں، وہ ایک گٹھڑی بنی جا رہی تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ رو پڑے گی.... لیکن جب میں نے محل کی سیڑھیوں پر اس کا راستہ روکا تھا تو خدا جانے اس میں ایک شیرنی کی سی جسارت کہاں سے آگئی تھی۔ میں اُسے نہیں بھول سکتا ــــ میں اس سے دستبردار نہیں ہو سکتا ــــ یہ میری زندگی کی بدترین شکست ہوگی اور یہ احساس کہ یہ شکست مجھے اپنے ایک معمولی ملازم کی بہن کے ہاتھوں نصیب ہوئی ہے میری زندگی کو اور بھی تلخ بنا دے گا۔ زیاد تم میرے دوست ہو۔ میں تمہاری مدد چاہتا ہو ــــ تم مجھے یہ مشورہ نہ دو کہ میں ایک لڑکی کے ہاتھوں اپنی شکست کا اعتراف کر لوں ــــ اب میں ہر قیمت پر اُسے حاصل کرنا چاہتا ہوں!"

زیاد نے کہا۔ "مجھے ابھی تک یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ اس مسئلہ کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں۔ ورنہ......!"

"ورنہ کیا؟" رشید نے قدرے پر امید ہو کر سوال کیا۔

"یہ کام کوئی مشکل نہیں۔"

"خدا کے لیے مجھے بتاؤ۔ یہ میرے لیے موت و حیات کا مسئلہ ہے۔"

زیاد نے مُسکرا کر کہا "میں جانتا ہوں کہ یہ آپ کے لیے موت و حیات کا مسئلہ ہے۔ اس دن آپ کی انا کو دھکا لگا تھا اور آپ اس کی تلافی چاہتے ہیں"۔

"اچھا یوں ہی سہی لیکن خدا کے لیے بتاؤ تم کیا کر سکتے ہو ــــ؟"

زیاد نے کہا "دیکھیے۔ ابھی یہ مسئلہ سلطانِ معظم کے سامنے پیش کرنا ضروری نہیں۔ آپ سلطان سے یہ کہیں کہ آپ کو قرطبہ میں میری ضرورت ہے اور میں اس لڑکی کو قرطبہ پہنچانے کا بندوبست کر لوں گا۔ اس کے بعد وہ آپ کے رحم و کرم پر ہو گی۔ پھر اگر ضرورت ہوئی تو ادریس کو منایا جا سکے گا.... ورنہ قرطبہ کے محل سے اس کی آواز تک باہر نہیں آ سکے گی ــــ!"

"ادریس کی موجودگی میں اُسے اغوا کرنا کیسے ممکن ہو گا؟"

زیاد نے جواب دیا "میں نے یہ بھی سوچ لیا ہے۔ کل یہاں سے وزیر خزانہ الفانسو کے خراج کی قسط لے کر جا رہا ہے۔ آپ اسے مشورہ دیں کہ وہ ادریس کو اپنے ہمراہ لیتا جائے۔ وزیر خزانہ آپ کا مشورہ رد نہیں کرے گا۔ آپ اسے حکم بھی دے سکتے ہیں۔ ابھی رات کی محفل برخاست نہیں ہوئی۔ آپ ابھی جا کر وزیر خزانہ سے بات کریں۔ اس طرح ادریس چند دن غیر حاضر رہے گا اور ہم اس کی واپسی تک اس لڑکی کو قرطبہ پہنچا چکے ہوں گے"۔

رشید نے کہا "زیاد! خدا کی قسم تم بڑے سے بڑے انعام کے حق دار ہو، اگر میرے اختیار میں ہو تو مرسیہ کا گورنر تمہیں بنا دوں"۔

زیاد نے کہا "میں شوق سے اس دن کا انتظار کروں گا جب کسی کو بنانا یا بگاڑنا آپ کے اختیار میں ہو گا"۔

(۹)

دوپہر کے وقت سعد کے پاس ایک ایلچی آیا اور اس نے اطلاع دی کہ سلطان معظم نے آپ کو رات کے وقت شعراء کی مجلس میں حصہ لینے کی دعوت دی ہے۔ شاہی مہمان خانے کے داروغہ کی یہ خواہش ہے کہ آپ آج سے شاہی مہمان خانے میں قیام کریں۔ وہاں سے رات کے وقت

آپ کو وہ شاہی محل میں پہنچانے کا بندوبست کر دیں گے۔ میں آپ کے لیے بگھی لے کر آیا ہوں"۔

سعد نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پھر ایلچی کی طرف متوجہ ہو کر کہا "لیکن میں یہیں ٹھہرنا چاہتا ہوں"۔

ایلچی نے کہا "وہ کہتے تھے کہ اگر سلطان معظم کو یہ معلوم ہو گیا کہ آپ مہمان خانے کی بجائے سرائے میں ٹھہرے ہوتے ہیں تو وہ بہت خفا ہوں گے۔ وزیر ابن عمار کا بھی یہ حکم ہے کہ آپ کی مہمان نوازی میں کوئی کوتاہی نہ ہو"۔

سعد نے کہا "بہت اچھا۔ اگر میرا وہاں جانا ضروری ہے تو میں شام کے وقت وہاں پہنچ جاؤں گا"۔

ایلچی نے کہا "اگر آپ حکم دیں تو شام کے وقت دوبارہ بگھی لے کر حاضر ہو جاؤں گا"۔

"نہیں بگھی کی ضرورت نہیں۔ میں پہنچ جاؤں گا"۔

ایلچی سلام کر کے چلا گیا اور سعد کچھ دیر گردن جھکا کر سوچنے کے بعد اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا "اب میں تم سب سے ایک درخواست کرتا ہوں کہ تم یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ جس کام کے لیے ایک آدمی کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ہم سب خطرہ مول لیں"۔

الیاس نے احتجاج کیا "سعد تم ہمیں بزدلی کا طعنہ نہیں دے سکتے"۔

سعد نے نرم ہو کر کہا "تم مجھے غلط سمجھے ہو۔ یہاں پہنچنے سے پہلے ہمارا خیال تھا کہ ہم سب کو معتمد کے ساتھ ملاقات کا موقع مل جائے گا۔ لیکن اب میں تنہا جا رہا ہوں اور موجودہ حالات میں اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ مجھے ایک دوست کی بجائے اپنا بدترین دشمن سمجھیں۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ بلاوجہ اپنی باقی زندگی معتمد کے قید خانے میں گزاروں، میں وہاں سے بچ کر نکلنے کی کوشش کروں گا لیکن اس صورت میں اشبیلیہ کی پولیس سب سے پہلے اس سرائے کا محاصرہ کرے گی اور میری جگہ وہ آپ کو پکڑ کر لے جائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مجھے مجبوراً اپنے آپ کو پیش کرنا پڑے گا"۔

الیاس نے کہا "اگر تم پکڑے گئے تو ہم غرناطہ میں جا کر کیا منہ دکھائیں گے"۔

سعد نے کہا: "اگر ابنِ عمار ذلت سے کام نہ لیتا اور الفانسو کے ساتھ جنگ چھڑ جاتی اور میں وہاں شہید ہو جاتا تو تم کیا کرتے؟"

الیاس نے لاجواب سا ہو کر کہا: "کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم یہ سرائے چھوڑ دیں اور کسی اور جگہ آپ کا انتظار کریں؟"

ایک طویل بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ احمد اور حسن ادریس کے پاس چلے جائیں اور باقی دوست الیاس کے ساتھ اشبیلیہ سے پانچ کوس دور ایک سرائے میں قیام کریں اس کے بعد معتمد کے ساتھ سعد کی ملاقات سے کوئی ناخوش گوار نتیجہ برآمد ہوا تو وہ اگلے دن ادریس کے گھر جمع ہو جائیں۔ اگر صبح تک سعد ادریس کے گھر نہ پہنچا تو احمد اور حسن باقی ساتھیوں سے سرائے میں آملیں گے۔

اس فیصلے کے بعد سعد نے اپنے بھائیوں سے کہا: "میں یہ نہیں چاہتا کہ ہماری وجہ سے ادریس کو کوئی تکلیف پہنچے۔ اس لیے تم اس کے گھر جاکر بہت محتاط رہو۔ بہتر ہے کہ تم رات کے وقت وہاں جاؤ۔ میں فارغ ہوتے ہی ادریس کے گھر آؤں گا۔ لیکن اگر مجھے دیر ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تمہارا اشبیلیہ میں ٹھہرنا خطرناک ہوگا اور تمہارا یہ فرض ہوگا کہ تم الیاس کو باخبر کر دو اور خود بھی ان کے ساتھ گھر پہنچ جاؤ، میرے ساتھ جو کچھ پیش آئے گا، اس کی اطلاع تمہیں ادریس غرناطہ میں بھیج دے گا۔"

میری پکار ایک قوم کی پکار ہے!

عشاء کی نماز کے بعد سعد محل کے ایک پہریدار کی رہنمائی میں مرمریں راستوں پر چلتا ہوا ایک وسیع دالان میں داخل ہوا۔ شاہی ایوان کا ہر گوشہ مشک و عنبر کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ جگہ جگہ فانوس روشن تھے۔ کشادہ دالان میں سلطان کی مسند سے لے کر باہر برآمدے کی سیڑھیوں تک بیش قیمت قالین بچھے ہوئے تھے۔ معتمد کے امراء اور شاعروں کی جواہرات سے مرصع قبائیں اور ٹوپیاں دیکھ کر سعد اپنے لباس سے پریشان ہو رہا تھا۔ قرطبہ کے شاعر سے جو ٹوپی اس نے حاصل کی تھی وہ اس کے سر کے مقابلے میں قدرے چھوٹی تھی اور قبا بھی کسی قدر ڈھیلی اور لمبائی میں اسی قدر کم تھی۔ اس کا خیال تھا کہ حاضرین اسے دیکھتے ہی قہقہہ لگائیں گے۔ وہ دل ہی دل میں اپنے ساتھیوں کو کوس رہا تھا جنہوں نے اسے یہ بھیس اختیار کرنے پر آمادہ کیا تھا لیکن دیکھنے والوں کی نگاہیں اس کے لباس کی بجائے اس کے چہرے پر مرکوز ہو رہی تھیں۔ ایک شاعر کی قبا اور ٹوپی اس کی مردانہ تمکنت اور وقار پر پردہ ڈالنے سے قاصر تھی۔ مجلس کے منتظمین میں سے کسی نے آگے بڑھ کر اس کا نام پوچھا اور پھر گرمجوشی سے مصافحہ کرنے کے بعد اسے شعرا کی تیسری قطار میں ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ سامنے وہ چبوترہ جہاں سلطان کی مسند تھی ابھی تک خالی تھا اور حاضرین قدرے بے تکلفی سے ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کر رہے تھے۔ مسند کے پیچھے مخمل کے بھاری پردوں کی آڑ سے رباب کی ہلکی اور میٹھی تانیں سنائی دے رہی تھیں۔

اچانک ابن عمار اس کمرے میں داخل ہوا اور حاضرین اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ابنِ عمار

شاہی مسند کے بائیں طرف ایک کرسی پر بیٹھ گیا تو حاضرین بھی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ پھر مسند کے عقبی کمرے سے شاہی نقیب نمودار ہوا اور اس نے سلطان معتمد اور ملکہ رمیکیہ کی آمد کی اطلاع دی۔ حاضرین پھر اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ معتمد اور ملکہ رمیکیہ بیش قیمت جواہرات سے مرصع کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ مسند کے دائیں بائیں اور پیچھے کرسیوں پر معتمد کی منظورِ نظر خواتین اور شاہی گھرانے کے دوسرے افراد بیٹھ گئے۔

ملکہ رمیکیہ کے لباس میں سینکڑوں قیمتی جواہرات جگمگا رہے تھے۔ اس کی جوانی ماضی کا افسانہ بن چکی تھی اور غازے کی بھاری تہوں کے باوجود اس کا چہرہ بڑھاپے کی آمد کی خبر دے رہا تھا لیکن اس کے باوجود اس کی بے باک نگاہیں زبانِ حال سے یہ کہہ رہی تھیں، کہ میری طرف دیکھو، میری تعریف کرو۔ مجھے تمہارا کسی اور طرف دیکھنا پسند نہیں، یہ محفل صرف میرے لیے سجائی گئی ہے۔

معتمد کی عمر پچاس برس کے لگ بھگ تھی اور اس کا چہرہ ایک ایسی کتاب تھا جس پر اس کی زندگی کی سرگزشت لکھی ہوئی تھی۔ اس کی کشادہ پیشانی، تیکھے نقوش اور کشادہ سینہ اس کی ذہانت اور فراخدلی کی گواہی دیتے تھے لیکن شراب نوشی کی کثرت کے باعث اس کی بڑی بڑی آنکھوں کے گرد سیاہ ہلکے پڑ چکے تھے۔

اشبیلیہ میں اپنے مختصر سے قیام کے دوران میں سعد اکثر لوگوں کی زبانی یہ سن چکا تھا کہ معتمد ایک بہت بڑا آدمی ہے لیکن کاش اُسے ابنِ عمار جیسے لوگوں کی صحبت نصیب نہ ہوتی۔

رباب کی تانیں اچانک خاموش ہو گئیں اور مجلس کی کاروائی شروع ہوئی۔ شعراء نے معتمد کے جاہ و جلال، ملکہ رمیکیہ کی نسوانی خوبیوں اور ابنِ عمار کے تدبر اور شجاعت کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے۔ ہر شاعر کا کلام سننے کے بعد اُسے انعام دیا جاتا۔ اگر کوئی خوش قسمت رمیکیہ سے داد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو اسے دوسروں کی نسبت کئی گنا زیادہ انعام کا حق دار سمجھا جاتا۔ شاعروں کو باری باری آواز دینے اور انھیں حاضرینِ مجلس سے متعارف کروانے کا کام ابن زیدون کے سپرد تھا۔ جب قریباً دس شعراء اپنا

کلام سنا چکے۔ تو اس نے اٹھ کر اعلان کیا: "اب سلطان معظم کی اجازت سے غرناطہ کا ایک نوجوان شاعر سعد بن عبدالمنعم اپنا قصیدہ پیش کرے گا"

قاعدہ یہ تھا کہ شعرا مسند کے قریب پہنچنے کے بعد سلطان اور ملکہ کو جھک کر سلام کرتے تھے اور پھر الٹے پاؤں چند قدم پیچھے ہٹ کر اپنا کلام سناتے تھے لیکن سعد سپاہیانہ تمکنت کے ساتھ آگے بڑھا اور مسند سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو کر ایک ثانیہ کے لیے خاموش رہنے کے بعد بولا:۔

"سلطان معتمد! اور حاضرین! شاید یہ سن کر آپ کو مایوسی ہو کہ میں شاعر نہیں ہوں ــــ میں صرف ایک سپاہی ہوں اور ایک سپاہی کو اس کے فرائض کا احساس اس محفل میں لے آیا ہے ــــ میں جانتا ہوں کہ یہ محفل میرے خیالات کے اظہار کے لیے موزوں نہیں، لیکن میں مجبور ہوں۔ یہ قبا اور ٹوپی جو میں نے اس وقت پہن رکھی ہے ایک ایسی قوم کے کسی فرد کو زیب نہیں دیتی جس کے حکمران غیروں کے باجگزار ہوں، اشبیلیہ کے شاعرو! اور حکومت کے عہدیدارو! تم میرے گواہ ہو کہ جب تم وقت کی آندھیوں سے آنکھیں بند کر کے سو رہے تھے تو ایک شخص نے تمہیں جھنجھوڑنے کی کوشش کی تھی ــــ!"

سلطانہ رمیکیہ حیرت زدہ ہو کر معتمد، اور معتمد پریشانی اور اضطراب کی حالت میں حاضرین کی طرف دیکھ رہا تھا ــــ ابنِ عمار اپنے ہونٹ کاٹتا ہوا اٹھا اور اس کے ہاتھ کا اشارہ پا کر چند پہریدار جو دروازوں پر کھڑے تھے، سعد کی طرف بڑھے۔ لیکن معتمد نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور وہ پھر پیچھے ہٹ گئے۔ معتمد نے کہا: "دنیا میں ہر حماقت قابلِ سزا نہیں ہوتی۔ ہم اس نوجوان کو بات ختم کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔"

سعد نے قدرے بے پروائی سے حاضرینِ مجلس پر نگاہ دوڑائی اور پھر معتمد کی طرف متوجہ ہو کر اپنی تقریر شروع کی:

"سلطان معتمد! میں حق گوئی کی پاداش میں ہر سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔

میں ان سینکڑوں نوجوانوں میں سے ہوں، جو اشبیلیہ کے خلاف دشمن کے عزائم کو ایک اجتماعی خطرہ سمجھ کر مختلف شہروں سے آپ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے...... ہمیں یقین تھا کہ جب اہلِ اشبیلیہ اور اہلِ قسطلہ کی تلواریں آپس میں ٹکرائیں گی، اندلس کے ہزاروں اور مسلمان ہماری تقلید کریں گے اور یہ معرکہ کفر و اسلام کی ایک فیصلہ کن جنگ میں تبدیل ہو جائے گا اور عوام کا اجتماعی شعور تمام ملوک الطوائف کو اس جنگ میں حصہ لینے پر مجبور کر دے گا۔ لیکن یہ ایک سراب تھا۔ ہمیں معلوم ہوا کہ ہم ایک گرتی ہوئی دیوار کے نیچے مورچے بنا رہے ہیں۔ وہ جانباز جو مختلف شہروں سے اپنا خون بہانے کی تمنا لے کر آئے تھے، ندامت کا پسینہ پونچھتے ہوئے رخصت ہوئے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ شمال کی طرف سے آنے والی تباہی اور بربادی کے سیلاب کو روکنے کے لیے ہمیں لاشوں کی دیواریں کھڑی کرنی پڑیں گی لیکن بدقسمتی سے اشبیلیہ کا سپہ سالار جس کے جھنڈے تلے یہ لوگ جمع ہوئے تھے۔ اس سیلاب کے سامنے شطرنج کے مہروں کی دیوار کھڑی کر دینا کافی سمجھتا تھا۔"

ابنِ عمار غصے سے کانپتا ہوا اپنی کرسی سے اٹھا اور سراپا احتجاج بن کر معتمد کی طرف دیکھنے لگا۔ حاضرین مجلس بھی ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگے۔ معتمد نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے خاموش کرتے ہوئے کہا۔ "نوجوان! ہم تمہیں اپنی بات ختم کرنے کی اجازت دے چکے ہیں۔ لیکن ہمیں اس حد تک مجبور نہ کرو کہ تمہاری گستاخ زبان ہمیشہ کے لیے خاموش کر دی جائے۔"

سعد نے کہا:

"آپ ایک فرد کے ہونٹوں پر مہر لگا سکتے ہیں لیکن ایک قوم کی آواز کو نہیں دبا سکتے ـــ اس محل کی چار دیواری سے باہر لاکھوں افراد میرے ہمنوا ہیں

فرق صرف یہ ہے کہ میں نے ان کی آواز آپ کے کانوں تک پہنچانے کی جرأت کی ہے۔ یہ آواز اس وقت بہت نحیف ہے لیکن وہ دن آئے گا جب یہ آہنی پردوں کو چیرتی ہوئی آپ کے کانوں تک پہنچے گی اور یہ عشرت کدے جو قوم کے شہیدوں کی قبروں پر تعمیر ہو رہے ہیں لرز اٹھیں گے۔ سلطان معظم! میں نے اس خلا کو پاٹنے کی جرأت کی ہے جو آپ اور آپ کی قوم کے درمیان حائل ہے۔ جس کے باعث جھونپڑوں میں رہنے والے عوام کی چیخیں ابھی مرمریں ایوانوں میں رقص و سرور کی محفلیں جمانے والوں تک نہیں پہنچ سکتیں۔ میری پکار ایک قوم کی پکار ہے۔ اس قوم کی پکار جو دشمن کی تلوار کو اپنی شہ رگ کے قریب دیکھ رہی ہے جس کے حکمران غفلت کی نیند سو رہے ہیں۔ جس کے مفکر، شاعر اور ادیب سونے والوں کو جھنجھوڑنے کی بجائے تھپکیاں دے کر سلانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ جس کے سپاہیوں کو اب یہ احساس دلایا گیا ہے کہ اب قوم کے مقدر کی تحریر تلواروں سے کھیلنے والے بازو نہیں بلکہ شطرنج کھیلنے والے ہاتھ لکھا کریں گے۔"

معتمد کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ ملکہ رمیکیہ جو تھوڑی دیر قبل حاضرین مجلس پر اپنی مسکراہٹوں کے پھول نچھاور کر رہی تھی بے چینی کے ساتھ پہلو بدلتے ہوئے بولی: "خودکشی کے لیے تمہیں یہاں آنے کی ضرورت نہ تھی۔ اگر تم زندگی سے بیزار ہو گئے ہو تو وادی الکبیر کا پانی کافی گہرا ہے!"

سعد نے قدرے غصے میں آ کر کہا:

"میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ میں ایک قوم کی زندگی کے مقابلے میں اپنی زندگی کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتا...... میں یہ نہیں دیکھ سکتا کہ میری قوم کا سفینہ شراب کے ایک مٹکے میں ڈوب جائے۔ میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ میں

اہلِ اشبیلیہ کی بدترین شکست کو فتح کہنے کے لیے تیار نہیں، میں جانتا ہوں کہ شطرنج کے مہرے جو دشمن کے مقابلے میں کھڑے کیے گئے ہیں، دیر تک اس کا راستہ نہیں روک سکتے۔ مجھے معلوم ہے کہ دشمن اشبیلیہ اور اس کے بعد سارے اندلس پر ضرب لگانے کے لیے تیاری کر رہا ہے۔ میں اس خود فریبی میں مبتلا ہونے کے لیے تیار نہیں کہ اہلِ اشبیلیہ نے اس سال کئی گنا زیادہ خراج دینے کا فیصلہ کر کے ہمیشہ کے لیے الفانسو کی دوستی خرید لی ہے۔ وہ اگلے سال اس سے زیادہ خراج مانگے گا اور پھر ہر سال اس کے مطالبات زیادہ ہوتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ اشبیلیہ کے خزانے میں ایک کوڑی تک باقی نہیں رہے گی۔ پھر اس کے بڑھتے ہوئے مطالبات پورے کرنے کے لیے عوام پر ناجائز ٹیکسوں کا بوجھ ڈالا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کے محتاج ہو کر رہ جائیں گے۔ اس کے بعد الفانسو یہ کہے گا کہ اب تمہارے پاس کچھ نہیں رہا۔ اب میں خراج نہیں مانگتا، اس لیے اب اشبیلیہ میرے حوالے کر دو۔ پھر وہ آئے گا اس کے سپاہی ان گھوڑوں پر سوار ہوں گے جو اُسے خراج کی صورت میں دیے گئے ہوں گے۔ ان کے ہاتھوں میں وہ تلواریں ہوں گی جو انھوں نے اشبیلیہ کے سونے اور چاندی سے خریدی ہوں گی۔ پھر شطرنج کھیلنے کے ماہر اس کا راستہ نہیں روک سکیں گے۔ پھر خودکشی کرنے والوں کی تعداد اس قدر ہو گی کہ شاید وادی الکبیر کا پانی ان کے لیے کافی نہ ہو!"

معتمد کی قوتِ برداشت جواب دے چکی تھی۔ اس نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔ "خاموش! تم اپنے آپ کو بدترین سزا کا مستحق کر چکے ہو!"

حاضرینِ مجلس نے شور مچانا شروع کیا۔ "خاموش! خاموش!!"

سعد چلایا:

"سلطان معتمد! میں خاموش نہیں رہ سکتا۔ اندلس کا باغ میرے اسلاف نے اپنے خون سے سینچا ہے ——— اس قوم کی عزت اور آزادی میری عزت اور آزادی ہے ——— اس کی شکست اور غلامی میری شکست اور غلامی کا باعث ہو گی ——— اس کا ماضی میرا ماضی، اس کا حال میرا حال اور اس کا مستقبل میرا مستقبل ہے۔"

ابنِ عمار کے اشارے سے چھ سات پہریدار اس کے گرد جمع ہو چکے تھے اور اسے باہر دھکیل رہے تھے لیکن وہ بلند آواز میں چلا رہا تھا:

"تم سب گواہ ہو کہ میں اپنا فرض پورا کر چکا ہوں۔۔۔۔ میں نے قوم کی آواز معتمد کے کانوں تک پہنچا دی ہے۔ تمہاری آزادی خطرے میں ہے۔۔۔۔ آج تم اپنی رعایا کا خون چوس کر جشن کا سامان مہیا کر رہے ہو، کل الفانسو تمہاری ہڈیوں پر اپنے عشرت کدے تعمیر کرے گا۔۔۔۔ سلطان معتمد! وقت کی آندھیاں آنکھیں بند کر لینے سے نہیں رُکا کرتیں!"

(۲)

پہریدار سعد کو دروازے سے باہر لے جا چکے تھے۔ دو مضبوط آدمیوں نے اس کے بازو پکڑ رکھے تھے اور باقی اُسے پیچھے سے دھکے دے رہے تھے۔ کئی اور سپاہی جو تلواروں اور نیزوں سے مسلح تھے، محل کے مختلف گوشوں سے نمودار ہو کر سعد کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ سعد کا جوش و خروش بظاہر ختم ہو چکا تھا اور وہ پہریداروں سے زور آزمائی کرنے کی بجائے خاموشی سے ان کا ساتھ دے رہا تھا ——— پہلی ڈیوڑھی کے دروازے سے کوئی تیس قدم دور اس نے اچانک پوری قوت کے ساتھ اپنے بازوؤں کو جھٹکا دے کر دو سپاہیوں کو زمین پر پچھاڑ دیا اور پیشتر اس کے کہ دوسرے سپاہیوں کی تلواریں اور نیزے اس تک پہنچتے، وہ ایک جست لگانے کے بعد پوری رفتار سے بھاگنے لگا۔ چیختے چلاتے سپاہی اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ ڈیوڑھی میں داخل ہوتے ہی اُسے دو سپاہی نیزے تانے دکھائی دیے۔

آنکھ جھپکنے کی دیر میں پیچھے آنے والے پندرہ بیس سپاہیوں کے نیزے اور تلواریں اس کا جسم چھلنی کر سکتی تھیں۔ ڈیوڑھی میں جلنے والی مشعل کی روشنی میں سعد کو دائیں ہاتھ ایک زینہ دکھائی دیا اور وہ ایک ثانیہ توقف کیے بغیر اوپر چڑھنے لگا ...... آن کی آن میں وہ اندرونی فصیل پر پہنچ چکا تھا۔ یہ فصیل اتنی چوڑی تھی کہ وہ تاریکی کے باوجود اچھی خاصی رفتار کے ساتھ بھاگ سکتا تھا۔ ابھی تک اُسے یقین نہ تھا کہ اس کے بچ نکلنے کے امکانات کیا ہے۔ اُسے صرف یہ معلوم تھا کہ محل کی وہ سمت جدھر اس کا رُخ ہے، دریا سے ملتی ہے۔ تعاقب کرنے والے سپاہی ایک لمحے کے لیے ڈیوڑھی میں شور مچانے کے بعد اوپر چڑھ رہے تھے۔ کوئی پچاس گز دیوار پر بھاگنے کے بعد وہ اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں پہریداروں کی چیخ پکار سن رہا تھا۔ "وہ جا رہا ہے! پکڑ لو گھیر لو!! تم اس طرف سے جاؤ۔ باہر کا دروازہ بند کر دو!" سعد نے اپنی بھاری قبا کے بوجھ سے آزاد ہونے کی ضرورت محسوس کی، وہ قبا اتار رہا تھا کہ سامنے فصیل کے ایک بُرج سے ایک پہریدار جس کے دائیں ہاتھ میں تلوار اور بائیں ہاتھ میں مشعل تھی، آتا ہوا دکھائی دیا۔ پیچھے آنے والوں کو قریب دیکھ کر سعد نے تیزی سے آگے بڑھ کر اپنے مدِمقابل کے اوپر اپنی قبا پھینک دی اور اُسے اپنے مضبوط بازوؤں میں اُٹھا کر فصیل سے نیچے گرا دیا۔

پہریدار نیچے کسی درخت کی شاخ پر گرا اور شاخ ٹوٹ جانے کے باعث جو شور پیدا ہوا، اس کے باعث سعد کے پیچھے آنے والے پہریدار اچانک رُک گئے۔ ایک پہریدار بلند آواز میں چلایا "وہ باغ کی طرف کود گیا ہے، ہوشیار!"

اتنی دیر میں سعد برج سے آگے نکل چکا تھا لیکن اب اسے اپنے سامنے تھوڑی دور چند اور سپاہی مشعلیں اٹھائے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ پیچھے مڑا۔ خوش قسمتی سے پیچھے آنے والے سپاہی ایک لمحہ رُک کر شور مچانے اور ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنے کے بعد بُرج کی سیڑھیوں سے نیچے اتر کر باغ کا رُخ کر رہے تھے۔ سعد بھی اسی طرح شور مچاتا ہوا ان کے پیچھے ہو لیا۔ اس ٹولی میں تین آدمیوں کے ہاتھ میں مشعلیں تھیں، وہ سب سے آگے تھے۔ اس لیے سعد کی

طرف کسی کی توجہ نہ تھی۔ باغ میں داخل ہوتے ہی سعد نے ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہو کر صورتِ حال کا جائزہ لیا۔ پہریدار دیوار کے ساتھ ساتھ اس سمت کا رُخ کر رہے تھے، جہاں انھیں درخت کی شاخ ٹوٹنے کی آہٹ سنائی دی تھی ___ پہریداروں کا نیا گروہ بھی سیڑھیوں کے راستے باغ میں داخل ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ محل کی بیرونی چوکیوں کے سپاہی بھی مشعلیں اٹھاتے اس طرف کا رُخ کر رہے تھے۔ سعد نے محسوس کیا کہ وہ تھوڑی دیر میں نیچے گرے ہوئے پہریدار کو تلاش کر لیں گے اور پھر سارے باغ میں اس کی تلاشی شروع ہو جائے گی۔ باہر کی فصیل پر بھی اُسے مشعل بردار سپاہی گشت کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ درختوں کی آڑ لیتا ہوا ایک طرف بھاگا۔

اب اُسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس کا رُخ محل کی کس سمت ہے۔ تھوڑی دیر بعد جب کہ پہریداروں کی تازہ چیخ پکار یہ ظاہر کر رہی تھی کہ انھوں نے نیچے گرے ہوئے سپاہی کو تلاش کر لیا ہے۔ وہ بیرونی فصیل کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ باہر کی فصیل کے تمام دروازے بند ہو چکے ہیں اور اگر وہ کسی فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو جائے تو بھی اس کے بچ نکلنے کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ پہریداروں کی آنکھوں میں دھول ڈالتا ہوا اس سمت پہنچ جائے، جہاں بیرونی فصیل دریا کے ساتھ چھوتی ہے، وہ فصیل کے ساتھ ساتھ چلتا رہا جہاں کہیں پہریداروں کی کوئی ٹولی نظر آتی وہ کسی درخت کی اوٹ میں کھڑا ہو جاتا۔

تھوڑی دیر بعد آٹھ دس مشعل برداروں کی ایک ٹولی دکھائی دی۔ سعد نے جلدی سے فصیل کے ساتھ ایک درخت کی آڑ لینے کی کوشش کی لیکن دوسری طرف سے دو اور مشعل بردار نمودار ہوئے اور ان کا رُخ اسی درخت کی طرف تھا۔ سعد جلدی سے درخت کی ایک جھکی ہوئی ٹہنی کے ساتھ لٹک کر اوپر چڑھ گیا۔ سپاہی گزر گئے اور سعد کچھ دیر اس ٹہنی پر بیٹھا رہا اور پھر کچھ سوچ کر اس سے اوپر کی ٹہنی پر چڑھ گیا، اچانک اُسے ایک طرف ہلکی سی روشنی دکھائی دی۔ درختوں کے پتوں میں جھانکنے کے بعد اُسے معلوم ہوا کہ فصیل پر کوئی پہریدار مشعل

اٹھائے گشت کر رہا ہے۔ روشنی قریب آگئی اور اس نے دیکھا کہ اس کے اوپر درخت کی ایک ٹہنی فصیل کی طرف پھیلی ہوئی ہے۔ سعد معمولی سے جدوجہد کے بعد درخت کی ٹہنی تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ مشعل بردار سپاہی اب دور جا چکا تھا سعد آہستہ آہستہ اس شاخ کی طرف بڑھ رہا تھا جو اُسے فصیل کے قریب تر دکھائی دیتی تھی۔ بادل کے ایک سیاہ ٹکڑے سے تیسرے پہر کا چاند نمودار ہوا اور فصیل کے پار سعد کو دریا کا چمکتا ہوا پانی دکھائی دینے لگا۔ اب وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ قدرت اس کی مدد پر ہے۔ اگر وہ اس شاخ سے کُود کر فصیل پر پہنچنے میں کامیاب ہو جائے تو دریا میں کود کر بچ نکلنا اس کے لیے مشکل نہ ہوگا لیکن اپنے نیچے گھنی ٹہنیوں اور پتوں کے باعث اس کے لیے اس شاخ اور فصیل کے درمیانی فاصلے کا صحیح اندازہ لگانا مشکل تھا۔ مشعل بردار دوبارہ گشت کرتا ہوا آیا۔ سعد شاخ پر وزن اور آگے بڑھنے کے بعد اُسے اچھی طرح دیکھ سکتا تھا۔ وہ قریب آیا تو سعد نے شمع کی روشنی میں اندازہ لگایا کہ یہ شاخ فصیل سے قریباً دو آدمیوں کے قد کے برابر بلند ہے اور اگر وہ اس سے نکلنے والی ایک اور شاخ پر کوئی تین گز آگے جا سکے تو وہ فصیل کے عین اوپر پہنچ جائے گا اور وہاں سے لٹک کر فصیل پر اترنا کوئی مشکل نہ ہوگا۔ مشعل والا پہریدار آگے نکل گیا اور چند قدم دور جا کر دو تیر اندازوں کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔

سعد درخت کی پتلی شاخ کے ساتھ لٹکتا ہوا آگے بڑھا اور ٹہنی آہستہ آہستہ نیچے جھکنے لگی۔ پھر اچانک ایک تڑتڑاہٹ کے ساتھ شاخ ٹوٹ گئی اور سعد اس کے ساتھ ہی فصیل پر آرہا۔ دوسرے لمحے اس سے تھوڑی دور پہریداروں کی کمانوں سے تیر نکلے اور اس کے ساتھ ہی سعد نے کوئی دس گز کی بلندی سے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ ایک تیر اس کی دائیں ران میں پیوست ہو چکا تھا۔ لیکن چند غوطے لگانے کے بعد وہ فصیل کے پہریداروں کے تیروں کی زد سے محفوظ تھا اور پہریدار ایک دوسرے کو آوازیں دے کر خبردار کر رہے تھے۔ سعد کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ تھوڑی دیر میں محل کے پہریداروں کے علاوہ پولیس اور فوج کے سینکڑوں سپاہی دریا کے کنارے پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ اس نے پوری قوت کے ساتھ دریا کے بہاؤ کی سمت

تیرنا شروع کیا۔ محل کی دیوار کے اختتام کے ساتھ ان وسیع باغات کا سلسلہ شروع ہوتا تھا، جہاں صبح شام اشبیلیہ کے بے فکر لوگ سیر و تفریح کے لیے جمع ہوا کرتے تھے۔ سعد دریا سے نکل کر ایک باغ میں داخل ہوا۔ چند گز بھاگنے کے بعد اس نے زخمی ران کے پٹھوں میں کھچاؤ اور درد کی شدید ٹیسیں محسوس کیں۔ اس نے اچانک رُک کر ہاتھ کے ایک جھٹکے سے تیر نکال کر پھینک دیا اور پھر پوری رفتار سے بھاگنے لگا۔ اب وہ باغات کا سلسلہ عبور کرنے کے بعد ایک کھلے میدان میں پہنچ چکا تھا۔ ایک چھوٹی سی نہر باغات کو سیراب کرتی ہوئی اس میدان میں سے گزرتی تھی۔ سعد اس نہر کے کنارے کنارے جا رہا تھا۔ اچانک اُسے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی اور وہ نہر میں چھلانگ لگا کر منہ کے بل گھٹنے گھٹنے پانی میں لیٹ گیا۔ پندرہ کے قریب سوار نہر کے قریب پہنچ کر رُکے۔ ایک سوار نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”اگر وہ اس طرف آیا ہے تو یقیناً کسی باغ میں چھپا ہوا ہوگا۔ جب تک پیادہ فوج کا دستہ نہیں پہنچتا، تم اس طرف خیال رکھو۔ پانچ آدمی میرے ساتھ آئیں۔ ہم دریا کے کنارے پہرا دیں گے۔ ممکن ہے کہ وہ کسی کشتی میں چھپا ہو۔“

سعد کچھ دیر بے حس و حرکت نہر میں لیٹا رہا۔ چند سوار اس کے آس پاس گشت لگا رہے تھے۔ ٹانگ میں گہرے زخم کے باعث اس کا کافی خون ضائع ہو چکا تھا اور وہ اپنے جسم میں نقاہت محسوس کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ اگر پیادہ فوج اس طرف آ نکلی تو اس کے بچ نکلنے کے امکانات بہت کم ہو جائیں گے۔

اچانک باغ کی طرف آدمیوں کا شور سنائی دیا اور ایک سوار نے کہا۔ ”اب وہ باغ میں پہنچ گئے ہیں۔ میرے خیال میں ہمیں اس جگہ کی بجائے باغ کے ساتھ ساتھ پہرا دینا چاہیے۔“ سوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے آگے بڑھے اور سعد نے اپنے دل میں پھر امید کی حرارت محسوس کی۔

وہ کچھ دیر ہاتھوں اور پاؤں کے بل نہر کے اندر چلتا رہا اور پھر باہر نکل کر بھاگنے لگا۔

میدان عبور کرنے کے بعد اس کے سامنے شہر کا وہ محلہ تھا جہاں رؤسا اور سرکاری

حکام کے مکانات تھے۔ وہ ایک گلی میں سے گزرنے کے بعد ایک کشادہ سڑک پر پہنچ کر دریا کی طرف مڑا۔ اچانک ایک مسجد دیکھ کر اس نے محسوس کیا کہ اس کی منزلِ مقصود زیادہ دور نہیں لیکن مسجد سے آگے ادریس کے مکان تک کوئی ڈیڑھ سو گز کا فاصلہ تھا۔ اب قدم اٹھانا اس کے لیے دوبھر ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ کوئی سو گز معمولی رفتار سے چلنے کے بعد اُسے اپنے پیچھے چند آدمیوں کے قدموں کی چاپ سنائی دی ــــ سعد چاند کی روشنی سے بچنے کے لیے سڑک کے کنارے اونچے مکانات کی دیواروں کے سائے میں چلنے لگا۔ اب اس کی رفتار خود بخود تیز ہو رہی تھی۔ ایک بلند درخت کے قریب وہ رُکا۔ یہ ادریس کے گھر کی نشانی تھی اور وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کی یادداشت سے زیادہ قدرت کی کسی غیبی طاقت نے یہاں تک پہنچنے میں اس کی راہنمائی کی ہے۔ سڑک پر آنے والے پہریدار بہت قریب آ چکے تھے۔ سعد نے مڑ کر دیکھا، وہ تعداد میں چار تھے۔ ادریس کے مکان کی ڈیوڑھی بالکل سامنے تھی۔ اس سے چند قدم دور مہمان خانے کا پھاٹک تھا لیکن سعد کے لیے سیدھی سڑک پر آگے بڑھنے کا موقع نہ تھا۔ پھر اُسے یہ بھی خیال تھا کہ دروازے اندر سے بند ہوئے تو اس کے لیے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ پہریدار بہت قریب آ چکے تھے۔ سعد دیوار کے ساتھ چند قدم پیچھے ہٹ کر ایک تنگ گلی میں داخل ہوا اور اسے عبور کرنے کے بعد مکان کی دوسری طرف ایک کشادہ گلی میں جا نکلا۔

(۳)

میمونہ حسبِ معمول تہجد کی نماز کے لیے وضو کرنے کی نیت سے اپنے کمرے سے باہر نکلی تو سڑک کی طرف اُسے چند آدمی آپس میں باتیں کرتے ہوئے سنائی دیے۔ کوئی کہہ رہا تھا "بھئی وہ آدمی نہیں چھلاوہ ہے۔ کوئی عجب نہیں کہ وہ ابھی تک محل کے کسی گوشے میں چھپا ہوا ہو۔"

دوسرا کہہ رہا تھا ــــ "لیکن میں نے اپنے کانوں سے کوتوال کو یہ کہتے سنا ہے کہ اس نے بیرونی فصیل سے دریا میں چھلانگ لگا دی ہے۔"

تیسرا بولا "میرے خیال میں اب ہمیں واپس جانے کی بجائے دریا کے کنارے باغات کا رُخ کرنا چاہیے!"

"نہیں وہاں فوج کا دستہ پہنچ چکا ہے۔ ہمیں باقی رات اس محلے کے تمام راستوں کا پہرا دینا چاہیے ــــ!"

"لیکن اگر وہ تیر کر دریا عبور کر گیا ہو تو؟"

مجھے یقین ہے کہ نہ اس نے فصیل سے چھلانگ لگائی ہے اور نہ دریا عبور کیا ہوگا۔ وہ پہریداروں کی آنکھوں میں دھول ڈال کر صدر دروازے سے باہر نکل گیا ہے اور اب وہ ہمیں اُلو بنا رہے ہیں۔"

"لیکن وہ ہے کون؟"

"خدا معلوم۔ ہمیں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ایک خوبصورت اور دراز قامت نوجوان ہے اور غرناطہ کا رہنے والا ہے۔"

"اشبیلیہ میں غرناطہ کے سینکڑوں آدمی ہوں گے۔ انشاء اللہ صبح تک تم یہ سنو گے کہ رات کے وقت بیسیوں نوجوان گرفتار کر لیے گئے ہیں۔"

میمونہ کے دل میں کئی خدشات پیدا ہو رہے تھے۔ وہ دبے پاؤں ڈیوڑھی کی طرف بڑھی۔ ڈیوڑھی کے ساتھ والے کمرے میں نوکروں کے خراٹے یہ ظاہر کر رہے تھے کہ وہ گہری نیند سو رہے ہیں۔ میمونہ ڈیوڑھی میں داخل ہوئی۔ وہاں بوڑھا نوکر جسے اس نے رات کے وقت ہوشیار رہنے کے لیے کہا تھا بے خبری کی حالت میں فرش پر پڑا ہوا تھا۔ میمونہ کچھ دیر وہاں کھڑی پہریداروں کی باتیں سنتی رہی۔ جب وہ آگے نکل گئے، تو اس نے نوکر کو جگایا اور کہا "دیکھو تم بہت غیر ذمہ دار ہو! سپاہی شاید سعد کو تلاش کر رہے ہیں۔ ممکن ہے، کہ وہ یہاں تک آئے ہوں، اور دروازہ بند دیکھ کر واپس چلے گئے ہوں۔"

نوکر نے کہا "دروازہ اندر سے کھلا ہے۔ میں نے کنڈی نہیں لگائی۔ وہ یہاں نہیں آئے

میں ابھی سو گیا تھا۔ سپاہی ان کی تلاش میں کب آئے ؟"

میمونہ نے کہا "وہ سڑک پہ پھر رہے ہیں۔ میں نے ان کی باتیں سُنی ہیں"

اچانک حسن نے ڈیوڑھی کے دوسرے دروازے سے، جو دیوان خانہ کے صحن کی دوسری طرف کھلتا تھا، اندر سے جھانکتے ہوئے کہا "بہن میمونہ! ہم جاگ رہے ہیں۔ بھائی جان اس طرف نہیں آئے"

میمونہ نے کہا "تم نے پہریداروں کی باتیں سنی ہیں ؟"

"ہاں ہم پھاٹک کے ساتھ کھڑے تھے۔ آپ اندر جائیں۔ یہاں باتیں کرنا ٹھیک نہیں!"

میمونہ اپنے دل پر ایک بوجھ لیے واپس مڑی۔ اچانک اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ وہ مکان کی چھت پر کھڑی ہو کر مکان کے آس پاس تمام راستے دیکھ سکے گی۔ وہ تیزی سے صحن عبور کر کے سیڑھیوں کی طرف جا رہی تھی کہ اچانک صحن کے ایک کونے سے کسی بھاری شے کے نیچے گرنے کی آواز آئی۔ اس نے چونک کر اس طرف دیکھا اور مبہوت سی ہو کر رہ گئی۔ ایک دراز قامت آدمی دیوار کے سائے سے نکل کر لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا اور چاند کی دھندلی اور پھیکی روشنی میں اس کی صورت دیکھ کر میمونہ کی تمام حسیات سمٹ کر آنکھوں میں آگئیں۔

اجنبی نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا "گھبرائیے نہیں میں سعد ہوں" —— اور میمونہ جیسے کوئی سپنا دیکھ رہی تھی۔ کوشش کے باوجود اس کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ سعد جسے اس نے ہمیشہ اپنے آسمان کے ستاروں میں دیکھا تھا، اس کے سامنے بے چارگی کے عالم میں کھڑا تھا۔ اُس کا لباس پانی اور کیچڑ سے لت پت تھا۔

سعد نے مکان کے مردانہ حصے کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے کہا "میرے بھائی شاید اس طرف ہوں گے ؟"

"آپ زخمی ہیں" میمونہ نے اضطراری حالت میں آگے بڑھ کر کہا "وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ میرے ساتھ آئیں! مکان کا وہ حصہ محفوظ نہیں۔ میں انھیں اندر بلا لوں گی"

سعد کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا، وہ کچھ کہے بغیر برآمدے کی طرف بڑھا اور ایک ستون کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔

میمونہ نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا "آئیے !"

سعد نے آہستہ سے کہا "آپ تکلیف نہ اٹھائیں۔ مجھے چکر آ گیا تھا۔ میں ابھی ٹھیک ہو جاؤں گا"

اچانک صحن کی دوسری طرف دروازہ کھلنے کی چڑ چڑاہٹ سنائی دی اور حسن نے دیوان خانے کے کمرے سے نمودار ہو کر آگے بڑھتے ہوئے کہا "بہن! کیا بھائی جان یہاں ——!"

سعد کو دیکھ کر اس نے اپنا فقرہ پورا کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور ایک ہاتھ سے سعد کا بازو پکڑ لیا اور دوسرا ہاتھ اس کی کمر میں ڈالتے ہوئے کہا "بھائی جان آپ ٹھیک ہیں نا ؟"

"میں ٹھیک ہوں"

میمونہ نے کہا "انھیں بالائی منزل کے کمرے میں لے چلیں۔ میں ان کے لیے بستر تیار کرتی ہوں" یہ کہہ کر میمونہ نے اپنے کمرے سے جلتی ہوئی مشعل اٹھائی اور سیڑھیوں پر چڑھنے لگی۔ اتنی دیر میں احمد بھی آ پہنچا اور اس نے سعد کا دوسرا بازو پکڑ لیا۔

(۴)

تھوڑی دیر بعد جب پڑوس کی مسجد میں صبح کی اذان ہو رہی تھی۔ احمد اور حسن اپنے بھائی کے زخم پر پٹی باندھنے اور اُسے ادریس کے فالتو کپڑوں سے ایک جوڑا پہنانے کے بعد بستر پر لٹا چکے تھے اور میمونہ ساتھ والے کمرے کے نیم وا دروازے کے پیچھے کھڑی اُن کی باتیں سن رہی تھی۔

سعد نے اطمینان کا سانس لیتے ہی اپنے بھائیوں سے پوچھا "ادریس سو رہا ہے ؟"

احمد نے جواب دیا "وہ یہاں نہیں ہیں۔ وہ کل طلیطلہ روانہ ہو گئے تھے"

"وہ کس لیے ؟"

"وزیر خزانہ، الفانسو کا خراج لے کر گیا ہے اور وہ انھیں اپنے ساتھ لے گیا ہے"

سعد نے کہا" لیکن مجھے ادریس نے نہیں بتایا کہ وہ طلیطلہ جا رہا ہے، ورنہ میں اس حالت میں یہاں نہ آتا۔"

اس مرحلے پر میمونہ نے کچھ کہنے کی ضرورت محسوس کی اور وہ دروازے کی آڑ سے جھکتے ہوئے بولی" وزیر خزانہ کا حکم غیر متوقع تھا۔ اس لیے وہ آپ سے مل کر نہ جا سکے۔ یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

کچھ دیر سوچنے کے بعد سعد نے احمد کی طرف متوجہ ہو کر کہا" احمد! تم سورج نکلتے ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤ اور الیاس کے پاس پہنچ کر ان سے کہو کہ وہ اشبیلیہ کی حدود میں قیام نہ کریں۔ اشبیلیہ میں کئی لوگوں نے انہیں میرے ساتھ دیکھا ہے۔ ممکن ہے، کہ کوئی انہیں پہچان لے۔ ایک دو دن یہاں کی پولیس غرناطہ کی سڑک پر سفر کرنے والوں کا بہت خیال رکھے گی۔ اس لیے انہیں فوراً روانہ ہو جانا چاہیے اور تم بھی ان کے ساتھ روانہ ہو جاؤ اور گھر پہنچ کر امی جان کو تسلی دو۔"

احمد نے جواب دیا" بھائی جان! جب تک آپ اس حالت میں ہیں میں گھر نہیں جاؤں گا۔ میں الیاس کو آپ کا پیغام دے کر واپس لوٹ آؤں گا۔"

"نہیں!" سعد نے ایک فیصلہ کن انداز میں کہا" تمہیں واپس آنے کی اجازت نہیں۔ تم میرے ایک ساتھی کی حیثیت میں شاہی مہمان خانے کے داروغہ سے مل چکے ہو۔ وہاں تمہیں کئی اور آدمیوں نے بھی دیکھا ہوگا۔ پھر سرائے کا مالک اور اُس کے نوکر تو کہیں گئے نہیں اگر کسی کو تم پر شبہ ہُوا تو ان سے تمہاری شناخت کروائی جائے گی۔"

"بھائی جان! یہ خطرہ تو ہم سب کے لیے یکساں ہے۔"

"تو کیا یہ ضروری ہے کہ ہم سب ایک سا خطرہ مول لیں۔ میں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ حسن بھی یہاں رہے۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ اگر تم دونوں کو جانے کے لیے کہوں تو تم بغاوت پر آمادہ ہو جاؤ گے۔ میرے زخم کے متعلق تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں بہت سا خون بہہ جانے کے باعث نڈھال ہو گیا تھا۔ ایک دو دنوں تک میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں

گا اور اس وقت تک میری دیکھ بھال کے لیے حسن کافی ہے۔ یہاں کوئی مورچہ سنبھالنا ہوتا تو تمہیں گھر جانے کیلیے نہ کہتا.... لیکن ہمیں یہاں چھپ کر رہنا پڑے گا اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہاں چھپنے والوں کی تعداد دو ہے یا تین، تمہیں میرے متعلق یقیناً پریشانی رہے گی لیکن ہمیں امی جان کی پریشانی کا بھی خیال کرنا چاہیے۔"

احمد نے کچھ دیر سر جھکا کر سوچنے کے بعد کہا" بھائی جان! اگر آپ میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟"

سعد نے مُسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا" مجھے معلوم تھا کہ تم یہ سوال پوچھو گے اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو میں ایک لاحاصل بحث میں وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھتا۔"

"بہت اچھا بھائی جان میں جاتا ہوں۔"

سعد نے کہا" لیکن ابھی نہیں۔ تمہیں طلوع آفتاب کا انتظار کرنا چاہیے۔ اس وقت وہ بہت چوکس ہوں گے۔ ادریس کے سائیس سے کہو کہ وہ تمہارا گھوڑا شہر کے جنوبی دروازے سے باہر لے جائے اور تم خود یہاں سے ایک نوکر کا لباس پہن کر پیدل جاؤ۔ اپنی زرہ وغیرہ یہیں چھوڑ جاؤ!"

میمونہ نے دوسرے کمرے سے کہا" میں سب انتظام کر دیتی ہوں۔"

سعد نے کہا" جاؤ احمد تیاری کرو!"

طلوع آفتاب کے وقت احمد ادریس کے ایک نوکر کا لباس پہن کر سعد کو خدا حافظ کہہ رہا تھا۔ کمرے سے نکل کر چند سیڑھیاں نیچے اترنے کے بعد وہ کچھ سوچ کر واپس مڑا اور دوسرے کمرے کے دروازے کے قریب پہنچ کر بولا" بہن میمونہ! آپ کو یقین ہے کہ بھائی جان کے لیے یہ جگہ محفوظ ہوگی؟ میرا مطلب ہے کہ آپ کے نوکروں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟"

میمونہ نے کہا" آپ فکر نہ کریں مجھے اپنے نوکروں پر اعتماد ہے۔"

"حسن کی شکل بھائی جان سے بہت ملتی ہے۔ آپ حتی الوسع اسے باہر نہ نکلنے دیں!"

میمونہ نے جواب دیا "آپ اطمینان رکھیں حسن بہت سمجھدار ہے۔ اپنی والدہ کو میرا سلام کہیں اور انھیں تسلی دیں۔"

احمد نیچے اترا تو حسن صحن میں کھڑا تھا۔ اس نے کہا "اخی آپ کوئی ایسی بات نہ کہیں جس سے امی جان پریشان ہوں اور چچا الماس کو بھی یہاں آنے سے روکیں۔ ہم بھائی جان کے تندرست ہوتے ہی گھر پہنچ جائیں گے۔"

احمد نے کہا "حسن یہ سب میرا قصور ہے۔ اگر بھائی جان کو کوئی تکلیف ہوئی تو میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

"آپ مطمئن رہیں۔ بھائی جان کا بال بیکا تک نہیں ہوگا۔ یہ لوگ کل تک پھر اپنے جشن میں محو ہو جائیں گے۔"

احمد نے کہا "میں نے ایک تدبیر سوچی ہے۔ اگر وہ کامیاب ہوگئی تو مجھے یقین ہے کہ وہ بھائی جان کو اشبیلیہ میں تلاش نہیں کریں گے۔"

حسن نے چونک کر کہا "دیکھیے بھائی جان! خدا کے لیے آپ کوئی خطرناک قدم نہ اٹھائیں آپ وعدہ کریں کہ سیدھے گھر جائیں گے؟"

احمد نے مسکراتے ہوئے کہا "تم فکر نہ کرو۔ میں سیدھا گھر جارہا ہوں، تم میمونہ سے قلم اور دوات لے آؤ۔ جلدی کرو!"

حسن بھاگ کر اوپر سے قلم اور دوات لے آیا۔ احمد نے اپنی جیب سے وہ کاغذ نکالا جس پر اس نے معتمد اور ابنِ عمار کی ہجو لکھی ہوئی تھی، اس پر چند اور الفاظ لکھنے کے بعد کاغذ دوبارہ اپنی جیب میں ڈال لیا۔

حسن نے کہا "بھائی جان مجھے بتا کر جائیں کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"یہ اس وقت بتاؤں گا جب تم غرناطہ پہنچو گے۔ اچھا خدا حافظ!" احمد نے ڈیوڑھی کی طرف بڑھتے ہوئے [illegible] اس کے ساتھ آیا جب احمد باہر نکلا تو وہ دیر تک [illegible] سے سڑک کی طرف دیکھتا [illegible]

بھیڑیوں کی شکارگاہ

سعد فطرتاً ایک نڈر سپاہی تھا۔ اور اس کے نزدیک قوم کے مستقبل کے مقابلے میں اپنی زندگی کی کوئی حقیقت نہ تھی جب وہ معتمد کے پہریداروں کے شکنجے سے نکل کر بھاگا تھا تو بھی موت کے خوف کی بجائے اس کے دل میں یہی جذبہ موجزن تھا کہ ایک بلند نصب العین کے لیے اسے زندہ رہنا چاہیے اور اب جبکہ ادریس کے مکان کے ایک کمرے میں بستر پر پڑا ہوا تھا، اُسے معتمد کے سپاہیوں سے کہیں زیادہ اسی قسم کے خیالات پریشان کرتے تھے کہ اب اندلس کا انجام کیا ہوگا۔ اس کے سامنے یہ سوال.... نہ تھا کہ وہ اس مکان سے نکل کر غرناطہ کیوں کر پہنچے گا۔ بلکہ وہ ہر وقت یہی سوچتا تھا کہ قوم کو تباہی اور ذلت کے گڑھوں سے نکال کر فلاح و ترقی کی شاہراہ پر لانے کی صورت کیا ہو سکتی ہے۔ معتمد کے دربار میں جو کچھ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس کے بعد وہ یہ محسوس کرتا تھا کہ اس نے اپنے لیے ایک دشوار راستہ منتخب کیا ہے۔

میمونہ کے متعلق اگرچہ وہ یہی سوچتا تھا کہ زندگی کا ایک اور حادثہ انھیں پھر ایک بار ایک دوسرے کے قریب لے آیا ہے اور اس کی زندگی کی کٹھن راہوں میں کوئی مقام ایسا نہیں آیا جہاں کوئی دم ٹھہر کر وہ میمونہ کی تمنا کر سکتا ہو۔ تاہم وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ آنے والی زندگی کے ہنگاموں نے اگر اُسے کبھی ماضی کے متعلق کوئی حسین خواب دیکھنے کی مہلت دی تو وہ میمونہ کے متعلق ہوں گے۔ میمونہ کو چند برس کے بعد اس نے پہلی بار اس وقت چاند کی دھندلی روشنی میں دیکھا تھا جب کہ زخم اور تھکاوٹ سے نڈھال ہونے کے باعث اس کی آنکھوں کے سامنے سیاہی پھیل رہی تھی۔ پھر اس وقت جب ایک رات اُسے [illegible]

بخار تھا اور پچھلے پہر حسن اس کے قریب کرسی پر اونگھتے اونگھتے سو گیا تھا تو اس نے کراہتے ہوئے پانی مانگا تھا اور میمونہ جس نے برابر کے کمرے میں شاید تمام رات آنکھوں میں کاٹی تھی، اس کے لیے پانی لے آئی تھی۔ سعد نے چند گھونٹ پانی پینے کے بعد ایک ثانیہ کے لیے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر آنکھیں بند کر لی تھیں ——— میمونہ نے اپنے کمرے کی طرف لوٹتے ہوئے اچانک اس سے سوال کیا تھا "اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"میں ٹھیک ہوں، مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو اتنی تکلیف دی ہے۔"

اور وہ منہ پھیر کر آہستہ سے یہ کہنے کے بعد اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ "کاش! میں آپ کی تکلیف میں حصہ دار بن سکتی!"

اس کے بعد وہ روبصحت تھا تو میمونہ دن میں چند بار دروازے کی آڑ میں کھڑی ہو کر حسن سے اس کے متعلق پوچھ لیا کرتی تھی ..... اور سعد کے کانوں میں دیر تک اس کی دلکش اور میٹھی آواز گونجا کرتی تھی۔ وہ دوسرے کمرے یا برآمدے میں اس کے پاؤں کی آہٹ سنتا تو اس کے دل کی دھڑکن اچانک تیز ہو جاتی اور وہ تھوڑی دیر کے لیے تصورات کے عجیب غریب محل تعمیر کرنے لگ جاتا۔ لیکن اچانک وہ کسی تلخ احساس کے ماتحت چونک اٹھتا اور تصورات کے یہ محل مٹی کا انبار بن کر رہ جاتے۔ اس مٹی کے انبار سے اندلس کے حال کی بھیانک تصویریں نمودار ہوتیں اور اس کی زندگی کا پیمانہ تلخیوں سے لبریز ہو جاتا۔ اس کے سامنے وہ بے حس حکمران قطار باندھ کر کھڑے ہو جاتے جو اندلس کی لاش کو گدھوں کی طرح نوچ رہے تھے۔ اُسے اس دشمن کی افواج نظر آنے لگتیں جو اندلس کے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ وہ اپنے دل میں کہتا "میں یہاں کب تک پڑا رہوں گا! مجھے بہت جلد یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے!"

میمونہ کے احساسات اس سے مختلف تھے، وہ سعد کو اس دن سے اپنا سمجھتی تھی جب وہ ان کے ایک مددگار کی حیثیت میں قرطبہ پہنچا تھا۔ کم سنی کے زمانے میں وہ

کے لیے اپنے دل میں ایک بے پناہ عقیدت لے کر قرطبہ سے اشبیلیہ آئی تھی۔ اس کے بعد جوانی کی منزل میں قدم رکھتے ہوئے جب وہ اشبیلیہ میں اپنی ہم عمر سہیلیوں سے شہر کے نوجوانوں کے متعلق سنا کرتی تھی تو وہ اکثر سوچا کرتی تھی کہ دنیا میں ایک انسان جسے صرف وہ جانتی ہے ان سب سے زیادہ حسین، بہادر، نیک اور رحم دل ہے۔ مستقبل کی طرف اس کا ہر قدم اس یقین کے ساتھ اٹھ رہا تھا کہ وہ کسی دن ضرور آئے گا۔ اُسے انتظار تھا۔ ایک ایسا انتظار جس کی لذت اضطراب پر غالب تھی۔ وہ ہر نماز کے بعد اس کے لیے دُعا کیا کرتی تھی اور ہر دُعا کے بعد اپنے دل میں یہ تسکین محسوس کیا کرتی تھی۔ کہ سعد اس کا ہے۔ وقت اور بُعد کے پردے ان کے درمیان حائل نہیں ہو سکتے۔ وہ ضرور آئے گا۔ پھر جب شہزادہ رشید اس کی طرف مائل ہوا تو وہ اپنے دل میں ایک بے چینی سی محسوس کرنے لگی ——— کبھی کبھی وہ دُعا کے لیے ہاتھ اٹھاتی تو اس کی آنکھیں پرنم ہو جاتیں، وہ کہتی "سعد تم کہاں ہو! تم مجھے بھول تو نہیں گئے۔ تم کب آؤ گے؟"

اور اب سعد اس کے گھر میں تھا۔ اب وہ یہ سوچا کرتی کہ اس کا اشبیلیہ میں آنا اور اس کا زخمی ہو کر اس کے گھر ٹھہرنا محض اتفاقی حادثہ نہیں۔ اسے قدرت کی وہ ان دیکھی طاقتیں کھینچ لائی ہیں جنہیں وہ پچھلے پہر کی دُعاؤں میں پکارا کرتی تھی ——— یہ جانتے ہوئے کہ معتمد کے سپاہی اس کی تلاش میں ہیں، وہ مطمئن تھی...... اُسے یقین تھا کہ قدرت کے جو ہاتھ اُسے کھینچ کر میرے پاس لے آئے ہیں کسی بیرونی قوت کو اس پر غالب نہیں آنے دیں گے ——— سعد کے سامنے اس نے اپنے دل کی دھڑکنیں ظاہر کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اُسے اپنے مستقبل کے متعلق کوئی شبہ نہ تھا..... وہ تصورات کے ایسے محل تعمیر کر رہی تھی جو کبھی مسمار نہیں ہو سکتے۔

(۲)

میمونہ پہلے دن سعد کے علاج کے لیے ایک طبیب کو بلانا چاہتی تھی لیکن سعد اس تجویز کے خلاف تھا۔ وہ بار بار یہی کہتا رہا کہ میرا زخم معمولی ہے۔ اس لیے وہ مجبوراً اس دوائی پر اکتفا کرتی رہی جو گھر میں موجود تھی لیکن دوسرے روز سعد کے زخم کی تکلیف بڑھ گئی اور اس کے

ساتھ اسے بخار بھی ہو گیا تو میمونہ نے اپنا ایک نوکر بھیج کر ایک عمر رسیدہ طبیب کو بلا لیا۔ میمونہ کی ماں موت سے پہلے اس طبیب کے زیرِ علاج رہ چکی تھی اور میمونہ اور ادریس کے لیے اس کے دل میں پدرانہ شفقت پیدا ہو چکی تھی اور وہ اُسے چچا جان کہا کرتے تھے۔ پہلے دن جب بوڑھا طبیب سعد کا زخم صاف کر کے اس پر دوائی لگا رہا تھا تو میمونہ چہرے پر نقاب ڈالے اس کے قریب کھڑی کہہ رہی تھی۔ "چچا! یہ بھائی جان کے دوست ہیں۔ ہم ان کی بدولت قرطبہ سے نکل کر یہاں پہنچے تھے۔ یہ ایک حادثے میں زخمی ہو کر یہاں پہنچے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ پولیس شہر میں کسی اجنبی کو تلاش کر رہی ہے۔ اگر آپ نے کسی سے ذکر کر دیا کہ ہمارے گھر میں ایک زخمی آپ کے زیرِ علاج ہے تو ممکن ہے کہ وہ خواہ مخواہ انھیں پریشان کریں۔"

طبیب خاموشی سے میمونہ کی باتیں سنتا رہا۔ حسن جو ایک نوکر کے لباس میں وہاں کھڑا تھا طبیب کی خاموشی پر سخت پریشان تھا۔ طبیب نے زخم پر پٹی باندھنے کے بعد حسن کی طرف دیکھا اور قدرے پریشان ہو کر میمونہ سے سوال کیا۔ "یہ کون ہے؟"

میمونہ نے جواب دیا: "یہ ان کے ساتھ آیا ہے۔"

طبیب نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! مجھے سمجھانے کی بجائے تمہیں اپنے نوکروں کو تاکید کرنی چاہیے کہ وہ ان کے متعلق باہر کسی سے بات نہ کریں اور مجھے بلانے کے لیے بھی کسی نوکر کو بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ میں مناسب وقت پر خود آجایا کروں گا۔ اگر یہ ادریس کے دوست نہ بھی ہوتے تو بھی ان کی تیمارداری اور حفاظت میرا فرض ہے۔ آج اندلس کو ایسے ہی نوجوانوں کی ضرورت ہے۔"

"تو آپ انہیں جانتے ہیں۔ معاف کیجیے......!"

طبیب نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "انھیں ایک بار دیکھنے کے بعد کسی کو غلط فہمی نہیں ہو سکتی کہ یہ کون ہیں۔ لیکن میں ایک بات سے حیران ہوں کہ یہ بات پولیس کے وہم و گمان میں بھی نہیں کہ یہ زخمی ہو کر یہاں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کو یقین ہو چکا ہے کہ یہ اشبیلیہ کی سرحد

عبور کر چکے ہیں۔ میرے خیال میں وہ ان کے ساتھی ہوں گے۔"

سعد نے اچانک بستر سے سر اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "پولیس کو کیسے معلوم ہوا کہ میرے ساتھی اشبیلیہ کی سرحد عبور کر چکے ہیں؟"

"آپ اٹھنے کی کوشش نہ کریں!" طبیب نے سعد کو دوبارہ بستر پر لٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کو سارا واقعہ سناتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے اندلس کی مائیں بانجھ نہیں ہوئیں۔ اب عجیب و غریب باتیں ظہور میں آنے والی ہیں۔ میں پولیس کے ایک زخمی سپاہی کو دیکھنے کے لیے گیا تھا۔ مجھے اس کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ کل صبح شہر کے جنوبی دروازے کے باہر ایک درسگاہ کے دروازے پر ایک کاغذ چسپاں تھا۔ جس پر معتمد، ابنِ عمار اور ملکہ رمیکیہ کے متعلق ایک دلچسپ نظم لکھی ہوئی تھی۔ مکتب میں داخل ہوتے وقت کسی طالب علم نے یہ کاغذ دیکھ لیا اور اس کے شور مچانے پر کئی اور طالب علم وہاں جمع ہو گئے۔ زندہ دل شاعر نے نظم کے اختتام پر یہ لکھا ہوا تھا۔ کہ کل رات معتمد کے دربار میں حق کی آواز پہلی بار بلند کی گئی ہے — اب اہلِ اشبیلیہ کا فرض ہے کہ وہ اس آواز کو خاموش نہ ہونے دیں اگر مجھے موقع ملتا تو اشبیلیہ چھوڑنے سے پہلے یہ نظم معتمد کو سنا دیتا لیکن اب میں جا رہا ہوں اور ہر نوجوان پر یہ فرض عائد کرتا ہوں کہ وہ یہ نظم معتمد کے ایوانوں سے لے کر عوام کے جھونپڑوں تک پہنچائے اور کئی طالب علموں نے یہ نظم نقل کر لی۔ دروازے پر ان کا ہجوم دیکھ کر استاد بھی وہاں جمع ہو گئے۔ ایک معلم نے لڑکوں کو اِدھر اُدھر ہٹا کر نظم پڑھی تو اس نے دروازے سے کاغذ اتار لیا اور پاس ہی پولیس کی چوکی میں لے گیا۔ پولیس نے تحقیقات کی تو کسی نے بتایا کہ اس نے مکتب کھلنے سے تھوڑی دیر پہلے ایک سوار کو دیکھا تھا جو میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس تھا۔ اس نے گھوڑے سے اتر کر دروازے پر کوئی کاغذ چسپاں کیا تھا۔ اَن پڑھ ہونے کے باعث وہ اس میں کوئی دلچسپی نہ لے سکا۔ مزید سوالات کا جواب دیتے ہوئے اس نے بتایا کہ دروازے پر خنجر کے ساتھ کاغذ چسپاں کرنے کے بعد اس کا رُخ فلاں سڑک کی طرف

تھا پولیس کے سواروں نے اس کا پیچھا کیا۔ راستے میں لوگوں سے اس کا پتہ پوچھتے ہوئے جب وہ شہر سے چار پانچ کوس دور ایک سرائے کے قریب پہنچے تو وہاں سے چند سوار نکل رہے تھے سرائے کے مالک سے استفسار پر انھیں معلوم ہوا کہ یہ لوگ کل سے یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ابھی ایک اور نوجوان جو شابدان کا نوکر تھا۔ یہاں آیا تھا اور اس کے آتے ہی وہ سب گھوڑوں پر سوار ہو کر یہاں سے نکل گئے ہیں۔ پولیس نے ان کا پیچھا کیا لیکن مقابلے میں پولیس کو پسپا ہونا پڑا۔ چھ سپاہی تیروں سے زخمی ہو کر واپس آئے ہیں۔ وہ زخمی سپاہی جسے میں دیکھنے کے لیے گیا تھا صرف اتنا دعویٰ کرتا ہے کہ کم از کم اُن کے ایک گھوڑے کی ٹانگ اُس کے تیر سے زخمی ہوئی ہے۔"

حسن جو کچھ دیر پہلے بہت فکرمند تھا اب بڑی مشکل سے اپنے ہنسی ضبط کر رہا تھا۔"

سعد نے سوال کیا۔ "آپ کو یقین ہے کہ وہ اشبیلیہ کی سرحد عبور کر گئے ہیں؟"

"مجھ سے زیادہ پولیس والوں کو اس بات کا یقین ہے۔ آج صبح میں مسجد میں گیا تھا تو وہاں بھی یہی باتیں ہو رہی تھیں۔"

"پولیس کا کوئی اور دستہ ان کے تعاقب میں نہیں گیا؟"

"پولیس چھوڑ کر وہ شاید فوج بھیجنے کی بھی کوشش کرتے لیکن انھیں ایک مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ کل آن کی آن میں اس نظم کی نقلیں شہر کی باقی تمام درسگاہوں میں پہنچ چکی تھیں۔ دوپہر تک کئی مسجدوں، درسگاہوں، گھروں، یہاں تک کہ بعض وزراء کے مکانات کے دروازوں پر بھی یہ نظم چسپاں تھی۔ پولیس ان اشتہاروں کو اتار رہی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اتارنے والوں کی نسبت لکھ کر چسپاں کرنے والوں کے ہاتھ زیادہ مستعد ہیں۔ آج صبح تو یہ حالت تھی کہ مسجد کے صحن میں کئی اشتہار بکھرے ہوئے تھے۔ رات کو میرے مکان کے دروازے پر بھی کوئی ایسا اشتہار چسپاں کر گیا۔ وہ میں نے اتار لیا ہے۔ شاید میری جیب میں ہوگا۔"

طبیب نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر کاغذ کا ایک پرزہ نکالتے ہوئے سعد کے ہاتھ میں دے دیا۔ سعد نے پڑھا۔ پہلا شعر یہ تھا:

"اشبیلیہ کے جدّت پسندوں نے الفاظ کا قدیم مفہوم بدل دیا ہے
اب بزدلوں کو بہادر اور لومڑیوں کو شیر کہا جاتا ہے"

سعد کے چہرے پر ایک مُسکراہٹ کھیل رہی تھی، وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا، احمد تم بہت شریر ہو۔ حسن نے آگے بڑھ کر اپنے بھائی کے ہاتھ سے کاغذ لے لیا اور ایک نظر دیکھنے کے بعد میمونہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپا جان یہ وہی نظم ہے۔"

طبیب نے کہا۔ "میرے خیال میں اب ہمارے درمیان کوئی راز نہیں رہا۔ میمونہ آپ کو یہ اطمینان دلا سکتی ہے کہ آپ مجھ پر اعتبار کر سکتے ہیں۔ آپ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے لیکن کم از کم چار دن اور چلنے پھرنے سے پرہیز کیجیے!! میں صرف اپنی تشویش دُور کرنے کے لیے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ شاعر کون تھا؟"

سعد نے اطمینان سے جواب دیا۔ "وہ میرا بھائی ہے؟"

"میرا بھی یہی خیال تھا اور یہ بھی شاید آپ کا بھائی ہے؟" طبیب نے حسن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

حسن نے کہا۔ "دیکھیے آپ بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لے رہے ہیں!"

طبیب نے کہا۔ "بیٹا تم فکر نہ کرو!"

جوں جوں سعد کی حالت بہتر ہو رہی تھی، اُسے ایک کمرے میں چھپ کر رہنا صبر آزما محسوس ہو رہا تھا۔ شہر سے میمونہ کی بعض سہیلیاں اس سے ملنے آیا کرتی تھیں۔ اس لیے وہ عام طور پر نچلے حصے میں رہا کرتی تھی۔ مہمانوں کے لیے کھانا بھی وہ اپنے ہاتھ سے تیار کیا کرتی تھی۔ ابتدا میں جب کہ سعد کو زیادہ تکلیف تھی، وہ صُبح سے شام تک کئی بار اوپر آتی اور ساتھ والے کمرے میں کھڑی ہو کر حسن سے اس کے متعلق پوچھتی۔ وہ راتیں جب سعد کو سخت بخار تھا اس نے برابر والے کمرے میں بیٹھ کر گزاری تھیں اور اس کے بعد جب سعد کی حالت بہتر ہونے لگی تو وہ بار بار اُوپر آنے میں ایک جھجک سی محسوس کرنے لگی۔ تاہم علی الصباح بستر سے اٹھتے ہی اور رات کے وقت سونے سے پہلے جب تک وہ اُوپر جا کر حسن سے اس کے بھائی کے متعلق پوچھ

نہ لیتی اسے چین نہ آتا۔ اگر وہ ذرا تاخیر سے کام لیتی تو حسن خود نیچے چلا جاتا اور اس کے مرے دروازے پر کھڑا ہو کر کہتا۔ "آپا جان! آج بھائی جان کی طبیعت بالکل ٹھیک ہے نا"

(۳)

ایک دن دوپہر کے وقت زیاد کی بہن میمونہ کے پاس آئی اور دیر تک اس کے ساتھ باتیں کرتی رہی۔ اچانک سعد اور حسن کو نچلی منزل میں شور سنائی دیا۔ حسن جلدی سے اٹھ کر برآمدے میں گیا۔ نیچے میمونہ بلند آواز میں کہہ رہی تھی۔ "میں نے تم سے اس دن کہا تھا کہ میں اس بے غیرت کے متعلق کچھ نہیں سننا چاہتی۔ اگر تمہارا بھائی اس کا ساتھی ہے تو وہ بھی بے غیرت ہے اور تم بھی جو انھیں خوش کرنے کے لیے دوسروں کی عزت کا سودا کرتی پھرتی ہو..... خدا کے لیے یہاں سے چلی جاؤ۔ ورنہ تمہارے لیے اچھا نہ ہوگا!"

زیاد کی بہن برآمدے کی سیڑھیوں سے اتر کر صحن میں آگئی اور اس نے مڑ کر پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میمونہ یاد رکھو! تم ذلیل و خوار ہو کر اُس کے پاؤں پر سر رکھو گی۔ میں تمہیں اس کی ملکہ دیکھنا چاہتی ہوں لیکن تم اس کی کنیز بننا بھی پسند کر لوگی۔ اندلس میں کوئی قلعہ ایسا نہیں جس کی دیواریں اسے تمہارے پاس پہنچنے سے روک سکیں!"

میمونہ ایک بجلی کی سی تیزی کے ساتھ برآمدے سے صحن میں نمودار ہو کر چلائی۔ "نکل جاؤ یہاں سے! جاؤ اور اس سے کہہ دو کہ وہ لے گئے دیر تک من مانی نہیں کیا کرتے۔"

اب سعد بھی اپنے کمرے سے برآمدے میں آچکا تھا اور حسن کے قریب ایک ستون کے پیچھے کھڑا ہو کر نیچے دیکھ رہا تھا۔ میمونہ غصے سے کانپ رہی تھی۔ زیاد کی بہن مرعوب سی باہر کے دروازے کا رُخ کر رہی تھی، ڈیوڑھی کے قریب پہنچ کر اس نے دوبارہ مڑ کر میمونہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم پچھتاؤ گی میمونہ!"

"نکل جاؤ یہاں سے!" میمونہ یہ کہہ کر چند قدم آگے بڑھی اور زیاد کی بہن بھاگ کر باہر نکل گئی۔ میمونہ چند ثانیے دروازے کی طرف دیکھتی رہی۔ خادمہ نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے

پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کو اس کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا!" میمونہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی برآمدے کی طرف آگئی۔ اس کا چہرہ آگ کے انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔

سعد نے حسن کی طرف دیکھا اور کہا۔ "حسن جاؤ اُسے تسلی دو!"

حسن نیچے پہنچا تو میمونہ کے کمرے سے سسکیوں کی آواز آرہی تھی۔

"بہن کیا ہوا؟" اس نے گھٹی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

میمونہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ حسن جھجکتا ہوا اندر داخل ہوا، میمونہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے کھڑی تھی۔

"آپا جان آپ رو رہی ہیں۔ خدا کی قسم، کسی مرد نے آپ کا دل دکھانے کی جرأت کی ہوتی تو میں یہ ثابت کر دیتا کہ آپ کا بھائی بے غیرت نہیں۔ لیکن وہ ایک لڑکی تھی۔"

"تم نہیں جانتے۔" میمونہ نے دوبارہ سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

حسن نے قدرے تذبذب کے بعد کہا۔ "میں صرف یہ جانتا ہوں کہ ادریس کی غیر حاضری میں آپ کے دو اور بھائی یہاں موجود ہیں اور ہماری لاشیں روندے بغیر کوئی اس گھر کا رُخ نہیں کر سکتا!"

فرش پر کاغذ کے چند پرزے بکھرے ہوئے تھے۔ میمونہ نے اپنے آنسو پونچھنے کے بعد انہیں ایک ایک کر کے اٹھایا اور ایک ثانیہ توقف کے بعد حسن سے مخاطب ہو کر بولی۔ "وہ یہ خط لے کر میرے پاس آئی تھی۔ میں نے غصے کی حالت میں پھاڑ دیا تھا۔ یہ پرزے اپنے بھائی کے پاس لے جاؤ!"

تھوڑی دیر بعد سعد کاغذ کے پرزے جوڑ کر پڑھ رہا تھا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

"بہن میمونہ! میں آپ کے پاس اپنی بہن کو بھیج رہا ہوں، وہ زبانی آپ کو تمام ان تمام خطرات سے آگاہ کر دے گی جو آپ کے افسوسناک طرزِ عمل کے باعث ادریس کو پیش آسکتے ہیں۔ شہزادہ رشید ان لوگوں میں سے نہیں جو اپنی توہین برداشت

کرنے کے عادی ہوں۔ اگر آپ نے اس کی محبت کا مذاق اڑانے کی جرأت کی تو
اس کا انتقام بہت خطرناک ہوگا۔ یقیناً آپ خوش نصیب ہیں کہ قرطبہ کا
گورنر آپ سے محبت کی بھیک مانگتا ہے لیکن اگر وہ چاہے تو آپ کو پابزنجیر
بھی اپنے پاس بلا سکتا ہے۔ اگر اس نے انتقام لینے کی ٹھان لی تو آپ اور آپ
کے بھائی کے لیے کوئی گوشہ محفوظ نہیں ہوگا۔ کیا آپ یہ گوارا کریں گی کہ آپ کو ہمیشہ
کے لیے قید خانے کے کسی تاریک گوشے میں پھینک دیا جائے؟

میں یہ اس لیے لکھ رہا ہوں کہ میں ادریس کا دوست ہوں۔ مجھے آپ کے ساتھ
وہی ہمدردی ہے جو کہ ایک شخص کو اپنے دوست کی بہن کے ساتھ ہونی چاہیے۔
میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ قرطبہ جانے سے پہلے شہزادہ رشید ادریس
کے متعلق اپنے خطرناک عزائم کا اظہار کر چکا ہے۔ ممکن ہے کہ اُسے واپسی پر
راستے ہی میں گرفتار کر لیا جائے۔ حکومت کے ایک ایسے ملازم کو جس پر شہزادہ
رشید جیسا بااثر آدمی خفا ہو، گرفتار کرنے کے لیے سینکڑوں وجوہات تلاش کی
جا سکتی ہیں اور اس کے بعد آپ کی جو حالت ہوگی اس کا اندازہ آپ خود لگا لیں۔
اگر آپ شہزادہ رشید کی رفیقۂ حیات بننا قبول کر لیں تو میں آپ کو یقین دلاتا
ہوں کہ آپ نہ صرف اپنی قسمت پر ناز کریں گی بلکہ ادریس کے لیے ترقی اور عزت
کے تمام راستے کھل جائیں گے ـــــ میرے متعلق آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں،
مجھے صرف اپنے عزیزترین دوست اور اس کی بہن کی بھلائی منظور ہے۔
آپ قطعی فیصلہ کرنے میں عجلت سے کام نہ لیں۔ بہتر ہوگا کہ آپ مجھے براہِ راست
ہمکلام ہونے کا موقع دیں۔ آپ یا تو میری بہن کے ساتھ ہمارے گھر تشریف لے
آئیں، ورنہ مجھے اجازت دیں کہ شام سے پہلے خود آپ کی خدمت میں حاضر
ہو جاؤں ـــ مجھے امید ہے کہ آپ ادریس کے لیے مصیبت کا باعث

نہیں بنیں گی۔

آپ کا ادنیٰ خادم زیاد

خط پڑھنے کے بعد سعد کچھ دیر بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ حسن بینور اس کے چہرے کی طرف
دیکھ رہا تھا جس پر کبھی غصے اور کبھی تفکرات کے آثار ظاہر ہو رہے تھے کہ سیڑھیوں پر کسی کے پاؤں کی
آہٹ محسوس ہوئی۔ حسن نے باہر جھانکا اور پھر اپنے بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ اوپر آرہی ہیں!"

سعد نے کہا۔ "حسن تم غرناطہ جانے کے لیے تیار ہو جاؤ! ادریس کی بگھی اور گھوڑے یہیں ہیں؟"

"جی ہاں!"

"تم میمونہ کے ساتھ بگھی پر جاؤ گے اور میں طلیطلہ جاؤں گا۔" یہ کہہ کر سعد اٹھا اور برابر والے
کمرے کے دروازے کے قریب جا کر بولا۔ "میمونہ تمہارے لیے یہ جگہ محفوظ نہیں ..... تم حسن کے
ساتھ غرناطہ جانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میں بہت جلد ادریس کو لے کر وہاں پہنچ جاؤں گا۔ ابھی شام
ہونے والی ہے اور رات تمہارے سفر کے لیے موزوں نہیں، تمہیں صبح کا انتظار کرنا پڑے گا۔ میں کچھ
دیر پہلے یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا اور شہر کے جنوبی دروازے سے باہر تمہارا انتظار کروں گا۔ وہاں
سے میں کچھ دور تمہارا ساتھ دوں گا اور اس کے بعد میں طلیطلہ کا رُخ کر دوں گا۔ اپنے نوکروں کو یہ سمجھا
دینا کہ اگر کوئی تمہارے متعلق پوچھنے کے لیے آئے تو وہ یہ کہہ دیں کہ تم کسی سہیلی سے ملنے کے لیے گئی
ہو۔ اس طرح تمہیں کم از کم ایک دن کسی خطرے کے بغیر سفر کرنے کا موقع مل جائے گا!"

میمونہ کی خاموشی پر سعد نے کہا۔ "تمہیں میری تجویز پر پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ان حالات
میں اس کے سوا اور کچھ نہیں سوچ سکتا۔ اشبیلیہ اب بھیڑیوں کی شکارگاہ بن چکا ہے۔ تمہارا یہاں
رہنا ٹھیک نہیں۔ میں زیاد کو جانتا ہوں۔ اس سے ہر ذلت کی امید کی جا سکتی ہے!"

میمونہ نے مغموم آواز میں جواب دیا۔ "میں جانتی ہوں کہ میرے لیے اور کوئی راستہ نہیں لیکن
آپ ابھی سفر کے قابل نہیں ہوئے۔"

سعد نے جواب دیا۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں۔ حسن اور آپ کا بوڑھا نوکر اس بات کی گواہی
دے گا کہ میں ویسے بھی یہاں سے رخصت ہونے کا ارادہ کر چکا تھا۔"

نے کہا: "میں تیار ہوں۔"

(۴)

عشاء کی نماز سے تھوڑی دیر بعد میمونہ بالائی منزل کے کمرے سے اپنے سفر کے لیے ضروری سامان جمع کرنے کے بعد نیچے اتر رہی تھی کہ ڈیوڑھی کی طرف سے اُسے اپنے بوڑھے نوکر کی آواز سنائی دی: "آپ کو معلوم نہیں کہ ادریس گھر میں نہیں۔ اس وقت آپ کا کسی شریف آدمی کے گھر میں داخل ہونا ٹھیک نہیں!"

کسی نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا: "بدمعاش! تم نہیں جانتے، میں کون ہوں۔ خاموش رہو ورنہ مار ڈالوں گا!"

"میں جانتا ہوں، آپ شہر کے کوتوال ہیں۔ آپ ادریس کے دوست ہیں۔ آپ کے لیے مکان کا دوسرا حصہ کھلا ہے۔ اس طرف اُن کی ہمشیرہ رہتی ہیں۔ یہ مناسب نہیں"

میمونہ جلدی سے نیچے پہنچی اور برآمدے میں کھڑی ہو کر باہر جھانکنے لگی۔ تاریکی میں اُسے آدمی بوڑھے نوکر کو دھکے دے کر باہر نکالتے ہوئے دکھائی دیے۔ باقی نوکر بھی صحن میں جمع ہو چکے تھے لیکن مسلح آدمیوں کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ تھی۔ ایک آدمی نے نوکروں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا: "تم گھبراؤ نہیں، میں ادریس کی بہن کے پاس ایک ضروری پیغام لے کر آیا ہوں۔ وہ کہاں ہے؟"

میمونہ کی خادمہ برآمدے کے دوسرے کونے میں سہمی کھڑی تھی.... میمونہ بھاگتی ہوئی سیڑھیوں پر چڑھی۔ زینے کے دروازے پر سعد اور حسن کھڑے تھے، وہ اُن سے بات کیے بغیر ایک کمرے میں داخل ہوئی اور وہاں سے کمان اور ترکش اٹھا کر اوپر کے برآمدے میں کھڑی ہو گئی۔ وہ ترکش سے ایک تیر نکال کر کمان میں چڑھا رہی تھی کہ سعد نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا: "میمونہ ٹھہرو! میری بات سُنو! وہ بہت زیادہ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ باہر بھی بہت سے آدمی ہوں گے۔ تم کسی طرح زیاد کو اوپر بلالو۔ جلدی کرو۔ ورنہ وہ

اوپر آجائیں گے۔ ہم اپنے کمرے میں ہوں گے اور مجھے یقین ہے کہ موقع ملنے پر ہم زیاد کی بزدلی سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔"

سعد، حسن کو اپنے کمرے میں لے گیا اور شمع بجھا کر دروازے میں کھڑا ہو گیا۔

نیچے صحن میں زیاد چلّا رہا تھا: "بتاتے کیوں نہیں میمونہ کہاں ہے؟ بہت اچھا اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو ہم خود تلاش کر لیتے ہیں!"

"کون ہے؟" میمونہ نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

زیاد نے چند قدم آگے بڑھ کر اوپر دیکھتے ہوئے جواب دیا: "آپ کا خادم زیاد آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔"

اِن الفاظ میں ایک ناقابلِ برداشت طنز تھی لیکن میمونہ نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا: "تمہیں ایک لڑکی کو پریشان کرنے کے لیے پوری فوج لانے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"یہ چند سپاہی آپ کی عزت افزائی کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ آپ ایک لمحے کے لیے نیچے تشریف لانے کی تکلیف فرمائیں گی یا میں اوپر حاضر ہو جاؤں!"

"مجھے معلوم ہے کہ میں آپ کا راستہ نہیں روک سکتی۔ خادمہ انھیں اوپر آنے کا راستہ دکھا دو"

زیاد سپاہیوں کو دروازے پر ٹھہرنے کا حکم دے کر خادمہ کی رہنمائی میں اوپر پہنچا تو میمونہ نے کہا: "خادمہ! انھیں کمرے میں بٹھاؤ میں ساتھ والے کمرے سے بات کروں گی!"

زیاد اس کے طرزِ عمل سے حیران بھی تھا اور خوش بھی۔ وہ اطمینان سے کمرے میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ میمونہ ساتھ والے کمرے میں جہاں سعد اور حسن کھڑے تھے چلی گئی اور درمیانی دروازے کے ساتھ کھڑی ہو کر بولی: "تو تم میرے بھائی کے ساتھ دوستی کا ایک اور ثبوت دینے کے لیے آئے ہو؟"

زیاد نے جواب دیا: "میں آپ کے ساتھ زیادہ باتیں نہیں کروں گا۔ میرے ذمے یہ فرض عاید کیا گیا ہے کہ میں آپ کو عزت اور احترام کے ساتھ قرطبہ پہنچا دوں۔ آپ کے لیے باہر گھوڑی کھڑی ہے۔ آپ کے انکار کی صورت میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ شہزادہ رشید

سے روانہ ہونے سے قبل اس بات کا انتظام کر گیا ہے کہ جب آپ کا بھائی قسطلہ سے واپس آئے تو اشبیلیہ کی آخری سرحدی چوکی کے سپاہی اُسے قرطبہ پہنچا دیں۔ پھر اُسے کسی بہتر یں عہدے پر فائز کروانا یا قید خانے میں بھجوانا آپ کے بس کی بات ہو گی۔"

میمونہ نے کہا "میں صرف ایک سوال پوچھنا چاہتی ہوں۔ اگر میری جگہ آپ کی بہن ہوتی تو تم کیا کرتے؟"

زیاد نے اپنا غصہ ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا "دیکھیے میں آپ کے ساتھ بحث کرنے نہیں آیا۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں، کہ آپ چلنے کے لیے تیار ہیں یا میں سپاہیوں کو آواز دوں؟"

سعد نے آہستہ سے حسن کے کان میں کچھ کہا۔ پھر دبے پاؤں آگے بڑھا اور میمونہ کو ایک طرف ہٹانے کے بعد اس نے اچانک دروازہ کھول دیا۔ زیاد چونک کر کرسی سے اٹھا لیکن اس سے پیشتر کہ اس کے منہ سے آواز نکلتی، سعد کی تلوار کی نوک اس کے سینے کے ساتھ چھو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی برآمدے کی طرف سے حسن کمرے میں داخل ہوا اور اس کی تلوار کی نوک زیاد کی گردن کو چھونے لگی۔

زیاد مبہوت کھڑا تھا۔ سعد نے کہا "اگر تم نے شور مچانے کی کوشش کی، تو یہ تلواریں تمہاری زبان کے مقابلے میں زیادہ تیز اثر ثابت ہوں گی۔ بیٹھ جاؤ!"

زیاد کچھ کہے بغیر بیٹھ گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی سعد اور کبھی حسن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے نمودار ہو رہے تھے۔

سعد نے کہا "اٹھو!" اور وہ کچھ کہے بغیر دوبارہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سعد نے اپنے چہرے پر حقارت آمیز مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا "تم ہمیشہ سے بزدل تھے!"

حسن نے آگے بڑھ کر پہلے اس کے نیام سے تلوار نکال لی پھر اس کا خنجر اپنے قبضے میں لے لیا۔

سعد نے کہا "ڈرو نہیں زیاد! ہم اپنے ہاتھ ایک بزدل آدمی کے خون سے غلیظ نہیں

کریں گے۔ چلو باہر نکل کر اپنے ساتھیوں سے کہو کہ اب تمہاری ضرورت نہیں۔ دیکھو یاد رکھو تھوڑی سی بے اعتدالی تمہیں آنکھ جھپکنے کی دیر میں تمہارے اسلاف کے پاس پہنچا دے گی ... حسن! تم شمع اُٹھا کر دوسرے کمرے میں لے جاؤ اور میمونہ سے کہو کہ وہ فوراً تیار ہو جائے۔ چلو زیاد!"

زیاد پر سعد کے الفاظ سے زیادہ تلوار کے اشارے نے اثر کیا اور وہ بادلِ ناخواستہ اس کے آگے آگے برآمدے میں نکل آیا۔ سعد سمٹ کر اس کے پیچھے کھڑا تھا اور اس کی تلوار کی نوک زیاد کی پسلیوں سے چھو رہی تھی ... اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا "تم وعدہ کرتے ہو کہ تمہارے حکم کی تعمیل کے بعد میری جان محفوظ ہو گی؟"

سعد نے کہا "میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب ہم خطرے کی زد سے باہر نکل جائیں گے تو تم اطمینان سے اپنے گھر جا سکو گے۔"

زیاد نے ذرا آگے بڑھ کر نیچے جھانکتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو آواز دے کر کہا "اب تمہاری یہاں ضرورت نہیں۔ تم جا سکتے ہو!"

نیچے سے ایک سپاہی نے کہا "بگھی نہیں رہے گی؟"

زیاد نے مُڑ کر سعد کی طرف دیکھا اور اس نے آہستہ سے "ہاں" کہہ دیا۔ زیاد پھر نیچے جھانکتے ہوئے بولا "ہاں بگھی یہیں رہے گی۔"

"ہم سب چلے جائیں؟"

زیاد نے پھر سعد کی طرف دیکھا۔ سعد نے پوچھا "باہر کتنے آدمی ہیں؟"

"دو سوار۔" اس نے جواب دیا۔

"انھیں کہو سوار وہیں کھڑے رہیں۔"

زیاد نے بلند آواز میں کہا "سوار وہیں کھڑے رہیں۔"

سپاہی باہر نکل گئے تو سعد نے حسن سے کہا "حسن تم نیچے جا کر معلوم کرو کہ اس نے غلط بیانی سے تو کام نہیں لیا اور دو نوکروں کو اوپر بھیج دو۔ میمونہ تم کونے کے کمرے میں شمع جلاؤ۔

زیاد چلو ۔۔۔!

زیاد کو کونے کے کمرے میں لے جاکر سعد نے اس کی قبا اتروائی۔ اتنی دیر میں میمونہ کے دو نوکر اوپر آگئے اور سعد نے انھیں مضبوط رسیاں لانے کا حکم دیا۔

حسن سڑک پر بگھی اور سواروں کو دیکھنے کے بعد ہانپتا ہوا اوپر آیا اور اس نے کہا "بھائی جان! بگھی کے کوچوان اور دو سواروں کے علاوہ وہاں ایک اور آدمی موجود ہے۔ میں بگھی کے قریب نہیں جاسکا۔ شاید اندر بھی کوئی بیٹھا ہوا ہو۔"

سعد نے اپنی تلوار کی نوک زیاد کی شاہرگ پر رکھ دی اور کہا "زیاد! تم ہمیں دھوکا دے کر نہیں بچ سکتے۔ ہم کسی اور خطرے کا مقابلہ کرنے سے پہلے تمھیں ختم کردینا ضروری سمجھیں گے"

زیاد نے انتہائی عجز کے ساتھ کہا "آپ یقین کریں میں نے جھوٹ نہیں کہا۔ اس نے غور سے نہیں دیکھا۔ وہ رشید کا خواجہ سرا ہے۔ بگھی کے اندر اور کوئی نہیں۔"

سعد نے کہا "ہم ابھی دیکھ لیں گے۔ تم میرے ساتھ باہر نکل کر انھیں اندر بلاؤ اور کہو کہ اوپر آکر ضروری سامان لے جائیں۔ حسن! تم نیچے جاؤ!"

زیاد، سعد کی تلوار کے اشارے پر باہر نکل آیا اور برآمدے سے بلند آواز میں اپنے ساتھیوں کے نام لے لے کر آوازیں دینے لگا۔ زیاد کے حلق سے مجبوری کی حالت میں جو آوازیں نکل رہی تھیں، وہ اس لیے بھی موثر ثابت نہ ہوئیں کہ خواجہ سرا اپنی بلند اور موٹی آواز میں سواروں کو کوئی دلچسپ واقعہ سنا رہا تھا ـــــ حسن نے ڈیوڑھی میں پہنچ کر انھیں اس طرف متوجہ کیا اور وہ اپنے گھوڑے سائیس کے سپرد کرکے اندر داخل ہوئے۔

خواجہ سرا ان کے آگے تھا۔ اس نے صحن میں پہنچتے ہی شور مچانا شروع کیا "یہ کیا ہو رہا ہے؟ اب آدھی رات ہوچکی ہے۔ شہزادہ راستے میں پریشان ہو رہا ہوگا ـــــ انھوں نے کہا تھا کہ جب تک ہم نہیں پہنچیں گے وہ کھانا نہیں کھائے گا!"

زیاد کی خاموشی پر سعد نے اپنی تلوار پر تھوڑا سا دباؤ دینے کے بعد آہستہ سے کہا "بلاؤ انھیں"

زیاد نے اپنے ساتھیوں سے کہا "تم یہاں [illegible] دو، ہم تیار ہیں۔"

خواجہ سرا نے پوچھا "اوپر آنے کا راستہ کہاں ہے؟ ہمیں تاریکی میں کچھ پتہ نہیں چلتا ...... وہ شمع کہاں ہے جو قرطبہ کی محفلوں کی زینت بننے والی ہے؟"

حسن نے آگے بڑھتے ہوئے کہا "میرے ساتھ آؤ!"

(۵)

سعد نے زیاد کو اندر دھکیلتے ہوتے میمونہ کے نوکروں کو اشارہ کیا اور انھوں نے اسے رسیوں سے باندھنا شروع کیا۔

زینے پر خواجہ سرا شور مچا رہا تھا "توبہ کتنی تاریکی ہے۔ ارے دیکھو تم مجھے پیچھے سے کیوں دھکیل رہے ہو۔"

ایک سپاہی کہہ رہا تھا "تم آرام سے بگھی میں کیوں نہیں بیٹھے؟"

اوپر کے برآمدے میں پہنچ کر خواجہ سرا اور اس کے ساتھی ایک ثانیہ کے لیے رکے۔ دو کمروں کے دروازے کھلے تھے لیکن اندر تاریکی تھی۔ تیسرے کمرے کا دروازہ روشن تھا۔

"آپ کہاں ہیں؟" خواجہ سرا نے کہا۔

پیچھے سے حسن نے کہا "آگے چلو!"

خواجہ سرا آگے بڑھا لیکن سپاہی تذبذب کی حالت میں وہیں کھڑے رہے۔ معاً سعد ایک کمرے سے نمودار ہوا اور اس نے ایک سپاہی کو گلے سے دبوچ لیا۔ دوسرا سپاہی تلوار نکال رہا تھا کہ حسن نے پیچھے سے ایک ہاتھ سے اس کی کلائی پکڑ کر مروڑ ڈالی اور دوسرے ہاتھ سے اس کی پیٹھ پر خنجر رکھتے ہوئے کہا "تمھاری جدوجہد فضول ہے۔ اگر تم نے کوئی حرکت کی تو تمھارے جسم پر خراش تک نہیں آئے گی۔"

خواجہ سرا کو روشنی سے جس قدر محبت تھی اسی قدر اب نفرت ہو رہی تھی، چشم

کمرے کے دروازے کے قریب کھڑا کانپ رہا تھا۔ میمونہ باہر نکلی اور چمکتی ہوئی تلوار اس کی توند کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "اگر تمہارے منہ سے کوئی آواز نکلی تو۔۔۔۔" میمونہ نے اپنا فقرہ پورا کرنے کی بجائے تلوار ذرا آگے بڑھا دی اور خواجہ سرا نے دہشت کے مارے آنکھیں بند کرلیں۔

تھوڑی دیر بعد سعد، حسن اور میمونہ کے نوکر ان تینوں کو زیاد کے قریب لٹا کر رسیوں سے جکڑ رہے تھے۔۔۔۔ اور میمونہ ان کے قریب کھڑی اپنے ماضی کے اس دن کا تصور کر رہی تھی۔۔۔۔ جب قرطبہ میں سعد اس کی مدد کے لیے پہنچا تھا۔۔۔۔ قرطبہ میں اس کے بچپن اور اشبیلیہ میں اس کی جوانی کے درمیان برسوں اور مہینوں کا خلا پُر ہو چکا تھا۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ سعد ہمیشہ اس کے ساتھ تھا۔ اس کی دنیا ہمیشہ مکمل تھی۔

حسن نے کہا۔ "اب صرف کوچوان باقی ہے۔ میں اُسے نیچے لے آتا ہوں۔"

سعد نے کہا۔ "اسے نیچے کسی کمرے میں بند کر دو۔ اب ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔"

حسن ایک نوکر کو ساتھ لے کر نیچے اتر گیا۔ سعد نے باقی نوکروں سے کہا۔ "ہم بہت دور جا رہے ہیں تم میں سے جو ہمارے ساتھ جانا چاہتے ہیں وہ فوراً اصطبل سے اپنے لیے گھوڑے تیار کرلیں۔"

بوڑھے نوکر نے جواب دیا۔ "ہم میں سے کوئی بھی اس شہر کا باشندہ نہیں۔ ہم سب آپ کے ساتھ جائیں گے اور اصطبل سے زیادہ گھوڑے لے جانے کی ضرورت نہیں۔ سپاہیوں کے دو گھوڑے نیچے کھڑے ہیں۔ سائیس بگھی پر ہوگا۔"

"بہت اچھا۔ صرف حسن کے گھوڑے پر زین ڈال دو!" یہ کہنے کے بعد سعد خادمہ کی طرف متوجہ ہوا اور وہ آگے بڑھ کر بولی۔ "میرا کوئی گھر نہیں۔ میں میمونہ کے ساتھ جاؤں گی!"

سعد نے میمونہ سے کہا۔ "تم فوراً اپنا ضروری سامان لے لو۔ لیکن جلدی!"

"میں کب کی تیار ہو چکی ہوں۔" یہ کہہ کر میمونہ ایک نوکر کو دوسرے کمرے میں لے گئی اور ایک چھوٹا سا صندوق اس کے حوالے کر دیا۔

سعد نے میمونہ سے مخاطب ہوتے ہوئے سپاہیوں کو گھسیٹ کر علیحدہ علیحدہ کمروں میں

ڈال کر دروازے بند کر دیے اور خواجہ سرا کو چھت کی طرف جانے والے زینے میں بند کر دیا۔ اتنی دیر میں حسن نے واپس آکر اطلاع دی کہ وہ کوچوان کو نیچے بند کر آیا ہے۔

"حسن! تم میمونہ اور خادمہ کو بگھی میں بٹھا دو اور نوکروں سے کہو کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہو جائیں میں ابھی آتا ہوں۔" یہ کہہ کر سعد کونے کے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں شمع جل رہی تھی۔ زیاد فرش پر منہ کے بل پڑا ہوا تھا۔ سعد نے اسے پیٹھ کے بل لٹاتے ہوئے کہا۔ "زیاد! میں جا رہا ہوں۔ تمہارے آقا کل تک تمہیں تلاش کرلیں گے۔ ان سے کہہ دینا کہ میرا پیچھا کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں پھر آؤں گا اور میرے ہمرکاب وہ طوفان اور زلزلے ہوں گے جو اشبیلیہ کے حکمران خاندان کی بنیادیں ہلا دیں گے۔ میں تمہیں بچپن سے جانتا ہوں اور مجھے تم سے ہر برائی کی توقع ہے لیکن یاد رکھو، اگر ادریس کا بال بیکا ہوا تو معتمد کا کوئی قلعہ تمہارے لیے محفوظ نہیں ہوگا ـــــ کم از کم اپنی جان کے خوف سے تمہیں شہزادہ رشید کو کوئی ذلیل مشورہ نہیں دینا چاہیے!"

زیاد کے ہاتھ پاؤں بُری طرح رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے اور منہ میں ٹھنسے ہوئے کپڑے نے اس کی زبان بند کر رکھی تھی۔ اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں زبان حال سے یہ کہہ رہی تھیں۔ میں تمہیں جانتا ہوں۔ اس دن شاہی محل کے دروازے پر تمہارے ساتھ میری پہلی ملاقات نہ تھی میں نے اس سے پہلے بھی کہیں تمہیں دیکھا تھا لیکن کہاں؟ کب؟ اس کے دماغ پر ماضی کے دھندلے نقوش ان سوالات کا جواب دینے سے قاصر تھے۔ سعد نے شمع بجھائی اور باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔

(۶)

تھوڑی دیر بعد بگھی وہاں سے روانہ ہوگئی۔ میمونہ، اس کی خادمہ اور سعد اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ حسن اور دو نوکر بگھی کے پیچھے گھوڑوں پر سوار تھے۔ ادریس کا سائیس بگھی چلا رہا تھا اور خطرات کے باوجود شاہی اصطبل کے چار سفید اور برق رفتار گھوڑوں کو ہانکنے میں ایک فرحت محسوس کر رہا تھا۔ وہ کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر اشبیلیہ سے باہر نکل آئے۔ کوچوان تاریکی کے باعث بگھی کو قدرے احتیاط کے ساتھ چلا رہا تھا۔ اشبیلیہ سے آٹھ کوس دور ایک ندی کے پُل کے پاس

انھیں ایک سوار ملا۔ اس نے چلا چلا کر بگھی کو روکنے کی کوشش کی لیکن جب کوچوان نے بگھی کو نہ روکا تو اس نے جلدی سے گھوڑا ایک طرف ہٹا لیا۔ بگھی آگے نکل گئی تو وہ پیچھے آنے والے سواروں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ حسن نے اپنا گھوڑا اس کے قریب لاتے ہوئے سوال کیا۔ "تم کون ہو؟"

اجنبی نے جواب دینے کی بجائے ایک اور سوال کر دیا۔ "زیاد اسی بگھی میں ہے نا؟"

"ہاں۔"

"اکیلا ہے یا کوئی اور بھی اس کے ساتھ ہے؟"

"اس کے ساتھ خواتین بھی ہیں۔ لیکن تم کون ہو؟"

"مجھے شہزادہ رشید نے بھیجا ہے۔"

"وہ کہاں ہیں؟"

"بس اب تم ان کے پاس پہنچنے ہی والے ہو۔ وہ یہاں سے کوئی دو کوس کے فاصلے پر آپ لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں۔ اگلے موڑ سے تمہیں ان کے پڑاؤ کی روشنی دکھائی دے گی۔"

تھوڑی دور جا کر کوچوان نے بگھی کو دائیں ہاتھ موڑ کر ایک اور سڑک پر ڈال دیا تو اجنبی چلایا۔ "ٹھہرو! بگھی کو روکو! یہ سڑک اس طرف نہیں جاتی ——!" جب اس کی چیخ پکار بے اثر ثابت ہوئی تو اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر بگھی کے آگے کر دیا۔ حسن نے اپنا گھوڑا بگھی کے ساتھ ملا کر کوچوان سے کہا۔ "بگھی روکو!"

کوچوان نے گھوڑوں کو روکا تو اجنبی نے دروازے کے قریب آ کر کہا۔ "دیکھیے کوچوان آپ کو دوسری سڑک پر لے جا رہا ہے۔"

سعد نے دروازے کا پردہ ہٹاتے ہوئے کہا۔ "یہ کوچوان نیا ہے۔ تم گھوڑے سے اتر کر اس کے ساتھ بیٹھ جاؤ اور اپنا گھوڑا سپاہیوں کے حوالے کر دو۔"

اجنبی کو سعد کی آواز کچھ غیر مانوس سی محسوس ہوئی اور اس نے سوال کیا۔ "آپ کون ہیں؟"

اتنی دیر میں حسن اور اس کے ساتھی اجنبی کے گرد گھیرا ڈال چکے تھے۔ حسن نے اپنی تلوار سے

اس کی ران پر ہلکا سا چوکہ لگایا اور کہا۔ "اتر دا!"

اجنبی کو تلوار کے علاوہ حسن کے دو اور ساتھیوں کے نیزے بھی اپنی طرف بڑھتے ہوئے دکھائی دیے۔ اس کے ساتھ ہی سعد نے بگھی سے کود کر اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ اجنبی مجبوراً گھوڑے سے اتر پڑا۔ سعد نے اس کا عمامہ اتار کر اس کے ہاتھ پاؤں جکڑ دیے اور اسے بگھی کے اندر دھکیلتے ہوئے کہا۔ "میمونہ! تم اس کا خیال رکھو۔ میں گھوڑے پر آتا ہوں۔"

حسن نے کہا۔ "بھائی جان! ہمیں اپنی توقع سے بہت زیادہ وقت مل جائے گا۔ رشید صبح سے پہلے دوسرا ایلچی نہیں بھیجے گا اور انھوں نے بہت زیادہ عقل سے کام لیا تو بھی غالباً دوپہر سے پہلے وہ ادریس کے مکان کی تلاشی نہیں لیں گے۔ صرف ایک خطرہ ہے کہ زیاد کے نوکر یا کوتوال کے سپاہی اس کی تلاش میں وہاں نہ پہنچ جائیں۔"

"مجھے یہ خطرہ نہیں۔ وہ سب جانتے ہوں گے کہ زیاد قرطبہ جا رہا ہے۔ جب وہ دروازے پر بگھی نہیں دیکھیں گے تو دور سے ہی یہ سمجھ کر واپس لوٹ جائیں گے کہ زیاد روانہ ہو چکا ہے زیاد کی تلاش ہر صورت میں دوپہر سے پہلے شروع نہیں ہو گی۔"

علی الصباح وہ ایک غیر آباد علاقے سے گزر رہے تھے۔ کوچوان نے بگھی کو روکتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں قیدی کو یہاں اتار دینا چاہیے۔"

سعد نے سوال کیا۔ "یہاں سے قریب ترین بستی کتنی دور ہو گی؟"

"تین میل کے دائرے میں یہاں کوئی بڑی بستی نہیں۔ کہیں کہیں چرواہوں اور کسانوں کے اکا دکا گھر ہیں اور وہ لوگ ہمارے لیے کسی خطرے کا باعث نہیں ہو سکتے۔ قریب ترین پولیس کی چوکی یہاں سے کوئی آٹھ کوس دور ہو گی۔"

سعد نے قیدی کو بگھی سے اتار کر پہلے ایک درخت کے ساتھ باندھنے کا ارادہ کیا۔ لیکن بعد میں اُسے کچھ خیال آیا اور اس نے کہا۔ "انسانیت مجھے مجبور کرتی ہے کہ میں تمہیں بلا وجہ تکلیف نہ دوں میں تمہیں آزاد کرتا ہوں، تمہارے لیے یہ بہتر ہو گا کہ تم سیدھے اشبیلیہ جاؤ! وہاں ادریس کے مکان میں تمہارا

شہر کا کوتوال بند ہے، اگر تم دوسروں سے پہلے اس کی مدد کے لیے پہنچ جاؤ، تو کم از کم اُسے ممنون کر سکو گے شاید اپنے گھوڑے کے عوض تم اس کے اصطبل سے ایک گھوڑا بھی حاصل کر سکو.... اگر شہزادہ رشید ملے تو اس سے کہنا کہ وہ روزِ حساب کا انتظار کرے"!

سعد نے قیدی کے ہاتھ پاؤں کھول دیے اور بگھی دوبارہ روانہ ہو گئی۔ کوئی دو کوس اور سفر کرنے کے بعد جب وہ ایک گھاٹی پر سے گزر رہے تھے، سعد نے اپنا گھوڑا بڑھا کر کوچوان کو اشارہ کیا اور اس نے بگھی روک لی۔

سعد نے کہا "گھوڑے بہت تھک گئے ہیں۔ میرے خیال میں صبح کے وقت ویسے بھی ہمارا سرکاری بگھی پر سفر کرنا ٹھیک نہیں اگلے شہر سے گزرتے ہوئے ہمیں لوگوں کی توجہ سے بچنا چاہیے"۔

حسن نے کہا "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رشید زیادہ دیر اپنے ایلچی کی واپسی کا انتظار کرنے کی بجائے خود اشبیلیہ چلا گیا ہو اور وہ اس وقت تک ہمارے تعاقب میں روانہ ہو چکا ہو۔ ان گھوڑوں کو تازہ دم کرنے میں ہمیں وقت لگے گا کیوں نہ گھوڑے کھول کر بگھی کو یہاں چھوڑ دیں اور سڑک کی بجائے کوئی دوسرا راستہ اختیار کریں ؟"

"میں یہی سوچ رہا تھا"

کوچوان نے کہا "یہاں سے تھوڑی دور آگے ایک پگڈنڈی ہمارے گاؤں کی طرف جاتی ہے۔ اگر ہم وہاں پہنچ جائیں تو ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔ ہمارا سفر طویل ضرور ہو جائے گا لیکن اس کا ایک یہ فائدہ ہو گا کہ ہم وہاں سے چند میل چلنے کے بعد اس سڑک پر پہنچ جائیں گے جو استجہ سے لوشہ کی طرف جاتی ہے۔ اس سے آگے ہمیں کوئی خطرہ نہیں"۔

سعد نے کہا "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم ان راستوں سے واقف ہو تو میں اس قدر پریشان نہ ہوتا۔ میرے خیال میں بگھی کو ٹھکانے لگانے کے لیے یہ جگہ موزوں ہے"۔

تھوڑی دیر میں وہ گھوڑوں کو کھولنے کے بعد بگھی کو سڑک سے نیچے ایک گہرے کھڈ کی طرف دھکیل چکے تھے۔ بوڑھے نوکر نے میمونہ کا مختصر سامان صندوق سے نکالا اور اُسے

ایک گٹھڑی میں باندھ کر اپنے آگے رکھ لیا۔ حسن اور دوسرے نوکر نے اپنے گھوڑے میمونہ اور اُس کی خادمہ کو دے دیے اور خود بگھی کے گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو گئے کوچوان بھی بگھی کے ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ چوتھا گھوڑا انھوں نے آزاد چھوڑ دیا۔

سڑک چھوڑ کر پگڈنڈی پر کچھ دیر چلنے کے بعد وہ کسانوں کی ایک چھوٹی سی بستی میں پہنچے، ادریس کے سائیس کا گاؤں ابھی چند میل دور تھا لیکن ان کے گھوڑے جواب دے چکے تھے۔ سعد کو مجبوراً اس بستی میں اترنا پڑا۔ کسانوں نے انتہائی خلوص اور محبت سے ان کی میزبانی کی اور ان کے گھوڑوں کے لیے چارہ مہیا کیا۔ تھوڑی دیر قیام کرنے کے بعد وہ وہاں سے روانہ ہوئے۔ غروبِ آفتاب سے قبل وہ دوسرے گاؤں میں پہنچ گئے۔ رات انھوں نے ادریس کے سائیس کے گھر میں کاٹی اور پچھلے پہر وہاں سے کوچ کیا۔

(۷)

اگلی رات وہ لوشہ پہنچ گئے۔ لوشہ کے چند نوجوان غرناطہ کے فوجی مکتب میں سعد کے ساتھ تعلیم پا چکے تھے۔ ان میں سے ایک لوشہ کے قاضی کا لڑکا تھا۔ سعد نے کسی سرائے میں قیام کرنے کی بجائے اس کا گھر تلاش کیا۔ قاضی کے لڑکے نے انتہائی تپاک سے سعد اور اس کے ساتھیوں کا خیر مقدم کیا۔ میمونہ اور اس کی خادمہ مکان کے زنانے حصے میں ٹھہریں اور سعد اور حسن اور نوکروں کو مہمان خانے میں جگہ دی گئی۔ سعد کے دوست اور قاضی نے دلچسپی کے ساتھ سعد کی سرگزشت سنی لیکن جب اس نے یہ کہا کہ ہم علی الصباح روانہ ہو جائیں گے تو قاضی نے کہا "بیٹا ! اب اتنے تکلیف دہ سفر کے بعد خواتین کو آرام کی ضرورت ہے تمھیں یہاں دو تین دن ضرور ٹھہرنا چاہیے۔ اب تم خطرے سے بہت دور آ چکے ہو"۔

سعد کے دوست نے زیادہ شدت کے ساتھ اصرار کیا کہ آپ کو کم از کم کل کا دن آرام لینا چاہیے۔

بالآخر سعد نے کہا "مجھے حسن اور باقی ساتھیوں کے یہاں ٹھہرنے پر کوئی اعتراض نہیں

لیکن میں یہاں سے تیسرے پہر روانہ ہو جاؤں گا۔ مجھے بہت جلد قسطلہ پہنچنا ہے۔ آپ کو مجھے ایک تازہ دم گھوڑا بھی دینا پڑے گا۔"

قاضی نے کہا۔ "آپ گھوڑے کی فکر نہ کریں لیکن قسطلہ آپ کس لیے جا رہے ہیں؟"

"میں آپ سے ذکر کر چکا ہوں، کہ اس لڑکی کا بھائی وہاں گیا ہوا ہے۔ مجھے اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ اگر اسے بروقت خبردار نہ کیا گیا تو اسے گرفتار کر کے قرطبہ پہنچا دیا جائے گا اور وہاں وہ شہزادہ رشید اور اس کے بدطینت مصاحبوں کے رحم و کرم پر ہوگا۔"

قاضی نے کہا۔ "پھر آپ کو ضرور جانا چاہیے۔ اگر آپ ضرورت محسوس کریں تو میں یہاں سے چند آدمی آپ کے ساتھ بھیج سکتا ہوں۔"

سعد نے جواب دیا۔ "نہیں اس کام کے لیے ایک سے زیادہ آدمیوں کی ضرورت نہیں۔"

قاضی نے کہا۔ "اس مہینے کی پندرہ تاریخ کو قاضی ابوالولید کی دعوت پر بیغہ میں قوم کے اکابر اور علماء کا ایک بہت بڑا اجتماع ہوگا۔ مجھے بھی ان کی دعوت آئی ہے۔ غرناطہ سے قاضی ابو جعفر بھی غالباً وہاں تشریف لائیں گے۔ قاضی ابوالولید حال ہی میں اندلس کا دورہ کر کے واپس آئے ہیں۔ وہ غالباً یہ تجویز پیش کریں گے کہ اندلس کے مختلف شہروں کے با اثر علماء ایک وفد کی صورت میں تمام ملوک الطوائف سے ملاقات کریں اور انھیں دشمنانِ اسلام کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنانے پر آمادہ کریں۔"

سعد نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ آج ملوک الطوائف سے زیادہ اسلام کا کوئی اور دشمن نہیں۔ وہ دنیا کی ہر ذلت اور رسوائی قبول کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن اسلام کے نام پر کبھی متحد نہ ہوں گے۔"

"میں تمہارے ساتھ متفق ہوں اور اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ اس اجتماع میں تم جیسے نوجوان موجود ہوں۔"

سعد نے کہا۔ "میں پندرہ تاریخ تک بیغہ پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

(۸)

مکان کے دوسرے حصے میں میمونہ عشاء کی نماز پڑھنے اور کھانا کھانے کے بعد گھر کی خواتین کے ساتھ باتیں کرتے کرتے سو گئی۔ صبح کے وقت جب وہ گہری نیند سے بیدار ہوئی تو اس کی خادمہ اُسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہہ رہی تھی۔ "میمونہ! میمونہ!! اٹھو! نماز کا وقت جا رہا ہے!" میمونہ نے جلدی جلدی وضو کر کے نماز ادا کی اور خادمہ سے کہا۔ "دیکھو تم نے مجھے ذرا سویرے کیوں نہ جگا دیا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم پچھلے پہر روانہ ہو جائیں گے۔ اتنی دیر ہو گئی۔ اب جا کر اُن سے کہو، کہ میں تیار ہوں۔"

سعد کے دوست کی بہن جو پہلی ملاقات میں ہی میمونہ کے ساتھ بے تکلف ہو چکی تھی اُس کے قریب آ کر بولی۔ "بہن تیاری کی ضرورت نہیں، آج آپ یہیں رہیں گی۔ رات ابا جان نے ان سے اجازت لے لی تھی۔"

میمونہ نے اپنی خادمہ سے کہا۔ "یہ مذاق کرتی ہیں۔ جاؤ ان سے پوچھ کر آؤ!"

خادمہ نے جواب دیا۔ "وہ تو تیسرے پہر یہاں سے قسطلہ روانہ ہو گئے تھے۔"

"روانہ ہو گئے؟"

"ہاں میں ابھی حسن سے پوچھ کر آئی ہوں۔"

میمونہ کے چہرے پر اچانک اداسی چھا گئی۔ سعد اُسے راستے ہی میں بتا چکا تھا کہ وہ لوشہ پہنچنے کے بعد قسطلہ روانہ ہو جائے گا لیکن اُسے یہ توقع نہ تھی کہ وہ جانے سے پہلے خدا حافظ بھی نہیں کہے گا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ یہاں سے ایک ساتھ کوچ کریں گے اور شہر کے کسی چوراہے پر سعد اُن سے علیحدہ ہو جائے گا ــــ قسطلہ میں سعد کی مہم خطرات سے خالی نہ تھی اور میمونہ راستے میں جب یہ سوچا کرتی تھی کہ وہ کن الفاظ کے ساتھ اُسے رخصت کرے گی تو اسے اکثر یہ محسوس ہوتا تھا کہ الفاظ اس کے دل کی گہرائیوں میں دبے ہوئے احساسات کی ترجمانی کے لیے کافی نہیں اور اب جبکہ وہ اُسے خدا حافظ کہے بغیر رخصت ہو چکا تھا، سینکڑوں الفاظ اس کے ذہن میں آ رہے تھے۔ آپ واپس کب آئیں گے؟ میں آپ کی راہ دیکھا کروں گی۔ دیکھیے یونہی کوئی خطرہ مول نہ لیجیے۔ آپ تنہا جا رہے ہیں اور وہ بھی اتنی دور ــــ کاش میں آپ کے ساتھ جا سکتی۔ کاش! میمونہ کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔

ایک نئی مُہم

سعد کی ماں ظہر کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگ رہی تھی کہ اُسے صحن میں کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ اس نے دُعا ختم کرکے دروازے کی طرف دیکھا تو سامنے حسن کھڑا تھا، ماں کا مرجھایا ہوا چہرہ مسرت سے چمک اٹھا۔ وہ اٹھی، حسن نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔

"سعد کہاں ہے؟" ماں نے پوچھا۔

"امّی جان وہ ہمیں لوشہ پہنچا کر قسطلہ چلے گئے ہیں۔ چند دنوں تک آ جائیں گے۔ ادریس کی ہمشیرہ میرے ساتھ آئی ہیں۔ وہ صحن میں کھڑی ہیں۔"

"کون میمونہ؟" حسن کی ماں یہ کہہ کر باہر نکل آئی۔ صحن میں میمونہ اور اس کی خادمہ کھڑی تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کر میمونہ کو گلے لگایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آئی۔

حسن نے اصطبل میں گھوڑے بندھوائے اور نوکروں کو ڈیوڑھی کے ساتھ والے کمرے میں بٹھا دیا۔ اتنی دیر میں احمد اور الماس جو پاس ہی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گئے ہوئے تھے آ گئے۔ الماس نے حسن کو دیکھتے ہی بلند آواز میں کہا "حسن! خدا کی قسم اگر آج تم لوگ نہ آتے تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے اشبیلیہ جانے سے نہ روک سکتی۔ احمد سے پوچھو۔ میں نے آج صبح قسم کھائی تھی کہ اگر سورج غروب ہونے سے قبل تمہاری کوئی اطلاع نہ ملی تو میں روانہ ہو جاؤں گا۔"

حسن نے کہا "چچا یہ بھائی جان کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی۔"

"اچھا بھئی شکر ہے تم آ گئے۔ سعد کہاں ہے؟"

"وہ ادریس کو لانے کے لیے قسطلہ چلے گئے ہیں۔"

"سچ کہو!"

"ہاں چچا! وہ ہمیں ۔۔۔ پہنچانے کے بعد وہاں روانہ ہو گئے تھے۔"

"تو میں بھی جاؤں گا!"

"آپ کو جانے کی ضرورت نہیں وہ انشاءاللہ آٹھ دس دنوں تک واپس آ جائیں گے۔"

"اچھا مجھے تمام واقعات بتاؤ۔ سعد کو کوئی خطرہ تو نہیں؟"

"نہیں چچا۔ آپ فکر نہ کریں۔" یہ کہہ کر حسن نے قرطبہ سے احمد کی روانگی کے بعد کے تمام واقعات مختصراً بیان کر دیے۔ مکان کے ایک کمرے میں سعد کی والدہ میمونہ کی زبان سے یہی واقعات سن رہی تھی۔

سعد کی ماں کے ساتھ پہلی ملاقات میں ہی میمونہ یہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ اس گھر میں اجنبی نہیں۔

شام کے وقت سعد کی خالہ آئی اور میمونہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اگلے دن وہ پھر آئی اور سارا دن میمونہ کے پاس بیٹھی رہی اس کے بعد اس کا معمول تھا کہ وہ دن میں کم از کم ایک بار میمونہ کو دیکھنے کے لیے ضرور آتی تھی۔ ایک دن وہ میمونہ کے لیے نئے کپڑوں کے چار جوڑے لے آئی۔

میمونہ نے کہا "خالہ جان آپ نے خواہ مخواہ تکلیف کی۔ میرے پاس پہلے ہی کئی فالتو جوڑے ہیں۔ کل امی جان نے بھی دو جوڑے منگوا دیے تھے۔"

"بیٹی! یہ حسن کے خالو نے بھیجے ہیں۔ وہ تمہیں اپنی بیٹی بنا چکے ہیں۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ تم ہمارے گھر آ کر رہو!"

"لیکن یہ بھی تو آپ ہی کا گھر ہے۔" یہ کہتے ہوئے میمونہ نے ایک لاجوردی رنگ کا ریشمی جوڑا نکالا اور کچھ دیر بے حس و حرکت بیٹھی اس کی طرف دیکھتی رہی۔ حسن کی خالہ نے کہا "بیٹی! یہ رنگ میں نے پسند کیا تھا۔"

میمونہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے کہا "میری اماں کو یہ رنگ بہت پسند تھا۔ وہ ہمیشہ مجھے یہی رنگ پہننے پر مجبور کیا کرتی تھیں۔"

حسن کی خالہ نے کہا۔ "بیٹی! مجھے بھی اپنی ماں سمجھو!"

رات کے وقت میمونہ اپنے بستر پر لیٹی حسن کی ماں کے ساتھ باتیں کر رہی تھی حسن کی ماں نے کہا۔ "میمونہ! میری آپا جان کے کوئی اولاد نہیں۔ وہ مُصر ہیں کہ تم ان کے ہاں رہو۔"

میمونہ نے کہا۔ "امی جان! اگر آپ اجازت دیں تو میں ان کی خدمت کرنا اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھوں گی۔"

"اگر تم ان کی دلجوئی کر سکو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔"

اگلی صبح میمونہ حسن کی والدہ اور اپنی خادمہ کے ساتھ اس کی خالہ کے گھر میں داخل ہوئی تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ تھوڑی دیر میں وہ آس پاس کے گھروں کی خواتین کو بلا کر یہ کہہ رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عمر بھر کی دُعاؤں کے بدلے ایک جوان بیٹی عطا کی ہے اس کے بعد میمونہ رات کے وقت حسن کی خالہ کے گھر رہتی اور دن کے وقت کبھی کبھی حسن کی ماں کے پاس چلی جاتی۔ ادریس کے دو نوکروں نے تین دن سعد کے گھر قیام کرنے کے بعد اپنے گھر جانے کی اجازت مانگی۔ احمد نے انھیں ایک ایک گھوڑا اور میمونہ نے اپنی ذاتی پونجی میں سے پچاس پچاس دینار دے کر رخصت کیا۔ بوڑھے نوکر کو میمونہ کی سفارش پر حسن کے خالو نے اپنے پاس رکھ لیا۔

(۲)

شیخ ابو صالح اور اس کی بیوی ہر ممکن طریقے سے میمونہ کی دلجوئی کیا کرتے تھے۔ حسن، احمد اور ان کی والدہ بھی اس کے ساتھ انتہائی شفقت سے پیش آتے تھے لیکن اس کے باوجود میمونہ کبھی کبھی بے حد پریشان نظر آیا کرتی تھی۔ سعد اور اپنے بھائی کے متعلق اس کے دل میں طرح طرح کے خدشات پیدا ہو رہے تھے۔ یہ جاننے کے باوجود کہ قسطلہ بہت دور ہے اور وہاں سے وہ جلدی واپس نہیں آسکتے، میمونہ صبح شام ان کا انتظار کیا کرتی تھی ہر نئی صبح اور ہر نئی شام اس کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا..... وہ کبھی کبھی کسی بات پر مسکراتی لیکن اچانک اس کا چہرہ پژمردہ ہو جاتا۔

ایک شام وہ صحن میں بیٹھی ہوئی تھی کہ اچانک حسن اندر داخل ہوا اور اس نے کہا۔ "آپا جان! آپا جان!! بھائی ادریس آگئے!"

"کہاں ہیں وہ؟" اس نے اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

حسن نے پیچھے مُڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "آئیے بھائی جان!"

ادریس اندر داخل ہوا۔ میمونہ اُٹھ کر آگے بڑھی اور بے اختیار اپنے بھائی سے لپٹ گئی۔

ادریس نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "تم رو رہی ہو میمونہ!... پگلی کہیں کی!"

میمونہ نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر سر سے پاؤں تک اپنے بھائی کی طرف دیکھا اور کہا۔ "بھائی جان آپ خوشی کے آنسو بھی نہیں پہچان سکتے؟"

حسن کی خالہ نے ایک کمرے سے نکل کر کہا۔ "حسن! سعد کہاں ہے؟"

حسن نے جواب دیا۔ "خالہ جان وہ نہیں آئے۔"

میمونہ اب خوشی کے آنسو بہانے کی بجائے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اپنے بھائی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا گلابی چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

خالہ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "کیا کہا سعد نہیں آیا؟"

ادریس نے کہا۔ "جی وہ بیغہ ٹھہر گیا ہے۔ وہاں ایک اجلاس ہو رہا ہے۔ وہ تین دن تک آجائیگا۔"

زندگی کی تمام رعنائیاں اور دلفریبیاں پھر ایک بار میمونہ کے چہرے پر مرکوز ہو رہی تھیں "یہ میرے بھائی ہیں!" اس نے بوڑھی خالہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"بیٹی تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے بھائی کو بھی نہیں پہچان سکتی۔ چلو بیٹا اندر بیٹھو!"

ادریس نے کہا۔ "اب نماز کا وقت ہونے والا ہے۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

"اچھا مجھے پہلے یہ بتاتے جاؤ کہ سعد بخیریت ہے نا؟"

"جی ہاں وہ بالکل ٹھیک ہے۔"

میمونہ نے کہا: "وہ آپ کو قسطلہ میں ملے تھے؟"

ادریس نے جواب دیا "نہیں، وہ مجھے واپسی پر راستے میں مل گئے تھے۔"

میمونہ نے کہا "ٹھہریئے بھائی جان! مجھے اپنی سرگزشت سنا کر جائیے!"

ادریس نے کہا "میں قسطلہ سے واپس آرہا تھا۔ اشبیلیہ کی سرحد کی بیرونی چوکی پر مجھے پولیس کے ناظمِ اعلیٰ کا حکم ملا کہ میں گھر جانے کی بجائے سیدھا قرطبہ کا رُخ کروں۔ میں نے اصرار کیا کہ میں پہلے گھر جاؤں گا۔ چنانچہ چوکی کے داروغہ نے مجھے حکم عدولی کے جرم میں گرفتار کر لیا اور چار سپاہیوں کے پہرے میں قرطبہ کی طرف روانہ کر دیا۔ ہم وہاں سے کوئی دو کوس گئے ہوں گے کہ پیچھے سے ایک سوار سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا ہم سے آملا۔ اس نے سپاہیوں سے قرطبہ کا راستہ پوچھنے کے بہانے سے گھوڑا روکا اور پھر اپنے خود کا نقاب سرکا کر میری طرف دیکھنے کے بعد گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ یہ سعد تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟" بوڑھی خالہ نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"پھر تھوڑی دور آگے جا کر اس نے مجھے قید سے چھڑا لیا ـــ ہم چند درختوں کے قریب سے گزر رہے تھے کہ اچانک ایک درخت کی آڑ سے یکے بعد دیگرے چند تیر آئے۔ دو سپاہی زخمی ہو گئے اور دو بھاگ گئے۔"

بوڑھی خالہ نے کہا "بیٹا اتنی جلدی نہ کرو۔ تم نماز پڑھ کر آؤ۔ میں سارا واقعہ سنوں گی۔"

(۳)

بیغہ میں قاضی ابوالولید کے مکان کے ساتھ ایک کھلے میدان میں قوم کے اکابر کا اجلاس ہو رہا تھا۔ اس اجلاس میں دو سو ایسے بااثر علماء شریک تھے، جو قاضی ابوالولید کی دعوت پر اندلس کے مختلف مقامات سے اس جگہ جمع ہوئے تھے۔ زیادہ تعداد ان جوشیلے لوگوں کی تھی جنہیں حالات نے کچھ عرصے سے قوم کے مستقبل کے متعلق سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ غرناطہ کا مشہور عالم قاضی ابوجعفر اس جلسے کا صدر تھا اور قاضی ابوالولید کی اس تجویز پر بحث ہو رہی

تھی کہ علما کا ایک وفد اندلس کے تمام حکمرانوں کے پاس جائے اور ان سے مطالبہ کرے کہ وہ نصرانی خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے متحد اور منظم ہو جائیں۔ پہلے دن جن مقررین نے اس بحث میں حصہ لیا ان میں سے اکثر اس تجویز کے حامی تھے۔ بعض ایسے بھی تھے جو اس مہم کی کامیابی کے متعلق پرامید نہ تھے۔ تاہم انھوں نے بھی اس چیز کی مخالفت نہ کی۔ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمیں ملوک الطوائف سے کوئی توقع نہیں، پھر بھی ہمیں کوشش ضرور کرنی چاہیے۔

سعد پہلے دن ایک خاموش تماشائی کی حیثیت میں اس جلسے کی کارروائی سنتا رہا۔ آدھی رات کے بعد جلسے کی کارروائی اگلے دن پر ملتوی ہوئی۔

سعد نے باقی رات ایک سرائے میں قیام کیا۔ علی الصباح جب وہ نماز کے لیے مسجد میں گیا تو قاضی ابوجعفر وہاں موجود تھے۔ انھوں نے اُسے دیکھتے ہی سوال کیا "سعد تم یہاں کب آئے تھے؟"

"میں پرسوں پہنچا تھا۔"

"غرناطہ میں مجھے احمد ملا تھا، اس نے مجھے تمہاری سرگزشت سنائی تھی۔ اب تمہارا زخم کیسا ہے؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"اس اجتماع کی کارروائی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میں حیران ہوں کہ ابھی تک ہمارے بزرگ ہوائی قلعے تعمیر کر رہے ہیں۔ میں اس تجویز کے متعلق صرف آپ کے خیالات سننے کے لیے ٹھہر گیا ہوں۔"

"تم مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو؟"

"میں آپ سے صحیح رہنمائی کی توقع رکھتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ ابنِ عمار اور معتمد نے جو سبق ہمیں دیا ہے اس کی روشنی میں آپ ان لوگوں کو صحیح راستہ بتا سکیں گے۔"

قاضی ابوجعفر نے قدرے توقف کے بعد کہا "میری ذاتی رائے کچھ بھی ہو۔ مجھے صدر کی حیثیت میں اس مجلس کے متفقہ فیصلے کا احترام کرنا پڑے گا۔ لیکن میں حیران ہوں کہ اس

مجلس میں تم جیسا نوجوان بھی خاموش بیٹھا رہا!"

سعد نے کہا: "مجھے ڈر تھا کہ اتنی برگزیدہ شخصیتوں کی موجودگی میں کوئی میری رائے سننے کے لیے تیار نہ ہوگا۔"

"آج قوم کو ان بڈھوں اور اپاہجوں کی بجائے ان سر پھرے جوانوں کی رہنمائی کی ضرورت ہے جن کی رگوں میں زندگی کا خون ہے۔ میں آج کے اجتماع میں تمہیں اپنے خیالات ظاہر کرنے کی دعوت دوں گا۔ چلو!"

سعد قاضی ابوجعفر کے ساتھ باتیں کرتا ہوا جلسہ گاہ میں پہنچا۔ لوگ وہاں جمع ہو رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد دوسری مجلس کی کاروائی شروع ہوئی۔ اب وہ علماء جنہوں نے ابھی تک اس بحث میں حصہ نہیں لیا تھا، باری باری اس تجویز کی تائید کر رہے تھے۔

جب تمام علماء اپنی اپنی رائے کا اظہار کر چکے تھے تو قاضی ابوجعفر نے سعد کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "سعد! تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

سعد اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے جھجکتے ہوئے اپنی تقریر شروع کی:

"بزرگانِ ملت! یہ اندلس کی بدقسمتی ہے کہ آپ حضرات کو جو کام کئی برس پہلے شروع کرنا چاہیے تھا، وہ آپ آج کر رہے ہیں۔ ہماری اجتماعی بے حسی کے باعث اندلس پر وہ لوگ مسلط ہو چکے ہیں جن کے ساتھ کوئی نیک توقع وابستہ کرنا اپنے آپ کو دھوکا دینے کے مترادف ہوگا۔ آپ یہ چاہتے ہیں، کہ اندلس کو نصرانیوں کی چیرہ دستیوں سے نجات دلانے کے لیے ملوک الطوائف کو متحد اور منظم کیا جائے ———— آپ یہ چاہتے ہیں کہ وہ صلیب کے علمبرداروں کے مقابلے میں اسلام کا جھنڈا بلند کریں لیکن آپ کو یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جنہیں اسلام کے ناموس اور قوم کی آزادی سے کہیں زیادہ الفانسو کی دوستی عزیز ہے۔ جو

حکمران اپنی رعایا کا خون چوس کر الفانسو کو خراج مہیا کرتے ہیں۔ آپ ان سے کیا توقع کر سکتے ہیں؟ ان سے کسی بھلائی کی امید رکھنا ماضی کا منہ چڑانے اور حال سے آنکھیں بند کر لینے کے مترادف ہوگا۔

میرے بزرگو! میں آپ کے خلوص پر شبہ کرنا گناہ سمجھتا ہوں لیکن اگر آپ لکڑی کے گھوڑوں پر سوار ہو کر کوئی بازی جیتنا چاہتے ہیں تو یہ ایک خام دفریبی ہوگی۔ یہ لوگ مر چکے ہیں، ان کی لاشیں متعفن ہو چکی ہیں اور اب کوئی معجزہ ہی انھیں قبروں سے نکال کر اسلام کے غازیوں کی صف میں کھڑا کر سکتا ہے۔ یہ خدا اور رسولؐ کے باغی ہیں۔ اگر ان میں کوئی انسانیت تھی تو وہ خوشامدی شاعروں نقالوں اور مسخروں کی ہم نشینی کے باعث رخصت ہو چکی ہے۔

حضرات! مجھے اس مہم میں آپ کی کامیابی کی امید نہیں۔ اگر محفلیں آراستہ کرنے، آوارہ عورتوں سے بے غیرتی کے مظاہرے کروانے، دستر خوان سجانے اور شاہانہ تکلفات کی نمائش کرنے سے ہم اپنے دشمن کو مرعوب کر سکتے تو یہ لوگ ہمارے کام آ سکتے تھے۔ اگر جنگ کے میدان میں سپاہیوں کی تلواروں کی بجائے شاعروں کے قصائد کام آ سکتے تو صرف معتمد کے درباری شاعر ہی ساری دنیا کے شعراء کا ناطقہ بند کر سکتے ہیں۔ لیکن آپ سب کو معلوم ہے، ان میں سے کوئی چیز قوم کی قسمت نہیں بنا سکتی، اس لیے ان لوگوں کے پیچھے بھاگنے سے ہمیں مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ لوگ جو قوم کے آنسوؤں سے اپنے قہقہوں کا سامان مہیا کرنے کے عادی ہو چکے ہیں جنگ کی کلفتوں اور مصیبتوں میں قوم کا ساتھ نہیں دیں گے!"

ایک شخص نے اُٹھ کر سوال کیا۔ "تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ ہم ملوک الطوائف سے قطعی مایوس ہو کر یہ سمجھ لیں کہ اندلس میں مسلمانوں کی آزادی کے دن گنے جا چکے ہیں اور

ہمارے لیے ترکِ وطن کے سوا کوئی راستہ نہیں؟"

سعد کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا، اس نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا:

"نہیں، میرے متعلق آپ کو غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ میں اندلس کی خاک کے ایک ایک ذرے کے لیے اپنا خون بہاؤں گا۔ میں صرف آپ حضرات کو غلط امیدوں کے چکر سے نکالنا چاہتا ہوں۔ میں اس تجویز کا مخالف ہوں کہ میدانِ جنگ میں بھی عوام کی قیادت ملوک الطوائف کو سونپ دی جائے۔ اگر ہم اسلام کے لیے زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ہمارے لیے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ہم عوام کو ان جاہ پسندوں کے تخت و تاج کی حفاظت کی بجائے اسلام کی حفاظت کے لیے بیدار کریں۔ اندلس کی حفاظت کا مسئلہ آج ان لوگوں کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے جو مسلمان رہ کر زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ ہمیں ان امراء کے مرمریں ایوانوں کی بجائے عوام کے جھونپڑوں کی طرف توجہ دینا چاہیے۔ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم آج ہی یہ کام شروع کر دیں۔ ہمارے راستے میں بہت سی مشکلات ہوں گی۔ برسرِ اقتدار طبقہ اسلام کے نام پر عوام کی بیداری کو اپنے لیے ایک خطرہ سمجھے گا لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ہم نیک نیتی اور صبر و استقلال کے ساتھ خدا اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر چلیں تو ہم ہر خطرے کے مقابلے میں ایک ناقابلِ تسخیر چٹان ثابت ہو سکتے ہیں۔ بزرگانِ دین! آج یہ حالت ہے کہ دشمن کیل کانٹے سے لیس ہو کر ہمیں میدان میں للکار رہا ہے اور آپ مردہ گھوڑوں پر زینیں ڈالنے کی فکر میں ہیں۔ میں آپ کی نیک نیتی پر شبہ نہیں کرتا۔ لیکن جب آپ ملوک الطوائف کو قریب سے دیکھیں گے تو آپ یہ محسوس کریں گے کہ ہماری سہل انگاری نے روئے زمین کی تمام ذلتوں کو چند گٹھڑیوں میں باندھ کر قوم کی پیٹھ پر لاد دیا ہے۔ آئیے قوم کو جہد و عمل

کا راستہ دکھانے سے پہلے اسے اس ذلیل بوجھ سے آزاد کر دیں۔

(۴)

سعد کی تقریر کے بعد بحث کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ بعض مقررین نے انتہائی شدومد کے ساتھ سعد کے خیالات کی حمایت کی لیکن علماء کی اکثریت اپنی رائے پر قائم رہی۔ چند معترضین کا جوش و خروش دیکھ کر قاضی ابوالولید نے ابوجعفر سے اپیل کی، کہ اگر آپ ہمیں موقع دیں تو ہم چھ ماہ کے اندر آپ کو اپنی کارگزاری کے نتائج سے آگاہ کر سکیں گے۔"

قاضی ابوجعفر نے اپیل کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "حضرات! میری رائے آپ سب کو معلوم ہے۔ سعد بن عبدالمنعم بہت حد تک میرے خیالات کی ترجمانی کر چکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں آپ کے اس ارادے کی مخالفت نہیں کروں گا کہ ملوک الطوائف کو اصلاح کا آخری موقع دیا جائے۔ ان لوگوں سے اس تمام نفرت اور حقارت کے باوجود جس کا اظہار میری قلم اور زبان سے کئی بار ہو چکا ہے۔ میں یہ دعا کرتا ہوں کہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کے یہ باغی راہِ راست پر آ جائیں اور وہ ملت فروش کہلانے کی بجائے اسلام کے غازی بن جائیں۔ علماء کے وفد کی قیادت کے لیے قاضی ابوالولید نہایت موزوں ہوں گے اور یہ بہتر ہوگا کہ وہ خود ہی ارکان وفد منتخب کریں..... لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ وہ حضرات جو میری طرح اس مہم کے متعلق بہت زیادہ پرامید نہیں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائیں۔ ہمیں اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے قوم کو تیار کرنا چاہیے جو اس مہم کی ناکامی کے باعث پیدا ہو سکتی ہے۔ اگر ملوک الطوائف اپنی اصلاح پر آمادہ نہ ہوئے تو ہمیں ان کے ساتھ ٹکر لینی پڑے گی۔ بیک وقت اندرونی اور بیرونی خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں بہت بڑی قوت کی ضرورت ہوگی اور ایسی قوت کو فراہم کرنے کے لیے ہمیں ابھی سے کام شروع کر دینا چاہیے۔ مجھے یہ اعتراف کرنے دیجیے کہ آج تک ہم نے جو کام کیا ہے وہ بہت حد تک نمائشی تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری عزت اور آزادی کے اندرونی اور بیرونی دشمن بہت زیادہ چوکنے ہو گئے ہیں۔ اس مجلس میں

کئی نوجوان موجود ہیں۔ میں ان نوجوانوں کو یہ مشورہ دوں گا، کہ تم قوم کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لیے دن رات ایک کردو۔ وقت کا نقیب زندگی کی رزمگاہ میں کھڑا تمہیں پکار رہا ہے۔ اپنی کمانیں درست کرلو۔ اپنے ترکش تیروں سے بھرلو۔ پھر شاید ہم میں سے کوئی تمہیں یہ بتا سکے کہ تمہارا ہدف کیا ہے۔"

قاضی ابوالولید نے اٹھ کر وفد کے سات ارکان کے ناموں کا اعلان کیا اور یہ مجلس برخاست ہوئی۔

چند آدمی جلسہ برخاست ہوتے ہی سعد کے گرد جمع ہوگئے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ ایک سرائے میں ٹھہرا ہوا ہے تو بعض نے اُسے اپنے پاس ٹھہرانے پر اصرار کیا لیکن سعد نے کہا" میں آج ہی یہاں سے روانہ ہونا چاہتا ہوں۔ کئی آدمی ابوجعفر کے گرد جمع ہوگئے لیکن وہ انھیں اِدھر اُدھر ہٹاتا ہوا سعد کے قریب پہنچا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے بولا" سعد! تم گھر جانے سے پہلے مجھ سے ضرور ملو۔ میں تم سے ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔ ظہر کی نماز کے بعد میرے پاس آجاؤ۔"

قاضی ابوجعفر ابوالولید کے ہاں مہمان تھے۔ سعد نماز کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے کرسی سے اٹھ کر سعد کے ساتھ مصافحہ کیا اور اسے اپنے قریب ایک کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا" مجھے اندیشہ ہے کہ چند ماہ کے بعد یہ علماء پھر کسی جگہ جمع ہوں گے تو انہیں یہ اعلان کرنا پڑے گا کہ ہم نے اپنا وقت ضائع کیا ہے۔ اپنی نیک دعاؤں کے باوجود مجھے اس مہم کی کامیابی کی امید نہیں۔ ملوک الطوائف اسلام سے بہت دور جا چکے ہیں۔ ان سے کوئی نیک توقع کرنا عبث ہے۔ ہمارے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ ہم عوام کو بیدار کریں۔ ہر شہر اور بستی میں گمنام کارکنوں کی جماعتیں تیار کی جائیں، جن کا نصب العین جمہور کو اسلام کے نام پر بیدار کرنا ہو۔ لیکن تم جانتے ہو کہ اس مقصد کی تکمیل کے لیے ایک طویل عرصہ درکار ہوگا۔ ملوک الطوائف اندلس میں اسلام کے احیا کی تحریک کو اپنے ذاتی اقتدار کے لیے خطرناک سمجھ کر فوراً ہمارے خلاف متحد ہوجائیں گے۔ وہ جانتے ہیں کہ جو ہاتھ اسلام کا جھنڈا بلند کریں

گے۔ وہ کسی دن ان ملت فروشوں کی قبائیں نوچنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ پھر بھی اگر ہم چند سال صبر اور سکون کے ساتھ کام کرسکیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمیں کامیابی نہ ہو لیکن شمال سے عیسائیوں کا سیلاب جس تندی اور تیزی سے آرہا ہے، وہ شاید ہمیں زیادہ دیر کام کرنے کی مہلت نہ دے۔ ان حالات میں افریقہ کے مسلمان ہماری آخری امید ہوں گے۔ اس وقت جب کہ قریباً تمام عالم اسلام پر ایک جمود طاری ہورہا ہے، افریقہ میں ایک نئی طاقت ظہور میں آرہی ہے۔ میں مرابطین کے امیر یوسف بن تاشفین کے متعلق بہت کچھ سُن چکا ہوں۔ اس نے الجزائر سے لے کر طنجہ تک تمام بربری قبائل کو متحد کرنے کی مہم شروع کر رکھی ہے۔ اس کی نیکی اور پاکبازی کے باعث افریقہ کے طول و عرض میں صالحین کے گروہ اس کے گرد جمع ہورہے ہیں۔ اب تک وہ سینکڑوں سرکش اور باغی قبائل کے سرداروں سے اپنا لوہا منوا چکا ہے۔ ہزاروں غیر مسلم اس کی سیرت اور کردار سے متاثر ہوکر کلمۂ توحید پڑھ چکے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ اولوالعزم مجاہد آگے چل کر اس دور کا رجلِ عظیم ثابت ہو۔ دو سال قبل جب میں حج پر گیا تھا تو افریقہ کے کئی فقہا اور شیوخ سے میری ملاقات ہوئی تھی، وہ اس کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ حج سے واپس آکر میں نے تین علماء کو اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ یوسف بن تاشفین سبتہ سے سینکڑوں میل جنوب کی طرف سرکش قبائل کی بغاوت فرو کرنے کے لیے گیا ہوا تھا۔ یہ لوگ سبتہ میں بیٹھ کر اس کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ چند ہفتوں کے بعد ایک کی طبیعت خراب ہوئی اور وہ واپس آگیا۔ باقی دو انتظار سے تنگ آکر صحرا میں اس کی قیام گاہ تک پہنچے لیکن گرمی کی شدت کے باعث ایک کو اندلس کی یاد نے ستایا اور وہ بھی واپس چلا آیا۔ تیسرے نے ذرا ہمت سے کام لیا۔ امیر یوسف نے اس کی آؤ بھگت کی اور اس سے درخواست کی کہ تم یہاں رہ کر اسلام کی تبلیغ کرو۔ وہ تین مہینے امیر یوسف کے ساتھ رہا لیکن اس کے بعد وہ بھی یہ کہہ کر واپس چلا آیا کہ یہاں کسی ایسے انسان کی ضرورت ہے۔ جو بربریوں کی زبان سمجھ سکتا ہو حقیقت یہ

تھی کہ یہ لوگ تن آسان تھے۔ وہاں صرف ایسے لوگ کام کر سکتے ہیں جو پرلے درجے کے جفاکش ہوں۔ اگر میری عمر اور صحت میرے ارادے میں حائل نہ ہو تو میں خود غرناطہ کی بجائے ان لوگوں کے ساتھ صحراؤں اور جنگلوں میں رہنے کو ترجیح دوں۔"

سعد نے کہا "میں وہاں جانے کے لیے تیار ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں جو کام آپ میرے سپرد کریں گے اُسے پورا کیے بغیر واپس نہیں آؤں گا۔ میں اہلِ بربر کی زبان بھی جانتا ہوں"

ابو جعفر نے چونک کر کہا "تم بربری زبان جانتے ہو! مجھے اس بات کا علم نہ تھا ورنہ میں پچھلے سال ہی یہ مہم تمہارے سپرد کر دیتا..... اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ تمہیں قدرت میرے پاس لے آئی ہے۔ تم فوراً مراکش جانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ وہاں تمہارا پہلا کام یہ ہوگا، کہ تم یوسف بن تاشفین تک رسائی حاصل کرو۔ بربری فوج کے تمام شیوخ اور فقہا سے رابطہ پیدا کرو اور پھر جب یہ دیکھو کہ تمہاری آواز کوئی اثر رکھتی ہے تو انھیں اس خطرۂ عظیم سے آگاہ کرو۔ جو عالمِ اسلام کے خلاف الفانسو کی شخصیت میں نمودار ہو رہا ہے۔ یوسف بن تاشفین کی تلوار اگر اسلام کے لیے بے نیام ہوئی تو یہ ممکن نہیں کہ وہ اندلس کے مسلمانوں کی تباہی ایک خاموش تماشائی کی حیثیت میں دیکھ سکے۔ اندلس کے خواص اور عوام بربریوں کو جاہل اور خونخوار سمجھتے ہیں اور موجودہ مصائب کے باوجود وہ شاید اندلس کے معاملات میں اہلِ بربر کی مداخلت گوارا نہ کریں۔ لیکن جب الفانسو کی افواج اشبیلیہ اور قرطبہ تک پہنچ جائیں گی تو اندلس کا ہر مسلمان ان لوگوں کو اپنا نجات دہندہ سمجھنے پر مجبور ہو جائے گا۔ شاید ملوک الطوائف بھی اُسے اپنا آخری سہارا سمجھیں۔ سعد! میں جانتا ہوں کہ یہ مہم بہت کٹھن ہے۔ اندلس میں بہت کم نوجوان ایسے ہوں گے جو اپنا گھر بار چھوڑ کر افریقہ کے جنگلوں اور صحراؤں میں رہنا پسند کریں گے لیکن یاد رکھو قوم کی عزت اور آزادی کی تاریخ گمنام مجاہدوں کے خون اور پسینے سے لکھی جاتی ہے۔ افریقہ پہنچ کر اگر تمہیں کامیابی کی کوئی امید نظر نہ آئے تو واپس چلے آؤ۔ لیکن اگر تم یہ دیکھو، کہ تم وہاں چند مہینے یا چند برس رہ کر یوسف بن تاشفین کو مسلمانانِ

اندلس کی مدد کے لیے آمادہ کر سکتے ہو تو تم وہیں رہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم کسی دن اندلس کے نجات دہندہ بن کر آؤ گے۔ اگر یوسف بن تاشفین کے متعلق میری توقعات صحیح نہ بھی ہوں تو میں یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ زندگی کی جو آگ اندلس میں سرد ہو چکی ہے، افریقہ میں ابھی تک سرد نہیں ہوئی ـــ وہاں تمہیں کوئی نہ کوئی مردِ مجاہد ضرور مل جائے گا۔"

قاضی ابو جعفر کی گفت گو کے دوران سعد کا دل اور دماغ کہیں اور تھا۔ وہ افریقہ کے صحراؤں جنگلوں اور پہاڑوں میں گھوم رہا تھا۔ افریقہ کے رجلِ عظیم کی مختلف تصویریں اس کے ذہن میں آ رہی تھیں

(۵)

ادریس کو شیخ ابو صالح نے اپنے کاروبار میں حصہ دار بنا لیا تھا اور وہ دن کے وقت عام طور پر باہر رہا کرتا تھا۔ شیخ ابو صالح کا مکان سعد کے مکان سے کوئی تین سو گز دور تھا۔ میمونہ ہر روز کبھی شیخ کی بیوی اور کبھی اپنی خادمہ کے ساتھ سعد کی ماں کے پاس چلی جاتی اور جب کبھی اُسے دیر ہوتی سعد کی ماں خود اس کے پاس آجاتی۔

ایک دن صبح کی نماز کے بعد میمونہ اپنی خادمہ کے ساتھ ادریس کے گھر جانے کی نیت سے باہر نکلی تو دروازے سے چند قدم دور اُسے سعد دکھائی دیا۔ وہ ایک ثانیہ کے لیے رُکی اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی واپس لوٹ آئی اور بیرونی دروازے کے ایک نیم واکواڑ کی آڑ میں کھڑی ہو کر باہر جھانکنے لگی۔ سعد خادمہ کے قریب آکر رُکا۔ وہ پوچھ رہا تھا "میمونہ کیسی ہے؟ خالہ جان کیسی ہیں؟"

میمونہ زیادہ دیر وہاں کھڑی نہ رہ سکی۔ شیخ کی بیوی اچانک کمرے سے باہر نکلی اور اُس نے آواز دی "میمونہ بیٹی تم ابھی تک یہیں ہو؟ اچھا ٹھہرو! میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

میمونہ نے مڑ کر پیچھے دیکھا اور اس کے چہرے پر حیا کی سُرخی چھا گئی۔ وہ لجاتی، شرماتی اور سمٹتی ہوئی آگے بڑھی۔ انتہائی کوشش کے بعد اس کے مُنہ سے یہ الفاظ نکلے۔ "امی جان! وہ..... وہ آگئے ہیں۔"

"کون؟"

"حسن کے بھائی" یہ کہہ کر تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔

سعد دروازے سے نمودار ہوا۔ بوڑھی خالہ کا چہرہ مسرت سے چمک اٹھا۔ سعد نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور خالہ نے اُسے دُعا دیتے ہوئے پوچھا: "تم کب آئے بیٹا؟"

"خالہ جان میں رات کے پچھلے پہر یہاں پہنچا تھا۔"

وہ برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ میمونہ ساتھ والے کمرے کے دروازے کی آڑ میں کھڑی ان کی باتیں سُن رہی تھی۔ خالہ اچانک سعد پر برس پڑی: "تم کیسے احمق ہو۔ اتنی دیر غیر حاضر رہے۔ دشمن کے خلاف جہاد تو خیر ایک فرض تھا لیکن تم پر کیا مصیبت پڑی تھی کہ تم معتمد اور رمیکیہ کو وعظ سنانے کے لیے چلے گئے تھے۔"

"خالہ جان یہ بھی ایک فرض تھا۔"

"لیکن تم نے کب سے ساری دنیا کے فرائض اپنے ذمّے لے لیے ہیں۔ کیا اشبیلیہ میں یہ فرض ادا کرنے والا کوئی اور نہیں تھا؟"

سعد نے مُسکراتے ہوئے کہا: "قدرت کو یہی منظور تھا کہ یہ سعادت میرے حصّے آئے۔"

"لیکن اس سے فائدہ کیا ہوا؟ کیا تمہارا خیال ہے کہ تمہاری تقریر سے خدا اور رسولؐ کے باغیوں کی اصلاح ہو گئی ہے؟"

"نہیں، خدا اور رسولؐ کے باغیوں کی اصلاح کرنا میرے بس کی بات نہیں لیکن میں نے ان باغیوں کو یہ احساس ضرور دلایا ہے کہ یوم حساب دُور نہیں۔ میں نے صرف ابتدا کی ہے، آپ دیکھیں گی کہ اشبیلیہ میں ہزاروں زبانیں ان لوگوں کے خلاف کھل جائیں گی۔ حسن نے آپ کو نہیں بتایا کہ احمد کی چھوٹی سی نظم اشبیلیہ کے ہر در و دیوار کے ساتھ چسپاں ہے! یہاں تک کہ معتمد کے محل کی دیواروں پر بھی ایسے اشتہار لگا دیے جاتے ہیں۔"

خالہ نے قدرے لاجواب ہو کر کہا: "تم سب اپنے باپ کی طرح ہو۔"

"خالہ جان! مجھے ان پر فخر ہے اور وہ دن دور نہیں جب سارا اندلس ان پر فخر کرے گا۔"

خالہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اس نے گفت گو کا موضوع بدلنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا: "بیٹا! اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"خالہ جان میں آپ کو بتانے آیا تھا کہ اب میں بہت دور جا رہا ہوں۔"

"کہاں؟" خالہ نے بدحواس ہو کر سوال کیا۔

"میں افریقہ جا رہا ہوں۔"

"نہیں۔ نہیں!!"

"سچ کہتا ہوں خالہ جان! میں کل علی الصباح روانہ ہو جاؤں گا۔ اب مجھے بہت سے کام ہیں۔ میں شام کو پھر آؤں گا۔" یہ کہتے ہوئے سعد اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

خالہ نے کہا: "تم سچ مچ افریقہ جا رہے ہو؟"

"ہاں۔"

"اپنی ماں سے اجازت لے چکے ہو؟"

"ہاں! انھوں نے خوشی سے مجھے اجازت دی ہے۔"

"لیکن وہاں کیا کام ہے تمہارا؟"

"میں یہ معلوم کرنے جا رہا ہوں کہ اگر الفانسو نے جنوب کی طرف پیش قدمی کی تو افریقہ سے ہمیں کیا مدد مل سکتی ہے۔ اب اجازت دیجیے!"

خالہ نے قدرے تذبذب کے بعد کہا: "سعد تم نے میمونہ کا حال نہیں پوچھا!"

سعد نے آنکھیں جُھکاتے ہُوئے کہا: "گھر پہنچ کر امّی جان سے میرا پہلا سوال انہی کے متعلق تھا۔ آپ انھیں میرا سلام کہہ دیجیے۔"

سعد باہر نکلا تو اس کی خالہ میمونہ کے کمرے میں داخل ہوئی۔ میمونہ بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ وہ خوبصورت آنکھیں جو ایک لمحہ پیشتر مسرّتوں کا گہوارہ تھیں اب آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

"بیٹی! تم فکر نہ کرو۔ شام کو تمہارا خالو آئے گا تو وہ اسے سمجھائے گا۔"

"نہیں، نہیں۔" میمونہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "آپ انھیں اپنا فرض پورا کرنے سے نہ روکیے۔"

(۶)

غرناطہ کا کوتوال، شہر کے ناظم اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے آداب بجالانے کے بعد کہا۔ "بیغہ سے ہمارا جاسوس آگیا ہے اور وہ نہایت اہم خبریں لایا ہے۔"

ناظم نے اپنی میز کے سامنے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تشریف رکھیے"

کوتوال بیٹھ گیا اور ناظم نے جلدی جلدی چند کاغذات دیکھنے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا ــــ "اچھا اب بتائیے وہ اہم خبریں کیا ہیں؟"

کوتوال نے اس سوال کے جواب میں بیغہ کے اجلاس کی روداد بیان کر دی اور اس کے بعد اپنی جیب سے چند کاغذ نکال کر ناظم کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ سعد بن عبدالمنعم کی تقریر ہے۔ اسے پڑھ کر آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ غرناطہ میں ایسے نوجوانوں کی سرگرمیاں کس قدر خطرناک ہیں۔"

ناظم نے کاغذات دیکھنے کے بعد سوال کیا۔ "یہ وہی نوجوان ہے جو پچھلے دنوں اشبیلیہ والوں کی مدد کے لیے یہاں سے رضاکاروں کا دستہ لے کر گیا تھا۔"

"جی ہاں۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ غرناطہ پہنچ چکا ہے اور میں آپ سے اُسے گرفتار کرنے کی اجازت لینا چاہتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ جب علماء کا وفد اندلس کا دورہ کرنے کے بعد واپس آئے گا تو اپنی مہم کی ناکامی کی صورت میں یہ لوگ اندلس کے تمام حکمرانوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنائیں گے اور پھر ان کی قیادت اس قسم کے سرکش نوجوانوں کے ہاتھ میں ہوگی، عوام یقیناً ان کا ساتھ دیں گے۔ سعد کی تقریر اندلس کے تمام حکمرانوں کے خلاف تھی لیکن اگر ہم نے غرناطہ کو اس کی سرگرمیوں کا مرکز بننے دیا تو سب سے پہلے ہماری شامت آئے گی۔"

ناظم نے کہا۔ "ایسے آدمی کو گرفتار کرنے کے لیے آپ کو میری اجازت کی ضرورت نہ تھی۔ بہتر ہوتا کہ آپ اُسے غرناطہ پہنچتے ہی گرفتار کر لیتے۔"

"وہ ہمارے جاسوس سے پہلے یہاں پہنچ گیا تھا اور آپ کے ساتھ مشورہ کرنا میں اس لیے بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اس نوجوان کو قاضی ابوجعفر جیسے بااثر لوگوں کی حمایت حاصل ہے۔ وہ سیدھے امیر عبداللہ کے پاس جائیں گے اور امیر ان سے اس قدر خائف ہے کہ وہ فوراً اس کی رہائی کا حکم صادر کر دے گا اور مجھے خِفت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

ناظم نے کہا۔ "قاضی ابوجعفر کے ساتھ امیر عبداللہ کے تعلقات بہت خراب ہو چکے ہیں۔ خصوصاً جب سے انھیں اس بات کا علم ہوا ہے کہ رضاکاروں کا دستہ قاضی ابوجعفر نے منظم کیا تھا وہ اسے اپنا بدترین دشمن خیال کرتے ہیں۔ اگر امیر کی والدہ قاضی ابوجعفر کی طرفداری نہ کرتیں تو وہ اب تک قیدخانے کی کسی تاریک کوٹھڑی میں ہوتا۔"

کوتوال نے کہا۔ "پھر بھی یہ مناسب ہوگا کہ آپ سُلطان سے مل لیں۔ ممکن ہے کہ سعد کی گرفتاری کے بعد شہر کے نوجوان کوئی ہنگامہ بپا کریں اور ہمیں زیادہ وسیع اختیارات کی ضرورت ہو۔ ورنہ آپ جانتے ہیں کہ جب امیر عبداللہ پریشان ہوتے ہیں تو قیدیوں کو رہا کر دیا جاتا ہے اور کوتوال کو قیدخانے میں بھیج دیا جاتا ہے۔"

"تم درست کہتے ہو۔ میں ابھی سلطان کے پاس جاتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تھوڑی دیر تک سلطان کا تحریری حکم تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔"

(۷)

عشاء کی نماز کے بعد سعد، احمد، حسن اور ادریس کو ساتھ لے کر الیاس کے گھر چلا گیا۔ وہاں ایک کشادہ کمرے میں کوئی پندرہ نوجوان اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ سب اٹھ کر یکے بعد دیگرے اس کے ساتھ بغل گیر ہوئے۔ سعد نے ان کے سوالات کے جواب میں مختصراً اپنی سرگزشت بیان کرنے اور بیغہ میں علماء کے اجتماع کی روئداد سنانے کے بعد یہ اعلان

گویا کہ میں علی الصباح افریقہ جا رہا ہوں .... اس کے بعد کچھ دیر اندلس اور افریقہ کی تازہ صورتِ حال پر بحث ہوتی رہی۔ سعد اپنے ساتھیوں کو بتا رہا تھا کہ میں مرابطین کے امیر کے پاس بہت بلند توقعات لے کر جا رہا ہوں ممکن ہے کہ وہ ہمارا نجات دہندہ ثابت ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں، کہ تم اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ تمہارا فرض ہے کہ تم قوم کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لیے اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دو!"

بعض نوجوانوں نے افریقہ کے سفر میں سعد کا ساتھ دینے کی خواہش کی لیکن اس نے کہا۔ "جب تک مجھے افریقہ کے حالات کا صحیح علم نہیں ہوتا میں کسی کو اپنے ساتھ لے جانا پسند نہیں کروں گا۔"

آدھی رات کے قریب یہ مجلس برخاست ہوئی، سعد اپنے دوستوں کے ساتھ مصافحہ کر رہا تھا، کہ الیاس کے نوکر نے آکر اطلاع دی کہ ایک آدمی سعد بن عبدالمنعم سے ملنا چاہتا ہے اور اپنا نام الماس بتاتا ہے۔"

سعد نے کہا۔ "بلاؤ اُسے"؟

تھوڑی دیر بعد الماس اندر داخل ہوا۔ سعد نے اُسے بدحواس دیکھ کر سوال کیا "کیوں خیر ہے نا؟"

الماس نے کہا۔ "پولیس آپ کو تلاش کر رہی ہے۔ وہ آپ کے اور آپ کے خالو کے گھر کی تلاشی لے چکے ہیں۔ چند سپاہی ابھی تک وہاں پہرا دے رہے ہیں۔ ہم میں سے کسی کو باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ میں بڑی مشکل سے پچھواڑے کی دیوار پھاند کر باہر نکلا ہوں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ یہاں ہیں۔ میں آپ کے کئی دوستوں کے گھروں سے آپ کے متعلق پوچھتا ہوا یہاں پہنچا ہوں۔"

تھوڑی دیر کے لیے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ بالآخر سعد نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ انھیں جمعہ میں میری تقریر کی اطلاع مل گئی ہے۔"

الماس نے کہا۔ "پہلے پولیس کا ایک داروغہ دو سپاہیوں کے ساتھ آیا اور اس نے مجھ سے کہا، کہ سعد کو ناظمِ اعلیٰ نے بلایا ہے۔ جب میں نے یہ کہا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں تو وہ واپس چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد پولیس کے آٹھ دس سپاہی لے کر آ گیا۔"

سعد نے کہا۔ "انھوں نے کسی کے ساتھ بدسلوکی تو نہیں کی؟"

"نہیں۔ لیکن مجھے دھمکیاں ضرور دی ہیں۔"

سعد نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "وہ مجھے شہر میں ہر جگہ تلاش کریں گے۔ اب ہمیں فوراً ایک دوسرے سے جدا ہو جانا چاہیے۔"

الماس نے "آپ کہاں جائیں گے؟"

"یہاں سے نکلنے کے بعد میرا رُخ سبتہ کی طرف ہوگا۔ میں اب گھر نہیں جا سکتا۔"

"بہت اچھا آپ میرا گھوڑا لے جائیے۔"

"مجھے تمہاری زرہ اور تلوار کی بھی ضرورت پڑے گی۔ میں اپنے ساتھ کچھ نہیں لایا۔"

الماس نے کہا۔ "آپ دریا کے پل کے پار جا کر میرا انتظار کریں۔ میں آپ کے سفر کا تمام ضروری سامان لے کر پہنچ جاؤں گا۔"

سعد نے اپنے بھائیوں کی طرف دیکھا اور کہا۔ "تم اب گھر جاؤ! ممکن ہے کہ وہ میری بجائے تمہیں گرفتار کر لیں۔ کاش میں ادریس کو یہاں نہ لاتا۔"

ادریس نے کہا۔ "جو سزا احمد اور حسن کے لیے قابلِ برداشت ہوگی، وہ میرے لیے ناقابلِ برداشت نہیں ہوگی۔"

الماس نے کہا۔ "آپ ان کی فکر نہ کریں۔ اوّل تو وہ ان پر ہاتھ نہیں ڈالیں گے اور اگر انھوں نے انھیں گرفتار کر بھی لیا تو بھی جب انھیں اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ آپ غرناطہ میں نہیں ہیں تو وہ انھیں چھوڑ دیں گے۔ ورنہ ہم میں اتنی طاقت ہے کہ ہم چند بیگناہوں کو ان کی قید سے نکال سکیں۔ اس وقت ہمارا اوّلین مقصد یہ ہے۔ کہ آپ افریقہ پہنچ

جائیں۔ اب یہاں باتیں کرنے کا وقت نہیں۔ آپ پل کے پار پہنچ جائیں۔ وہاں کسی محفوظ جگہ پر ہم اطمینان سے باتیں کرسکیں گے۔"

سعد دروازے کی طرف آیا۔ لیکن اچانک اُسے کوئی خیال آیا اور اس نے مڑ کر الماس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "چچا الماس! مجھے آپ کے ساتھ باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا۔ میں آپ کے وطن جا رہا ہوں۔ اگر حالات سازگار ہوتے، تو شاید آپ کو بھی بلا لوں۔ اب آپ کا حسن اور احمد سے پہلے گھر پہنچنا ضروری ہے۔ مکان کے اندر داخل ہونے کے لیے آپ اسی طرح پچھواڑے کی دیوار عبور کریں تاکہ پولیس کو شبہ نہ ہو۔"

کچھ دیر بعد سعد دریا کے پل کے پار سڑک سے ایک طرف کھڑا تھا اور اس کے ساتھی تین تین اور چار چار کی ٹولیوں میں مختلف راستوں سے اس کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ ادریس، احمد اور حسن بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔

چاند کی روشنی میں ان سب کی نگاہیں سعد کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ سعد نے کہا۔ "ہم نے اپنے لیے جو راستہ منتخب کیا ہے۔ اس میں ایسے کئی مراحل آئیں گے۔ ممکن ہے کہ تمہیں مجھ سے زیادہ سختیاں جھیلنی پڑیں لیکن اگر تمہارے پاؤں متزلزل نہ ہوئے تو یہ مختصر سا گروہ کسی دن اندلس کا نجات دہندہ ثابت ہوگا۔ آیئے ہم حق و صداقت کی فتح کے لیے دُعا کریں۔"

سعد کی تقلید میں انھوں نے ہاتھ اٹھا لیے۔ سعد کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی آواز رحمتِ یزداں کو پکار رہی تھی۔ اس کے آنسو قوم کے دامن سے ..... ذلت اور رسوائی کے داغ دھو رہے تھے اور اس وقت شاید رحمت کا کوئی فرشتہ افریقہ کے ایک صحرا نشین کو یہ پیام دے رہا تھا کہ قدرت نے تمہارے عزم و ہمت کے امتحان کے لیے وہ رزم گاہیں منتخب کی ہیں جہاں طارقؒ اور موسیٰؒ نے اسلام کی فتوحات کے پرچم لہرائے تھے!

دُعا ختم ہوئی اور اتنی دیر میں الیاس گھوڑا بھگاتا ہوا پہنچ گیا [illegible]

[illegible] گھوڑے سے اتر کر سعد کو [illegible] میں نے

زرہ اور کپڑوں کے دو جوڑے خرجی میں ڈال دیے ہیں۔ کپڑے کی ایک تھیلی میں اڑھائی سو دینار ہیں۔ ایک ہفتہ تک میں کسی کو سبتہ میں آپ کے پاس بھیجوں گا۔ اس کی زبانی پولیس کی کارروائی کی اطلاع مل جائے گی۔ آپ بھی ہمیں اپنی کارگزاریوں سے مطلع کرتے رہیں۔ اگر مزید روپے کی ضرورت ہو تو بلا توقف مجھے اطلاع دیں۔"

سعد نے جواب دیا۔ "میرے لیے یہ رقم بھی بہت زیادہ ہے۔"

"اچھا گھوڑے پر سوار ہو جایئے"

سعد گھوڑے پر سوار ہوا تو حسن گھوڑے کی باگ پکڑ کر آگے آگے چل دیا۔ چند قدم دور جا کر سعد نے گھوڑا روکا اور کہا۔ "جاؤ حسن! امی جان کو تسلی دینا۔ اگر تم پر کوئی مصیبت آئے تو یہ سمجھنا کہ ہر مومن کی زندگی ایک بلند مقصد کے لیے ہے۔" حسن نے کہا۔ "بھائی جان! میں اپنے گھر جانے سے پہلے خالہ کے گھر جانے کی کوشش کروں گا۔ آپ میمونہ کو کوئی پیغام نہیں دینا چاہتے؟"

سعد نے اطمینان سے جواب دیا۔ "میمونہ کو یہ کہنا کہ میں رات کے وقت یہاں سے اس امید پر رخصت ہو رہا ہوں کہ جب میں واپس آؤں گا تو اس کے لیے نئی صبح کا پیغام لے کر آؤں گا اور صرف میمونہ کے لیے ہی نہیں، وہ صبح اندلس کی لاکھوں بیٹیوں اور بیٹوں کے لیے صبحِ مسرت ہوگی۔ خدا حافظ!" سعد نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

المرابطین

جب اس لامرکزیت، انتشار اور آلام و مصائب کے دور میں اندلس کے مسلمانوں کی نگاہیں کسی نجات دہندہ کی متلاشی تھیں۔ افریقہ کے افق پر گرد و غبار کے بادل کسی شہسوار کی آمد کا پیغام دے رہے تھے۔ جب قرطبہ، اشبیلیہ اور غرناطہ کی عظیم الشان درسگاہوں کے معلّم قوم کے مستقبل سے مایوس ہو چکے تھے۔ افریقہ کے صحرانشینوں کے جھونپڑوں میں زندگی کے نئے ولولے کروٹیں لے رہے تھے۔ اندلس میں اموی حکومت کے زوال کے ساتھ ساتھ بحیرۂ رُوم کے دوسرے کنارے ایک نئی طاقت ظہور میں آ رہی تھی۔ پانچویں صدی کے نصفِ اوّل میں اسلام کے کسی گمنام مبلغ کی کوششوں سے افریقہ کے بربریوں میں سے ایک سرکش اور جنگجو قبیلہ کے لوگ مسلمان ہو گئے اور انھوں نے مرابطین کے نام سے ایک سلطنت کی بنیاد رکھی۔ ابوبکر بن عمر اس سلطنت کا پہلا امیر منتخب ہوا۔ ابوبکر کی دینداری اور تقوے کے باعث مراکش کے بعض دوسرے قبائل نے بھی جو پہلی صدی ہجری میں مسلمان ہو چکے تھے اس کی قیادت تسلیم کر لی۔ تاہم الجزائر سے لے کر طنجہ تک بے شمار بربری قبائل افریقہ میں کسی طاقتور سلطنت کے ظہور کو اپنی آزادی کے لیے خطرناک سمجھتے تھے۔ ان میں سے جو مسلمان تھے ان کے سردار بھی اپنی انفرادیت کو اسلام کی وحدت میں گم کرنے کے لیے تیار نہ تھے، جب مرابطین کے امیر ابوبکر نے ان لوگوں کو متحد کرنے کی مہم شروع کی تو انھوں نے مرابطین کے خلاف متحدہ محاذ بنا لیا۔ غیر مسلم قبائل جو افریقہ میں اسلام کے عروج سے براہِ راست اپنے لیے خطرہ محسوس کر تے تھے ان کے ساتھ ہو گئے اور انھوں نے جنگلوں، صحراؤں اور پہاڑوں سے نکل کر افریقہ

کے ساحل کے ساتھ ساتھ پُرامن شہروں اور بستیوں میں لوٹ مار اور قتل و غارت کا طوفان بپا کر دیا۔ بربریوں کی قبائلی عصبیت نے اس خانہ جنگی کو فروغ دیا۔

اس نازک دور میں ایک اولوالعزم انسان نمودار ہوا۔ اس کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار تھی۔ شعلہ اور شبنم کا یہ امتزاج مرابطین کے امیر ابوبکر بن عمر کا نوجوان بھتیجا یوسف بن تاشفین تھا۔ اس کے ہمرکاب ایک طرف وہ غازی تھے، جن کی تلواریں سرکش باغیوں اور اسلام کے دشمنوں کے لیے موت کا پیام تھیں اور دوسری طرف وہ علماء اور فقہاء تھے جو افریقہ کے تاریک ترین گوشوں میں اسلام کی قندیلیں روشن کر رہے تھے۔

مرابطین کی فوج کے سپہ سالار کی حیثیت میں یوسف بن تاشفین نے شاندار فتوحات حاصل کیں اور مرابطین ایک طاقتور سلطنت کے مالک بن گئے۔ تاہم ابھی اس کے سامنے ایک بہت بڑا کام تھا۔ باغی اور سرکش عناصر افریقہ کے وسیع و عریض علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے اور ان سب کو مغلوب کرنے کے لیے ایک طویل عرصہ درکار تھا۔ افریقہ کے پہاڑوں، جنگلوں اور صحراؤں کے علاوہ بحیرۂ روم پر بھی اہل بربر کا کافی تسلط تھا۔ افریقہ اور یورپ کے ساحلی علاقے ان کی لوٹ مار سے محفوظ نہ تھے۔ بحیرۂ روم کے بعض ٹاپو اور افریقہ کے ساحل پر کئی چھوٹی چھوٹی بندرگاہیں ان کے قبضے میں تھیں۔ ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے یوسف بن تاشفین نے ایک جنگی بیڑہ تیار کرنے کی ضرورت محسوس کی۔

سنہ ۴۶۲ھ میں ابوبکر بن عمر نے وفات پائی اور مراکش کے علماء کی تحریک پر بربری قوم کے اکابر نے متفقہ طور پر یوسف بن تاشفین کے ہاتھ پر بیعت کی۔ سب سے پہلے بیعت کرنے والا اس کا چچازاد بھائی سیر بن ابوبکر تھا۔

امیر یوسف نے مرابطین کا امیر بننے کے بعد افریقہ کو ایک عظیم الشان سلطنت بنانے کی کوششیں تیز تر کر دیں۔ چند برس میں افریقہ کا یہ شہسوار ان دور افتادہ مقامات میں اپنی فتوحات کے پرچم لہرا رہا تھا۔ جہاں ابھی تک کوئی مسلمان فاتح نہیں پہنچا تھا۔ افریقہ کے ان تاریک

کوشوں میں اللہ اکبر کی اذانیں گونج رہی تھیں جہاں ابھی تک نیم برہنہ انسان بستے تھے۔

(۲)

سبتہ پہنچ کر سعد کو معلوم ہوا کہ امیر یوسف بن تاشفین جنوب مغرب میں کسی دور افتادہ محاذ پر برسرِ پیکار ہیں اور محاذِ جنگ سے فارغ ہو کر وہ سبتہ آنے سے پہلے کچھ عرصہ طنجہ میں قیام کریں گے۔ سبتہ کے سرکاری مہمان خانے کے دروازے ہر اجنبی کے لیے کھلے تھے۔ سعد نے پندرہ دن تک وہاں قیام کیا۔ اپنے بھائیوں اور ادریس کے متعلق وہ بہت پریشان تھا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ اسے اپنے متعلق اِطلاع دینے میں تاخیر سے کام نہ لیں گے۔ وہ علی الصباح بندرگاہ پر چلا جاتا اور شام تک اُندلس سے آنے والے ہر جہاز کے مُسافروں کو دیکھتا۔ ایک دن ایک جہاز سے ایک عمر رسیدہ آدمی اترا۔ سعد نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ یہ اس کے دوست الیاس کا نوکر تھا۔ سعد لوگوں کو اِدھر اُدھر ہٹاتا ہوا آگے بڑھا اور اُسے بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔ سعد کے سوالات کے جواب میں بوڑھے نوکر نے اُسے بتایا کہ جس رات آپ غرناطہ سے روانہ ہوئے۔ اسی رات پولیس نے احمد حسن اور ادریس کو گرفتار کر لیا تھا۔ چھ دن تک وہ انھیں سخت اذیتیں دیتے رہے لیکن جب حکومت کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ آپ غرناطہ میں نہیں ہیں تو انھیں رہا کر دیا گیا۔ میں آپ کے پاس الیاس اور احمد کے خطوط لے کر آیا ہوں۔ سعد نے جلدی جلدی یہ دونوں [illegible] [illegible]۔ الیاس نے اپنے خط میں تفصیل کے ساتھ احمد حسن اور ادریس کی گرفتاری کے واقعات بیان کرنے کے بعد لکھا تھا کہ انھوں نے جس صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا ہے وہ ہمارے لیے باعثِ فخر ہے۔ انھیں سخت اذیتیں دے کر آپ کا پتہ اور ہماری جماعت کے ارکان کے نام ظاہر کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اگر وہ ذرا سی کمزوری دکھاتے تو ہم اس وقت تک قید خانے میں ہوتے۔ سب سے زیادہ اذیت حسن کو پہنچائی گئی اور اُس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے کوتوال کی بدزبانی سے طیش میں آکر اس کے مُنہ پر ایک مکا رسید کر دیا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اس کے جسم پر کوڑوں کے نشان دیکھے ہیں۔ اندلس میں مظلوم

انسانیت یومِ حساب کا انتظار کر رہی ہے اور ہماری تمام امیدیں آپ کی مہم کی کامیابی کیساتھ وابستہ ہیں۔

احمد کا مکتوب مختصر تھا اور اس نے اپنی تکالیف کا ذکر کرنے کی بجائے سعد کو گھر کے حالات سے مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے لکھا تھا کہ امّی، خالہ اور خالو، بہن میمونہ اور چچا الماس آپ کی کامیابی کے لیے دُعائیں کرتے ہیں۔

اگلے دن سعد نے الیاس کے نوکر کو اپنے دوستوں اور بھائیوں کے نام مکتوب دے کر رخصت کیا اور خود طنجہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد سعد چند ہفتے اِدھر اُدھر پھرتا رہا اور غرناطہ میں اپنے مُتعلق کوئی اطلاع نہ بھیج سکا۔ اس کے بھائی اور رفقاء یہ خیال کرتے تھے کہ وہ کہیں دور جا چکا ہے۔ قریباً ڈیڑھ ماہ کے بعد ایک دن سبتہ کا ایک تاجر احمد بن عبدالمنعم کا پتہ پوچھتا ہوا اُن کے مکان پر پہنچا اور اُس نے سعد کا خط دیا۔ احمد نے اپنے بھائی کا خط پڑھا۔ اس نے لکھا تھا:

”میرے عزیز بھائی! الیاس کے نوکر کو سبتہ سے روانہ کرتے ہی میں طنجہ چلا گیا تھا۔ دو ہفتے طنجہ میں قیام کرنے کے بعد مجھے پتہ چلا کہ صحرائے اعظم سے بے شمار غیر مسلم اور وحشی قبائل الجزائر کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں اور یوسف بن تاشفین سیدھے اس طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ چند دن طنجہ میں رہ کر میں نے محسوس کیا کہ یہاں وقت ضائع کرنا مناسب نہیں۔ صحرائے اعظم اور الجزائر میں امیر یوسف کی افواج کی نقل و حرکت کے متعلق مجھے سبتہ میں نسبتاً آسانی سے اطلاع مل سکیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں افریقہ کے شاہسوار کے ساتھ امارت کی مسند کی بجائے جنگ کے میدان میں متعارف ہونا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں سبتہ میں واپس آگیا۔ یہاں مجھے معلوم ہوا کہ سبتہ میں جو فوج تھی، وہ بھی جہازوں پر الجزائر کی طرف روانہ ہو چکی ہے۔ اگر میں ایک ہفتہ پہلے یہاں پہنچ جاتا تو ممکن تھا کہ مجھے ان لوگوں کے ساتھ جانے کا موقع مل جاتا۔ کل مجھے معلوم ہوا کہ یہاں سے سامانِ رسد کا ایک جہاز الجزائر کی طرف جانے والا ہے۔ میں نے اس جہاز کے کپتان کے پاس پہنچ کر درخواست کی کہ مجھے اس

جہاز میں سفر کرنے کی اجازت دی جائے لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میرے جہاز میں کسی سواری کے لیے جگہ نہیں۔ اگر جگہ ہوتی تو بھی میں کسی اجنبی کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے تیار نہ ہوتا۔

اس مرحلے پر طنجہ کے ایک فقیہ نے میری اعانت کی۔ وہ مجھے شہر کے عامل کے پاس لے گئے۔ میں بڑی مشکل سے عامل کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہوا کہ میں ایک رضا کار کی حیثیت میں مرابطین کی فوج کا ساتھ دینا چاہتا ہوں۔

شہر کے عامل نے کپتان کے پاس میری سفارش کی اور وہ بادلِ نخواستہ مجھے اپنے ساتھ لے جانے پر رضامند ہو گیا۔ انشاء اللہ کل میں اس کے ساتھ روانہ ہو جاؤں گا۔ کپتان نے مجھے بتایا کہ وہ سمندر کے ساحل پر ایک چھوٹے سے قلعے میں سامانِ رسد لے کر جا رہا ہے۔ وہاں سے امیر یوسف کی قیامگاہ تک پہنچنے کیلیے مجھے بے آب و گیاہ صحرا میں سفر کرنا پڑے گا۔ اب ممکن ہے کہ چند دنوں تک افریقہ کے رجلِ عظیم کو دیکھ سکوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں پہنچ کر بھی میں صرف غبارِ راہ دیکھوں اور وہ شاہسوار کسی اور منزل کی طرف روانہ ہو چکا ہو!

افریقہ کی زمین پر پاؤں رکھتے ہی میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ میں ایک نئی دنیا میں آگیا ہوں۔ آج جب اُندلس کے مرمریں ایوانوں میں بسنے والوں پر بے حسی اور جمود طاری ہو رہا ہے، یہاں مٹی کے گھروں اور خس و خاشاک کے جھونپڑوں میں ایک صحت مند قوم کی تخلیق ہو رہی ہے۔ اندلس کے مؤرخ کے قلم کی سیاہی خشک ہو چکی ہے لیکن افریقہ کا مجاہد اپنی تلوار کی نوک سے اسلام کی تاریخ کا ایک نیا باب لکھ رہا ہے۔

"کیا یہ لوگ خطرے کے وقت ہماری مدد کریں گے؟" میں نے یہ سوال ایک سادہ دل بربری سے پوچھا تھا اور اس کا جواب یہ تھا کہ جب ہمارا امیر ہمیں حکم دے گا ہم

سمندر میں گھوڑے ڈالنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ سر دست اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ افریقہ میں امیر یوسف کا کام بہت وسیع ہے وہ الجزائر سے لے کر دریائے سینگال تک تمام قبائل کو ایک حکومت کے ماتحت لانے کا عزم کر چکا ہے اور اس کام کے لیے شاید ایک لمبا عرصہ درکار ہو۔ جب تک یہ کام ختم نہیں ہوتا، وہ شاید کسی نئے محاذ کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ بہر حال میں یہ سمجھ کر اس کی فوج میں شامل ہونے کے لیے جا رہا ہوں کہ اندلس کے دفاع کی جنگ اس وقت افریقہ میں لڑی جا رہی ہے۔ میرے لیے ہمت اور استقامت کی دُعا کیجیے۔"

"تمہارا بھائی" سعد

(۳)

ایک شام سعد بن عبد المنعم جہاز کے تختے پر کھڑا جنوب کے افق پر ساحل کی پہاڑیوں کا دھندلا سا منظر دیکھ رہا تھا۔ کپتان کی زبانی اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ جہاز اپنی منزل مقصود کے قریب پہنچ چکا ہے۔ ساحل کے دھندلے مناظرات کی تاریکی میں روپوش ہو گئے اور سعد آسمان کے ستاروں کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاز کا کپتان تیزی سے اِدھر اُدھر گھوم کر ملاحوں کو ہدایت دے رہا تھا، اچانک ایک ملاح نے بلند آواز میں کہا، "ہوشیار ساحل پر روشنی نظر آرہی ہے؟"

تھوڑی دیر میں کپتان اور اس کے ملاح بدحواس ہو کر جنوبی افق پر ایک غیر معمولی روشنی دیکھ رہے تھے۔ یہ روشنی پھیلتی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ ساحل پر ایک بہت بڑا الاؤ جل رہا ہے۔ کپتان نے کہا، "یہ روشنی قلعے سے دور نہیں ہو سکتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ہمارے کسی جہاز کو آگ لگ گئی ہے؟"

کپتان کا قیاس صحیح تھا۔ ایک ساعت کے بعد انھیں ایک جلتے ہوئے جہاز کا ڈھانچہ نظر آرہا تھا۔ یہ آگ آہستہ آہستہ مدھم ہو گئی۔ لیکن تھوڑی دیر بعد ہی دو اور جلتے ہوئے جہازوں کے آس پاس چند متحرک کشتیاں اور جہاز دیکھ کر کپتان چلایا، "جہاز کے بادبان گرا دو اور لنگر ڈال دو!

ہم آگے نہیں جا سکتے۔"

سعد کپتان اور ملاحوں کی نسبت کم پریشان نہ تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر کپتان سے سوال کیا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

کپتان نے جواب دیا۔ "آپ دیکھ سکتے ہیں۔ دشمن نے یہاں ہمارے بحری اڈے پر حملہ کر دیا ہے اور انھوں نے صرف جہازوں پر ہی حملہ نہیں کیا ہوگا بلکہ مجھے یقین ہے کہ وہ خشکی سے ہمارے قلعے کا محاصرہ بھی کر چکے ہوں گے۔"

"لیکن اتنے جہاز وہ کہاں سے لے آئے؟"

"آپ کو شاید معلوم نہیں کہ یورپ کے کئی قزاق ہمارے دشمنوں کے حلیف بن چکے ہیں۔"

"اب آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"میرا اوّلین فرض یہ ہے کہ میں اس جہاز کو دشمن کے ہاتھ آنے سے بچاؤں۔ خدا کا شکر ہے کہ تھوڑی دیر پہلے یہاں نہیں پہنچ گیا۔ ورنہ یہ جہاز تو ایک معمولی کشتی کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا۔"

سعد نے کہا۔ "لیکن یہ بھی تو ضروری نہیں کہ جن جہازوں کو آگ لگی ہے، وہ ہمارے ہی ہوں ممکن ہے کہ یہ جہاز دشمن کے ہوں؟"

کپتان نے کہا۔ "مجھے علم ہے کہ یہاں صرف سامانِ رسد کے جہاز بھیجے گئے تھے۔ ہمارے جنگی بیڑے کے بعض جہاز طولس کے ساحل پر ہیں اور بعض سمندر میں گشت کر رہے ہیں۔ تاہم میں کشتی پر آدمی بھیج کر پتہ کرتا ہوں۔ اگر کوئی خطرہ ہوا تو ہمارے لیے واپس لوٹ کر کوئی محفوظ مقام تلاش کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

تھوڑی دیر بعد جب جہاز سے ایک کشتی اُتاری گئی اور کپتان کی ہدایات سُننے کے بعد چار ملاح اس پر سوار ہونے کے لیے تیار ہو گئے تو سعد نے کہا۔ "میں بھی ان کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ آپ انھیں یہ کہہ دیجیے کہ اگر یہ کوئی خطرہ محسوس کریں تو بھی مجھے ساحل پر اتار دیں۔"

کپتان نے کہا۔ "آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"میں قلعے تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

"دیکھیے۔ آپ بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ دشمن نے خشکی کی طرف سے قلعے کا محاصرہ کر رکھا ہوگا۔ اگر میرے آدمی آپ کو ساحل کے کسی محفوظ مقام پر اتار بھی دیں تو بھی دشمن کی صفوں سے گزر کر آپ کا قلعے تک پہنچ جانا ایک معجزہ ہوگا۔"

کپتان کے ساتھ تھوڑی دیر بحث کرنے کے بعد سعد نے ایک فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "میرا مقصد اس قلعے تک پہنچنا ہے اور میں اس کے لیے ہر خطرے کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

کپتان نے کہا۔ "بہت اچھا آپ جا سکتے ہیں لیکن اگر میرے آدمیوں نے ساحل کے پاس کشتی لے جانے میں کوئی خطرہ محسوس کیا تو انھیں فوراً واپس آنا پڑے گا۔"

سعد نے کہا۔ "میں تیر سکتا ہوں۔"

کپتان ملاحوں کی طرف متوجہ ہوا۔ "دیکھو، اس وقت ہمارے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ اگر تم یہ دیکھو کہ دشمن نے خشکی سے بھی قلعے کا محاصرہ کر رکھا ہے تو فوراً واپس آ جاؤ۔ ورنہ قلعے کے محافظ کو میرا پیغام دو کہ میں ان حالات میں جہاز کو ساحل تک نہیں لا سکتا۔ یہاں سے کوئی ڈیڑھ سو میل پیچھے ہمارا ایک اور بحری مستقر ہے۔ میں وہاں سے جنگی کشتیوں کی کمک لے کر فوراً واپس آنے کی کوشش کروں گا۔ اگر تم یہ دیکھو کہ حملہ آور رفوچکر ہو چکے ہیں اور جہاز کو آگے لے جانے میں کوئی خطرہ نہیں تو قلعے کے بُرج پر روشنی کر دو۔"

(۴)

ساحل پر ایک تنگ خلیج کا آخری سرا اس چٹان کو چھوتا تھا جس پر قلعہ تعمیر تھا۔ حملہ آور مرابطین کے تین جہازوں کو آگ لگانے اور اپنا ایک جہاز ضائع کرنے کے بعد اس خلیج پر قابض ہو چکے تھے اور اب وہ کشتیوں میں سوار ہو کر سمندر میں دشمن کے بچے کھچے سپاہیوں اور ملاحوں کا تعاقب کر رہے تھے۔ ساحل پر بھی پہریداروں کی ایک فوج کھڑی تھی۔ اگر کوئی سپاہی پانی میں ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد سمندر کے کنارے پہنچنے میں کامیاب ہوتا تو اُسے پہریداروں کے تیروں کا سامنا کرنا پڑتا

سعد اور اس کے ساتھیوں نے کنارے سے کچھ فاصلے پر کشتی کو روک کر صورت حالات کا جائزہ لیا۔ بالآخر ایک بوڑھے ملاّح نے کہا "ہمارے کپتان کا قیاس درست تھا۔ دشمن نے صرف ہمارے جہازوں پر ہی حملہ نہیں کیا، بلکہ وہ خشکی سے قلعے کا محاصرہ بھی کر چکا ہے۔ کشتی کو مغرب کی طرف لے چلو۔ ہم سعد کو وہاں کسی محفوظ جگہ اتار کر واپس چلے جائیں گے۔"

قلعے کے مغرب کی طرف دو میل فاصلہ طے کرنے کے بعد ملاّح کشتی کو کنارے کے قریب لے آئے اور سعد اپنے ساتھیوں کو خدا حافظ کہنے کے بعد رتیلے ساحل پر کمر کے برابر پانی میں اتر پڑا۔ بوڑھے ملاّح نے کہا "دیکھو بیٹا! اگر تم صبح کی روشنی سے پہلے قلعے کے اندر داخل نہ ہو سکے تو یہاں دُور دُور تک تمہارے لیے جائے پناہ نہیں ہو گی۔ کنارے کے ساتھ دشمن کے سپاہی بہت چوکس ہوں گے، اس لیے تمہاری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ تم فوراً قلعے کے جنوب کی طرف پہنچ جاؤ۔ اس طرف بھی اگر کوئی دشمن جمع ہوں تو بھی رات کی تاریکی میں کوئی یہ معلوم نہیں کر سکے گا کہ تم اجنبی ہو۔ میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ تم قلعے کے اندر کیونکر داخل ہو سکتے ہو۔ اگر وہ قلعہ سمندر کی طرح خشکی کی طرف سے بھی محاصرے میں ہے تو رات کے وقت تمہارے لیے کوئی دروازہ نہیں کھولے گا اور صبح کی روشنی میں خدا بہتر جانتا ہے کہ تمہارا انجام کیا ہو! میں تو اب بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم ہمارے ساتھ واپس چلو۔"

"آپ میری فکر نہ کریں۔" سعد یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا۔

کنارے پر پہنچتے ہی سعد مُنہ کے بل ریت پر لیٹ گیا اور کچھ دیر تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد کُہنیوں اور گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا آگے بڑھا۔ چند گز ریت پر چلنے کے بعد وہ ایک چٹان کے سامنے کھڑا تھا۔ تاریکی میں اسے چٹان پر چڑھنے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ قلعے کی سمت غیر محفوظ سمجھ کر وہ مغرب کی طرف چٹان کے ساتھ ساتھ چلتا گیا۔ ایک جگہ رک کر وہ چٹان پر چڑھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اُسے اپنے دائیں ہاتھ چند قدم دور کوئی شے نظر آئی اور اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس نے اپنے ترکش سے تیر نکال کر کمان میں چڑھایا اور نرم

ریت پر لیٹ کر آہستہ آہستہ رینگتا ہوا آگے بڑھا۔ یہ ایک کشتی تھی اور اس کے ارد گرد چند لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ سعد کو یہ سوچتے ہوئے دیر نہ لگی کہ یہ کشتی کسی ڈوبتے ہوئے جہاز کے ملاّحوں کا آخری سہارا تھی اور ان لوگوں کے قاتل وحشی حملہ آوروں کے سوا اور کوئی نہیں۔ وہ یہ بھی سمجھ چکا تھا کہ دشمن دور تک ساحل کی نگرانی کر رہا ہے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے چٹان پر چڑھنے کا ارادہ ترک کر کے کچھ دور اور مغرب کی طرف ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے کا فیصلہ کیا۔ ابھی وہ اٹھنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا، کہ اسے ریت پر کوئی متحرک شے نظر آئی۔ غور سے دیکھنے پر اسے معلوم ہوا، کہ ایک آدمی اپنے گھٹنوں اور کُہنیوں کے بل چلتا ہوا اس کی طرف آ رہا ہے۔ سعد نے ایک لاش کی آڑ لے کر اپنے تیر کا رُخ اس کی طرف کر دیا۔ لیکن اس کی غلط فہمی جلد دور ہو گئی۔ آنے والے کا رُخ اس کی بجائے کشتی کی طرف تھا۔ کشتی کے قریب پہنچ کر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اُٹھ کر کشتی کو پانی کی طرف دھکیلنے لگا۔ کشتی پانی سے چند قدم دُور ریت میں دھنسی ہوئی تھی اور اُسے سمندر میں ڈالنے کے لیے ایک سے زیادہ آدمیوں کی طاقت کی ضرورت تھی۔ اجنبی کچھ دیر زور لگانے کے بعد مایوس ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر جب پانی کی لہر آئی تو وہ جلدی سے اٹھا اور کشتی کو دوبارہ سمندر کی طرف دھکیلنے لگا۔ لیکن لہر اس قدر ہلکی تھی کہ اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ اچانک کنارے کی چٹان سے کسی کی آواز سنائی دی اور اجنبی جلدی سے کشتی کے پیچھے لیٹ گیا۔ کوئی بربری زبان میں کہہ رہا تھا "ہم دور دور تک دیکھ آئے ہیں، میرے خیال میں وہ کہیں آس پاس ہی ہو گا۔ ہمیں ایک آدمی کے متعلق اس قدر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آج ہم نے جی بھر کے شکار کھیلا ہے۔"

دوسرے آدمی کی آواز آئی۔ "لیکن اس نے ہمارے تین آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کشتی کے اندر ہی چھپ کر بیٹھا ہوا ہے۔ وہ اچانک چیتے کی طرح نمودار ہوا اور آن کی آن میں ہمارے تین ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر تاریکی میں غائب ہو گیا۔"

ایک اور آواز آئی۔ "اب شور مچانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ وہ بچ کر نہیں جا سکتا۔ اگر

وہ سمندر کی مچھلی نہیں تھا، تو ہم صبح کی روشنی میں اُسے تلاش کرلیں گے۔ اب دو آدمی یہاں رہیں۔ ممکن ہے کہ وہ کشتی کی طرف آئے۔"

قدرے توقف کے بعد کسی کی آواز آئی "کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ اس کشتی کو اپنے جہاز والوں کے پاس پہنچا دیں؟"

کسی نے کچھ فاصلے سے جواب دیا "نہیں ہم نے کشتی کو کھینچ کر ریت پر چڑھا دیا ہے۔ ایک آدمی اُسے دھکیل کر سمندر میں نہیں ڈال سکتا۔ اگر وہ یہ کوشش کرے بھی تو یہاں سے تمہارے تیروں کی زد میں ہوگا۔ تم ہوشیار رہو۔ ممکن ہے کہ وہی آدمی دشمن کے بیڑے کا امیر ہو!"

جب سعد کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ چٹان پر صرف دو آدمی رہ گئے ہیں، تو اس نے گیلی ریت کی ایک مٹھی اٹھا کر کشتی کی طرف پھینکی۔ کشتی کے پیچھے لیٹا ہوا آدمی سر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ سعد نے آہستہ سے عربی زبان میں کہا "گھبراؤ نہیں۔ میں تمہارا دوست ہوں تم وہیں رہو۔ میں تمہارے پاس آتا ہوں!"

سعد آہستہ آہستہ رینگتا ہوا کشتی کے قریب پہنچا اور بولا "میں اس جہاز پر آیا ہوں جو سبتہ سے اس قلعے کے لیے رسد کا سامان لا رہا تھا۔"

اجنبی نے عربی میں سوال کیا "وہ جہاز کہاں ہے؟"

"وہ یہاں خطرہ دیکھ کر واپس لوٹ گیا ہے۔ جہاز کے کپتان نے مجھے کشتی پر یہاں تک پہنچا دیا ہے۔ اب آپ میرے رہنما ہیں۔"

اجنبی کشتی کے عقب سے سرکتا ہوا سعد کے قریب آگیا اور بولا "اگر تم ہمارے ساتھی ہو تو تم نے جہاز چھوڑ کر یہاں آنے میں غلطی کی ہے۔ اب تھوڑی دیر کے بعد صبح کی روشنی میں تم ہر چٹان کے پیچھے دشمن کے تیر انداز دیکھو گے۔"

سعد نے کہا "صبح کی روشنی سے پہلے ہم بہت کچھ سوچ سکتے ہیں۔"

اجنبی نے کہا "اب شاید تم اس کے سوا اور کچھ نہ سوچ سکیں کہ صبح وہ ہمیں کس طرح

موت کے گھاٹ اتاریں گے۔ میں ڈوبتے ہوئے جہاز سے بچ کر یہاں پہنچا تو وہ تاک لگائے بیٹھے تھے۔ یہاں اپنے پانچ ساتھیوں کی لاشیں چھوڑ کر نکلا تو چٹان پر چڑھ کر مجھے معلوم ہوا کہ آگے دشمن کے بے شمار سپاہی گشت کر رہے ہیں۔ اس کے بعد دیر تک میں ایک کھڈ میں پڑا رہا۔ پھر کشتی کو اپنا آخری سہارا سمجھ کر واپس آیا تو انھوں نے چٹان پر دو پہریدار بٹھا دیے ہیں۔ اب ہمارے لیے آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کا کوئی راستہ نہیں۔"

سعد نے کہا "دیکھیے ہمارا پہلا کام یہ ہے کہ ہم ان دو آدمیوں سے نجات حاصل کریں۔ میں نے ایک تجویز سوچی ہے۔ آپ حملے کے لیے تیار ہیں۔" یہ کہہ کر سعد نے اپنی تلوار نکالی اور لیٹے لیٹے کشتی سے ذرا آگے سرک کر ایک زخمی کی طرح کراہنا شروع کر دیا۔

چٹان کے ایک پہریدار نے اپنے ساتھی سے کہا "ارے سُنو! کسی کم بخت میں ابھی تک جان باقی ہے!"

سعد نے کراہنے کے ساتھ ساتھ بلند آواز میں کہا "پانی! پانی!!"

پہریدار چلّایا "ٹھہرو ابھی تمہیں پانی پلاتے ہیں۔"

پہریدار چٹان سے اتر کر بھاگتے ہوئے آگے بڑھے۔ سعد خاموش ہوگیا۔ وہ تلواریں نکال کر اِدھر اُدھر بکھری ہوئی لاشوں کو دیکھ رہے تھے کہ سعد اور اس کے ساتھی نے اچانک اُٹھ کر ان پر دھاوا بول دیا۔ پلک جھپکنے کی دیر میں زمین پر ان کی لاشیں تڑپ رہی تھیں۔

ان دو آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد سعد اور اس کا ساتھی ایک لمحہ کے لیے بے حس و حرکت کھڑے اِدھر اُدھر دیکھ رہے، قلعے کی سمت آدمیوں کی چیخ پکار کم ہو چکی تھی۔ اجنبی نے کہا "اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

سعد نے جواب دیا "آپ کی آمد سے پہلے میں قلعے تک پہنچنے کے امکانات پر غور کر رہا تھا اور اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ آپ میرے راہنما ہیں۔"

اجنبی نے کہا "ہم دونوں قدرت کی راہنمائی کے محتاج ہیں۔ دشمن نے قلعے کو چاروں طرف

سے گھیر رکھا ہے۔ خلیج پر ان کے جہازوں کا قبضہ ہے اور آس پاس کی چٹانوں اور پہاڑیوں پر ان کے پیادوں اور سواروں کا قبضہ ہے۔ اگر ہم رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر قلعے کی چار دیواری تک پہنچ بھی جائیں تو بھی یہ ممکن نہیں کہ وہاں دشمن کے سپاہیوں کی موجودگی میں ہم اندر داخل ہو سکیں۔ اب اگر ہم کشتی کو پانی میں دھکیل کر یہاں سے جانے کی کوشش کریں تو صبح تک ہم زیادہ دور نہیں جا سکتے۔ کشتی کو یہاں نہ پا کر وہ یقیناً ہماری تلاش کریں گے۔ کچھ دیر پہلے میرا خیال تھا کہ میں کشتی پر بیٹھ کر چند میل مغرب کی طرف نکل جاؤں اور پھر ساحل پر اتر کر صحرا کا رُخ کروں۔ لیکن اب یہ محسوس کرتا ہوں کہ یہ کوشش خطرناک ہو گی۔ اب آخری صورت یہی ہے کہ ہم جنوب کا رُخ کریں۔ ہماری فوج کا مستقر یہاں سے چالیس کوس ہے۔ اگر ہم کسی طرح وہاں پہنچ جائیں یا انھیں قلعے کی صورتحال سے باخبر کر سکیں تو قلعے کے محافظ دستے کو بچایا جا سکتا ہے۔"

سعد نے کہا "چلیے، اب دیر نہ کیجیے۔ صبح ہونے والی ہے!"

اجنبی کچھ کہے بغیر سعد کے آگے آگے ہو لیا لیکن چند قدم چلنے کے بعد سعد نے محسوس کیا کہ بُری طرح لنگڑا رہا ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا "آپ زخمی ہیں؟"

اجنبی نے جواب دیا "جب میں جلتا ہوا جہاز چھوڑ کر کشتی میں سوار ہو رہا تھا، دشمن کا ایک تیر میری ٹانگ پر لگا تھا۔ تیر میرے ایک ساتھی نے نکال دیا لیکن رگوں میں کچھ کھچاؤ محسوس کرتا ہوں۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

چٹان کے قریب پہنچ کر سعد نے اپنے ساتھی کو وہاں ٹھہرنے کیلیے کہا اور خود چٹان پر چڑھ کر اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد واپس آکر کہا "آیئے!" ——— کوئی ڈیڑھ میل طے کرنے کے بعد سعد کو اپنے ساتھی کی سُست رفتاری اسکے زخم کی تکلیف کا پتہ دے رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اجنبی نے رک کر کہا "آپ کا میری وجہ سے خطرے میں پڑنا مناسب نہیں۔ میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ آپ مجھے یہیں چھوڑ دیں۔ دو جانوں کے ضائع ہونے کی بجائے ایک کا بچ نکلنا بہتر ہے۔ ممکن ہے آپ امیر لشکر تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں اور قلعے کے محافظ بچ جائیں!"

سعد نے کہا "آپ خدا پر توکل کیجیے۔ ممکن ہے آپ کو زیادہ دُور چلنے کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے

سعد کی حوصلہ افزا باتوں نے اس کے ساتھی کی ہمت تازہ کر دی اور وہ انتہائی تکلیف کے باوجود پوری رفتار سے اس کا ساتھ دینے لگا۔ صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ کوئی آدھ میل چلنے کے بعد سعد اور اس کا ساتھی اپنے بائیں ہاتھ ایک وادی میں دشمن کی فوج کا وسیع پڑاؤ دیکھ رہے تھے۔ سعد ان کی نظر سے بچنے کے لیے دائیں ہاتھ مڑا اور پتھریلوں اور پہاڑیوں کے ناہموار راستے پر چلنے لگا۔ صبح کی بڑھتی ہوئی روشنی کے ساتھ اس کی رفتار تیز ہو رہی تھی۔ اس نے مڑ کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ اجنبی کے چہرے کے خدوخال میں غایت درجہ کی دلفریبی تھی۔ عمر میں بھی وہ سعد سے زیادہ بڑا نہیں تھا۔ سعد اس کے سڈول جسم، کھلتے ہوئے سانولے رنگ اور عقابی نگاہوں سے متاثر ہوتے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے کہا "آپ بہت تکلیف میں ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تھوڑی دُور جا کر ہم خطرے کی زد سے باہر ہوں گے، دیکھیے قدرت ہماری مدد کر رہی ہے۔ دشمن رات کے وقت کس قدر ہوشیار تھا اور اب کتنا بے خبر ہے!"

اجنبی نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا "ان کی ساری توجہ قلعے کی طرف ہے۔ پھر بھی جب تک ہم صحرا کا رُخ نہیں کرتے ہمیں اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھنا چاہیے۔ مجھے پیاس بہت تکلیف دے رہی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ قلعے سے کچھ دور مغرب کی طرف ایک چھوٹا سا چشمہ ہے، میرے خیال میں وہ یہاں سے زیادہ دُور نہیں ہو گا۔ اگر پانی کے چند گھونٹ مل جائیں تو ممکن ہے کہ کچھ دُور اور آپ کا ساتھ دے سکوں۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ وہاں بھی دُشمن کے آدمی موجود نہ ہوں ——— سُنیے!"

سعد نے چوکنا ہو کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میرے خیال میں یہ اونٹوں کی بلبلاہٹ ہے۔ آپ یہیں ٹھہریں۔ میں ابھی معلوم کر کے آتا ہوں!"

سعد بھاگتا ہوا ایک بلند ٹیلے پر چڑھا۔ اس کا ساتھی ایک پتھر کی آڑ میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد سعد اسی طرح بھاگتا ہوا واپس آیا اور بولا "آیئے میں نے آپ کے لیے پانی اور سواری دونوں کا بندوبست کر لیا ہے۔ چشمہ اس ٹیلے کے پیچھے ہے اور وہاں ایک آدمی اونٹوں پر پانی

لادلر وہاں سے نکلا ہے۔ اگر ہم تھوڑی دیر پہلے پہنچ جاتے تو تنگ وادی کے کسی موڑ پر اسے پکڑ لیتے۔ لیکن اب وہ دور جا چکا ہو گا۔ ہمیں کسی اور کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

تھوڑی دیر بعد سعد اور اس کا ساتھی چشمے والی وادی کی طرف جانے والی پگڈنڈی کے ایک موڑ پر پہنچے، سعد اپنے ساتھی کو وہاں کھڑا کر کے دوبارہ ٹیلے پر چڑھا۔ جب چشمے سے اونٹوں کا ایک نیا قافلہ روانہ ہوا۔ تو وہ اپنے ساتھی کو ہاتھ سے اشارہ کرنے کے بعد نیچے اترا۔

"دو آدمی چار اونٹوں کو لے کر آ رہے ہیں۔" سعد نے اپنی کمان میں تیر چڑھاتے ہوئے کہا۔

اجنبی نے نیام سے تلوار نکال لی اور سوال کیا۔ "چشمے پر باقی کتنے آدمی ہیں؟"

"کوئی پندرہ بیس ہوں گے۔ اونٹوں کی تعداد شاید ان سے دوگنا زیادہ ہو۔ لیکن چشمہ یہاں سے کافی دور ہے۔ جب تک دوسرا قافلہ آئے گا ہم کم از کم آدھ میل دور جا چکے ہوں گے۔ اب راستہ بتانا آپ کا کام ہے!"

خدا ہمارے لیے سواری بھیجے گا تو راستہ بتانے والے بھی مل جائیں گے۔ صحرا میں ان لوگوں سے بہتر ہماری رہنمائی کوئی نہیں کر سکتا۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اونٹوں کے ساتھ ان آدمیوں کو بھی پکڑ کر ساتھ لے جائیں۔"

جب کچھ دور دو آدمی باتیں کرتے ہوئے سنائی دیے تو سعد اور اس کا ساتھی پگڈنڈی کے موڑ پر ایک پتھر کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ ایک صحرائی اگلے اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے تھا اور دوسرا آخری اونٹ کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ جونہی پچھلا آدمی موڑ پر پہنچا۔ سعد کے ساتھی نے اچانک پتھر کی آڑ سے نمودار ہو کر اس کے سینے پر تلوار کی نوک رکھ دی اور سعد نے آگے بڑھ کر اگلے آدمی کی طرف کمان سیدھی کرتے ہوئے بربری زبان میں کہا۔ "ٹھہرو!"

اس نے چونک کر پیچھے دیکھا اور بدحواس ہو کر اونٹ کی نکیل چھوڑ دی۔

سعد نے کہا۔ "اونٹ کی نکیل پکڑ لو اور دائیں ہاتھ چلو! بھاگنے یا شور مچانے کی کوشش کرو گے تو مارے جاؤ گے اور اپنا خنجر پھینک دو۔ جلدی کرو!"

بربری نے اپنے ساتھی کو بھی زندگی سے زیادہ موت کے قریب دیکھا تو فوراً سعد کے حکم کی تعمیل کی اور اپنا خنجر پھینکنے کے بعد دوبارہ اونٹ کی نکیل پکڑ کر دائیں ہاتھ ہو لیا۔

سعد اور اس کا ساتھی انھیں ڈرا دھمکا کر اونٹ کو تیزی سے ہانکنے پر مجبور کر رہے تھے کوئی تین سو گز ایک ناہموار راستے پر چلنے کے بعد انھوں نے ایک ٹیلے کی آڑ میں پہنچنے کے بعد اطمینان کا سانس لیا۔ بربریوں نے ان کے حکم سے اونٹوں کو بٹھا دیا۔ سعد نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "آپ پانی پی سکتے ہیں؟"

"نہیں، اب ہمیں جلدی کرنی چاہیے۔ میں تھوڑی دور جا کر پانی پی لوں گا۔ اب مشکیزہ کھولنے اور بند کرنے میں دیر لگے گی۔"

سعد نے کہا۔ "کیا آپ کے خیال میں چاروں اونٹوں پر پانی ہماری ضرورت سے بہت زیادہ نہیں؟"

"نہیں، فالتو پانی اونٹوں کے کام آئے گا۔ ممکن ہے کہ ہمارا سفر توقع سے زیادہ طویل ہو!" یہ کہہ کر سعد کا ساتھی بربریوں کی طرف متوجہ ہوا۔ "دیکھو اگر تم شرافت سے ہمارا ساتھ دو تو تمہاری جانیں محفوظ ہوں گی۔ ہم امیر یوسف کے لشکر کی قیام گاہ تک پہنچنا چاہتے ہیں اگر تم ہمیں وہاں لے چلو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم آزاد کر دیے جاؤ گے اور یہ اونٹ بھی تمہیں واپس دے دیے جائیں گے لیکن اگر تم نے ہمیں دھوکا دینے یا بھاگنے کی کوشش کی تو قتل کر دیے جاؤ گے!"

ایک بربری نے کہا۔ "ہم نے اپنے سردار کی سختیوں سے مجبور ہو کر لڑائی میں حصہ لیا ہے۔ اگر آپ وعدہ کریں کہ ہمیں مرابطین کے امیر کے پاس پناہ مل جائے گی تو ہم آپ کے ساتھ جانے کیلئے تیار ہیں۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔ تم بھی اونٹوں پر سوار ہو جاؤ اور ہمارے آگے آگے چلو — !" یہ کہہ کر وہ سعد کی طرف متوجہ ہوا اور عربی زبان میں بولا۔ "آپ محتاط رہیں۔ ابھی مجھے ان کے وعدوں پر یقین نہیں۔"

سعد نے ایک اونٹ پر کود کر سوار ہوتے ہوئے کہا۔ "آپ مطمئن رہیں میرا کوئی تیر خالی

نہیں جائے گا۔"

(۵)

کوئی تین کوس چلنے کے بعد سعد اور اس کے ساتھی نے اونٹوں سے اتر کر ایک مشکیزہ کھولا اور پانی پینے کے بعد دوبارہ سوار ہو گئے۔ سعد کے ساتھی نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "اب ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ لیکن ہمارا ہر لمحہ قیمتی ہے۔ قلعے کے محافظ دشمن کو زیادہ دیر نہیں روک سکیں گے۔ اگر دشمن قلعے پر قابض ہو گیا تو ہماری صحرا میں لڑنے والی فوج کے عقب میں رسد و کمک کے راستے خطرے میں پڑ جائیں گے۔"

سعد کے چند سوالات کے جواب میں اس کے ساتھی نے بتایا کہ میں مرابطین کی بحری فوج کا ایک عہدہ دار ہوں۔ میں نے دو جہازوں کے ساتھ بحیرہ روم کے ایک ٹاپو میں ڈاکوؤں کے اڈے پر حملہ کیا تھا۔ ہم نے ان کا ایک جہاز جلا دیا۔ دوسرا بھاگ نکلنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک قزاقوں کے چار اور جہاز اس طرف آ نکلے۔ میں نے مجبوراً واپسی کا حکم دیا۔ قلعے کی حفاظت کے لیے میں دو جہاز چھوڑ آیا تھا اور خیال تھا کہ اگر ہم واپس اس جگہ پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں تو دشمن کو آسانی سے شکست دے سکیں گے۔ قلعہ زیادہ دور بھی نہ تھا لیکن ہم دشمن کے تعاقب سے بچ کر ساحل کے قریب پہنچے تو ہمیں معلوم ہوا دشمن کے چند اور جہاز ہمارے جہازوں کو جلانے کے بعد خلیج پر قابض ہو چکے ہیں۔ اب ہمارے لیے آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ وہ پانچ جہاز جو ہمارا پیچھا کر رہے تھے قریب پہنچ چکے تھے۔ فتح اور شکست سے بے پروا ہو کر ہم نے خلیج کی طرف جمع ہونے والے جہازوں پر حملہ کیا اور دشمن کے دو جہازوں کو آگ لگا دی۔ لیکن اتنی دیر میں ہم چاروں طرف سے ان کے نرغے میں آ چکے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہمارے ایک جہاز کو آگ لگ گئی۔ میں نے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر اپنا جہاز ایک طرف نکالنے کی کوشش کی لیکن جلتے ہوئے جہازوں کے شعلوں نے دشمن کیلیے مشعل کا کام دیا۔ جب انھوں نے اس جہاز کو بھی آگ لگا دی تو ہم نے اچانک جلتے ہوئے جہاز کا رُخ بدل کر اسے دشمن کے قریب ترین جہاز کے ساتھ ٹکرا دیا۔ دشمن انتہائی کوشش کے باوجود اپنے جہاز کو آگ کے شعلوں کی زد سے نکالنے میں کامیاب نہ ہوا۔ اب دونوں جہازوں کے ملاح سمندر میں کود رہے تھے۔ اس افراتفری میں مجھے اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ایک کشتی پر سوار ہو کر کنارے تک پہنچنے کا موقع مل گیا۔ لیکن وہاں بھی دشمن ہماری تاک میں تھا۔ میرے ساتھیوں کی لاشیں تم دیکھ چکے ہو۔ ان میں چار بہترین جہاز ران تھے۔ چونکہ دشمن سمندر کی طرح خشکی پر بھی چوکس تھا۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ ہمارے جو آدمی رات کے وقت جہازوں سے کود کر کنارے میں پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہوں گے اس وقت تک شاید ان میں سے کوئی زندہ نہ ہو۔ اگر قدرت آپ کو وہاں نہ بھیجتی تو شاید میں بھی اس وقت تک زندگی سے زیادہ موت کے قریب ہوتا۔ اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ اندلس کے باشندے ہیں؟"

سعد نے جواب دیا۔ "آپ کا قیاس صحیح ہے۔ میں غرناطہ سے آیا ہوں۔ یہ اتفاق کی بات تھی کہ مجھے سبتہ سے اس طرف آنے والے جہاز پر جگہ مل گئی ورنہ میں خشکی کے راستے امیر یوسف تک پہنچنے کا ارادہ کر چکا تھا۔"

سعد کا ساتھی محسوس کر رہا تھا کہ یہ نوجوان غرناطہ کے پر رونق شہر سے اس ویرانے میں کسی اہم مقصد کے بغیر نہیں آیا۔ تاہم اس نے سعد کے عزائم کے متعلق براہِ راست کوئی سوال کرنا مناسب نہ سمجھا۔

دن کے تیسرے پہر تک وہ اونٹوں کو پوری رفتار سے ہانکتے رہے۔ لق و دق صحرا میں کہیں کہیں انھیں چھوٹے چھوٹے نخلستان دکھائی دیتے تھے۔ لیکن سعد کے ساتھی کو ان نخلستانوں میں رہنے والے قبائل کی دوستی یا دشمنی کے متعلق پورا اطمینان نہ تھا اس لیے اس نے راستے کی بستیوں کے قریب سے گزرنا مناسب نہ سمجھا۔

شام سے کچھ دیر پہلے جب وہ ایک بستی سے کترا کر گزر رہے تھے، سعد نے اپنے ساتھی سے سوال کیا۔ "آپ کو فوج کے مستقر کے صحیح محلِ وقوع کا علم ہے؟"

"نہیں۔ لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ ہمیں اسی سمت جانا چاہیے۔" یہ کہہ اس نے بربری قیدیوں کو آواز دی اور اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھو اگر تم آج رات ہمیں مستقر تک پہنچا دو تو میں تمہیں معقول انعام دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔"

ایک بربری نے جواب دیا۔ "اگر آپ کی فوج کہیں آگے نہیں نکل گئی تو ہمیں امید ہے کہ ہم غروب آفتاب سے تھوڑی دیر بعد وہاں پہنچ جائیں گے۔"

سعد نے اپنے ساتھی سے سوال کیا۔ "میرا خیال ہے کہ حملہ آوروں کی تعداد کئی ہزار ہے۔"

اس نے جواب دیا۔ "میں ان کی تعداد سے پریشان نہیں۔ انھوں نے صرف یہ سمجھ کر حملہ کیا ہے کہ ہماری فوج کی توجہ دوسرے محاذ پر ہے اور وہ کمک پہنچنے سے پہلے قلعے پر قابض ہو جائیں گے۔ اگر قلعے کے محافظ دو دن تک مقابلہ کر سکے تو ہماری فوج ان کی مدد کے لیے پہنچ جائے گی اور پھر ہمارے سواروں کے سامنے ان کا وہی حشر ہو گا جو آندھی کے سامنے خشک پتوں کا ہوتا ہے۔"

سعد نے کہا۔ "میں حیران ہوں یہ صحرائی لوگ اتنے جہاز کہاں سے لے آئے؟"

اجنبی نے کہا۔ "یہ چند جہاز جو آپ نے دیکھے ہیں، ہمارے دشمن کے بحری بیڑے کا معمولی حصہ ہیں۔ یورپ کی کئی سلطنتوں کے سمندری لٹیرے ان لوگوں کی پشت پر ہیں۔ بعض عیسائی حکمران بھی انھیں مدد پہنچا رہے ہیں۔ یہ لوگ افریقہ میں ہماری بیداری کو اپنے لیے خطرناک سمجھتے ہیں۔ مجھے خدشہ ہے کہ ان خطوں میں ہماری جنگ طول پکڑ جائے تو روم، یونان اور شمالی اندلس کے عیسائی افریقہ کے ساحل پر کھلے بندوں حملہ کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جنوب مغرب کی طرف پاؤں پھیلانے سے پہلے ان علاقوں میں مستحکم ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ قلعے پر بیک وقت بری اور بحری حملے کر کے دشمن یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ ہم کہاں تک افریقہ کے ساحل کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ اگر باغی قبائل قلعے پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو شمالی ممالک کے عیسائیوں کی طرف سے ان کے لیے رسد اور کمک کا راستہ کھل جائے گا۔"

سعد نے سوال کیا۔ "ان باغی قبائل کے ساتھ مسلمان بھی ہیں؟"

"ہاں چند نام نہاد مسلمان قبائل بھی ان کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ان قبائل کے سردار اور شیوخ افریقہ میں ایک اسلامی سلطنت کی تشکیل کو اپنے ذاتی اقتدار کے لیے خطرناک سمجھتے ہیں اور ہم افریقہ کے مستقبل کے لیے ان لوگوں کا وجود غیر مسلموں سے کم خطرناک نہیں سمجھتے۔"

(۶)

ایک پہر رات گزر چکی تھی اور تھکے ہوئے اونٹ آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہے تھے یہ لوگ تھکاوٹ اور بھوک سے نڈھال ہو چکے تھے۔ اچانک ریت کا ایک ٹیلہ عبور کرنے کے بعد انھیں روشنی دکھائی دی۔ بربری قیدی نے کہا۔ "لیجیے آپ کی منزل آ گئی! فوج کا پڑاؤ اس بستی کی دوسری جانب ہے۔"

وہ بستی کو ایک طرف چھوڑ کر نخلستان سے گزرتے ہوئے دوسری طرف پہنچے تو ان کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی، وہاں فوج چھوڑ کر کسی معمولی قافلے کے بھی آثار نہ تھے۔ وہ بدحواسی کی حالت میں تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سعد نے اپنی کمان پر تیر چڑھاتے ہوئے اپنے ساتھی سے عربی زبان میں کہا۔ "آپ ہوشیار رہیے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا ہے۔"

سعد کے ساتھی نے قیدیوں کی طرف متوجہ ہو کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "تم ہمیں کہاں لے آئے ہو، فوج کا پڑاؤ کہاں ہے۔ بولتے کیوں نہیں؟"

ایک قیدی نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ پانچ دن پہلے آپ کی فوج کا پڑاؤ اسی جگہ تھا۔ آپ نیچے اتر کر دیکھیں تو آپ کو پڑاؤ کے آثار مل جائیں گے۔ ورنہ آپ بستی میں جا کر لوگوں سے معلوم کر لیں وہ شاید آپ کو یہ بھی بتا دیں گے کہ آپ کی فوج کہاں گئی ہے۔"

سعد نے کہا۔ "تم لوگ اس بات کا یقین رکھو کہ اگر ہمیں یہاں کوئی خطرہ پیش آیا تو تمھاری خیر نہیں۔" پھر وہ اپنے ساتھی کی طرف متوجہ ہوا۔ "آپ ادھر گرد چکر لگا کر دیکھیں اور میں ان

کا خیال رکھتا ہوں۔"

اچانک ایک طرف سے آواز آئی "کون ہے؟"

جب اس طرف سے کسی نے جواب نہ دیا۔ تو کسی نے زیادہ بلند آواز میں کہا "کون ہے جواب کیوں نہیں دیتے؟" اور اس کے ساتھ ہی دوسری طرف سے چند اور آدمیوں کی آوازیں آنے لگیں۔ کون ہے، کیا ہوا؟ یہاں کھڑے کس کو آوازیں دے رہے ہو؟"

سعد کے ساتھی نے کہا "لیکن یہ ممکن نہیں کہ فوج نے یہاں سے کوچ کرتے وقت پڑاؤ بالکل خالی کر دیا ہو۔ یہاں کم از کم بیماروں، زخمیوں اور ان کے محافظوں کو ضرور ہونا چاہیے۔"

بربری قیدی نے آہستہ سے کہا "کیا اب بھی آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ دھوکا کر رہے ہیں؟"

"نہیں" سعد کے ساتھی نے مطمئن ہو کر چند قدم دور آپس میں بحث کرنے والے سپاہیوں کو آواز دی "کیا یہ مرابطین کے لشکر کی قیام گاہ ہے؟"

کسی نے جواب دیا "تم کون ہو؟ وہیں کھڑے رہو!"

"ہم ایک ضروری پیغام لائے ہیں۔"

آن کی آن میں آٹھ دس آدمی ان کے گرد جمع ہو گئے۔ ایک پہریدار نے سوال کیا "تم کہاں سے آئے ہو؟"

سعد کے ساتھی نے اس سوال کا جواب دینے کی بجائے کہا "تم میں سے کوئی سیر بن ابوبکر کو پہچانتا ہے؟"

ایک پہریدار بدحواس ہو کر چلایا "امیر البحر سیر بن ابوبکر! خدا کی قسم میں نے آپ کی آواز پہچان لی تھی لیکن مجھے یہ خیال بھی نہیں آ سکتا تھا کہ آپ اس وقت یہاں آ سکتے ہیں۔"

"امیر یوسف کہاں ہیں؟"

پہریدار نے جواب دیا "انھوں نے پرسوں یہاں سے مشرق کی طرف پیش قدمی کی تھی۔

آج خوشخبری آئی ہے کہ ہماری فوج نے یہاں سے کوئی بیس کوس دور دشمن کی بہت بڑی تعداد کو شکست دی ہے اور باغیوں کے پندرہ سرکردہ سردار گرفتار کر لیے گئے ہیں شاید ایک دو روز میں وہ واپس یہاں پہنچ جائیں۔"

سیر بن ابوبکر نے پوچھا "یہاں کتنے آدمی ہیں؟"

"کوئی تین سو۔ زیادہ تعداد زخمیوں اور بیماروں کی ہے۔"

سعد اور اس کا ساتھی اونٹوں سے اتر کر پہریداروں کے جلو میں کیمپ کے اندر داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد دو سپاہی مشعلیں اٹھائے سیر بن ابوبکر کے دائیں بائیں کھڑے تھے اور وہ کیمپ کے سالار کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ یہ بات سعد کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ اس کا رفیق سفر یوسف بن تاشفین کا چچازاد بھائی ہے، وہ خاموش کھڑا مشعل کی روشنی میں اس کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔

سیر بن ابوبکر نے کیمپ کے سالار سے کہا "میرا امیر یوسف کے پاس فوراً پہنچنا ضروری ہے۔ میرے لیے گھوڑا تیار کرو اور چار سوار جو راستے سے واقف ہوں، میرے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو جائیں اور اتنی دیر میں ہمارے لیے کھانا لے آؤ۔ لیکن تکلف کی ضرورت نہیں جو کچھ اس وقت تیار ہے لے آؤ۔ ہمارا وقت بہت قیمتی ہے۔"

پھر وہ سعد کی طرف متوجہ ہوا "آپ یہاں آرام کریں۔ میری منزل ابھی دور ہے۔"

"نہیں میں آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ بلکہ یہ بہتر ہوتا کہ آپ آرام کرتے اور میں امیر کے پاس پیغام لے جاتا۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ کا زخم بگڑ نہ جائے۔"

سیر بن ابوبکر نے مسکراتے ہوئے کہا "زخم کا تو مجھے خیال ہی نہیں رہا۔"

کھجوریں، باجرے کی خشک روٹی اور پنیر کھانے کے بعد امیر سیر اور سعد دوبارہ سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ گھوڑے پر سوار ہونے سے پہلے ابوبکر نے بربری قیدیوں کے متعلق کیمپ کے سالار کو ہدایت کی کہ یہ تین دن تک ہمارے مہمان رہیں گے اس کے بعد انھیں عزت کے

ساتھ رخصت کیا جائے اور ان اونٹوں کے علاوہ ہماری طرف سے ایک ایک گھوڑا اور پچاس پچاس دینار بطورِ انعام دیئے جائیں۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ تین دن تک انہیں یہاں رکھا جائے!"

(۷)

صبح کی نماز سے تھوڑی دیر بعد سیر بن ابوبکر لشکر کے پڑاؤ میں داخل ہوتے ہی گھوڑے سے کود پڑا۔ سعد نے اس کی تقلید کی۔ چند سپاہی آن کی آن میں ان کے گرد جمع ہو گئے۔

سیر بن ابوبکر نے سپاہیوں کے مؤدبانہ سلام کا ہاتھ کے اشارے سے جواب دیتے ہوئے سوال کیا۔ "امیر یوسف کہاں ہیں؟"

ایک سپاہی نے جواب دیا۔ "آئیے وہ اپنے خیمے میں ہیں۔"

سیر بن ابوبکر سعد کو ساتھ لے کر سپاہی کے پیچھے ہو لیا۔ سعد اپنے دل میں عجیب دھڑکنیں محسوس کر رہا تھا۔ افریقہ کے رجلِ عظیم کی مختلف خیالی تصویریں اس کے ذہن میں آ رہی تھیں۔ ان کا راہنما ایک کشادہ خیمے کے سامنے رکا۔ دروازے کا پردہ اٹھا ہوا تھا۔ سیر بن ابوبکر اور سعد کسی توقف کے بغیر اندر داخل ہوئے۔

امیر یوسف بن تاشفین کھجور کی ایک چٹائی پر بیٹھا اپنے کاتب کو کچھ لکھوا رہا تھا۔ سیر بن ابوبکر نے "السّلام علیکم" کہا۔ اس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے سر اٹھایا۔ ایک ثانیہ کے لیے اس کی نظریں اپنے چچازاد بھائی کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ اس کے چہرے کے خدوخال میں سادگی اور متانت کے علاوہ ایک غیر معمولی رعب و جلال تھا۔ اس کی نگاہوں کا تجسّس اس شیر کی مانند تھا جسے کسی نے چھیڑ کر گہری نیند سے بیدار کر دیا ہو۔

سیر بن ابوبکر نے کہا۔ "یا امیر! میں بہت بُری خبر لایا ہوں!"

"اس سے زیادہ بُری خبر کیا ہو سکتی ہے کہ میں تمہیں سمندر کی بجائے صحرا میں دیکھ رہا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے یوسف بن تاشفین اُٹھ کھڑا ہوا اور فیصلہ کن انداز میں بولا۔ "تمہید کی ضرورت نہیں۔ مجھے جلدی بتاؤ!"

سیر بن ابوبکر نے چند الفاظ میں اپنی سرگزشت بیان کر دی۔ سعد کی توقع کے خلاف مرابطین کا امیر انتہائی صبر و سکون کے ساتھ تمام واقعات سُن رہا تھا اور اس کے کشادہ چہرے پر اضطراب کا نشان تک نہ تھا۔ اس کے بعد جب وہ اپنے چچازاد بھائی سے سوالات پوچھ رہا تھا تو سعد یہ محسوس کر رہا تھا کہ ایک سمندر کی پُرسکون سطح کے نیچے اتھاہ گہرائیوں میں سونے والے طوفان کروٹیں لے رہے ہیں اور پھر جب وہ خیمے سے باہر نکل کر بلند آواز میں اپنے سپاہیوں اور سالاروں کو حکم دے رہا تھا، سعد یہ محسوس کر رہا تھا کہ زندگی کے تمام ہنگامے سمٹ کر اس درویش خصلت حکمران کے وجود میں سما چکے ہیں۔ وہ خوبصورت آنکھیں جن میں چند لمحے پیشتر شفقت، رحم اور محبت کے دریا موجزن تھے، اب بجلیوں کا گہوارہ بنی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر میں پانچ ہزار سوار اس کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ کوچ کرنے سے پہلے اس نے پیادہ سپاہ کے سالاروں کو حکم دیا، کہ وہ پچھلے پڑاؤ پر پہنچ کر حکم ثانی کا انتظار کریں! پھر وہ سیر بن ابوبکر کی طرف متوجہ ہوا۔ "سیر! تم زخمی ہو، اس لیے آرام کرو!"

"نہیں میرا زخم بہت معمولی تھا۔ اب تو میں محسوس بھی نہیں کرتا۔"

"اور تم ——؟" وہ پہلی بار سعد کی طرف متوجہ ہوا۔

سعد بولا۔ "مجھے تھکاوٹ ہے نہ زخم۔ میں آپ کا ساتھ دوں گا!"

سیر بن ابوبکر اپنی سرگزشت کے دوران میں سعد کا تعارف کروا چکا تھا۔ تاہم اس نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ امیر یوسف نے ابھی تک اس کی طرف توجہ نہیں دی، دوبارہ کچھ کہنے کی ضرورت محسوس کی۔ "یہ غرناطہ سے ہمارے جہاد میں شریک ہونے کی تمنا لے کر آئے ہیں۔"

امیر یوسف نے کہا۔ "نوجوان! تم نے جس میدان میں پاؤں رکھا ہے وہ بہت وسیع ہے تمہیں اپنی قوتِ بازو کی آزمائش کیلئے ان گنت موقعے ملیں گے۔ لیکن اس وقت تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم بہت زیادہ تھکے ہوئے ہو۔"

سعد نے جواب دیا۔ "آپ کے حکم کی تعمیل میرا فرض ہے۔ لیکن میری سب سے بڑی خواہش

یہی ہے کہ میں آپ کے ساتھ چلوں۔ کاش میرا چہرہ میرے احساسات کی ترجمانی کر سکتا۔"

امیر یوسف نے اپنے ایک سالار کو آواز دے کر کہا "اس نوجوان کو بہترین گھوڑا دیا جائے!"

تھوڑی دیر بعد نقارے پر چوٹ پڑی اور صحرا میں اٹھتے ہوئے غبار نے پانچ ہزار جانبازوں کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ سعد بن عبدالمنعم افریقہ کے شہسوار کے ہم رکاب تھا۔ قدرت نے اس کی توقع سے بہت پہلے اس کے لیے جہد و عمل کے دروازے کھول دیئے تھے۔ اس کے کانوں میں بار بار یوسف بن تاشفین کے یہ الفاظ گونج رہے تھے۔ "تم نے جس میدان میں پاؤں رکھا ہے وہ بہت وسیع ہے۔" وہ ماضی کے نقاب اٹھا کر ان قافلوں کا تصور کر رہا تھا جو عرب کے ریگ زاروں سے نکل کر ساری دنیا پر چھا گئے تھے۔ اس نے بار بار یہ دعائیں مانگی تھیں کہ عالم اسلام سے پھر کوئی خالدؓ یا طارقؒ نمودار ہو اور وہ اس سے جا کر کہے "میں تمہاری فوج کا سپاہی ہوں۔ میں نے یہ تمام سپاہیانہ فنون اسی لیے سیکھے ہیں کہ تمہارا ساتھ دوں!"

امیر یوسف بن تاشفین گھوڑا دوڑاتا ہوا فوج کے مختلف دستوں کو ہدایت دیتا ہوا چند بار اس کے قریب سے گزرا تو اس کے دل میں خیال آیا "کیا یہ وہی شہسوار ہے جسے قدرت نے اس زمانے میں طارقؒ کی یاد تازہ کرنے کے لیے منتخب کیا ہے۔ کیا یہی وہ مجاہد ہے جو کسی دن اندلس کے مسلمانوں کا نجات دہندہ ثابت ہوگا ——— کیا یہ الفانسو کے خلاف وہی تلوار بلند کرے گا جو طارقؒ نے راڈرک کے خلاف بلند کی تھی؟" وہ یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ افریقہ میں امیر مرابطین کا کام بہت وسیع ہے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ یہ کام جس قدر وسیع ہے اسی قدر ضروری بھی ہے۔ افریقہ کی ایک طاقتور سلطنت نہ صرف اندلس کے مسلمانوں کی پشت پناہی کر سکے گی بلکہ وہ یورپ کی تمام ان سلطنتوں کا جواب ہوگی جو عالم اسلام پر آخری ضرب کیلئے صلیب کے جھنڈے تلے متحد ہو رہی ہیں۔

(۸)

حملہ آور قلعے پر ایک فیصلہ کن حملہ کر چکے تھے۔ اس سے قبل قلعے کے محافظ انھیں تین بار قلعے کی چار دیواری سے ہٹا چکے تھے۔ تیسرا حملہ جو انھوں نے رات کے تیسرے پہر کیا تھا بہت شدید تھا اور

چند آدمی سیڑھیاں لگا کر قلعے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن انھیں ابھی تک قلعے پر قابض ہونے میں کامیابی نہ ہوئی تھی۔ محافظ دستے نے جان پر کھیل کر ایک بار پھر پیچھے دھکیل دیا تھا۔ ان حملوں میں قلعے کے سو محافظ سپاہیوں میں سے چالیس شہید ہو چکے تھے۔ طلوع آفتاب کے ساتھ ہی جب محاصرہ کرنے والوں نے آخری حملہ کیا تو ان ساٹھ آدمیوں میں سے کسی کو یہ یقین نہ تھا کہ وہ آج کے آفتاب کو غروب ہوتا دیکھ سکیں گے۔ ان کے ترکش قریباً خالی ہو چکے تھے۔ لیکن عین اس وقت جب دشمن تین اطراف سے قلعے پر یلغار کر چکا تھا اور قلعے کے محافظ انتہائی مایوسی کی حالت میں انھیں روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔

جنوب کے افق سے گرد و غبار کے بادل نمودار ہوئے اور قلعے کا زخمی سالار جو دروازے کے برج پر کھڑا اپنے سپاہیوں کو ہدایت دے رہا تھا، بلند آواز میں چلایا۔ "مجاہدو! ہمت کرو! ڈٹ جاؤ! فوج آگئی۔ ہماری فوج آگئی!!"

سپاہی ایک نئے ولولے کے ساتھ سیڑھیوں کے ذریعے قلعے کی دیواریں پھاندنے والے حملہ آوروں کو نیزوں، پتھروں اور تلواروں سے روکنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد گرد کے بادلوں سے نمودار ہونے والے سوار نصف دائرے میں قلعے کی تین اطراف میں پھیل گئے، حملہ آوروں کے پیادہ اور سوار جنوب کے نشیب میں اپنے پڑاؤ کی حفاظت پر متعین تھے، بدحواس ہو کر ساحل کے ٹیلوں اور پہاڑیوں کا رخ کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں مرابطین کی نصف فوج گھوڑوں سے اتر کر قلعے کے اردگرد چٹانوں اور پتھروں کی آڑ میں مورچے بنا چکی تھی۔ چند دستے ان کے گھوڑوں کی حفاظت کر رہے تھے اور باقی سوار پڑاؤ سے فرار ہونے والوں کا تعاقب کر رہے تھے۔ حملہ آوروں کی فوج کا بیشتر حصہ جو کچھ دیر قبل قلعے پر یلغار کر رہا تھا، اب اپنی جانیں بچانے کی فکر میں تھا۔ وہ کبھی بھاگ نکلنے کی کوشش میں مرابطین کے تیراندازوں کی زد میں آجاتے اور کبھی سمٹتے ہوئے پھر قلعے کی چار دیواری تک جا پہنچتے۔ دوپہر تک مرابطین کا لشکر دشمن کے ڈیڑھ ہزار آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار [illegible]

کے بعد باقی فوج کو سمندر کی طرف دھکیل رہا تھا۔ خلیج میں ان کے پانچ جہاز کھڑے تھے اور بعض سپاہی پانی میں کود کر ان جہازوں تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن ان میں سے اکثر مرابطین کے تیروں کا شکار ہو رہے تھے۔ تین جہاز اس نئی صورت حال کے باعث خلیج کو چھوڑ کر کھلے سمندر کی طرف نکل گئے اور ان کے متعلق بعد میں امیر یوسف کو جنگی قیدیوں کی زبانی علم ہوا کہ ان میں سے دو اطالیہ اور ایک فرانس کے بحری ڈاکوؤں کا تھا۔ باقی جہاز قلعے سے ذرا دور خلیج کے ایک کشادہ حصے میں پہنچ چکے تھے اور ان کے ملاح سمندر میں کودنے والوں کو کشتیوں پر لاد کر ان جہازوں تک پہنچانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن تھوڑی دیر میں خلیج کے دونوں کناروں پر مرابطین کا پورا قبضہ ہو چکا تھا۔ غروب آفتاب سے کچھ دیر قبل دشمن کی رہی سہی فوج نے جس کی تعداد چار ہزار کے لگ بھگ تھی ہتھیار ڈال دیے۔ اب باقی جہاز بھی کھلے سمندر کا رخ کر رہے تھے۔

یوسف بن تاشفین نے قلعے میں داخل ہو کر مغرب کی نماز ادا کی۔ چونکہ قلعے میں زیادہ فوج کے لیے جگہ نہ تھی۔ اس لیے امیر یوسف نے پانچ سو سپاہی وہاں چھوڑ کر باقی فوج کے ساتھ وادی میں جہاں کچھ دیر قبل دشمن کا پڑاؤ تھا، قیام کیا۔ دشمن کے سینکڑوں گھوڑے، اونٹ اور ایک بڑی مقدار میں سامانِ رسد اُن کے قبضے میں آچکا تھا۔ جنگی قیدیوں کو پڑاؤ کے قریب جمع کر کے اُن پر پہرے داروں کا دستہ متعین کیا گیا۔

رات کو کھانا کھاتے وقت یوسف بن تاشفین نے سیر بن ابوبکر سے پوچھا۔ "تمہارا اندلسی دوست کہاں ہے؟ آج لڑائی میں مَیں خاص طور پر اُسے دیکھتا رہا ہوں۔ میرے خیال میں اس کے ترکش کا کوئی تیر بھی رائیگاں نہیں گیا ہوگا۔ قلعے سے واپس آتے وقت وہ ہمارے ساتھ تھا۔ اب کہاں ہے وہ؟"

سیر نے جواب دیا۔ "وہ یہاں پہنچتے ہی زمین پر لیٹ کر گہری نیند سو گیا ہے اور میں نے اُسے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ بہت تھکا ہوا ہے؟"

"وہ زخمی تو نہیں؟"

"میں نے یہ نہیں دیکھا اور اس نے مجھے بتایا بھی نہیں۔"

ایک سالار نے کہا۔ "میں نے اس کی آستین پر خون کے دھبے دیکھے تھے لیکن میرے استفسار پر اس نے مسکرا کر کہا۔ "یہ معمولی خراش ہے۔"

امیر یوسف نے کہا۔ "سیر! تمہیں اس کا خیال کرنا چاہیے تھا۔ ہمیں ایسے نوجوانوں کی بہت ضرورت ہے!"

کھانا ختم کرنے کے بعد سیر نے پانی کے چند گھونٹ پیے اور اُٹھتے ہوئے کہا۔ "میں اُسے دیکھ آؤں!"

امیر یوسف نے کہا۔ "ٹھہرو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

(۹)

سعد گہری نیند سے بیدار ہوا اور مشعل کی روشنی میں اسے اپنے ارد گرد چند آدمی دکھائی دیے۔ ایک آدمی جھک کر اس کے قمیص کی آستین اوپر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ مرابطین کا امیر تھا۔ سعد گھبراہٹ کی حالت میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

یوسف بن تاشفین نے کہا۔ "اوہو! تم لیٹے رہو۔ میں تمہارا زخم دیکھنا چاہتا تھا۔"

سعد نے قدرے کھسیانا ہو کر کہا۔ "یہ معمولی خراش ہے۔"

یوسف نے زخم دیکھ کر کہا۔ "پھر بھی زخم کو کھلا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ لاؤ میں پٹی باندھ دوں۔"

سعد کے بازو پر پٹی باندھنے کے بعد امیر یوسف نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "سیر! تم انھیں اپنے ساتھ لے جا کر کھانا کھلاؤ۔ میں دوسرے زخمیوں کو دیکھ آؤں۔"

اگلی شام مغرب کے بحری اڈوں سے مرابطین کے دس جہاز پہنچ گئے اور ان کے امیر البحر نے یہ خوشخبری سنائی کہ ہم چند میل دور دشمن کے تین جہازوں کو تباہ کر چکے ہیں اور ایک جہاز کے یونانی کپتان کو ہم نے زندہ گرفتار کر لیا ہے۔

چوتھے روز صبح کی نماز کے بعد امیر یوسف نے سعد بن عبدالمنعم کو اپنے خیمے میں بلایا اور کہا۔ "نوجوان مجھے تمہارے ساتھ باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا۔ میرا فرض تھا کہ میں تمہاری آمد کی وجہ دریافت کرتا۔ اگر کسی معاملے میں تمہاری اعانت کر سکوں تو مجھے خوشی ہو گی۔"

سعد بن عبدالمنعم نے قدرے توقف کے بعد جواب دیا۔ "میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہتا کہ توحید کے علمبرداروں کی فوج کا ایک سپاہی بنوں اور میرا خون اور پسینہ عالمِ اسلام کے اس دفاعی حصار کی تعمیر میں صرف ہو جس کی بنیاد آپ نے رکھی ہے۔ اندلس کے مسلمان آج زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہیں اور میں یہ معلوم کرنے کے لیے آیا تھا کہ آنے والے پُرآشوب دور میں افریقہ میں ہمارے بھائی ہماری کیا مدد کر سکیں گے۔ یہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ اندلس کے دفاع کی جنگ اس وقت افریقہ کے میدانوں میں لڑی جا رہی ہے اور وہ مجاہد جو افریقہ کے آخری کونے تک اسلام کا بول بالا دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس عظیم مہم سے فارغ ہونے کے بعد اندلس کے مسلمانوں کی مظلومیت اور بے بسی سے اپنی آنکھیں بند نہیں کریں گے۔ میں اس مہم میں آپ کے ساتھ شریک ہونا اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھتا ہوں۔"

یوسف بن تاشفین نے کہا۔ "لیکن اگر میں اندلس کے مسلمانوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت گوارا نہ کروں تو؟"

"مجھے یقین ہے کہ جب الفانسو کی تلوار ان کی شاہرگ تک پہنچ جائے گی تو آپ مداخلت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اندلس کے مسلمان خود آپ سے مداخلت کی التجا کریں گے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ افریقہ میں اپنا کام ادھورا چھوڑ کر اندلس کی طرف متوجہ ہو جائیں لیکن جب افریقہ میں آپ کا کام ختم ہو جائے گا تو میں آپ کو یقین دلا سکوں گا کہ آپ کی دوسری منزل اندلس ہے اور اس وقت تک میں ایک سپاہی کی حیثیت میں آپ کا ساتھ دینا چاہتا ہوں۔"

یوسف بن تاشفین نے کہا۔ "تم نے میرے ساتھ بہت بلند توقعات وابستہ کی ہیں اور میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں انھیں کہاں تک پورا کر سکوں گا لیکن میں تمہیں یہ اطمینان دلا سکتا

ہوں کہ جب تک الجزائر سے لے کر دریائے سینیگال تک افریقہ کے لوگ ایک جھنڈے تلے نہیں آ جاتے میں چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ طوائف الملوکی کے باعث اہلِ افریقہ بھی کسی دن انہی مصائب کا سامنا کریں جو آج اندلس کے مسلمانوں کو پیش آ رہی ہیں۔ اس کام کے لیے مجھے ایسے سپاہیوں کی ضرورت ہے جو پیٹ پر پتھر باندھ کر لڑ سکتے ہوں اور سپاہیوں سے زیادہ ایسے اولوالعزم مبلغین کی ضرورت ہے جو اسلام کی تبلیغ کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر سکتے ہوں۔"

"مجھے آپ جہاد اور تبلیغ دونوں کے لیے تیار پائیں گے۔"

"میں تمہارا خیر مقدم کرتا ہوں۔ لیکن یاد رکھو۔ سردست میں اندلس کے متعلق تمہارے ساتھ کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ میں یہ دُعا ضرور کرتا رہوں گا کہ جب کوئی موزوں وقت آئے تو خدا مجھے اندلس کے متعلق صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق دے۔"

سعد نے کہا۔ "میں آپ سے کسی طرح کا مطالبہ نہیں کرتا اور آپ کو یقین دلاتا ہوں جب تک میں افریقہ میں ہوں اسلام کی فلاح و ترقی کے لیے آپ کے ساتھ میرا تعاون غیر مشروط ہو گا۔"

امیر یوسف نے کہا۔ "اب میں تم سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں اور میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ تم صاف گوئی سے کام لو گے۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم یہاں اپنے ارادے سے آئے ہو یا کسی کے کہنے پر؟"

سعد نے جواب دیا۔ "میں یہاں آنے کے لیے غرناطہ کے ایک فقیہ قاضی ابوجعفر کا مرہونِ احسان ہوں۔ لیکن اگر آپ کو یہ شک گزرا ہے کہ میں ملوک الطوائف میں سے کسی ایک کے ایما پر یہاں آیا ہوں تو مجھے اپنی ساری سرگزشت بیان کرنے کی اجازت دیجیے!"

یوسف بن تاشفین نے اپنے چہرے پر شفقت آمیز مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ "تمہاری سرگزشت تمہاری پیشانی پر لکھی ہوئی ہے۔ تمہاری رگوں میں ایک بہادر باپ کا خون ہے

تمھیں کسی نیک ماں نے دُودھ پلایا ہے۔ تمھاری تربیت کسی قابلِ احترام اُستاد نے کی ہے۔
بہرحال مجھے اُن واقعات کے ساتھ دلچسپی ہوگی جن کے باعث تمھاری عمر کا ایک نوجوان
غرناطہ کا پُر رونق شہر چھوڑ کر اس ویرانے میں آگیا ہے۔"

سعد نے مختصراً قرطبہ کے انقلاب کے وہ واقعات بیان کر دیے جنھوں نے اسے ہوش
سنبھالتے ہی اندلس کے اجتماعی مسائل کے متعلق سوچنے کا عادی بنا دیا تھا۔

(۱۰)

افریقہ کے قیام کے دوران میں سعد بن عبدالمنعم اپنے آپ کو ایک بہترین سپاہی اور
ایک کامیاب مبلغ ثابت کرتا رہا۔ وہ جب کبھی کسی بری یا بحری مہم سے فارغ ہوتا تو افریقہ
کے علما کے ساتھ دُور اُفتادہ علاقوں میں بسنے والے غیر مسلم قبائل میں اسلام کی تبلیغ کے
لیے چلا جاتا۔ وہ صحرائی قبائل کی زبان میں بے تکلفی کے ساتھ تقریر کر سکتا تھا۔

افریقہ میں مجاہدانہ سرگرمیوں کے باوجود سعد کی زندگی میں ایسے لمحات بھی آتے تھے
جب اسے اپنی غریب الوطنی کا احساس پریشان کرتا تھا۔ کبھی کبھی وہ تنہائی میں بیٹھ کر غرناطہ
کا تصور کرتا۔ ماں، بھائیوں، عزیزوں اور دوستوں کی صورتیں اس کی آنکھوں کے سامنے
پھرنے لگتیں۔ وہ تصور میں ان کے ساتھ باتیں کرتا۔ "تم خیال کرتے ہوگے کہ میں تمھیں بھول
گیا ہوں۔ نہیں۔ میں تمھیں بھولا نہیں۔ میں تمھیں دیکھنے کے لیے بے تاب ہوں۔ میں بہت جلد
تمھارے پاس آؤں گا۔" پھر اُسے میمونہ کا خیال آتا اور اس کے دل کی گہرائیوں میں لطیف،
میٹھے اور سہانے نغمے جاگ اٹھتے۔ رات کی تنہائیوں میں کسی ریت کے ٹیلے پر بیٹھ کر وہ جگمگاتے
ہوئے ستاروں کی طرف دیکھ کر سوچتا، میمونہ شاید اس وقت ان ستاروں سے پوچھ رہی ہوگی
کہ اندلس کے اُفق پر صبحِ آزادی کا سورج کب نمودار ہوگا اور صرف میمونہ ہی نہیں اندلس
میں قوم کی لاکھوں بیٹیاں ہر رات ان ستاروں سے یہ سوال پوچھتی ہوں گی کہ قوم کے فرزند
کب ان تاریک فضاؤں میں آزادی کی قندیلیں روشن کریں گے!

کبھی کبھی وہ یہ سوچتا کہ مجھے چند دن کے لیے گھر جانا چاہیے۔ اگر غرناطہ کی حکومت
اب تک میری تلاش میں ہو تو بھی میں بھیس بدل کر وہاں جا سکتا ہوں۔ میں زیادہ دیر وہاں
نہیں ٹھہروں گا۔ امیر یوسف خوشی سے مجھے اجازت دے دیں گے۔ وہ یہ فیصلہ کرنے کے
بعد اٹھتا اور امیر یوسف کی قیام گاہ کا رُخ کرتا لیکن اس کی مجلس میں فوج کے افسروں
کو نئی جنگوں اور علما کو تبلیغی مُہموں کے متعلق باتیں کرتے سُن کر اس کے خیالات کی رَو بدل
جاتی اور اس کے کانوں میں باپ کے یہ الفاظ گونجنے لگتے۔ "ہمارا مقصد ہماری زندگی سے بڑا ہے۔"

سعد نے رمضان کا مہینہ سبتہ میں گزارا۔ کئی مہینے دُور اُفتادہ مقامات میں گزارنے
کے باعث اسے اپنے گھر کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ اس نے احمد کے نام ایک خط لکھا
اور سیر بن ابوبکر نے غرناطہ میں ایک خاص ایلچی بھیجنے کا انتظام کر دیا۔ عید سے دو دن بعد
ایلچی واپس آیا اور اس نے اسے دو خط پیش کیے۔ ایک میمونہ اور دوسرا شیخ ابوصالح
نے لکھا تھا۔ میمونہ کا خط یہ تھا:

"میرے محترم! احمد، حسن اور میرے بھائی ادریس گھر میں نہیں ہیں اور میں آپ
کی والدہ محترمہ کے حکم سے یہ خط لکھ رہی ہوں۔ اندلس میں علماء کی مہم کی ناکامی
کے بعد قاضی ابوجعفر نے غرناطہ واپس آتے ہی رضاکاروں کو مختلف شہروں
کی طرف روانہ کر دیا ہے۔ حسن سرقسطہ اور احمد طلیطلہ جا چکا ہے۔ آپ کے کئی
اور ساتھی بھی مختلف مقامات کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ انھوں نے مجھے اپنی
مہم کی تفصیلات نہیں بتائیں۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ وہ مقامی
کارکنوں کے ساتھ شامل ہو کر عوام کو اجتماعی خطرے کے مقابلے کے لیے متحد
کریں گے۔ بھائی ادریس تجارتی کاروبار کے سلسلے میں مالقہ گیا ہوا ہے۔ آپ
کی امی جان کی تنہائی محسوس کرتے ہوئے مجھے خالہ نے ان کے ساتھ رہنے
کی اجازت دے دی ہے۔ وہ ہر نماز کے بعد یہ دعا کیا کرتی ہیں کہ خدا میرے بچوں

کو اسلام کا بول بالا کرنے کی ہمت دے اور میں بھی ہر سانس کے ساتھ آپ کی کامیابی کے لیے دُعا کیا کرتی ہوں۔ مجھے صرف یہ شکایت ہے کہ وہ منزلیں جو آپ نے اپنے لیے منتخب کی ہیں۔ میری پرواز سے بہت دُور ہیں۔ خدا معلوم رات کا مسافر صبح کا پیغام کب لائے گا؟"

میمونہ

شیخ ابو صالح نے اپنے خط میں غرناطہ اور باقی اندلس کے تازہ واقعات پر تبصرہ کیا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ ابن عمار، معتمد کے ہاتھوں قتل ہو چکا ہے۔ اہلِ طلیطلہ اپنے حکمران یحییٰ[1] ذالنون سے سخت نالاں ہیں اور وہاں ایک عام بغاوت کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ الفانسو کی افواج سرقسطہ، بلنسیہ اور اشبیلیہ کی سرحدوں پر جمع ہو رہی ہیں۔ اندلس کے عوام میں بزدلی اور سراسیمگی پھیل رہی ہے اور مجھے قاضی ابو جعفر کی نئی مہم کی کامیابی کی زیادہ اُمید نہیں۔ اندلس کے سنجیدہ لوگ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ اب افریقہ کے مرابطین ہی انھیں تباہی سے بچا سکیں گے۔ قاضی ابو جعفر چند دن غرناطہ رہ کر قرطبہ چلے گئے ہیں۔ وہ غالباً ایک ماہ تک واپس آئیں گے۔ ان کی خواہش تھی کہ تم اس عرصے میں اپنی کارگزاری کی مفصل اطلاع بھیجو۔ تم نے جو خط احمد کی طرف لکھا تھا، وہ میں نے قاضی ابو جعفر کو دکھایا تھا۔ لیکن وہ زیادہ مطمئن نہیں تھے۔

---

[1] یا مزن ذوالنون کا بیٹا۔ اسے یحییٰ القادر بھی کہا جاتا ہے۔

احمد بن عبد المنعم طلیطلہ میں

سعد بن عبد المنعم کو افریقہ میں چھوڑ کر ہم اندلس کی تاریخ کا ایک اور ورق اُلٹتے ہیں۔ ابنِ عمار کی نخوت تمسخر کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ خوشامدی اُسے ایک وزیر کی بجائے بادشاہ کہا کرتے تھے اور وہ اپنی شان میں قصائد لکھنے والوں کو معتمد کے درباری شاعروں کی نسبت بڑھ چڑھ کر انعام دیا کرتا تھا۔ جب وہ معتمد کے نائب السلطنت کی حیثیت میں مرسیہ کے انتظامات سنبھالنے کے لیے روانہ ہوا تو خوشامدی دوستوں کا ایک جلوس اس کے ساتھ تھا۔ دو سو خچروں پر اس کے عیش و نشاط کا سامان لدا ہوا تھا۔ راستے کے ہر شہر میں اس نے دربار منعقد کیے اور لوگوں کو انعام و اکرام سے نوازا۔ ان درباروں میں وہ معتمد کی طرح بیش قیمت قبا اور جواہرات سے مرصع ٹوپی پہنا کرتا تھا۔

اشبیلیہ میں اس کے حاسد موجود تھے، معتمد کے دربار میں ایک اور نامور شاعر ابنِ زیدون اسے اپنی ترقی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتا تھا۔ اس نے ابنِ عمار کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھایا اور ان تمام امراء کو اپنے ساتھ ملالیا جو ابنِ عمار کے اقتدار سے جلتے تھے۔ معتمد جیسے جذباتی انسان کو ابنِ عمار سے بدظن کرنے میں انھیں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ مرسیہ سے اس قسم کی اطلاعات آرہی تھیں۔ جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ابنِ ؓ اپنے آقا کے حکم سے منحرف ہے اور مرسیہ میں ہر فیصلہ اپنی مرضی سے کرتا ہے۔

ابنِ طاہر مرسیہ کا سابق حکمران ابن عمار کی قید میں تھا۔ ابن عمار نے اسے اپنا مطیع کرنے کے لیے اُسے ایک پُر تکلف خلعت بھیجی لیکن ابنِ طاہر نے ابن عمار کی خلعت کو ٹھکرا

دیا اور اس کے ایلچی سے کہا: "میں اس شخص کا مطیع ہونے کے لیے تیار نہیں جو کل تک روٹی کی خاطر لوگوں کے قصائد لکھا کرتا تھا۔" ابنِ عمار جیسے خود پسند کے لیے یہ توہین آمیز الفاظ ناقابلِ برداشت تھے۔ چنانچہ اس نے یہ عہد کیا کہ وہ ابنِ طاہر کو اس وقت تک قید میں رکھے گا، جب تک کہ وہ اس کے پاؤں پر گرنے کے لیے آمادہ نہیں ہو جاتا۔

بلنسیہ کا حکمران ابن عبد العزیز ابنِ طاہر کا دیرینہ دوست تھا۔ معتمد کے ساتھ بھی اس کے تعلقات بہت خوشگوار تھے۔ چنانچہ اس نے معتمد کو خط لکھا۔ ابن طاہر کی سفارش کی اور معتمد نے ابن عمار کو حکم بھیجا کہ ابنِ طاہر کو رہا کر دیا جائے۔ ابنِ عمار نے معتمد کے اس حکم کی پروانہ کی۔ لیکن ابنِ طاہر ایک دن قید خانے سے فرار ہوا اور ابنِ عبد العزیز کے پاس پہنچ گیا۔ ابنِ عمار نے غصے کی حالت میں ابنِ عبد العزیز کی ہجو لکھ ڈالی۔ ابنِ عبد العزیز کے پاس یہ نظم پہنچی تو اس نے معتمد سے شکایت کی۔ اس پر معتمد کو غصہ آیا اور اس نے ابن عمار کے متعلق ایک نظم لکھ کر اس کے پاس بھیج دی۔ پھر اس کے جواب میں ابنِ عمار نے قلم اٹھایا اور وہ نظم[1] لکھ ڈالی جو اس کے زوال اور بالآخر قتل کا باعث ہوئی۔

ابنِ عمار نے یہ ہجو[2] انتہائی طیش یا شراب کے نشے کی حالت میں لکھی تھی۔ تاہم اس نے

---

[1] معتمد کی نظم کے بعض اشعار کا مفہوم یہ ہے :۔ بنی عمار (ابن عمار کا خاندان) وہ ہیں جو کل تک ذلت و خواری کے ساتھ ہر صاحبِ زر کے قدموں پر پڑے رہتے تھے۔ اگر ان کے آقا انھیں روٹی کے دو لقمے بھی دے دیتے تھے تو ان کی عید ہو جاتی تھی۔ وہ ذلیل خدمات کے صلے میں ذلت کی حالت سے اٹھا کر بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیے گئے۔

[2] ابن عمار کی ہجو کا مفہوم یہ تھا: "اے معتمد! قوم کی بیٹیوں میں سے تو نے اسے پسند کیا جو رمیک کی لونڈی تھی اور لونڈی بھی ایسی ذلیل کہ اس کا مالک اسے اونٹ کے ایک سالہ بچے کے عوض فروخت کر ڈالتا۔ تین بدکار بیٹیاں اور دو ڈھنگے اور بدمعاش بیٹے تجھے شرم دلانے کے لیے اس کے بطن سے پیدا ہوئے۔ معتمد! میں تیری بے عزتی کو سارے عالم میں مشعل کی طرح روشن کر دوں گا اور وہ پردہ اٹھا دوں گا جو تیرے گناہوں کو چھپائے ہوئے ہے۔

اپنے چند قابلِ اعتماد دوستوں کے سوا یہ ہجو کسی کو نہ سنائی لیکن ان دوستوں میں سے ایک یہودی ابنِ عبد العزیز کا جاسوس تھا۔ اس نے یہ نظم عبد العزیز کے پاس اور عبد العزیز نے معتمد کے پاس پہنچا دی۔ اب ابنِ عمار اور معتمد کے درمیان وہ خلیج حائل ہو چکی تھی جسے پاٹنا ناممکن تھا۔ خوشامدی دوست اس کا زوال دیکھ کر اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ ابنِ عمار کی نمائشی ضیافتوں اور عیاشیوں کے باعث مرسیہ کا خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ سپاہیوں نے جنہیں کئی مہینے سے تنخواہیں نہیں ملی تھیں، تنگ آ کر ابنِ عمار کو دھمکی دی کہ اگر اس نے فوراً ان کی بقایا تنخواہیں ادا نہ کیں تو وہ اسے معتمد کے حوالے کر دیں گے۔ عوام نے اسے ٹیکس دینے سے انکار کر دیا۔ جو لوگ کل تک اس کی شان میں قصائد کہتے تھے اب اس کی ہجو لکھ رہے تھے۔ ابن عمار کے دماغ سے اقتدار کا نشہ اتر چکا تھا۔ وہ مرسیہ چھوڑ کر بھاگا اور الفانسو کے پاس پہنچ کر مدد کی درخواست کی لیکن الفانسو گرتے ہوئے محل کو سہارا دینے والوں میں سے نہ تھا۔ وہاں سے مایوس ہو کر ابنِ عمار یکے بعد دیگرے اندلس کے مختلف حکمرانوں کے پاس گیا۔ بالآخر بنی سہل نے اسے گرفتار کر کے معتمد کے پاس فروخت کر دیا۔

ابنِ عمار جو کبھی شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ اشبیلیہ میں داخل ہوا کرتا تھا۔ اب ایک قیدی کی حیثیت سے وہاں پہنچا۔ اس کی قبا پھٹی ہوئی تھی اور زنجیروں کے بوجھ کے باعث اس کے ہاتھ اور پاؤں زخمی تھے۔ وہ لوگ جو فرطِ عقیدت سے اس کے ہاتھوں کو بوسے دیا کرتے تھے اب اس پر آوازیں کس رہے تھے۔ وہ سر جس پر وہ ایک بالشت اونچی اور جواہرات سے مرصع ٹوپی پہنا کرتا تھا اب شرم و ندامت سے جھکا جا رہا تھا۔

معتمد اپنے باپ کی طرح پرلے درجے کا منتقم مزاج نہ تھا ممکن تھا کہ وہ ابنِ عمار کی سابقہ خدمات کے عوض درگزر کرتا لیکن رمیکیہ اور اس کے بیٹے اس کے خون کے پیاسے تھے۔

ابنِ عمار کچھ عرصہ معتمد کی قید میں رہا۔ بالآخر معتمد نے ایک دن اسے اپنے ہاتھوں سے موت[1]

---

[1] تاریخ میں ابن عمار کے عروج و زوال کے حالات کافی تفصیل کیساتھ درج کیے گئے ہیں لیکن اس کتاب میں ان تفصیلات کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ مصنف نے صرف ان واقعات پر پوری توجہ دی ہے جنھیں اس ناول کا تاریخی پس منظر واضح کرنے کیلیے اہم سمجھا گیا ہے۔

کے گھاٹ اتار دیا۔

(۲)

طلیطلہ میں مامون ذوالنون کی وفات کے بعد اس کا بیٹا یحییٰ القادر مسندِ حکومت پر رونق افروز ہوا۔ یحییٰ القادر ایک تن آسان اور پست ہمت نوجوان تھا اور محل کے خواجہ سرا اُسے اپنی انگلیوں پر نچاتے تھے۔ اس کا باپ اپنی موت سے پہلے قرطبہ فتح کرنے کے شوق میں طلیطلہ کا خزانہ خالی کر چکا تھا۔ اب بیٹے کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ الفانسو کے سالانہ خراج کی رقم پورا کرنا تھا۔ چنانچہ اس نے رعایا پر مزید ٹیکس لگا دیے لیکن الفانسو ہر سال پہلے کی نسبت زیادہ خراج مانگنے لگا اور اس کے مطالبات پورے کرنے کے لیے یحییٰ نے اپنی رعایا کو زیادہ سے زیادہ لوٹنا شروع کر دیا۔ جب عوام روٹی تک کے محتاج ہو گئے تو اس نے رؤسا کی طرف توجہ دی۔ رؤسا نے روپیہ دینے سے انکار کیا تو یحییٰ نے انھیں دھمکی دی کہ اگر تم نے فوراً روپیہ فراہم نہ کیا تو میں تمہاری اولاد کو الفانسو کے حوالے کر دوں گا!

طلیطلہ کے عوام کا پیمانۂ صبر پہلے ہی لبریز ہو چکا تھا۔ وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ یحییٰ کی فوج اور پولیس نے ایک عام بغاوت کے آثار دیکھ کر سرکردہ لوگوں کی گرفتاریاں شروع کر دیں۔ چند ہفتوں میں طلیطلہ کا قید خانہ بھر گیا لیکن لوگوں کے جوش و خروش میں کوئی فرق نہ آیا۔ یحییٰ نے نئے قیدیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر پرانے قیدیوں کو اپنی سرحد کے ایک قلعے میں منتقل کر دیا۔ ان قیدیوں میں عبدُالمنعم اور اس کے وہ ساتھی بھی تھے جنھیں ابن عکاشہ اور مامون نے قرطبہ پر قابض ہونے کے بعد وہاں سے طلیطلہ کے قید خانے میں بھیج دیا تھا۔ طلیطلہ میں ان لوگوں کو قید خانے کی ان زمین دوز کوٹھڑیوں میں رکھا گیا تھا جہاں سے کسی کی فریاد باہر نہیں پہنچ سکتی تھی اور قیدی رہائی سے زیادہ موت کا انتظار کرتے تھے۔ ان کے پہریدار گونگے اور بہرے تھے۔ ان پہریداروں کو قید خانے کے اس حصے میں پاؤں رکھنے کی اجازت نہ تھی جو بول یا سن سکتے تھے۔ قید خانے کے داروغہ کے رجسٹر میں ان کے متعلق یہ تحریر تھا: نام

فلاں۔ جُرم سنگین۔ سزا، تا حکمِ ثانی قید میں رکھا جائے اور کڑی نگرانی کی جائے!

طلیطلہ کے قید خانے سے عبدالمنعم اور اس کے ساتھیوں کے علاوہ قریباً نوّے اور قیدی سرحدی قلعے میں منتقل کیے گئے۔ دو ہفتوں میں طلیطلہ کا قید خانہ پھر بھر گیا اور وہاں سے ڈیڑھ سو مزید قیدی سرحدی قلعے میں بھیج دیے گئے۔ ان قیدیوں کی زبانی عبدالمنعم اور اس کے ساتھیوں کو معلوم ہوا کہ یحییٰ نے طلیطلہ کے حُرّیت پسندوں کی سرکوبی کے لیے الفانسو سے مدد مانگی ہے اور اس کی فوج کے چند دستے طلیطلہ پہنچ کر مار دھاڑ کر رہے ہیں۔

(۳)

احمد بن عبدالمنعم نے قاضی ابوجعفر کے حکم سے طلیطلہ کا رُخ کیا۔ طلیطلہ کی حدود میں داخل ہوتے ہی اُسے معلوم ہوا کہ یحییٰ کی حکومت نے الفانسو کا خراج پورا کرنے کے لیے عوام کی طرح امراء کو بھی لوٹنا شروع کر دیا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ طلیطلہ کے تاجر اور رؤسا جنھیں اس سے قبل حرّیت پسندوں کی تحریک کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ تھی اب اپنے ذاتی مفادات پر ضرب پڑتے ہی عوام کے ساتھ شریک ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اب شہر کے گلی کوچوں میں یحییٰ کی حکومت کے خلاف کھُلے بندوں مظاہرے ہوتے ہیں۔ یحییٰ کی فوج اور پولیس باغیوں کو سختی سے دبانے کی کوشش کر رہی ہے۔ سینکڑوں بااثر لوگوں کو قید خانے میں ٹھونسا جا چکا ہے لیکن عوام کا جوش و خروش بڑھتا جا رہا ہے۔

طلیطلہ کے شہر سے دو منازل کے فاصلے پر احمد کو معلوم ہوا کہ یحییٰ کی درخواست پر الفانسو نے اپنی فوج کے چند دستے بھیج دیے ہیں اور نصرانی سپاہیوں کی مار دھاڑ اور سفاکی نے جمہور کو بد دل کر دیا ہے۔

احمد کو قاضی ابوجعفر نے طلیطلہ کے ایک عالم دین ابوایوب کے نام ایک تعارفی خط دیا تھا۔ ابوایوب شہر کے مضافات کی ایک بستی میں رہتا تھا۔ سفر کے آخری دن احمد شام کے قریب شہر سے باہر ایک چھوٹی سی سرائے کے دروازے پر گھوڑے سے

اتر پڑا۔ ایک تیرہ چودہ سال کی عمر کے لڑکے نے آگے بڑھ کر اُس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ احمد نے اس سے پوچھا۔ "مجھے یہاں ٹھہرنے کے لیے جگہ مل جائے گی؟"

لڑکے نے جواب دیا۔ "جگہ تو مل جائے گی لیکن....." لڑکا قدرے پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

احمد نے کہا۔ "لیکن کیا....؟"

"کچھ نہیں۔ اگر آپ حکومت کے ملازم ہیں تو یہاں کیوں ٹھہرنا چاہتے ہیں؟"

"میں ایک مُسافر ہوں۔"

"شہر میں آپ کا کوئی واقف نہیں؟"

"شاید تلاش کرنے سے کوئی واقف نِکل آئے لیکن اب شام ہو رہی ہے۔ سرائے کا مالک کہاں ہے؟"

"میں اس کا لڑکا ہوں۔"

"بہت اچھا۔ تم میرے گھوڑے کو چارہ اور پانی دو۔ میں ابھی نماز پڑھ کر آتا ہوں۔"

لڑکے نے احمد کے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "آپ کا گھوڑا بہت خُوب صُورت ہے۔"

احمد نے کہا۔ "ہاں! لیکن اس وقت اسے تھپکیوں کی بجائے چارے اور پانی کی ضرورت ہے۔"

لڑکے نے مُسکرا کر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "مسجد اس طرف ہے!"

احمد مسجد کے اندر داخل ہوا تو وہاں نمازیوں کی تعداد پندرہ سے زیادہ نہ تھی۔ اس نے ایک نمازی سے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا۔ "آپ شاید اجنبی ہیں۔ آجکل یہاں اتنے آدمیوں کا جمع ہونا بھی غنیمت ہے۔ جب سے قسطلہ کے سپاہیوں نے یہاں آ کر مار دھاڑ شروع کی ہے غروبِ آفتاب سے لے کر طلوعِ آفتاب تک بہت کم لوگ اپنے گھروں سے باہر نکلتے ہیں۔"

احمد نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر نکلا تو اُسے سرائے کے مالک کا کمسن لڑکا اپنی طرف

بھاگتا ہوا دکھائی دیا۔

"ٹھہریے!" اس نے احمد کے قریب آ کر کہا۔

احمد رُک گیا۔ جب مسجد سے نکلنے والے باقی نمازی اِدھر اُدھر چلے گئے تو لڑکے نے کہا۔ "اگر آپ سچ مچ اجنبی ہیں تو سرائے میں نہ جائیں!"

"کیوں؟"

"سپاہی آپ کا گھوڑا لے گئے ہیں۔ انھوں نے آپ کا پتہ پوچھا تھا۔ میں نے انھیں بتایا کہ آپ شہر میں کسی دوست کو تلاش کرنے گئے ہیں۔ اب وہ سپاہی وہاں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"لیکن کیوں؟ میں نے کوئی جرم نہیں کیا؟"

"جُرم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ کے پاس ایک خوبصورت گھوڑا تھا۔ یہاں ایک اچھا گھوڑا رکھنے کے لیے اس کی قیمت سے زیادہ محصُول دینا پڑتا ہے اس لیے وہ لے گئے ہیں۔ اگر آپ چوکی میں جا کر یہ ثابت نہ کر سکے کہ آپ سرکاری ملازم ہیں تو گھوڑا ضبط کر لیا جائے گا۔ ایسے گھوڑوں پر عام لوگ سواری نہیں کر سکتے۔ اس لیے جب آپ سرائے میں جائیں گے تو وہ آپ کی تلاشی لیں گے۔ جو کچھ آپ کے پاس سے نکلے گا وہ سرکار کے خزانے میں چلا جائے گا۔ اور آپ کو شاید مسلح ہو کر پھرنے کے جُرم میں قید کر لیا جائے۔ اگر آپ کو یقین ہے کہ آپ پولیس کی تسلی کر سکیں گے تو آپ سرائے میں جائیں ورنہ یہیں سے اپنے کسی واقف کے پاس چلے جائیں۔ اب تھوڑی دیر میں شہر کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اور آپ کو بازاروں اور گلیوں میں قسطلہ کے خونخوار سپاہیوں کے سوا اور کوئی نظر نہیں آئے گا۔"

احمد نے کہا۔ "میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ شہر میں میرا کوئی واقف نہیں۔ لیکن اگر تم مجھے شہر کے مشرق کی طرف نئی بستی کا راستہ دکھا دو تو ممکن ہے کہ وہاں مجھے کوئی واقف مل جائے۔"

لڑکے نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "آئیے!"

احمد لڑکے کے ساتھ چل دیا۔

(۴)

چاندنی رات میں شہر کے مضافات کی تمام سڑکیں اور راستے سنسان دکھائی دیتے تھے کہیں کہیں طلیطلہ اور قسطلہ کے سوار یا پیدل سپاہیوں کی کوئی ٹولی نظر آتی تو احمد کا راہنما کوئی دوسرا راستہ اختیار کر لیتا۔ ایک چوراہے پر رک کر لڑکے نے اپنے بائیں ہاتھ جانے والی سڑک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھیے یہ سڑک سیدھی اس طرف جاتی ہے۔ کوئی آدھ میل چلنے کے بعد نئی بستی شروع ہو جائے گی لیکن آپ بہت محتاط رہیں! اس بستی کے کئی افراد گرفتار کیے جا چکے ہیں اور کئی پھانسی دیے جا چکے ہیں۔ قسطلہ کے سپاہی اگر اس وقت کسی مسلح آدمی کو دیکھ لیں تو پوچھے بغیر قتل کر دیتے ہیں۔ تاہم اگر آپ چاہیں تو میں خطرے کے باوجود آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں۔"

احمد نے کہا۔ "نہیں اب تم جاؤ!"

لڑکے نے کہا۔ "اسی سڑک پر دائیں ہاتھ آپ کو ایک مسجد ملے گی، آپ وہاں چلے جائیں۔ ممکن ہے کہ آپ کو کوئی راہنما مل جائے۔"

احمد نے کہا۔ "تمہیں تنہا واپس جانے میں کوئی خطرہ تو نہیں؟"

لڑکے نے جواب دیا۔ "نہیں مجھے صرف آپ کے ساتھ چلنے میں خطرہ تھا۔"

احمد مسجد کے قریب پہنچا تو اسے چار سپاہی دکھائی دیے۔ وہ جلدی سے سڑک کے کنارے ایک درخت کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ سپاہی مسجد کے قریب آ کر رکے اور کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد واپس چلے گئے۔ احمد درخت کی آڑ سے نکل کر مسجد میں داخل ہوا۔ اندر مشعل کی روشنی میں ایک بوڑھا آدمی نماز پڑھ رہا تھا۔ احمد نے بھی عشاء کی نماز ادا کی۔ جب وہ فارغ ہوا تو بوڑھا نمازی غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

احمد نے سوال کیا۔ "آپ اس مسجد کے خطیب ہیں؟"

بوڑھے نے پریشان سا ہو کر جواب دیا۔ "نہیں میرا اس مسجد سے کوئی تعلق نہیں

میرا گاؤں دریا کے پار ہے۔ میں ایک ضروری کام سے شہر گیا تھا۔ واپس آنے میں کچھ دیر ہو گئی۔ یہاں پاس ہی میرے دور کے رشتے دار ہیں، میں ان کے گھر پہنچا تو انھوں نے مجھے اپنے پاس ٹھہرانے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ میں مجبوراً اس مسجد میں چلا آیا۔"

احمد نے کہا۔ "میں اجنبی ہوں اور آج ہی شام کے وقت یہاں پہنچا ہوں اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو مجھے شیخ ابو یعقوب کے گھر کا راستہ دکھا دیں؟"

بوڑھے نے مشکوک نگاہوں سے احمد کی طرف دیکھا اور ایک لمحہ سوچنے کے بعد کہا۔ "میں اس وقت ان کے گھر تک آپ کی راہنمائی نہیں کر سکتا لیکن اگر آپ کے لیے وہاں تک جانا ضروری ہو تو آپ مسجد سے نکل کر بائیں ہاتھ سیدھے سڑک پر چلے جائیں۔ کوئی چار سو قدم چلنے کے بعد آپ کو درسگاہ ملے گی۔ درسگاہ کی پہچان یہ ہے کہ اس کے دروازے کے سامنے پانچ آدمیوں کی لاشیں لٹک رہی ہیں۔ درسگاہ کے بالکل سامنے ایک گلی دائیں ہاتھ جاتی ہے۔ اس گلی میں پندرہ بیس قدم چلنے کے بعد آپ کو بائیں ہاتھ ایک تین منزلہ مکان نظر آئے گا۔ یہ شیخ ابو یعقوب کا مکان ہے لیکن وہ ....!" بوڑھا کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن اچانک کسی خیال سے وہ خاموش ہو گیا۔

احمد نے پوچھا۔ "لیکن کیا؟"

"کچھ نہیں۔ اگر آپ کو یقین ہے کہ مسلح ہونے کے باوجود قسطلہ کے سپاہی آپ کو کچھ نہیں کہیں گے تو آپ جا سکتے ہیں۔"

احمد کوئی اور بات کیے بغیر مسجد سے باہر نکل آیا۔ درسگاہ کے دروازے کے سامنے لکڑی کے دو بلند کھمبے گڑے ہوئے تھے اور اُن کے اوپر ایک شہتیر سے بندھے ہوئے رسّوں کے ساتھ پانچ آدمیوں کو پھانسی دی گئی تھی۔ ایک ایسے نوجوان کے لیے جو سپاہی ہونے کے علاوہ ایک شاعر بھی تھا، یہ منظر بے حد دلگداز تھا۔ احمد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "طلیطلہ کے حریت پسندو! میں تمہیں سلام کہتا ہوں۔" پھر اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد وہ گلی کے اندر داخل ہو گیا۔

(۵)

تین منزلہ مکان کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے آہستہ سے دستک دی لیکن کوئی جواب نہ آیا۔ معاً گلی کی دوسری طرف سے دو سپاہی نمودار ہوئے۔ وہ قسطلہ کی زبان میں باتیں کرتے ہوئے گلی کا رُخ کر رہے تھے۔ احمد تلوار نکال کر اور سمٹ کر دروازے کی محراب کے سائے میں کھڑا ہو گیا۔ ایک سپاہی اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔ "یار آج تو کوئی شکار نہیں ملا۔ آج اس علاقے کے لوگ شام ہوتے ہی اپنے گھروں میں گھس گئے ہیں۔ کسی کا سانس تک سنائی نہیں دیتا!"

دوسرا بولا۔ "کل جو ہم نے پانچ آدمیوں کو پھانسی دی ہے اُس کا بہت اثر ہوا ہے۔"

"لیکن یار یہ لوگ علاقہ خالی کر کے بھاگ رہے ہیں۔ میں تو کبھی کبھی یہ سوچتا ہوں کہ جب سارا شہر خالی ہو جائے گا۔ تو ہم یہاں کیا کریں گے؟"

"پھر ہم یہاں آجائیں گے۔ میں نے تو اپنے لیے وہ تین منزلہ مکان منتخب کیا ہے۔"

اب وہ دروازے کے قریب پہنچ چکے تھے اور احمد کا دل دھڑک رہا تھا۔

ایک سپاہی نے دروازے کے سامنے چبوترے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "یار تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جاؤ۔ میں تھک گیا ہوں!"

دوسرا سپاہی اس کے پاس بیٹھ گیا۔ ان دونوں کی پیٹھ احمد کی طرف تھی۔ ایک نے کہا۔

"تم نے سُنا، شہر میں آج تین آدمیوں کو پھانسی دی گئی ہے!"

دوسرا بولا۔ "وہاں ہمارے ساتھی مزے کرتے ہیں۔ وہ مقامی پولیس کے آدمیوں کو ادھر اُدھر ہٹا دیتے ہیں اور کسی نہ کسی مکان کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو جاتے ہیں اور ہمیں یہاں شراب پی کر پھرنے کی اجازت نہیں۔"

پہلا بولا۔ "شہر میں ہماری فوج کافی ہے۔ جب قسطلہ سے اور فوج آجائے گی تو ہمیں ہر قسم کی آزادی ہوگی۔ پھر اِن مکانوں میں جو پریاں رہتی ہیں، وہ سب ہمارے لیے ہوں گی۔ چلو اب چلیں!"

ایک سپاہی اٹھ کر اپنے ساتھی کو بازو سے پکڑ کر کھینچنے لگا۔ اچانک اس کی نظر دروازے پر پڑی۔ "کون ہے؟" وہ اپنی تلوار کھینچتے ہوئے چلایا۔

احمد بجلی کی سی تیزی کے ساتھ آگے بڑھا اور اس نے پوری قوت کے ساتھ اپنی تلوار اس کے سینے میں گھونپ دی۔ دوسرا اُٹھ کر سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا کہ احمد اس پر ٹوٹ پڑا۔ قسطلہ کا سپاہی اپنی تلوار پر احمد کے پے در پے وار روکتا ہوا پیچھے ہٹ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے ساتھیوں کو مدد کے لیے پکار رہا تھا۔ اچانک احمد کی تلوار اس کے کندھے پر لگی اور وہ ایک جگر دوز چیخ کے ساتھ زمین پر گر پڑا۔ دوسرے وار میں احمد اس کا خاتمہ کر چکا تھا۔ محلے کے لوگ اپنے دریچے کھول کر گلی میں جھانک رہے تھے۔ احمد جلدی سے پھر دروازے کے ساتھ پیٹھ لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اچانک اس نے محسوس کیا کہ دروازہ اندر کی طرف کھسک رہا ہے۔ اس نے ذرا زور دیا تو دروازہ کھل گیا۔ وہ ایک ثانیہ توقف کے بغیر اندر داخل ہوا۔

تاریک کمرے کے کونے سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ "تم کون ہو؟"

احمد نے جواب دینے کی بجائے ایک اور سوال کر دیا۔ "یہ شیخ ابو یعقوب کا مکان ہے؟"

احمد کے مخاطب نے جواب دینے کی بجائے آگے بڑھ کر جھانکتے ہوئے کہا۔ "تمہاری یہ بہادری اس محلے کے لوگوں کو بہت مہنگی پڑے گی۔ وہ کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اب جلدی کرو۔ لاشیں اندر لے آؤ۔ ورنہ ان کے اور ساتھی آجائیں گے اور علی! تم کیا سوچ رہے ہو؟"

احمد کچھ کہے بغیر باہر نکلا اور ایک لاش کو ٹانگ سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا اندر لے آیا۔ ڈیوڑھی سے ایک بوڑھا آدمی ڈرتے ڈرتے باہر نکلا۔ اس نے دوسری لاش گھسیٹنے کی کوشش کی لیکن لاش کا بوجھ اس کی طاقت سے زیادہ تھا۔ احمد نے دوبارہ باہر آکر کہا۔ "چھوڑ دو! میں لے جاتا ہوں تم ان کی تلواریں اُٹھا لو!"

احمد دوسری لاش اندر لا رہا تھا کہ سامنے ایک مکان کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی نے

باہر جھانکتے ہوئے کہا۔ "علی! جلدی سے اندر جاکر دروازہ بند کرلو۔ شاید سڑک پر سپاہی آرہے ہیں۔ ذرا چاند نیچے ہو جائے تو میں تمہیں آواز دوں گا۔ صبح تک ان کے خون کے نشان مٹانا ضروری ہے۔ اگر ان کے ساتھی کہیں قریب ہوتے تو وہ ان کی چیخ پکار سن چکے ہوں گے۔ لاشوں کو کہیں اچھی طرح چھپا دو!"

علی نے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کرکے کنڈی لگادی۔

کچھ دیر احمد خاموش کھڑا رہا۔ تاریکی میں اُسے صرف اس بات کا احساس تھا کہ ایک بوڑھا آدمی اور ایک عورت یا لڑکی اس کے قریب کھڑے ہیں۔

بوڑھے نے آہستہ سے کہا۔ "اب ان لاشوں کا کیا کیا جائے؟"

عورت نے کہا۔ "فی الحال انھیں کُتب خانے کے ساتھ والی کوٹھڑی میں ڈال دو۔ نہیں ٹھہرو۔ شاید وہ اس طرف آرہے ہیں!"

احمد نے کواڑ کے ساتھ کان لگادیے۔ سڑک کی طرف سے چند آدمیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ عورت احمد کے قریب دوسرے کواڑ کے ساتھ کان لگائے کھڑی تھی۔ جب گلی کے کونے پر پاؤں کی آہٹ سُنائی دینے لگی تو اس نے آہستہ سے کہا: "وہ اسی طرف آرہے ہیں"

احمد خاموش رہا۔ گلی کے کونے پر کسی نے قسطلہ کی زبان میں کہا۔ "اس طرف تو کوئی نہیں تم نے خواہ مخواہ ہمیں پریشان کیا!"

"میں سچ کہتا ہوں۔ میں نے کسی کی چیخ سُنی تھی۔ میں یہ گلی دیکھتا ہوں۔ آپ اگلی گلیاں دیکھیں!"

دو آدمی گلی میں تیزی سے چلتے ہوئے آگے گزر گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئے اور اسی رفتار سے چلتے ہوئے دوبارہ سڑک کی طرف نکل گئے۔ ایک آدمی اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔ "ہوسکتا ہے کہ یہ میرا وہم ہو۔ لیکن ہمیں بہت محتاط رہنا چاہیے۔ کل سے میں اس آبادی میں ایک خاص بات دیکھ رہا ہوں۔ صبح کے وقت جو لوگ کام کاج کے لیے باہر نکلتے

ہیں ان میں سے اکثر شام کے وقت اپنے گھروں میں واپس نہیں آتے۔ یہاں اب بوڑھے آدمیوں کے سوا کوئی نظر ہی نہیں آتا۔"

دوسرے نے جواب دیا۔ "بھئی بات یہ ہے کہ جوان بھاگ سکتے ہیں اور بوڑھے بھاگ نہیں سکتے۔"

عورت نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "علی! تم ان کے ساتھ یہ لاشیں اٹھاکر اندر لے آؤ۔ میں وہاں جاکر روشنی کرتی ہوں۔"

عورت ڈیوڑھی سے نکل کر صحن کی طرف چلی گئی تو احمد نے ایک لاش کو بازوؤں سے پکڑتے ہوئے علی سے کہا۔ "آپ اس کی ٹانگیں پکڑلیں۔ گھسیٹنے سے ہر جگہ خون کے نشان پڑجائیں گے۔"

لاش اٹھاکر ایک تنگ صحن عبور کرتے وقت احمد نے چاند کی روشنی میں بوڑھے آدمی کی صورت دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ شیخ ابو یعقوب کے......؟"

بوڑھے نے کہا۔ "میں ان کا ملازم ہوں۔"

"وہ گھر پر نہیں ہیں؟"

"نہیں وہ گرفتار ہوچکے ہیں۔"

(۶)

وہ کُتب خانے میں داخل ہوئے۔ ایک نوجوان لڑکی مشعل لیے کھڑی تھی۔ پہلی نگاہ میں ہی احمد یہ محسوس کررہا تھا کہ تاریکی میں اس لڑکی کے متعلق جو تصورات اس کے دماغ میں پیدا ہوئے تھے وہ سب غلط تھے، حزن و ملال کے باوجود اس کے چہرے میں نہایت درجہ کی رعنائی تھی۔ اس نے احمد کو دیکھتے ہی مُنہ ایک طرف پھیر لیا۔

احمد نے علی سے مخاطب ہوکر کہا۔ "کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ لاشوں کو کہیں باہر دفن کردیا جائے؟"

علی نے جواب دینے کی بجائے لڑکی کی طرف دیکھا اور اس نے جواب دیا۔ "نہیں اس کام کے لیے وقت نہیں۔ آپ جلدی کیجیے!"

علی نے کمرے کے عقب میں ایک تنگ کوٹھری کا دروازہ کھولا اور احمد کی مدد سے لاشوں کو اندر ڈال دیا۔

احمد نے کہا۔ "میرا اب بھی یہ خیال ہے کہ لاشوں کو یہاں زیادہ دیر رکھنا خطرناک ہے۔ کل تک یہ اس قدر متعفن ہو جائیں گی کہ آپ کے لیے اس مکان میں رہنا مشکل ہو جائے گا۔ اگر قسطلہ کے سپاہیوں نے ان کی تلاش شروع کر دی تو تعفن کے باعث ان کے لیے سراغ لگانا مشکل نہ ہو گا۔ تھوڑی دیر تک چاند غروب ہو جائے گا تو میں انھیں اٹھا کر جوہڑ میں پھینک آؤں گا۔"

لڑکی نے کہا۔ "ہم یہاں نہیں رہیں گے اور کل تک یہ لاشیں ہمارے لیے خطرے کا باعث نہیں ہوں گی۔"

"آپ کہاں جائیں گی؟"

"میں یہ بتانے سے پہلے آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں۔ اس وقت یہاں آنے سے آپ کا مقصد کیا تھا؟"

احمد نے جواب دیا۔ "مجھے غرناطہ سے قاضی ابوجعفر نے یہاں بھیجا تھا۔ شیخ ابویعقوب کے نام انھوں نے مجھے تعارفی خط دیا تھا۔ ابھی آپ کے نوکر نے مجھے بتایا ہے کہ وہ قید میں ہیں۔ شام کے وقت یہاں پہنچتے ہی میں شہر سے باہر ایک سرائے میں اترا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں رات کے وقت وہاں قیام کروں اور صبح کے وقت یہاں آؤں لیکن سرائے کے پاس ایک مسجد میں مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد باہر نکلتے ہی مجھے سرائے کے مالک کے لڑکے نے اطلاع دی کہ پولیس نے میرا گھوڑا ضبط کر لیا ہے اور چند سپاہی سرائے میں میرا انتظار کر رہے ہیں۔ اسی لڑکے نے ادھر بستی تک میری راہنمائی کی۔"

لڑکی نے گھبرا کر کہا۔ "آپ نے اُسے بتا دیا ہو گا کہ آپ ابا جان سے ملنا چاہتے ہیں؟"

"نہیں میں نے اُسے کچھ نہیں بتایا۔ لڑکا مجھے بستی کے پاس چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اس کے بعد میں سڑک کے کنارے ایک مسجد میں داخل ہوا تو وہاں ایک نمازی موجود تھا اور اس نے مجھے اس مکان کا راستہ بتا دیا۔"

"آپ کو یقین ہے کہ وہ حکومت کا جاسوس نہیں تھا؟"

"نہیں۔ بلکہ وہ مجھے حکومت کا آدمی سمجھتا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ اس نے میرے سامنے آپ کے والد کی گرفتاری کا ذکر نہیں کیا۔ افسوس ہے مجھے ان حالات کا علم نہ تھا۔ ورنہ اس وقت میں آپ کو پریشان نہ کرتا۔"

لڑکی نے کہا۔ "قاضی ابوجعفر ابا جان کے دوست ہیں۔ وہ پچھلے دنوں طلیطلہ آئے تھے تو ہمارے ہاں ٹھہرے تھے۔ میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ انھوں نے کس مقصد سے آپ کو یہاں بھیجا ہے؟"

"میں آپ کے والد کی وساطت سے حریت پسندوں کے ساتھ رابطہ پیدا کرنا چاہتا ہوں اور اب شاید آپ میری راہنمائی کر سکیں!"

لڑکی نے مغموم لہجے میں کہا۔ "لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ ایک مہمان ہماری مصیبتوں میں حصہ دار بنے!"

"لیکن اب تک تو شاید میری وجہ سے آپ کو اور شاید ساری بستی کو ایک خطرہ درپیش ہے۔"

"آپ کو معلوم ہے کہ وہ باغیوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں؟"

"مجھے معلوم ہے میں درسگاہ کے دروازے کے سامنے لٹکی ہوئی لاشیں دیکھ چکا ہوں۔"

"وہ لاشیں!" لڑکی نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔ "دو ہفتے قبل میرے بھائی اور چچا کو اُسی جگہ پھانسی دی گئی تھی۔" اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بجائے انتقام کی آگ برس رہی تھی۔ احمد کی زبان اس کے احساسات کی ترجمانی سے قاصر تھی، وہ گردن جھکائے اپنے ہونٹ

کاٹ رہا تھا۔

لڑکی علی کی طرف متوجہ ہوئی "علی ہم ان کے پاس جارہے ہیں۔ چاند کے روپوش ہوتے ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے اندھیرے میں تم راستہ تو نہیں بھول جاؤ گے ؟"

"آپ کا مطلب ہے کہ آپ عبدالواحد کے پاس جانا چاہتی ہیں ؟"

"ہاں !"

احمد نے پوچھا "عبدالواحد کون ہے ؟"

"وہ اس وقت ہمارا راہنما ہے۔ اگر آپ ہماری مصیبتوں میں حصہ دار بننے کا فیصلہ کر چکے ہیں تو ہمارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جائیے !"

احمد نے اطمینان سے جواب دیا "میں آپ کی مصیبتوں میں حصہ دار بننے کا فیصلہ کر کے غرناطہ سے روانہ ہوا تھا۔"

لڑکی نے علی کی طرف متوجہ ہو کر کہا "علی تم جاؤ اور طلحہ کے مکان کے دروازے پر دستک دو۔ وہاں ان کا نوکر تمہارا انتظار کر رہا ہوگا۔ اس سے کہو کہ ہم جارہے ہیں اور وہ صبح سے پہلے پہلے گلی سے خون کے نشان مٹا دے۔ گلی عبور کرنے سے پہلے اچھی طرح ادھر ادھر دیکھ لینا میں اتنی دیر میں تیاری کرتی ہوں۔"

احمد نے کہا "میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

علی اور احمد کے باہر جاتے ہی لڑکی نے ایک اور شمع جلائی اور بالائی منزل کے ایک کمرے میں چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد احمد اور علی اسی کمرے میں واپس آگئے۔ احمد نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے علی سے کہا "میں اپنا ترکش اور کمان سرائے میں چھوڑ آیا تھا۔ اگر ہو سکے تو یہاں سے جتنی کمانیں اور جتنے تیر مل سکیں اٹھا لو۔ ممکن ہے کہ راستے میں ضرورت پڑ جائے۔"

"ابھی لاتا ہوں" علی یہ کہہ کر دوسرے کمرے سے ایک کمان اور تیروں سے بھرا ہوا ترکش اٹھا لایا۔

علی کے ساتھ چند باتیں کرنے کے بعد احمد خیالات کی دنیا میں کھو گیا۔ اس نے پہلی بار انسانیت کے دو دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اور اس کی روح ان حالات کے خلاف احتجاج کر رہی تھی جنہوں نے ایک ایسے انسان کو تلوار اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا جس نے پھولوں کی مسکراہٹوں میں آنکھ کھولی تھی۔ اس کا دل ایک ایسے نظام کے خلاف شکایت سے لبریز تھا جس نے لاکھوں انسانوں کے چہروں سے مسرت کی مسکراہٹیں نوچ لی تھیں۔ وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔ اندلس کبھی ایک جنت تھی لیکن چند خود غرض انسانوں نے اسے دوزخ بنا دیا ہے۔ لاکھوں انسان صرف چند آدمیوں کی بے دینی اور گمراہی کی سزا بھگت رہے ہیں۔ خدا نے اس دنیا کو کتنا حسین بنایا تھا اور انسانوں نے اسے کس قدر مسخ کر دیا ہے۔ قدرت نے آدم کے باغ میں پھولوں کی سیج بچھائی تھی لیکن اس باغ کے نااہل اور بدطینت مالیوں نے کانٹوں کے ڈھیر لگا دیے ہیں۔ احمد کو بار بار اس لڑکی کا خیال آرہا تھا جس کا باپ قید میں تھا۔ جس کے بھائی اور چچا کو اس کے مکان کے پاس ہی ایک چوراہے میں پھانسی دی گئی تھی اور اس کے سینے میں انسانیت کے ان دشمنوں کے خلاف انتقام کی آگ سلگ رہی تھی۔ جنہوں نے اندلس کے طول و عرض میں ایسی ہزاروں بیٹیوں اور بہنوں کی زندگی کی راحتیں چھین لی تھیں۔ اس کا ضمیر کہہ رہا تھا "احمد تم اس محل میں بیٹھے نغمے سنانے کے لیے نہیں۔ بلکہ جگر دوز چیخیں بلند کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہو۔ اس باغ کو شبنم سے زیادہ ان بجلیوں کی ضرورت ہے جو کانٹوں کے انباروں کو جلا کر راکھ کر دیں۔"

کسی کے پاؤں کی آہٹ پا کر اس نے مڑ کر دیکھا اور اچانک کرسی سے جست لگا کر دیوار کے پاس جا کھڑا ہوا اور نیام سے تلوار نکال کر ایک آہن پوش سپاہی کی طرف دیکھنے لگا۔ جب آہن پوش نے کوئی حرکت نہ کی تو اس نے علی کی طرف دیکھا۔

علی نے کہا "آپ ڈر کیوں گئے ؟ یہ تو وہی ہیں !"

احمد نے لڑکی کو پہچانتے ہوئے کھسیانا ہو کر تلوار نیام میں ڈال لی۔

لڑکی نے کہا "معاف کیجیے۔ یہ خیال ہی نہیں آیا کہ مجھے اچانک اس لباس میں دیکھ کر آپ

پریشان ہوں گے۔ یہ میرے شہید ہونے والے بھائی کا لباس ہے۔ میرے خیال میں اب ہمیں یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے"!

احمد نے کہا "کوئی ایسی صورت نہیں کہ آپ کے مکان کا دروازہ اندر سے بند رہے اور ہم کسی اور راستے سے نکل جائیں۔ اسے کھلا چھوڑنا یا باہر سے تالا لگانا خطرناک ہوگا۔"

"میں اس کا انتظام کر چکی ہوں۔ ہم پڑوس کے مکان سے باہر نکلیں گے۔ علی! تم یہ شمع بجھا دو اور انھیں اوپر لے آؤ!"

علی نے پھونک مار کر شمع بجھا دی اور احمد کے ساتھ لڑکی کے پیچھے ہو لیا۔ مکان کے ایک کونے سے اوپر جانے والی سیڑھیوں کو طے کرنے کے بعد وہ بالائی منزل کے ایک روشن کمرے میں داخل ہوئے۔ لڑکی نے شمع اٹھالی اور اس کمرے سے آگے تین اور کمرے عبور کرنے کے بعد کونے کے کشادہ کمرے میں داخل ہوئی۔ یہاں پہنچتے ہی اس نے شمع بجھا دی اور کھڑکی کھول کر باہر جھانکتے ہوئے کہا "خالہ ہم آ گئیں"!

کھڑکی کی دوسری طرف سے آواز آئی "جلدی کرو!"

برابر کے مکان کی چھت اس کھڑکی سے کوئی پانچ فٹ نیچے تھی۔ یہ تینوں یکے بعد دیگرے کھڑکی سے کودتے ہوئے اس چھت پر پہنچ گئے۔ وہاں دو عورتیں ان کا انتظار کر رہی تھیں۔ یہ اُن کے ساتھ نیچے اتر کر صحن سے گلی کی طرف کھلنے والے دروازے پر پہنچ گئے۔ ایک آدمی وہاں کھڑا تھا۔ اس نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا "میں کافی دور تک دیکھ آیا ہوں۔ اس وقت آس پاس کوئی سپاہی نہیں لیکن پھر بھی آپ احتیاط سے کام لیں۔ علی تم انھیں بڑی سڑک کی بجائے دوسری طرف سے لے جاؤ۔ کھیتوں میں سے دریا کی طرف لے جانے والی پگڈنڈی زیادہ محفوظ ہوگی"!

لڑکی نے کہا "وہ لاشیں آپ کو کتب خانے کی ساتھ کی کوٹھری میں ملیں گی۔ بہتر ہوگا کہ آپ انھیں کسی اور جگہ چھپا دیں"!

"بیٹی! تم فکر نہ کرو۔ انھیں ہماری طرف سے کہہ دینا کہ ہم حکم کا انتظار کر رہے ہیں۔

غرناطہ کا مجاہد

وہ باہر نکلے۔ پانچویں رات کا چاند روپوش ہو چکا تھا۔ گلی تاریک اور سنسان تھی۔ علی ان کی راہنمائی کر رہا تھا۔ کوئی پانچ سو گز چلنے کے بعد اس گلی سے ایک اور گلی نکلتی تھی۔ علی دوسری گلی کی طرف مڑا لیکن تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ اچانک ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ احمد اور لڑکی جو چند قدم اس سے پیچھے تھے، تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے اس کے قریب پہنچے۔

علی نے آہستہ سے کہا "کوئی آ رہا ہے!"

احمد سراپا گوش بن کر کسی کے پاؤں کی آہٹ سننے لگا۔

"وہ اس طرف آ رہا ہے"! لڑکی نے کہا۔

علی بولا "واپس چلیے! ہم اس گلی سے باہر نکل جائیں گے۔"

وہ تیزی سے چلتے ہوئے واپس اسی جگہ آ گئے۔ جہاں یہ دو گلیاں ملتی تھیں اور علی پہلی گلی میں داخل ہو کر آگے چل دیا لیکن موڑ کے قریب پہنچتے ہی اُسے چند آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں اور اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "ہم مارے گئے!"

احمد نے ایک ثانیہ خاموشی سے ان کی باتیں سننے کے بعد کہا "یہ بھی اسی طرف آ رہے ہیں اور ان کی تعداد بھی زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ اسی راستے واپس چلو!"

اب علی کی بجائے احمد ان کی رہنمائی کر رہا تھا اور ان کی رفتار پہلے کی نسبت کافی تیز تھی، اچانک وہ ایک جگہ رکا اور مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں بولا "تم یہیں ٹھہرو!"

چند قدم کے فاصلے پر پاؤں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ علی نے کہا "یہ ایک نہیں دو یا تین ہوں گے۔ آپ اکیلے نہ جائیں!"

احمد نے جواب دینے کی بجائے اُسے دھکیل کر دیوار کے ساتھ لگا دیا اور تلوار نکال کر اُن سے کوئی دس قدم دُور کھڑا ہو گیا۔ تاریکی سے تین سپاہی نمودار ہوئے اور اُن کے پاؤں کی آہٹ قریب آتی گئی۔ اچانک ایک سپاہی جو سب سے آگے تھا چلایا "کون ہے؟"

وہ نیام سے تلوار نکال رہا تھا کہ احمد نے آگے بڑھ کر ایک ہی وار میں اس کا خاتمہ کر دیا دو اور سپاہی بھاگتے ہوئے آگے بڑھے۔ احمد یکے بعد دیگرے ان کے وار اپنی تلوار پر روکنے کے بعد کترا کر آگے نکل گیا۔ اب وہ ان دونوں کے ساتھ مدافعانہ جنگ کرتا ہوا اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹ رہا تھا۔ اچانک لڑکی نے آگے بڑھ کر ایک سپاہی کی گردن پر تلوار مار دی اور وہ چیخ مار کر گر پڑا۔ دوسرے سپاہی نے مڑ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن علی نے اس کا راستہ روک لیا۔ اس نے بلند آواز میں اپنے ساتھیوں کو مدد کے لیے پکارا اور اپنا راستہ صاف کرنے کے لیے علی پر یکے بعد دیگرے چند وار کر دیے۔ علی نے شاید اپنی زندگی میں پہلی بار تلوار اٹھائی تھی اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹتے ہوئے اس کا پاؤں ایک سپاہی کی لاش سے ٹکرا گیا اور وہ پیٹھ کے بل گر پڑا اتنی دیر میں احمد نے آگے بڑھ کر سپاہی کے کندھے پر تلوار مار دی اور وہ بھی گر پڑا۔ اب گلی میں قسطلہ کے دوسرے سپاہیوں کی چیخ و پکار سنائی دے رہی تھی اور یہ تینوں اپنی پوری قوت سے بھاگ رہے تھے۔ اپنے رفیقوں کو ساتھ رکھنے کے لیے احمد کبھی کبھی اپنی رفتار کم کر دیتا۔ لڑکی اُس کی توقع کے خلاف اس کا ساتھ دینے کی کوشش کر رہی تھی لیکن علی کی رفتار بتدریج کم ہو رہی تھی۔ ہر لحظہ احمد کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ تعاقب کرنے والے ان کے قریب آ رہے تھے۔ احمد نے علی کا بازو پکڑتے ہوئے کہا "علی کیا بات ہے، تم زخمی تو نہیں ہو؟"

علی نے کہا "خدا کے لیے میری فکر نہ کیجیے، آپ ظاہرہ کی جان بچائیے!"

احمد نے کہا "علی ہمت سے کام لو، ہم کسی باغ یا کھیت میں داخل ہوتے ہی خطرے

کی زد سے نکل جائیں گے۔"

علی نے احمد کا ہاتھ پکڑ کر سینے کے ساتھ لگاتے ہوئے کہا "دیکھیے میں ختم ہو رہا ہوں آپ دریا عبور کرنے کے بعد کنارے کے ساتھ اوپر کی طرف چلے جائیے، ایک وسیع باغ کے اندر ایک مکان ہے وہ سب وہاں ہیں۔ اس گلی سے آگے کھیت ہیں دریا عبور کرنے کے لیے آپ کو کنارے کی کسی بستی سے کشتی مل جائے گی۔ پُل پر سے نہ جائیے وہاں خطرہ ہے، اب خدا کے لیے بھاگ جائیے وہ آ رہے ہیں!"

احمد نے اُسے اٹھا کر اپنے کندھے پر لاد لیا۔ لیکن تعاقب کرنے والے اب بہت قریب آ چکے تھے۔ علی چلایا "اس طرح ہم سب مارے جائیں گے۔ مجھے اتار دو میں چل سکتا ہوں۔"

احمد نے اُسے اتارتے ہوئے کہا "تم گلی کے خاتمے پر کسی محفوظ جگہ میرا انتظار کرو میں انھیں کچھ دیر کے لیے روک سکوں گا۔"

احمد نے جلدی سے تلوار نیام میں ڈال لی اور گلے سے کمان اتار کر دیوار کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ لیکن علی اپنی جگہ سے نہ ہلا اور طاہرہ چند قدم کے فاصلے پر انتہائی پریشانی کی حالت میں کھڑی تھی۔ احمد نے یکے بعد دیگرے دو تیر چلا دیے اور گلی میں ان کا پیچھا کرنے والوں میں سے کوئی چلایا "ہوشیار! ہوشیار!"

احمد نے کمان میں تیسرا تیر چڑھاتے ہوئے مڑ کر دیکھا اور کہا "علی! خدا کے لیے جاؤ یہ تمہارے لیے آخری موقع ہے۔"

علی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا "میرے دوست میں چند لمحات اور زندہ رہنے کے لیے تمہاری جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔"

"علی! علی! ٹھہرو!" لیکن علی ڈگمگاتا ہوا تاریکی میں روپوش ہو گیا۔ اس کی آواز سنائی دے رہی تھی "قسطلہ کے بھیڑیو! تمہارا یومِ حساب دُور نہیں۔ تمہارے آدمیوں کو میں نے قتل کیا ہے۔"

لڑکی نے آگے بڑھ کر احمد کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "آئیے علی اپنی منزل دیکھ چکا ہے۔"

احمد اس کے ساتھ چل دیا۔ ان کے پیچھے تاریکی میں "مار ڈالو"، "گھیر لو"، "جانے نہ پائے۔" کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر چند لمحے تلواروں کی جھنکار سنائی دیتی رہی۔ بالآخر اللہ اکبر کا ایک نعرہ فضا میں گونجا اور ایک ثانیہ کے لیے خاموشی طاری ہو گئی۔

کسی نے کہا۔ "بزدلو! تم رُک کیوں گئے ہو۔ آگے بڑھو!"

احمد کبھی کبھی مُڑ کر ایک تیر چھوڑ دیتا اور پھر اپنے ساتھی سے جا ملتا۔ گلی کے آگے ایک چھوٹا سا میدان تھا۔ تنگ گلی کی تاریکی سے نکل کر اس میدان میں داخل ہونے کے بعد احمد کے لیے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینا نسبتاً آسان تھا۔ لیکن یہاں اسی نسبت سے خطرہ بھی زیادہ تھا۔ احمد نے ایک درخت کی آڑ میں پہنچ کر چاروں طرف دیکھا۔ یہ میدان تین اطراف سے مکانوں میں گھرا ہوا تھا۔ چوتھی طرف ایک دیوار کے پیچھے گھنے درخت دکھائی دیتے تھے۔

احمد نے لڑکی سے کہا۔ "تم اس دیوار کے پیچھے جا کر میرا انتظار کرو!"

گلی سے نکلتے ہوئے احمد نے جو تیر چلائے تھے۔ انھوں نے تعاقب کرنے والوں کو کافی محتاط بنا دیا تھا اور وہ شور مچانے کی بجائے دبے پاؤں آگے بڑھ رہے تھے۔ جونہی وہ گلی سے باہر آئے، احمد نے تیر برسانے شروع کر دیے۔ اس کے پہلے دو تیر نشانے پر لگے اور تعاقب کرنے والے آگے بڑھنے کی بجائے دو زخمیوں کو چھوڑ کر شور مچاتے ہوئے پھر گلی میں غائب ہو گئے۔ احمد دیوار کی طرف بھاگنے لگا۔ لیکن اچانک گلی کی طرف اللہ اکبر کے نعرے سُن کر وہ رُک گیا۔ قسطلہ کے پانچ چھ سپاہی دوبارہ گلی سے نکل کر میدان کی طرف بھاگ رہے تھے اور پندرہ بیس آدمی مار ڈالو، پکڑ لو! کے نعرے لگاتے ہوئے ان کا پیچھا کر رہے تھے۔ ایک سپاہی بدحواسی کی حالت میں بھاگتا ہوا احمد کے قریب آ نکلا اور اس نے اُسے تیر مار کر گرا دیا۔

دیوار کے قریب پہنچ کر احمد نے دوبارہ پیچھے دیکھا تو اس کے تین اطراف مختلف گلیوں سے لوگوں کی ٹولیاں نمودار ہو رہی تھیں۔ لڑکی نے کمر برابر دیوار کے اوپر سے جھانکتے

ہوئے کہا۔ "میں اس طرف ہوں!"

احمد دیوار پھاند کر اس کے قریب پہنچا۔ لڑکی نے سوال کیا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

احمد نے جواب دیا۔ "طلیطلہ کے مسلمانوں کی غیرت جاگ رہی ہے۔ شہیدوں کا خون رائیگاں نہیں جاتا۔ یوم حساب شروع ہو چکا ہے۔"

میدان میں کوئی بلند آواز سے چلّا رہا تھا۔ "مسلمانو! اب انتقام کا وقت آ گیا ہے۔ صبح تک اس بستی میں قسطلہ کی فوج کا ایک آدمی زندہ نہیں رہنا چاہیے!"

لڑکی نے کہا۔ "اب خدا معلوم اس کا انجام کیا ہو گا۔ ہمارے راہنما کی ہدایت تھی کہ ایک معین وقت سے پہلے کسی قسم کی کارروائی شروع نہ کی جائے۔ اب صبح تک قسطلہ کے تمام سپاہی اور یحییٰ کی فوج اور پولیس اس بستی میں مار دھاڑ شروع کر دے گی۔"

احمد نے کہا۔ "میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ دریا سے پار آپ کے لیڈر کے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟"

"وہاں صرف شہر اور مضافات کے خاص کارکنوں کو جمع ہونے کا حکم ملا ہے۔ انھوں نے حملے کا طریق کار اور وقت متعین کر کے کچھ عرصہ اپنے اپنے علاقے میں کام کرنا تھا اب یہ کارروائی قبل از وقت ہے۔"

احمد نے کہا۔ "اب ہمیں جلد از جلد ان کے پاس پہنچنا چاہیے۔ کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آ سکتا۔ ہمیں اس ابتدا سے بہترین نتائج پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے!"

لڑکی نے کہا۔ "چلیے دریا اس طرف ہے!"

باغ سے نکلنے کے بعد وہ کھیتوں میں ایک پگڈنڈی پر ہو لیے۔

(۲)

دریا کے قریب ایک چھوٹے سے ٹیلے پر انھیں چند جھونپڑیاں دکھائی دیں۔ وہ ٹیلے کے قریب پہنچے تو نیچے دریا کے کنارے تین چھوٹی چھوٹی کشتیاں کھڑی تھیں۔

لڑکی نے کہا "آپ ٹیلے پر چڑھ کر آواز دیں!"

احمد نے کہا "نہیں۔ اس وقت لوگوں کو جمع کرنا مناسب نہیں۔ میں کشتی چلا سکتا ہوں"

وہ ایک کشتی پر سوار ہو گئے۔ اُفق مشرق سے صبح کا ستارہ نمودار ہو چکا تھا اور آسمان پر تاریکی کا پردہ بتدریج ہلکا ہو رہا تھا۔ وہ دھندلی روشنی میں کبھی کبھی ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور پھر آنکھیں جھکا لیتے۔

احمد نے کہا "آپ تھک گئی ہوں گی؟"

"نہیں" لڑکی نے جواب دیا۔

"آپ کا نام طاہرہ ہے؟"

"ہاں" لڑکی نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر دونوں خاموش رہے۔ اچانک لڑکی نے کہا "جب میں باغ کی دیوار کے پیچھے کھڑی آپ کا انتظار کر رہی تھی، تو مجھے ایک بات کا افسوس ہو رہا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ وہ تعداد میں زیادہ ہیں۔ ممکن ہے کہ میں آپ کو دوبارہ نہ دیکھ سکوں۔ کاش میں آپ کا نام ہی پوچھ لیتی۔ پھر مجھے یہ خیال آ رہا تھا کہ کسی دن اندلس کو ان مصائب سے نجات مل جائے گی اور طلیطلہ کے لوگ ہر سال اپنی قوم کے شہیدوں کو یاد کیا کریں گے اور میں یہ کہا کروں گی کہ ہمارا ایک محسن وہ بھی تھا، جسے میرے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن اس کا نام مجھے بھی معلوم نہیں"۔

احمد نے کہا "میرا نام احمد ہے"۔

کشتی کنارے پر لگی۔ طاہرہ اور احمد نے صبح کی نماز ادا کی اور دریا کے کنارے کنارے اوپر کی طرف چل پڑے۔ لڑکی اُسے اپنے بھائی اور چچا کی شہادت اور باپ کی قید کے واقعات سنا رہی تھی اور احمد اس کے سامنے اپنی سرگزشت بیان کر رہا تھا۔ دونوں یہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کی ایک ہی منزل ہے اور وہ برسوں سے ایک ہی راستے پر گامزن ہیں۔

طاہرہ نے کہا "میں بہت ڈرپوک تھی لیکن اب میں کسی سے نہیں ڈرتی!"

احمد بولا "انسان کو صرف حوادث کے میدان میں کودنے کے بعد اپنے متعلق صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ مجھے بھی اپنے متعلق یہ غلط فہمی تھی کہ میں ایک سپاہی نہیں بن سکتا۔ لیکن آج میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ میں آگ اور خون میں کھیلنے کے لیے پیدا ہوا ہوں"۔

باغ میں داخل ہوتے ہی انھیں چند مسلح آدمیوں نے گھیر لیا۔ ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا "تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ جواب دینے سے پہلے اپنے ہتھیار پھینک دو!"

طاہرہ نے کہا "ہم نئی بستی سے آئے ہیں۔ ہمیں عبدالواحد کے پاس لے چلو۔ وہ مجھے جانتے ہیں"۔

"آپ کا نام؟"

طاہرہ نے اطمینان سے جواب دیا "میں یونس کی بہن ابو یعقوب کی بیٹی ہوں"۔

اچانک سب کی نگاہیں طاہرہ کے چہرے پر گڑ گئیں اور اس نے خود کا نقاب پیشانی سے نیچے سرکا لیا۔

نوجوان نے کہا "بہن معاف کرنا لیکن آپ یہاں کیسے پہنچیں اور یہ کون ہیں؟"

طاہرہ نے کہا "کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ آپ وقت ضائع کرنے کی بجائے ہمیں عبدالواحد کے پاس لے چلیں۔ طلیطلہ کے حالات کسی فوری اقدام کے متقاضی ہیں"۔

نوجوان نے کہا "میرے ساتھ آئیے!"

(۳)

تھوڑی دیر بعد وہ گھنے درختوں کے درمیان ایک قلعہ نما مکان کے صحن میں کھڑے تھے۔ کوئی پچاس ساٹھ آدمی باغ کے مختلف گوشوں سے نکل کر ان کے گرد جمع ہو چکے تھے۔ عبدالواحد ان کی آمد کی خبر سنتے ہی ایک کمرے سے باہر نکلا اور اس نے آگے بڑھ کر کہا "شیخ ابو یعقوب کی بیٹی کہاں ہے؟"

طاہرہ نے آگے بڑھ کر خود کا نقاب ذرا اوپر سرکاتے ہوئے کہا۔ "میں ہوں!"

عبدالواحد نے کہا۔ "یونس کی بہن کو اس لباس میں دیکھ کر مجھے تعجب نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا..... اگر کوئی خاص پیغام مجھ تک پہنچانا تھا تو علی یا اپنے پڑوس سے کسی آدمی کو بھیج دیا ہوتا۔"

طاہرہ نے کہا۔ "علی شہید ہو چکا ہے۔"

عبدالواحد کے مزید سوالات کے جواب میں طاہرہ نے مختصراً اپنی سرگزشت بیان کر دی۔ جب وہ گلی میں نصرانی سپاہیوں کے ساتھ تصادم کا واقعہ بیان کر رہی تھی تو حریت پسندوں کے بوڑھے راہنما نے بدحواس ہو کر کہا۔ "غضب ہو گیا۔ وہ قسطلہ کے چند آدمیوں کے بدلے بستی کے سینکڑوں مسلمانوں کو پھانسی پر لٹکا دیں گے۔ شہر میں بھی مسلمانوں کا قتلِ عام شروع ہو جائے گا!"

احمد جو ابھی تک خاموش تھا، آگے بڑھ کر بولا۔ "جب ہم وہاں سے نکلے تھے تو شہر کے لوگ میدان میں آ چکے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ انھوں نے اب تک قسطلہ کے کئی سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہوگا۔ اس وقت وہ شاید بستی میں ان کی چوکی کا صفایا بھی کر چکے ہوں۔"

عبدالواحد نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "نقارا بجا دو اور تیار ہو جاؤ!"

کسی نے نقارے پر ضرب لگائی اور آن کی آن میں مختلف سمتوں سے کئی نقاروں کی آوازیں آنے لگیں۔

عبدالواحد احمد سے مخاطب ہو کر بولا۔ "نوجوان! قسطلہ کے چند سپاہیوں کو ختم کرنے کے بعد تم ہمارے لیے اجنبی نہیں رہے لیکن تم نے ہماری توقع سے بہت پہلے ابتدا کر دی ہے۔ اگر قدرت نے تمہیں ہماری راہنمائی کے لیے بھیجا ہے تو یہ ہماری خوش نصیبی ہے جو لوگ آس پاس کی بستیوں میں جمع ہو رہے ہیں وہ تھوڑی دیر میں یہاں پہنچ جائیں گے۔

ہمارے فوجی تجربہ رکھنے والے بیشتر راہنما قید میں ہیں اور میں درسگاہ سے نکل کر یہاں آگیا ہوں۔ اب تمہارا مشورہ کیا ہے؟

احمد نے کہا۔ "میں طلیطلہ کے حالات سے ناواقف ہوں۔ میں نے پہلی بار صرف چند سڑکیں اور گلیاں دیکھی ہیں اور وہ بھی رات کے وقت، اس لیے شاید میں فوری کارروائی کے لیے کوئی مفید مشورہ نہ دے سکوں لیکن میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ طلیطلہ میں قسطلہ کی فوج کی صحیح تعداد کیا ہے؟"

"وہ کوئی آٹھ سو سپاہی ہوں گے اور یحییٰ کی فوج اور پولیس کے متعلق میں زیادہ ہراساں نہیں ہوں۔ وقت آنے پر ان میں سے بعض ہمارے ساتھ مل جائیں گے اور بعض شاید غیر جانبدار رہیں۔ اہلِ قسطلہ کا ساتھ دینے والوں کی تعداد زیادہ نہیں ہو گی۔"

"یہاں آپ کے پاس کتنے آدمی ہیں؟"

"یہاں صرف ڈیڑھ سو آدمی ہوں گے۔ آس پاس کی بستیوں میں ہم نے جن دیہاتی لوگوں کو جمع کیا ہے، وہ تین سو کے قریب ہوں گے لیکن انھیں یہاں جمع ہوتے ہوتے کچھ وقت لگ جائے گا!"

احمد نے کہا۔ "جو رضاکار طلیطلہ سے آئے ہیں انہیں فوراً روانہ کر دیجیے۔ وہ شہر کے عوام کو تیار کریں۔ ان کا پہلا حملہ قید خانے پر ہونا چاہیے۔ میں باقی آدمیوں کے ساتھ بستی پر حملہ کروں گا۔"

جب عبدالواحد اور شہر کے چند رضاکار احمد کے ساتھ حملے کی تفصیلات طے کر رہے تھے، طاہرہ سے بستی کے چند آدمی اپنے اپنے گھروں کا حال پوچھ رہے تھے کہ ایک سوار سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا باغ میں داخل ہوا اور اس نے اطلاع دی کہ طلوعِ آفتاب سے پہلے پہلے بستی کے لوگوں نے قسطلہ کے سپاہیوں کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اب شہر سے ان کے چند دستے پہنچ گئے ہیں اور بستی کے لوگ شاید دیر تک ان کا مقابلہ نہ کر سکیں۔

(۴)

دوپہر کے قریب بستی سے باہر اسی میدان میں جہاں سے رات کے وقت بستی کے لوگوں نے قسطلہ کے پہریداروں پر حملے کی تیاری کی تھی ایک اور کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ قسطلہ کے دو سو مسلح سپاہی بستی کی عورتوں اور مردوں کے ایک ہجوم کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے، ایک افسر کے حکم سے دس مردوں اور سات عورتوں کو اس ہجوم سے علیحدہ کر کے ایک مکان کی دیوار کے ساتھ کھڑا کیا اور ان سے پندرہ بیس قدم کے فاصلے پر قسطلہ کے تیر انداز صف باندھ کر ان کے سامنے اور چند سوار تیزے تان کے ان کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ ایک شخص جو اپنے لباس سے یحییٰ کی پولیس کا افسر معلوم ہوتا تھا، آگے بڑھا اور اس نے بلند آواز سے ایک فرمان پڑھ کر سنایا۔ "تمہیں طلیطلہ کے انصاف پسند حکمران امیر یحییٰ القادر کے خلاف بغاوت اور قسطلہ کے بہادر سپاہیوں کو قتل کرنے کے جرم میں موت کی سزا دی جاتی ہے۔"

قسطلہ کے سپاہیوں کا ایک افسر گھوڑا دوڑاتا ہوا تیر اندازوں کے قریب پہنچا اور اس کے حکم سے انھوں نے کمانوں میں تیر چڑھا لیے۔ اب بستی کے لوگوں میں سے کسی کو اپنے انجام کے متعلق غلط فہمی نہ تھی۔ بعض عورتیں اور بچے چیخیں مار مار کر رو رہے تھے۔ قسطلہ کے سپاہی انھیں اپنی تلواروں اور نیزوں سے ڈرا ڈرا کر خاموش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

قسطلہ کے افسر نے تیر اندازوں کو نشانہ باندھنے کا حکم دیا۔ اچانک ایک لڑکی چیخیں مارتی ہوئی ہجوم سے نکلی اور پیشتر اس کے کہ کوئی اس کا راستہ روک سکتا وہ بھاگتی ہوئی دیوار کے قریب پہنچ کر ایک نوجوان کے ساتھ لپٹ گئی۔ دو سپاہیوں نے آگے بڑھ کر اسے بازوؤں سے پکڑ کر کھینچنے کی کوشش کی لیکن افسر چلایا۔ "اسے وہیں رہنے دو!"

لڑکی کی چیخیں اچانک بند ہو گئیں اور وہ نوجوان کا بازو پکڑ کر صف میں کھڑی ہو گئی۔ افسر کے حکم سے تیر اندازوں نے دوبارہ اپنی کمانیں سیدھی کر لیں لیکن اچانک باغ کی طرف سے تیروں کی ایک بوچھاڑ آئی اور قسطلہ کے نصف سے زیادہ تیر انداز زخمی ہو کر گر پڑے۔ ایک

تیر افسر کی پسلی میں لگا اور اس کا سر ایک طرف جھک گیا۔ تیروں کی ایک اور بوچھاڑ آئی اور قسطلہ کے پندرہ بیس اور آدمی گر پڑے۔ اس کے ساتھ ہی طلیطلہ کے حریت پسند باغ کی دیوار پھاند کر میدان میں آ گئے اور انھوں نے تلواروں اور نیزوں سے قسطلہ کے سپاہیوں پر حملہ کر دیا۔ اچانک نہتے مردوں اور عورتوں کے ہجوم میں زندگی کی ایک لہر اٹھی اور وہ بھی قسطلہ کے سپاہیوں کے ساتھ گتھم گتھا ہو گئے۔

احمد بن عبدالمنعم چلایا۔ "تمام گلیوں کی ناکہ بندی کر دو ان بھیڑیوں میں سے کوئی زندہ نکلنے نہ پائے!" تھوڑی دیر کے اندر میدان کے ہر کونے میں قسطلہ کے سپاہیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ حریت پسندوں نے دس پندرہ سواروں کے سوا جو مار دھاڑ کرتے ہوئے ایک گلی کے راستے فرار ہو گئے، کسی کو بچ کر نکلنے کا موقع نہ دیا۔

تھوڑی دیر بعد جب احمد شہر کا رُخ کر رہا تھا تو تین سو رضاکاروں کے علاوہ بستی کے قریباً ڈیڑھ ہزار آدمی اس کے ساتھ تھے، ان میں بعض نے قسطلہ کے سپاہیوں کے ہتھیار چھین لیے تھے اور بعض نے اپنے گھروں سے تلواریں، کلہاڑیاں، لاٹھیاں اور چھرے اُٹھا لیے تھے۔ احمد نے کشادہ سڑک پر پہنچ کر طاہرہ کی طرف دیکھا، وہ خون آلود تلوار اٹھائے اس کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی۔ احمد نے کہا۔ "طاہرہ اب تم گھر جاؤ!"

اس نے جواب دیا۔ "نہیں، میں طلیطلہ کے محل پر آزادی کا پرچم دیکھے بغیر واپس نہیں جاؤں گی!"

شہر کے دروازے تک پہنچتے پہنچتے مضافات سے پانچ ہزار آدمی ان کے ساتھ شامل ہو چکے تھے۔ اس عرصے میں رضاکاروں کا دوسرا گروہ شہر کے عوام کو تیار کر چکا تھا۔ باہر سے حملہ آوروں کی آمد کی خبر سنتے ہی قسطلہ کے سپاہیوں کا ایک دستہ دروازے کی حفاظت کے لیے پہنچا لیکن اہلِ شہر نے انھیں موت کے گھاٹ اتار کر دروازہ کھول دیا۔

طلیطلہ کے عوام اپنے گھروں، مسجدوں اور درسگاہوں سے نکل کر حملہ آوروں کے ساتھ

شامل ہوتے گئے۔ یحییٰ کی فوج اور پولیس کے بعض دستے بھی حریت پسندوں کے ساتھ شامل ہوگئے اور انھوں نے حملہ آوروں کے پہنچنے سے پہلے ہی قید خانے کے دروازے کھول دیے۔ قسطلہ کے سپاہی اپنی مختلف چوکیوں سے مار کھاکر بھاگے اور انھوں نے یحییٰ کے محل میں پناہ لی۔

(۵)

غروبِ آفتاب سے کچھ دیر قبل کوئی تیس ہزار انسان یحییٰ کے محل پر یلغار کررہے تھے۔ اب اس مشتعل اور غیر منظم ہجوم کا کوئی لیڈر نہ تھا۔ ہر شخص دُوسرے کے مقابلے میں اپنی آواز بلند کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ محل کے محافظ فصیل سے تیر برساکر حملہ آوروں کو دروازے سے دور رکھنے کی کوشش کررہے تھے۔ اچانک تیروں کی بارش رُک گئی اور ہجوم دروازے پر ٹوٹ پڑا۔

یہ لوگ دروازہ توڑنے کی کوشش کررہے تھے کہ ایک ضعیف آدمی بھاگتا ہوا آیا اور پوری قوت کے ساتھ چلانے لگا "تم سب بیوقوف ہو، وہ دوسرے دروازے سے نکل کر بھاگ گئے ہیں۔ تم سب پاگل ہو۔ یحییٰ نکل چکا ہے!"

اس ہنگامے میں جن لوگوں کے کان اس کی پکار سے متاثر ہوئے، انھوں نے دہائی مچا کر دوسروں کو متوجہ کیا۔ لوگوں کی ٹولیاں یکے بعد دیگرے دوسرے دروازے کا رُخ کرنے لگیں۔ دوسرا دروازہ کھلا تھا اور یحییٰ قسطلہ کے چند سواروں کے ساتھ فرار ہوچکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد عوام محل میں داخل ہوکر خوشی کے نعرے بلند کررہے تھے۔ کسی نے بلند آواز میں کہا "غرناطہ کا مجاہد کہاں ہے؟" اس کے ساتھ ہی محل کے مختلف کونوں سے آوازیں آنے لگیں "غرناطہ کا مجاہد کہاں ہے؟"

اور غرناطہ کا مجاہد دروازے سے باہر کھڑا اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ اُسے فتح کی خوشی سے زیادہ یحییٰ کے فرار ہونے کا افسوس تھا۔

طاہرہ محل سے باہر نکلی اور اس نے احمد کے قریب آکر کہا "ابا جان کہیں نظر نہیں

آئے۔ عبدالواحد آپ کو تلاش کررہا ہے۔ بہت سے لوگ آپ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔"

احمد نے تھکی ہوئی آواز میں کہا "میں ان سے صبح ملوں گا۔"

طاہرہ نے کہا "آپ بہت تھک گئے ہیں چلیے گھر چلیں! ابا جان یقیناً وہاں پہنچ چکے ہوں گے۔"

احمد نے کہا "اگر آپ بستی کے لوگوں کے ساتھ گھر جاسکیں تو میں آس پاس کسی سرائے میں ٹھہر جاؤں گا۔ صبح کی نماز کے بعد میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

طاہرہ نے کہا "آپ ایک اُجڑے ہوئے گھر پر سرائے کو ترجیح نہ دیں۔ چلیے!"

شہر میں ایک نئی زندگی کروٹ لے چکی تھی۔ محل پر قبضہ ہوتے ہی کئی لوگ جن کے دل یحییٰ کی حکومت کے مظالم سے زخمی تھے۔ شہر میں واپس چلے گئے تھے اور وہ یحییٰ کے بدنام عہدہ داروں کو گھسیٹ گھسیٹ کر گھروں سے باہر نکال رہے تھے۔ چند لوگوں نے یحییٰ کے ایک وزیر کو پکڑ لیا تھا اور اُسے گدھے پر لاد کر شہر کے بازاروں کی سیر کرا رہے تھے، ایک چوراہے میں ایک شاعر گا رہا تھا "قدرت نے ظالموں کے ہاتھ سے تلوار چھین لی ہے۔ اب ہم ان سے گن گن کر بدلہ لیں گے۔" چند نوجوان اس کے گرد جمع تھے۔

چوراہے سے چند قدم آگے جاکر طاہرہ نے کہا "اب انھیں مظلوموں کے ہر آنسو کا حساب دینا پڑے گا!"

احمد نے کہا "انقلاب بسا اوقات مظلوموں کو ظالم بنا دیتا ہے۔ وہ انقلاب جو عوام کے ہاتھ میں انتقام کی تلوار دے دیتا ہے، قوموں کی زندگی کے لیے بڑا خطرناک ہوتا ہے میں خدا سے دُعا کرتا ہوں کہ طلیطلہ کے حریت پسند ظلم کی عمارت کے کھنڈروں پر عدل و انصاف کی عمارت تعمیر کرنے کی بجائے ظلم کی ایک اور عمارت کھڑی نہ کردیں۔"

بستی کی مسجد کے قریب پہنچ کر انھیں آدمیوں کا ایک گروہ ملا اور انھوں نے بتایا کہ وہ شہیدوں کی لاشوں کو دفن کرکے آرہے ہیں۔ طاہرہ نے اپنے باپ کے متعلق پوچھا تو اس کی

گلی کے ایک آدمی نے جواب دیا۔ "نماز مغرب کے وقت ہماری بستی کا ایک آدمی جو شیخ ابو یعقوب سے چند دن بعد قید ہوا تھا، بخار کی حالت میں اپنے گھر پہنچا ہے۔ اس نے یہ اطلاع دی ہے کہ میں نے شیخ ابو یعقوب کو قید خانے میں نہیں دیکھا۔ ممکن ہے کہ بعض با اثر قیدیوں کی طرح انھیں بھی علیحدہ کوٹھڑیوں میں بند کر دیا گیا ہو لیکن وہ یہ بھی کہتا ہے کہ آج جب حملہ آوروں نے قید خانے کا دروازہ کھولا تھا تو بستی کے قیدیوں نے انھیں ہر جگہ تلاش کیا لیکن وہ نہیں ملے۔ بعض قیدیوں کو طلیطلہ سے باہر دوسرے قید خانوں میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ وہ ان کے ساتھ ہوں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اسی قید خانے میں ہوں اور اپنی کوٹھڑی سے نکلتے ہی ہجوم کے ساتھ شامل ہو گئے ہوں اور بستی کے دوسرے قیدیوں نے انھیں نہ دیکھا ہو۔"

بستی کی مسجد کے قریب پہنچ کر احمد نے طاہرہ سے کہا۔ "آپ جائیں۔ میں نماز پڑھ کر آتا ہوں۔"

احمد وضو کر کے مسجد کے اندر داخل ہوا تو وہاں وہی ضعیف العمر آدمی بیٹھا ہوا تھا، جسے اس نے گزشتہ رات دیکھا تھا۔ وہ اٹھ کر احمد کے ساتھ بغل گیر ہوا اور کہنے لگا۔ "بیٹا! کل میں نے تمہاری پیشانی پر نُور کی ایک کرن دیکھی تھی اور آج طلیطلہ میں روشنی کا سیلاب دیکھ رہا ہوں۔ کل تم میرے لیے ایک اجنبی تھے اور آج تم میری قوم کے محسن ہو۔ میں سوچ رہا تھا کہ غرناطہ کا [illegible] سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

احمد نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "تو آپ ابھی تک دریا کے پار اپنی بستی میں نہیں گئے؟"

بوڑھے نے کہا۔ "کل جب میں یہاں سے گزر رہا تھا تو نماز مغرب کے وقت بھی یہ مسجد سنسان تھی۔ میں نے اذان دی لیکن نماز کے لیے کوئی نہ آیا۔ کبھی شیخ ابو یعقوب یہاں نماز پڑھایا کرتے تھے تو یہ مسجد دروازے تک بھر جایا کرتی تھی۔ میں نے عہد کیا کہ جب تک یہ مسجد پھر اسی طرح آباد نہیں ہو گی میں اپنے گھر نہیں جاؤں گا۔ جب آپ آئے تو میرے دل میں دو متضاد خیالات تھے۔ کبھی میں یہ خیال کرتا تھا کہ آپ حکومت کے جاسوس ہیں اور مجھے

کوئی خطرناک آدمی سمجھ کر گرفتار کرنا چاہتے ہیں لیکن جب میں آپ کا چہرہ دیکھتا تھا تو میرے شکوک دور ہو جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے کافی ہچکچاہٹ کے بعد آپ کو شیخ ابو یعقوب کے گھر کا پتہ دیا تھا۔"

"تو آپ کو معلوم تھا کہ شیخ ابو یعقوب قید میں ہیں اور ان کا بیٹا شہید ہو چکا ہے؟"

"مجھے سب کچھ معلوم تھا ــــ لیکن میں نے اپنے آپ کو ایک اجنبی جان کر ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا۔"

احمد نے کہا۔ "تو آج جو کچھ طلیطلہ میں ہوا ہے۔ اس میں سب سے زیادہ حصہ آپ کا ہے۔ اگر آپ مجھے یہ بتا دیتے کہ شیخ ابو یعقوب کے گھر میں ایک لڑکی کے سوا کوئی نہیں تو میں شاید رات یہیں بسر کرتا۔ پھر شاید یہ انقلاب اتنی جلدی نہ آتا اور آپ کو بھی شاید کئی دن اور نمازیوں کا انتظار کرنا پڑتا۔"

نماز سے فارغ ہو کر احمد گلی میں داخل ہوا تو ابو یعقوب کے مکان کا دروازہ کھلا تھا اور طاہرہ چند عورتوں کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔ احمد نے دستک دی تو ایک عمر رسیدہ عورت باہر نکلی اور اُسے دوسرے کمرے میں لے گئی۔ اس نے کہا۔ "آپ تشریف رکھیے میں کھانا لاتی ہوں۔"

احمد نے اس سے پوچھا۔ "شیخ ابو یعقوب نہیں آئے؟"

"نہیں۔"

تھوڑی دیر میں احمد کھانا کھا رہا تھا کہ محلے کے کئی آدمی اس کے کمرے میں جمع ہو گئے۔ تھکاوٹ اور نیند کے باعث احمد کا بُرا حال ہو رہا تھا لیکن ہر بچہ، بوڑھا اور جوان اس کے ساتھ اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ بالآخر ایک بوڑھے نے اٹھتے ہوئے باقی آدمیوں سے کہا۔ "اب انھیں آرام کرنے دو۔ یہ بہت تھکے ہوئے ہیں۔"

ان کے رخصت ہوتے ہی احمد قالین پر لیٹ گیا۔

طاہرہ نے دوسرے کمرے میں اس کا بستر بچھانے کے بعد دروازے سے جھانکتے ہوئے کہا "اٹھیے! میں نے آپ کا بستر بچھا دیا ہے!"

احمد نے کوئی جواب نہ دیا۔ طاہرہ پریشانی کی حالت میں کھڑی تھی کہ ایک عمر رسیدہ عورت برتن اٹھانے آئی اور اس نے کہا "یہ تو یہیں سو گئے ہیں!"

طاہرہ نے کہا "انھیں جگا کر کہو کہ بستر پر لیٹ جائیں!"

عورت نے احمد کا بازو جھنجھوڑ کر اٹھانے کی کوشش کی تو وہ کروٹ بدل کر بڑبڑایا "بھائی جان! امی! حسن کو منع کیجیے، یہ مجھے تنگ کرتا ہے!"

طاہرہ نے کہا "چھوڑ رہنے دو۔ ایک سپاہی کی نیند خراب نہیں ہونی چاہیے۔"

خادمہ برتن اٹھا کر چلی گئی۔ طاہرہ چند ثانیے وہیں کھڑی رہی۔ بھائی جان! امی! حسن! نہ جانے کیوں یہ الفاظ بار بار اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ یہ نوجوان ایک دن قبل ایک اجنبی کی حیثیت میں آیا تھا اور صرف ایک دن بعد طاہرہ یہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کے لیے وہ لوگ بھی اجنبی نہیں رہے جنھیں وہ خواب کی حالت میں پکار رہا تھا۔ ان کی خیالی تصویریں اس کے ذہن میں آ رہی تھیں۔ اُس نے دوسرے کمرے میں جا کر بستر سے ایک چادر اٹھائی اور احمد کے اوپر ڈال کر بالائی منزل کے کمرے میں چلی گئی۔

(۶)

دن چڑھے احمد بیدار ہوا۔ سورج کافی اوپر آ چکا تھا اور کمرے کے کھلے دروازوں اور روشن دانوں سے دھوپ اندر آ رہی تھی۔ ایک عمر رسیدہ لیکن قوی الجثہ آدمی اس کے قریب ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ احمد پریشان سا ہو کر اٹھ بیٹھا۔ عمر رسیدہ آدمی نے مسکراتے ہوئے کہا "میرے خیال میں اب آپ کی نیند پوری ہو گئی ہو گی!"

احمد نے نادم سا ہو کر کہا "میرے خیال میں بہت زیادہ سویا ہوں۔"

عمر رسیدہ آدمی نے کہا "میں ابو یعقوب ہوں۔"

احمد اضطراب کی حالت میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ابو یعقوب نے اٹھ کر اس کے ساتھ مصافحہ کیا اور اُسے اپنے قریب دوسری کرسی پر بٹھا لیا۔

احمد نے سوال کیا "آپ یہاں کب پہنچے؟"

"میں پچھلے پہر پہنچا تھا۔"

"بہت دیر لگائی آپ نے؟"

ابو یعقوب نے کہا "آدھی رات تک تو شاہی محل میں قیامت کا ہنگامہ تھا۔ اس کے بعد جب لوگوں نے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی تو چند سنجیدہ آدمیوں کو ایک جگہ بیٹھ کر مستقبل کے متعلق غور کرنے کا موقع ملا۔"

احمد نے سوال کیا "آپ شہر کے قید خانے میں تھے؟"

ابو یعقوب نے جواب دیا "ہاں! میں پانچ آدمیوں کے ساتھ ایک زمین دوز کوٹھڑی میں بند تھا۔ قید خانے کا دروازہ کھولنے کے بعد کسی کو ہمارا خیال نہ آیا۔ غروبِ آفتاب کے بعد ہم اپنی کوٹھڑی کے دروازے کو توڑنے کی کوشش کر رہے تھے کہ ہم میں سے ایک قیدی کے رشتہ دار اس کی تلاش میں وہاں پہنچ گئے ورنہ ہم شاید ایک دو دن اور وہاں رہتے!"

احمد نے کہا "میرا نام احمد ہے۔"

ابو یعقوب نے کہا "میں تمہارے متعلق اس سے کہیں زیادہ جانتا ہوں۔ طاہرہ مجھے بہت کچھ بتا چکی ہے۔"

احمد نے پوچھا "یحییٰ کا کوئی سراغ ملا؟"

"وہ نکل چکا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ وہ الفانسو کی مدد لے کر دوبارہ آئے گا۔ الفانسو کی فوج ہماری سرحد سے تین چار منازل کے فاصلے پر ایک قلعے میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ ہم نے ایک چھوٹی سی مصیبت سے نجات حاصل کی ہے۔ بڑی مصیبت آنے والی ہے۔ بدقسمتی سے ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکے۔ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ ہمیں جمہور کی قوت

پر اعتماد کرنا چاہیے۔ دوسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ اہلِ طلیطلہ تنہا الفانسو کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے ہمیں بطلیوس کے حکمران عمر المتوکّل سے مدد لینی چاہیے۔ ہمارے اکثر راہنما گرفتار ہونے سے پہلے عمر المتوکل سے بات چیت کر چکے تھے۔"

"آپ کی رائے کیا ہے؟"

"میں ان لوگوں کے ساتھ ہوں جو عمر المتوکّل کی اطاعت قبول کرنے کے خلاف ہیں لیکن میں نہیں سمجھتا کہ میری رائے بہت زیادہ موثر ثابت ہوگی۔ میں کل ہی یہ دیکھ چکا ہوں کہ عمر المتوکّل کے طرفداروں کا پلّہ بہت بھاری ہے۔ اگر الفانسو نے فوراً حملہ کر دیا تو رائے عامہ بھی عمر المتوکل کی اعانت کو لبیک کہے گی۔"

احمد نے کہا۔ "تو اس کا مطلب یہ ہے اہلِ طلیطلہ اسی غلطی کا اعادہ کریں گے جو کسی زمانے میں اہلِ قرطبہ سے سرزد ہوئی تھی!"

ابو یعقوب نے جواب دیا۔ "آپ اطمینان رکھیے عمر المتوکّل کے ساتھ ہماری شرائط بہت سخت ہوں گی۔ ویسے بھی وہ معتمد سے بہت مختلف ہے۔ اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ الفانسو کا باجگزار نہیں۔ اس کے علاوہ ایک حکمران کی حیثیت میں بھی شرعی حدود کا پابند ہے۔ اب تھوڑی دیر تک شاہی ایوان میں شہر کے اکابر کا اجلاس ہوگا.... آپ میرے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو جائیں!"

تھوڑی دیر بعد ابو یعقوب اور احمد شہر کا رُخ کر رہے تھے۔

شاعر کا خواب

عبدالمنعم کو طلیطلہ کے قید خانے سے سرحدی قلعہ میں منتقل ہوئے پانچ ہفتے گزر چکے تھے۔ قیدیوں کی تعداد اس قلعے کی محافظ فوج سے قریباً ڈیڑھ گنا تھی۔ فوج کا سالار ایک عمر رسیدہ اور تجربہ کار سپاہی تھا اور طلیطلہ کی سرحد کے ایک اہم ترین دفاعی حصار کا ایک قید خانے میں تبدیل ہو جانا اس کے لیے پریشانی کا باعث تھا۔

ایک شام قلعے کے چار پہریدار عبدالمنعم کے پاس آئے اور اُسے کوٹھڑی سے نکال کر سالار کے سامنے لے گئے۔ سالار بالائی منزل کے ایک کمرے میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے میز پر چند کاغذات بکھرے ہوئے تھے۔ سالار کے بائیں ہاتھ دوسری کرسی پر ایک پولیس کا افسر بیٹھا ہوا تھا۔ عبدالمنعم کمرے میں داخل ہوا تو یہ لوگ کچھ دیر خاموشی سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر سالار نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے پولیس افسر کی طرف دیکھا اور سوال کیا۔ "کیا یہ وہی ہیں؟"

نوجوان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ سالار نے پہریدار کو اشارہ کیا اور وہ باہر نکل گئے۔

پھر اس نے عبدالمنعم کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "آپ کا نام عبدالمنعم ہے؟"

"ہاں۔" عبدالمنعم نے گھٹی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"آپ قرطبہ سے طلیطلہ اور طلیطلہ کے قید خانے سے یہاں لائے گئے تھے؟"

عبدالمنعم نے جواب دیا۔ "ہاں! لیکن آپ یہ پوچھے بغیر بھی مجھے یہ بتا سکتے ہیں کہ آپ

عمر رسیدہ سالار نے اپنے چہرے پر ایک مغموم سی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ کسی دن مجھے اس قلعے کے محافظ کی بجائے قید خانے کے داروغہ کے فرائض سرانجام دینے پڑیں گے تو میں شاید طلیطلہ کی حکومت کی ملازمت نہ کرتا۔ بہرحال میں یہی کوشش کرتا رہا ہوں کہ یہاں قیدیوں کو کوئی تکلیف نہ ہو لیکن اس وقت میرا مقصد اپنی صفائی پیش کرنا نہیں۔ آپ سُن چکے ہوں گے کہ امیر یحییٰ فرار ہو چکا ہے۔ اہلِ طلیطلہ نے الفانسو کی طرف سے جوابی کارروائی کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے بطلیوس کے حکمران عمر المتوکل کے پاس ایک وفد بھیجا ہے۔ امید ہے کہ بطلیوس کی فوج بہت جلد طلیطلہ کی حفاظت کے لیے پہنچ جائے گی۔ میرا ارادہ تھا کہ میں طلیطلہ کے سیاسی قیدیوں کو بھی رہا کر دوں۔ ان کے متعلق یہاں کوئی یادداشت نہیں۔ میں نے طلیطلہ کی نئی حکومت سے ہدایات طلب کی تھیں لیکن ابھی تک مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ تھوڑی دیر قبل مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ الفانسو کی فوج ہماری سرحد کی طرف پیش قدمی کر رہی ہے اور ان کے چند دستے اس قلعے سے چار کوس کے فاصلے پر پہنچ چکے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ آج رات یا کل صبح تک یہاں پہنچ جائیں اس لیے میں نے قیدیوں کو فوراً آزاد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کاش مجھے اس سے قبل آپ کے متعلق معلوم ہوتا۔ یہ طلیطلہ کی پولیس کے افسر ہیں اور یہاں یہ ابھی آئے ہیں۔ انھوں نے مجھے بتایا ہے کہ میری قید میں ایسے لوگ بھی ہیں جن پر اندلس کے مسلمانوں کو فخر کرنا چاہیے۔"

پولیس افسر اٹھ کر آگے بڑھا اور اس نے ایک خالی کرسی اٹھا کر میز کے قریب رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ تشریف رکھیے! شاید آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔ میں اس دستے کے ساتھ تھا جس کے پہرے میں آپ قرطبہ کے قید خانے سے طلیطلہ کے قید خانے میں لائے گئے تھے۔ اس وقت ہمیں یہ معلوم نہ تھا کہ ہماری جدوجہد کا انجام کیا ہو گا۔ میں طلیطلہ کے ان ہزاروں آدمیوں میں سے ایک تھا جو طلیطلہ کے شاہی خاندان کی ہوسِ اقتدار کا آلہ کار بن چکے تھے لیکن آج میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہم نے جس آگ کا ایندھن بننا قبول کیا تھا اس کے بھڑکتے ہوئے شعلے ہمارے اپنے گھروں کا رُخ کر رہے ہیں۔ میں یحییٰ کے ساتھ فرار ہوا تھا۔ اس نے الفانسو کے پاس پہنچتے ہی، ایک معاہدہ کیا ہے جس کی رو سے سرحد کے کئی قلعے الفانسو کو منتقل کر دیے گئے ہیں۔ الفانسو یحییٰ کو دوبارہ طلیطلہ کے تخت پر بٹھانے سے پہلے ان قلعوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ یحییٰ نے اس کے کہنے پر سرحدی قلعوں کے تمام محافظوں کے نام خطوط لکھ دیے ہیں کہ وہ الفانسو کی فوج کا مقابلہ کیے بغیر قلعے اُس کے حوالے کر دیں۔ اس قلعے کا قبضہ دلانے کے لیے یحییٰ نے مجھے بھیجا ہے لیکن اب میں اپنے گزشتہ گناہوں کی تلافی کرنا چاہتا ہوں۔"

عبدالمنعم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا..... "شاید لمبی چوڑی باتوں کے لیے یہ وقت موزوں نہ ہو۔ میں صرف سننا چاہتا ہوں کہ آپ کونسی شرائط پر ہمیں رہا کرنا چاہتے ہیں؟"

پولیس کے افسر کی بجائے قلعے کے محافظ نے جواب دیا۔ "آپ کو رہا کرنا ہمارے لیے ایک مجبوری ہے۔ آپ پر کوئی احسان نہیں۔ اس وقت جب کہ الفانسو کی فوج کے دستے اس قلعے کے دروازے پر دستک دینے والے ہیں۔ ہمارے لیے قیدیوں کی حفاظت یا نگرانی ناممکن ہے آپ کو میں نے اس لیے بُلایا ہے کہ آپ اپنے ساتھیوں کو پُرامن طریقے سے نکال کر لے جائیں۔ آپ کے جو ساتھی پیدل چلنے کے قابل نہیں انھیں ہم گھوڑے دے سکتے ہیں۔"

عبدالمنعم کے خیالات کہیں اور تھے۔ وہ آنسوؤں، نغموں اور مُسکراہٹوں کے سیلاب میں بہا جا رہا تھا۔ "میری بیوی ـــــ میرے بیٹے!" وہ ماضی کے نقاب الٹنے کے بعد قرطبہ میں اپنے عالیشان مکان کے صحن میں کھڑا تھا اور حسن اس کی ٹانگوں سے لپٹ کر کہہ رہا تھا۔ "ابّا جان! مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ جب لڑائی ختم ہو گی تو آپ مجھے ساتھ لے جایا کریں گے۔" اور وہ اُسے اپنے سینے سے لگا کر کہہ رہا تھا۔ "لڑائی ابھی ختم نہیں ہوئی بیٹا!!"

پھر وہ تصور میں اپنی بیوی کے سامنے یہ الفاظ دہرا رہا تھا۔ "ممکن ہے کہ میں آج ہی لوٹ آؤں۔ ممکن ہے کہ مجھے زندگی کے کچھ دن قید خانے میں گزارنے پڑیں اور یہ بھی ممکن

ہے کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہو۔ لیکن میں تم سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ ان بچوں کو تمہارا پہلا اور آخری سبق یہ ہوگا کہ ایک مسلمان کا مقصد اس کی زندگی سے بڑا ہے۔"

قلعے کے محافظ نے کہا "آپ یہاں سے طلیطلہ کے قیدیوں کے ساتھ جانا پسند کریں گے یا سیدھے اپنے گھر جانا چاہتے ہیں؟"

عبدالمنعم نے سالار کی طرف دیکھا اور سر پھیرتے ہوئے کہا "نہیں میں نہیں جاؤں گا"

"آپ کا مطلب؟"

"میرا مطلب یہ ہے اگر اس قلعے پر الفانسو کی فوج حملہ کر رہی ہے تو میں اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ قید خانے کی تاریکیوں میں مَیں نے ہمیشہ ایک شہید کی موت کی تمنا کی تھی معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہِ ایزدی میں میری دُعا قبول ہو چکی ہے — میرے ساتھی آپ کا ساتھ دیں گے اور مجھے یقین ہے کہ طلیطلہ کے قیدی بھی اس حال میں قلعہ چھوڑنا پسند نہیں کریں گے، ہمیں صرف تلواروں کی ضرورت ہے۔ آپ کتنے آدمیوں کو ہتھیار دے سکتے ہیں؟"

"ہمارے پاس ہتھیاروں کی کمی نہیں لیکن سامانِ رسد شاید ایک ماہ کے لیے بھی کافی نہ ہو۔"

"سامانِ رسد ہم دشمن سے حاصل کر لیں گے۔"

قلعہ کے محافظ نے کہا "کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ باقی قیدیوں کی رائے معلوم کر لیں؟"

عبدالمنعم نے جواب دیا "مجھے معلوم ہے کہ جو لوگ بنی ذالنون کے حکم سے قید کیے گئے ہیں وہ کسی مقصد کے لیے زندہ رہنا چاہتے ہیں۔"

عشاء کے وقت قیدی اور پہریدار پہلی بار ایک ہی صف میں کھڑے تھے اور عبدالمنعم ان کی امامت کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔

نماز کے بعد عبدالمنعم کی رُوح پرور تقریر ان کے دلوں میں ایک نیا ولولہ پیدا کر رہی تھی۔ وہ قیدیوں کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا:

"میرے دوستو! تمہارے ہاتھوں سے بیڑیاں اتار دی گئی ہیں — تمہارے قید خانے کے دروازے کھول دیے گئے ہیں لیکن یہ نہ سمجھو کہ تم آزاد ہو گئے ہو۔ اگر ہم اس طوفانِ عظیم کا مقابلہ نہ کر سکے جو شمال سے الفانسو کی شخصیت میں نمودار ہو رہا ہے تو ہم اس چھوٹے سے قید خانے سے نکل کر کسی دن اپنے آپ کو ایک وسیع قید خانے میں پائیں گے۔ اندلس کا ہر مسلمان عیسائیوں کا غلام ہوگا۔ قلعے کے حاکم نے ہماری رہائی کا حکم صادر کر دیا ہے لیکن کیا ہم اپنے گھروں میں جا کر اپنی بیویوں، اپنے بچوں، اپنی ماؤں بہنوں اور بھائیوں کو یہ پیغام دیں گے کہ ہمارے پیچھے نصرانیوں کا سیلاب آ رہا ہے، الفانسو نے طلیطلہ کے سرحدی علاقوں پر قبضہ کر لیا ہے؟ اس کے بعد طلیطلہ کے دارالحکومت کی باری آئے گی۔ اس کے بعد یہ سیلاب اندلس کے دوسرے شہروں کا رُخ کرے گا۔

اگر ہم مسلمان ہیں، اگر ہم اس زمین پر اسلام کی عظمتِ رفتہ دوبارہ زندہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ہمیں اندلس میں دُشمنانِ اسلام کی غلامی گوارا نہیں تو ہمارے لیے ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ ہم طوفان کے آگے آگے بھاگنے کی بجائے اس کے سامنے کھڑے ہو جائیں! اگر الفانسو کی پیش قدمی فقط ہمارے ملوک الطوائف میں سے کسی کے تخت و تاج کے لیے خطرے کا باعث ہوتی تو میں اس وقت تمہارے سامنے تقریر کرنے کی بجائے سیدھا اس شہر کا رُخ کرتا، جہاں میری بیوی، بچے، دوست اور احباب برسوں سے میرا انتظار کر رہے ہیں لیکن یہ خطرہ ہمارا اجتماعی خطرہ ہے۔ یہ ان لوگوں کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے جو اس ملک میں مسلمان کی حیثیت میں زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ ہمارا دشمن صرف طلیطلہ کے چند قلعوں پر ہی نہیں بلکہ جبل الطارق تک

صلیب کا نشان لہرانے کا عزم لے کر میدان میں آیا ہے۔ میں آپ کو اس قلعے کی حفاظت کے لیے سینہ سپر ہونے کی دعوت دیتا ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے اندلس کے حکمران کی فکر ہے بلکہ مجھے اپنی فکر ہے، تمہاری فکر ہے۔ اس چھوٹے سے محاذ پر ہماری جنگ سارے اندلس کے لیے ہوگی۔ ہماری قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ نصرانیوں کا راستہ روک کر ہم اہل طلیطلہ کو تیاری کا موقع دے سکتے ہیں۔"

چند دنوں کے بعد طلیطلہ کے طول و عرض میں یہ خبر مشہور ہو چکی تھی کہ الفانسو کی فوج نے اچانک پیش قدمی کر کے شمال مغربی سرحد کی بعض چوکیوں پر قبضہ کر لیا ہے لیکن ایک قلعے میں مٹھی بھر جانبازوں کی جماعت ایک ناقابلِ تسخیر عزم کے ساتھ حملہ آوروں کا مقابلہ کر رہی ہے۔

(۲)

الفانسو نے یحییٰ القادر کی ملت فروشی سے فائدہ اٹھا کر شمالی سرحد کی چند اہم چوکیوں پر قبضہ کر لیا۔ جن قلعوں کے محافظوں نے یحییٰ کا حکم ماننے سے انکار کیا، ان پر اس نے اچانک حملہ کر دیا۔ وہ طلیطلہ کی طرف پیش قدمی کرنے سے پہلے شمالی سرحد کے بہت سے علاقے اپنی سلطنت میں شامل کر لینا ضروری سمجھتا تھا۔

اہلِ طلیطلہ انتہائی پریشانی کی حالت میں عمر المتوکل کی افواج کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک اجتماعی خطرے کے احساس نے عوام کو متحد کر رکھا تھا اور انھوں نے شہر کے اکابر میں سے ایک آدمی کو عارضی طور پر اپنا امیر تسلیم کر لیا تھا۔ شہر میں رضا کاروں کو تربیت دینے کی مہم زوروں پر تھی اور طلیطلہ کے نئے سپہ سالار کی درخواست پر احمد نے شہر کے مضافات سے رضا کاروں کی ایک فوج تیار کرنے کا بیڑا اٹھا لیا تھا۔ شہر کے اکابر کو اس پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب کبھی وہ کسی فوجی نوعیت کے مسئلے کو زیر بحث لاتے تو سپہ سالار اور فوجی امور کے دوسرے ماہرین کے علاوہ احمد بن عبدالمنعم کی رائے بھی لی جاتی۔

وہ صبح سے شام تک مصروف رہتا۔ شیخ ابو یعقوب مجلسِ شوریٰ کا رکن تھا اس لیے وہ بھی علی الصباح احمد کے ساتھ ہی گھر سے نکل جاتا۔ نمازِ مغرب عام طور پر وہ بستی کی مسجد میں ادا کرتے اور اس کے بعد احمد اپنے میزبان کے ساتھ اس کے گھر چلا جاتا۔ کبھی اگر ایک کو دیر ہو جاتی تو دوسرا کھانے کے لیے اس کا انتظار کرتا۔

زندگی کے سمندر میں ایک تند و تیز طوفان کی موجوں نے احمد اور طاہرہ کو ایک دوسرے سے ملا دیا تھا۔ اب یہ طوفان گزر چکا تھا۔ اب ان کے درمیان دیواریں اور پردے حائل ہو چکے تھے اور ان پردوں اور دیواروں کی اوٹ میں یہ دونوں سپنوں کی حسین اور دلکش بستیاں آباد کر رہے تھے۔

ایک رات ابو یعقوب ذرا دیر سے گھر آیا اور اس نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی خادمہ کو آواز دے کر کھانا لانے کے لیے کہا۔ طاہرہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے دبی زبان سے کہا "اباجان، مہمان ابھی تک نہیں آیا؟"

"وہ ایک مہم پر روانہ ہو چکا ہے۔"

طاہرہ کے چہرے پر اچانک زردی چھا گئی اور اس نے ایک ثانیہ اپنے باپ کی طرف دیکھنے کے بعد منہ پھیر لیا۔ وہ اپنے دل میں شکوے کر رہی تھی: "وہ چلا گیا اور یہ جانے بغیر چلا گیا ہے کہ یہاں کوئی عمر بھر اس کی راہ دیکھتی رہے گی!"

طاہرہ کو اپنے باپ کے سامنے کھڑی رہنا تکلیف دہ محسوس ہوا۔ وہ آہستہ آہستہ پاؤں اٹھاتی ہوئی دوسرے کمرے کی طرف بڑھی۔

ابو یعقوب نے کہا "ٹھہرو بیٹی کہاں جا رہی ہو؟"

اس نے گھبرا کر جواب دیا "اباجان میں آپ کے ہاتھ دھلانے کے لیے پانی لاتی ہوں۔"

جب طاہرہ اپنے باپ کے ہاتھ دھلا رہی تھی تو خادمہ آئی اور اس نے پوچھا "آپ کا کھانا بھی یہیں لے آؤں؟"

ابو یعقوب نے کہا "طاہرہ نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا؟ اسے لے آؤ ہم اکٹھے کھائیں گے!"

خادمہ نے کھانا لاکر رکھ دیا اور طاہرہ اپنے باپ کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ گئی لیکن اس کی بھوک مر چکی تھی۔ اس نے بے توجہی سے چند لقمے اٹھائے۔ ابویعقوب خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا۔ "احمد چند دنوں تک واپس آجائے گا۔"

طاہرہ کے چہرے پر دوبارہ رونق آگئی اور اس نے جرأت سے کام لیتے ہوئے کہا "ابا جان وہ کہاں گئے ہیں؟"

ابویعقوب نے جواب دیا۔ "میں نے تمہیں بتایا تھا کہ انقلاب سے پہلے یحییٰ نے طلیطلہ کے جن قیدیوں کو شمال مشرقی سرحد کے اہم قلعے میں منتقل کر دیا تھا۔ وہ قلعے کی محافظ فوج کے ساتھ شامل ہو کر نصرانی حملہ آوروں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ چار دن قبل یہ اطلاع آئی تھی کہ قلعے کا محافظ شہید ہو چکا ہے اور ان کی قیادت ایک قیدی نے سنبھال لی ہے۔ چونکہ عمر المتوکل کی پیشقدمی کے باعث الفانسو کی توجہ شمال مغرب کے محاذ کی طرف مبذول ہو چکی ہے۔ اس لیے ہمیں یہ امید تھی کہ اس قلعے پر الفانسو کا دباؤ زیادہ دیر نہیں رہے گا اور ہم یہاں کی فوج کے پہنچتے ہی ان کی مدد کے لیے رضاکاروں کے چند دستے روانہ کر دیں گے۔ لیکن آج یہ اطلاع ملی کہ قلعے کے محافظوں کی حالت نازک ہے اور الفانسو نے ایک نئی فوج بھیج کر ان کی رسد و کمک کے تمام راستے کاٹ دیے ہیں۔ اگر دو دن کے اندر اندر انھیں کوئی کمک نہ ملی تو وہ سب مارے جائیں گے۔ اگر صرف عام سپاہیوں کا سوال ہوتا تو شاید مجلس شوریٰ اس قدر مستعدی ظاہر نہ کرتی لیکن قیدیوں میں بعض بااثر لوگ ہیں۔ اس لیے تین سو سوار فوراً روانہ کر دیے گئے ہیں۔ مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں احمد بھی شریک ہوا تھا۔ جب اس مہم کی قیادت کا سوال پیش ہوا تو سب کی نگاہیں اس کی طرف مبذول ہو گئیں۔"

طاہرہ نے کہا۔ "لیکن تین سو آدمی کب تک قلعے کی حفاظت کر سکیں گے؟"

ابویعقوب نے جواب دیا۔ "سپہ سالار نے اس قلعے کی حفاظت کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ اس نے احمد کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ محافظ سپاہیوں اور قیدیوں کو وہاں سے نکال لائے۔ ہم طلیطلہ کے دفاع کو خطرے میں ڈالے بغیر زیادہ دیر اس دور افتادہ مورچے کی حفاظت نہیں کر سکتے۔"

طاہرہ نے کہا۔ "ابا جان! یہ مہم بہت زیادہ خطرناک تو نہیں؟"

"بیٹی سپاہی کی ہر مہم خطرناک ہوتی ہے۔"

"اور وہ ان سپاہیوں میں سے ہے جو خطرے کے وقت سب سے آگے ہوا کرتے ہیں۔"

ابویعقوب نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ "احمد ایک صالح اور بہادر نوجوان ہے۔ آج رخصت سے پہلے میں نے اس کے ساتھ تمہارے مستقبل کے متعلق چند باتیں کی ہیں۔"

طاہرہ کا دل دھڑکنے لگا۔ ابویعقوب نے قدرے توقف کے بعد مسکراتے ہوئے کہا۔ "بیٹی میں تمہارے لیے ایک اچھی خبر لے کر آیا ہوں۔ میں قدرت سے تمہارے لیے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں مانگ سکتا۔ تمہارے باپ کو اس بات پر فخر ہے کہ اندلس کے بہترین نوجوان نے تشکر کے آنسوؤں کے ساتھ تمہارا رشتہ قبول کیا ہے۔ بیٹی میں نے غلطی تو نہیں کی؟"

اور طاہرہ مسرت کے سمندر میں غوطے کھا رہی تھی۔ اس کا چہرہ حیا سے سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں زمین میں گڑی جا رہی تھیں۔

باپ نے کہا۔ "تم نے کھانا کیوں چھوڑ دیا؟"

"میں کھا چکی ہوں ابا جان!" وہ یہ کہہ کر اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔ اس کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ "احمد! احمد!!" اس نے مسرت کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "تم میرے ہو! تم میرے ہو!"

(۳)

سرحدی قلعہ ایک پہاڑی کے دامن میں تھا۔ قسطلہ کے سات سو سپاہی اس پر کئی حملے کر چکے تھے۔ ان کا ایک حملہ اس قدر سخت تھا کہ قلعے کے محافظ اپنی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ تقریباً دو سو سپاہی اوپر سے تیروں اور اینٹوں کی بارش کے باوجود سیڑھیاں لگا کر فصیل کے اوپر جا پہنچے۔ قلعے کا محافظ اور اس کے ساتھ تقریباً ایک سو مجاہدین لڑتے ہوئے

شہید ہو گئے لیکن عبدالمنعم نے ان کے حوصلے پست نہ ہونے دیے۔ مجاہد اپنے نئے سالار کی تقلید میں موت و حیات سے بے پروا ہو کر دشمن پر ٹوٹ پڑے اور قلعے کے اندر داخل ہونے والوں میں سے بہت کم ایسے تھے جنہیں دوبارہ زندہ باہر نکلنے کا موقع ملا۔

اس شدید نقصان کے بعد نصرانی چند دن اہلِ قلعہ کے ساتھ معمولی چھیڑ چھاڑ پر اکتفا کرتے رہے۔ بالآخر ایک رات ان کے پاس دو سو تازہ دم سپاہیوں کی کمک پہنچ گئی اور انھوں نے علی الصباح قلعے پر فیصلہ کُن حملہ کر دیا۔ قسطلہ کے سالار نے حلف اٹھایا تھا کہ جب تک یہ قلعہ فتح نہیں ہو گا میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ عبدالمنعم کے ساتھیوں کے تیر ختم ہو چکے تھے اور وہ فصیل پر سے اینٹیں پھینک پھینک کر دشمن کو پیچھے ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے۔ رسد کی کمی کے باعث گزشتہ چار دن سے ہر سپاہی کو دو وقت کے لیے جو کی صرف ایک ایک کی روٹی ملتی تھی۔

دوپہر کے وقت بھوک اور تھکاوٹ سے نڈھال سپاہی دشمن کے پے در پے حملوں سے مغلوب ہو رہے تھے۔ دشمن کے چند دستے سیڑھیاں لگا کر فصیل پر پہنچ گئے تھے اور دست بدست لڑائی شروع ہو چکی تھی۔ قلعے کے محافظوں میں سے اب کوئی ایسا نہ تھا جسے اپنی زندگی کا ایک اور دن دیکھنے کی امید تھی۔

اچانک ایک طرف سے گھوڑوں کی ٹاپ اور اللہ اکبر کے نعرے سُنائی دیے اور آن کی آن میں تین سو سواروں نے قسطلہ کی فوج پر چاروں اطراف سے حملہ کر دیا۔

ایک گھنٹے کے اندر میدان خالی ہو چکا تھا اور قلعے کے اِرد گِرد دُور دُور تک نصرانی سپاہیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ سواروں نے بھاگتے ہوئے نصرانیوں کا چند میل تک تعاقب کیا اور گنتی کے چند آدمیوں کے سوا کسی کو بچ کر نکلنے کا موقع نہ دیا۔ جب وہ شام سے کچھ دیر پہلے واپس آئے تو قلعے کے محافظ اتنی دیر میں قسطلہ کی فوج کے پڑاؤ سے بہت سا سامان قلعے کے اندر منتقل کر چکے تھے۔ چند ماہ کی رسد اور سامانِ جنگ کے علاوہ قریباً

ڈھائی سو گھوڑے اور پچاس خچر ان کے قبضے میں آ چکے تھے۔

سواروں کو واپس آتے دیکھ عبدالمنعم کے ساتھیوں نے باہر نکل کر خوشی کے نعرے بلند کیے۔ نوجوان سالار نے گھوڑے سے اُترتے ہی سوال کیا۔ "آپ کا سالار کون ہے؟"

ایک بوڑھے مجاہد نے جواب دیا۔ "وہ اندر ہیں۔ ان کے بازو پر زخم آ گیا تھا!"

"زخم خطرناک تو نہیں؟"

"نہیں، معمولی زخم ہے۔ دراصل وہ بہت زیادہ تھکے ہوئے ہیں!"

"چلیے میں ان سے ملنا چاہتا ہوں!"

نوجوان، بوڑھے مجاہد کے ساتھ باتیں کرتا ہوا قلعے کے ایک کمرے کے اندر داخل ہوا۔ عبدالمنعم لکڑی کے ایک تختے پر لیٹا ہوا تھا۔ پاؤں کی آہٹ پاتے ہی وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ نوجوان نے آگے بڑھ کر اس کے ساتھ مصافحہ کیا اور پوچھا۔ "آپ کا زخم گہرا تو نہیں؟"

"نہیں معمولی خراش ہے۔ تشریف رکھیے!"

نوجوان ایک کُرسی پر بیٹھ گیا اور عبدالمنعم نے لکڑی کے تختے پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا "آپ طلیطلہ سے آئے ہیں؟"

"ہاں!"

"وہاں کے حالات کیسے ہیں؟"

نوجوان نے جواب دیا۔ "حالات تشویشناک ہیں۔ الفانسو کی افواج تین اطراف سے بڑھ رہی ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ فوراً یہ قلعہ خالی کر دیں!"

عبدالمنعم کچھ دیر غور سے نوجوان کی طرف دیکھتا رہا۔ اچانک اس نے سوال کیا۔ "آپ طلیطلہ کے رہنے والے ہیں؟"

"نہیں میں غرناطہ سے آیا ہوں۔"

"میرا مطلب ہے کہ آپ کا اصلی وطن کون سا ہے؟"

"قرطبہ۔"

"تمہارا نام احمد ہے؟"

نوجوان نے قدرے چونک کر عبدالمنعم کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ہاں! لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

عبدالمنعم جواب دینے کی بجائے ہونٹ بھینچ کر سِسکیاں روکنے کی کوشش کر رہا تھا اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ احمد اب غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

عبدالمنعم کے ایک بُوڑھے ساتھی نے کہا۔ "آپ کا نام احمد بن عبدالمنعم ہے؟"

"ہاں!" احمد نے حیرت زدہ ہو کر بوڑھے کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

بوڑھے نے کہا۔ "اگر تم اپنے باپ کو دیکھو تو پہچان لوگے؟"

"آپ کو ان کے متعلق ——؟" احمد نے فقرہ پورا کیے بغیر دوبارہ اپنی نگاہیں عبدالمنعم کے چہرے پر گاڑ دیں، اس کے دل کی دھڑکنوں نے ماضی کے کئی نقاب اُلٹ دیے۔ انسانی حسن و رعنا کے ایک پیکر مجسم کی تصویر اس کے شعور کی سطح پر ابھرنے لگی اور ایک سفید ریش بوڑھے کی آنسوؤں سے چھلکتی ہوئی آنکھیں اُسے یہ پیغام دینے لگیں۔ "دیکھو میں وہی ہوں!"

"ابا جان! ابا جان!" احمد کے مُنہ سے کرب میں ڈوبی ہوئی آواز نکلی۔ باپ اور بیٹا بیک وقت اٹھے اور ایک دوسرے کے ساتھ لپٹ گئے۔

رات کے وقت جب تھکے ماندے سپاہی گہری نیند سو رہے تھے، احمد اور عبدالمنعم ایک علیحدہ کمرے میں بیٹھے ایک دوسرے کو اپنی سرگزشت سنا رہے تھے۔ پچھلے پہر جب وہ کوچ کی تیاری کر رہے تھے۔ احمد نے کہا۔ "ابا جان! میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ گھر جائیں آپ کو ایک لمبے عرصے کے لیے آرام کی ضرورت ہے!"

"میں سیدھا وہیں جا رہا ہوں بیٹا! لیکن آرام کے لیے نہیں کام کے لیے۔

ماندہ رہے ہیں لیکن ہم اندلس کی اجتماعی قوت کو بروئے کار لائے بغیر اس سیلاب کا رُخ نہیں بدل سکتے۔ مجھے یقین ہے کہ ہماری کوششوں سے قاضی ابو جعفر اور ان کے رفقاء کو عوام میں کام کرنے کی مہلت مل جائے گی۔ ہم نے آپ کی زندگی سے جو سبق سیکھا ہے وہ یہ ہے کہ ایک مومن کی قربانی رائیگاں نہیں جاتی۔ جو آواز آپ نے کئی برس پہلے بلند کی تھی وہ آج لاکھوں انسانوں کی آواز بن چکی ہے۔ وہ ہاتھ جنہیں ملوک الطوائف نے غلامی کی زنجیریں پہنا رکھی تھیں، اب آہستہ آہستہ ہل رہے ہیں۔ بنی ذالنون کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اشبیلیہ میں معتمد کے اقتدار کے دن گِنے جا چکے ہیں۔ اندلس کے باقی حکمران راہ راست پر نہ آئے تو وہ بھی زیادہ دیر عوام کو دھوکا نہیں دے سکیں گے۔ اب صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ جمہور کو ایک متحدہ محاذ پر کھڑا کر دیا جائے! میں اس وقت تک طلیطلہ میں رہوں گا جب تک میری یہاں ضرورت ہے۔ آپ غرناطہ پہنچتے ہی قاضی ابو جعفر سے ملیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ان کے ساتھ شامل ہو کر بہت کچھ کر سکیں گے۔ آپ انھیں جانتے ہیں نا"

عبدالمنعم خاموشی سے اپنے بیٹے کی باتیں سُن رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک مُسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ احمد نے اس کی مُسکراہٹ سے قدرے پریشان ہو کر کہا۔ "ابا جان معاف کیجیے۔ میں آپ کو یہ مشورہ نہیں دے سکتا کہ آپ کو کیا کرنا چاہیے۔ میں بہت باتونی ہوں۔"

عبدالمنعم نے کہا۔ "بیٹا! اگر تمہاری ماں کی تربیت نے سعد اور حسن کو بھی تم جیسا باتونی بنا دیا ہے تو مجھے اپنی زندگی کے چند سال قید خانوں کی تاریک کوٹھڑیوں میں گزارنے پر شکایت نہیں ہونی چاہیے۔ اس وقت جب کہ مجھے مامون کے حکم سے دوبارہ قید خانے میں بھیجا جا رہا تھا، یہ کون کہہ سکتا تھا کہ طلیطلہ میں بنی ذالنون کے اقتدار پر آخری ضرب لگانے والا میرا اپنا بیٹا ہوگا۔ مجھے تم پر فخر ہے اب میں اندلس کے مستقبل سے مایوس نہیں لیکن یاد رکھو ابھی تمہاری راہ میں کئی پہاڑ حائل ہیں۔ طلیطلہ والوں نے ابھی غلطی کا اعادہ کیا ہے جو ہم سے آخری غلطی تھی۔ انہیں عمر المتوکل کی بجائے عوام کی قوت پر بھروسہ کرنا چاہیے تھا۔ قرطبہ میں

کے وقت وہ ہمیں تنہا چھوڑ گیا تھا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آزمائش کے وقت وہ اہلِ طلیطلہ کو بھی نہ چھوڑ دے۔"

احمد نے کہا "اُسے بُلانے کا فیصلہ شہر کے اکابر نے کیا تھا۔ انھیں امید ہے کہ اگر دوسری سلطنتوں کے عوام نے اس کی حوصلہ افزائی کی تو وہ آخری دم تک مقابلہ کرے گا" "یہ وقت آنے پر معلوم ہو گا، تاہم میں یہ دُعا کرتا ہوں کہ خدا اُسے استقامت دے۔ ممکن ہے کہ میں چند دن آرام کرنے کے بعد اپنے لیے یہی محاذ منتخب کروں"!

اگلی دوپہر باپ اور بیٹا ایک ایسے چوراہے پر کھڑے تھے جہاں سے ایک راستہ طلیطلہ اور دوسرا سیدھا قرطبہ کی طرف جاتا تھا۔ عبدالمنعم تنہا غرناطہ کا رُخ کرنے کی بجائے چند منازل تک قرطبہ کے قیدیوں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

احمد نے اپنے باپ کو رُخصت کرتے ہوئے کہا "ابا جان! اگر مجھے امی جان کے متعلق پریشانی نہ ہوتی تو میں آپ کو طلیطلہ سے ہو کر گھر جانے پر مجبور کرتا۔ مجھے آپ سے ایک ضروری بات کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

عبدالمنعم نے غور سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا اور کہا "احمد تم..... اس لڑکی کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

احمد نے جواب دینے کی بجائے آنکھیں نیچی کر لیں۔ عبدالمنعم نے پھر کہا "احمد کیا میں تمہیں خوشخبری سنا دوں کہ تم شادی کر چکے ہو؟"

احمد نے چونک کر جواب دیا "نہیں ابا جان۔ یہ آپ کو کس نے بتایا۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ جب میں اس طرف آ رہا تھا تو شیخ ابو یعقوب نے اس بات کی خواہش ظاہر کی تھی"

عبدالمنعم نے کہا "بیٹا میری دُعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ تمہارا یہ فرض ہے کہ وقت کی آندھیوں سے اپنے حصے کی مسرتیں چھین لو! جن حالات میں تم نے ایک دوسرے کو تلاش کیا ہے، ان کا تقاضہ یہ ہے کہ تم طلیطلہ پہنچتے ہی شادی کر لو! میں بہت جلد طلیطلہ آنے کی

کوشش کروں گا لیکن تم میرا انتظار نہ کرنا۔ ممکن ہے کہ میں کسی اور محاذ پر چلا جاؤں!"

احمد کے ساتھیوں کا قافلہ کافی دور جا چکا تھا اور عبدالمنعم کے ساتھی چند گز دور کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ باپ اور بیٹے نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا اور اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔

(۴)

الماس کسی کی آواز سُن کر باہر نکلا۔ ایک سوار دروازے پر کھڑا تھا۔ الماس ایک ثانیہ سکتے کے عالم میں کھڑا رہا اور پھر اچانک آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے چلایا: "آقا! میرے آقا!"

سوار نے گھوڑے سے اُتر کر اُسے گلے لگا لیا۔ "آقا! آپ آگئے! میرے سپنے سچے نکلے۔ چلیے اندر چلیے!" الماس نے ایک بچے کی طرح سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

خادمہ نے دروازے کے قریب آ کر پوچھا "الماس کون ہے؟"

الماس نے بلند آواز میں جواب دیا "آقا آگئے ہیں!"

عبدالمنعم اندر داخل ہوا۔ سکینہ برآمدے میں کھڑی تھی۔ اس کی تمام حسیات آنکھوں میں جمع ہو چکی تھیں۔ اس کی حالت اس کشتی کے ملاح سے مختلف نہ تھی جو ایک بیکراں سمندر کی بھیانک تاریکیوں میں اچانک روشنی کا مینار دیکھ رہا ہو۔ ایک تھکے ماندے مسافر کی طرح جس کی ہمت اپنی منزل دیکھتے ہی جواب دے چکی ہو، عبدالمنعم آہستہ آہستہ قدم اُٹھا رہا تھا۔ سکینہ کی نگاہوں کے سامنے آنسوؤں کا پردہ حائل ہو رہا تھا۔ یہ پردہ بھاری ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ عبدالمنعم صحن عبور کرنے کے بعد برآمدے کی سیڑھیوں کے پاس پہنچ چکا تھا۔ وہ صرف ایک دھندلی سی تصویر دیکھ رہی تھی۔

"سکینہ! میں آگیا ہوں؟" اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔

سکینہ کے ہونٹ کپکپائے۔ اس کی پلکیں جھک گئیں۔ اس کی آنکھوں سے چھلکتے ہوئے آنسو

بر نکلے اور زندگی کے چہرے سے ماضی کا غبار دُھل گیا۔

"سکینہ!" عبدالمنعم نے برآمدے کی سیڑھیوں پر چڑھتے ہُوئے کہا اور وہ سسکیاں لیتی ہوئی اس کے ساتھ لپٹ گئی۔ بڑی مشکل سے اس کے مُنہ سے چند الفاظ نکلے "میں یہ خواب کئی بار دیکھ چکی ہوں مجھے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں رہا۔ خدا کے لیے مجھے بتائیے، کہ یہ خواب تو نہیں؟"

"یہ خواب نہیں، سکینہ اب تم اپنے سپنوں کی تعبیر دیکھ رہی ہو!" عبدالمنعم نے اُسے ایک کرسی پر بٹھادیا اور خود اس کے قریب دوسری کرسی پر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ دونوں آنسوؤں میں ڈوبی ہُوئی مُسکراہٹوں کے ساتھ ایک دُوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے...... اچانک سکینہ چلّائی "میمونہ! میمونہ!!"

"کیا ہے امّی جان!" میمونہ نے ساتھ والے کمرے کے دروازے سے جھانکتے ہوئے کہا۔

"میمونہ ادھر آؤ! یہ سعد کے ابّا جان ہیں۔ مجھے بتاؤ کہ میں خواب تو نہیں دیکھ رہی؟"

میمونہ نے شرماتے ہوئے آگے بڑھ کر عبدالمنعم کو سلام کیا۔ سکینہ نے کہا "آپ جانتے ہیں! یہ کون ہے؟"

"میں جانتا ہوں، مجھے احمد نے ان کے مُتعلق بتایا تھا۔"

"احمد نے! وہ آپ کو کہاں ملا؟ آپ اُسے ساتھ کیوں نہیں لائے؟ مجھے سب کچھ بتائیے۔ وہ طلیطلہ گیا تھا۔ آپ کہاں تھے؟"

عبدالمنعم نے کہا "پہلے آپ اس بات کا یقین کرلیں کہ یہ خواب نہیں۔"

سکینہ نے کہا "آپ میری دیوانگی پر خفا نہ ہوں!"

میمونہ نے کہا "اگر آپ اجازت دیں تو میں خالہ کو اطلاع دے آؤں؟"

سکینہ نے کہا "جاؤ!" اور میمونہ خادمہ کے ساتھ باہر نکل گئی۔

---

(۵)

احمد اپنی مہم سے فارغ ہوکر طلیطلہ واپس پہنچا تو عمر المتوکل کے ہراول کے دستے شہر میں داخل ہورہے تھے۔ ایک ہفتہ کے بعد عمر المتوکل باقی فوج کے ساتھ خود بھی پہنچ گیا اور طلیطلہ کی عارضی حکومت اس کے حق میں دستبردار ہوگئی۔

احمد نے واپس آتے ہی پھر رضا کاروں کی تنظیم کا کام سنبھال لیا۔ قریباً ایک ماہ بعد اس کے پاس غرناطہ سے ایک ایلچی عبدالمنعم کی طرف سے اس مضمون کا خط لے کر آیا کہ میں قاضی ابوجعفر کے ساتھ مرسیہ جارہا ہوں۔ اس لیے تم شادی کے لیے میرا انتظار نہ کرو۔ عبدالمنعم نے ایک خط شیخ ابویعقوب کی طرف بھی لکھا تھا جس میں اس نے اُندلس کے بگڑتے ہُوئے حالات کے باعث اپنی مصروفیتیں اور مجبُوریاں ظاہر کرنے کے بعد یہ درخواست کی تھی کہ وہ احمد اور طاہرہ کی شادی میں تاخیر نہ کریں۔

ابویعقوب نے عبدالمنعم کا خط آنے سے ایک ہفتہ بعد شہر کے چند معززین کو اپنے گھر میں جمع کیا اور احمد کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح پڑھوادیا۔

زندگی کے سمندر کے دو مُسافر جنہیں ایک طوفان کی تند لہروں نے ایک دوسرے سے ملا دیا تھا۔ اب ایک کشتی میں بیٹھ کر اُفق کی طرف دیکھ رہے تھے..... طوفان بظاہر تھم چکا تھا لیکن یہ عارضی سکون ایک بڑے طوفان کا پیش خیمہ تھا۔

انقلاب کے ساتھ طلیطلہ کے اُفق پر جو ہلکی سی روشنی نمودار ہوئی تھی وہ پھر ایک بار تاریک بادلوں میں چھپ رہی تھی۔ عمر المتوکل کی مداخلت نے الفانسو کو طلیطلہ پر فوراً یلغار کرنے کا ارادہ تبدیل کرنے پر مجبور کردیا تھا۔ الفانسو جس قدر طلیطلہ پر قبضہ کرنے کے لیے بے قرار تھا اسی قدر مسلمانانِ اندلس کے ساتھ ایک فیصلہ کُن جنگ لڑنے کے لیے اپنی فوجی طاقت محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے دارالحکومت کی طرف پیش قدمی کرنے کی بجائے سرحدوں پر چھیڑ چھاڑ جاری رکھ کر جنگ کو طول دینا اپنے لیے فائدہ مند سمجھا۔ الفانسو کے سپاہی طلیطلہ کی ان سرحدی

چوکیوں سے جو یحییٰ کی ملت فروشی کے باعث ان کے قبضے میں آ چکی تھیں۔ کسی علاقے پر حملہ کرتے اور لوٹ مار کرنے کے بعد پیچھے ہٹ جاتے۔ ان حالات میں عمر المتوکل کو اپنی باقاعدہ فوج کے ایک بڑے حصے کے علاوہ طلیطلہ کے رضا کاروں کے کئی دستوں کو بھی سرحدوں پر اپنی دفاعی چوکیوں کی حفاظت کے لیے بھیجنا پڑا۔

ایک رات احمد دیر تک گھر نہ آیا۔ ابو یعقوب کچھ دیر اس کا انتظار کرنے کے بعد کھانا کھا کر آرام کرنے کے لیے اپنے کمرے میں جا چکا تھا اور طاہرہ بالائی منزل کے کمرے میں اس کا انتظار کر رہی تھی۔ جب گلی میں کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دیتی تو وہ اُٹھ کر دریچے سے جھانکنے لگتی۔ اچانک گلی میں گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی۔ احمد کا گھوڑے پر گھر آنا خلاف توقع تھا۔ جب گھوڑا مکان کے قریب پہنچ کر رکا تو طاہرہ نے جلدی سے نیچے اتر کر دروازہ کھول دیا۔

"طاہرہ! تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟" احمد نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا۔

طاہرہ نے جواب دیا۔ "آپ کو یہ خیال کیوں کر آیا کہ مجھے نیند آ گئی ہو گی!"

احمد گھوڑے کی باگ پکڑ کر اندر داخل ہوا اور کہا۔ "دیکھیے آج میں اپنے ساتھ ایک اور مہمان لے آیا ہوں!"

"یہ مہمان بہت بے وقت آیا ہے، اگر مجھے پہلے علم ہوتا تو اس کے قیام و طعام کا بندوبست کر چھوڑتی۔ لائیے اسے کہیں باندھ دوں!"

"نہیں اسے یہیں رہنے دیجیے" یہ کہہ کر احمد نے گھوڑے کی لگام اتاری اور زین کے ساتھ بندھا ہوا اناج کا توبرا کھول کر گھوڑے کے منہ پر چڑھا دیا۔

طاہرہ نے دروازے کی کنڈی لگاتے ہوئے کہا۔ "اس کی زین نہیں اتاریں گے؟"

"نہیں۔"

طاہرہ کا ماتھا ٹھنکا لیکن اُسے کچھ کہنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ طاہرہ اُسے کمرے میں چھوڑ کر کھانا لے آئی اور دونوں دستر خوان پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے۔ احمد خلاف معمول

بہت آہستہ آہستہ کھا رہا تھا۔ طاہرہ نے کہا۔ "آپ کھاتے کیوں نہیں؟"

احمد نے کہا۔ "طاہرہ بات دراصل یہ ہے کہ آج میں نے سپہ سالار کے مجبور کرنے پر اس کے ہاں کھانا کھا لیا تھا۔ تمہارے ساتھ دستر خوان پر بیٹھنے کے لیے میں نے آدھی بھوک روک لی تھی۔"

طاہرہ کی بھوک پہلے ہی رخصت ہو چکی تھی۔ دستر خوان سے اُٹھ کر وہ اُوپر کے کمرے میں چلے گئے اور ایک دوسرے کے قریب کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ احمد کھوئی کھوئی نگاہوں سے اپنی رفیقۂ حیات کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک طاہرہ نے کہا۔ "آپ پریشان کیوں ہیں۔ میں یہ سننے کے لیے تیار ہوں کہ آپ کہیں جا رہے ہیں۔ مجھے اسی وقت معلوم ہو گیا تھا جب آپ گھوڑے پر سوار ہو کر یہاں آتے تھے۔" طاہرہ مسکرا رہی تھی لیکن احمد کے لیے اس کی مسکراہٹ آنسوؤں اور سسکیوں سے کہیں زیادہ دردناک تھی۔ اُس نے کہا۔ "میں شمال کی طرف ایک اہم شہر کی حفاظت کے لیے رضا کاروں کے چند دستے لے کر جا رہا ہوں۔ شام کے وقت اطلاع آئی تھی کہ اس شہر پر دشمن کا دباؤ بڑھ رہا ہے۔"

طاہرہ نے پوچھا۔ "آپ کب جا رہے ہیں؟"

"ہم رات کے تیسرے پہر مستقر سے روانہ ہو جائیں گے لیکن مجھے مستقر میں بہت کام ہے۔ میں تھوڑی دیر تک وہاں چلا جاؤں گا!"

کچھ دیر دونوں خاموش رہے۔ بالآخر احمد نے کہا۔ "طاہرہ ہم نے طوفانوں کی آغوش میں آنکھ کھولی ہے۔ اس کی لہریں اور موجیں ہماری میراث ہیں۔ ہمارے لیے ان کے تھپیڑے سہنے کی عادت ڈالنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ ہمارے لیے صرف ایک مسرت ہے اور وہ یہ کہ ہم بلند حوصلوں اور ولولوں کے ساتھ صبح آزادی کا انتظار کرتے رہیں۔ اس دن کا انتظار جب یہ طوفان تھم چکا ہو گا۔ میرے باپ نے قید خانے کی تاریک کوٹھڑیوں میں اس دن کا انتظار کیا ہے۔ میرا بڑا بھائی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں اس صبح کا انتظار کر رہا ہے۔ میرا چھوٹا

بھائی اس دن کے انتظار میں سرقسطہ کے کسی قلعے کا پہرہ دے رہا ہے۔ طاہرہ! میں تم سے جُدا ہو رہا ہوں لیکن میری دُنیا تمہاری یاد سے آباد رہے گی۔ میرے سینے کے وہ چراغ جو تمہاری محبت کی لَو سے روشن ہوئے ہیں ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے۔ طاہرہ! تم ایک شاعر کا خواب ہو۔ نہیں بلکہ دنیا بھر کے شاعر اور مصوّر ہزاروں سال سپنے دیکھتے رہے اور تم ان کے اَن گنت سپنوں کی تعبیر ہو...... اگر اُندلس ایک چھوٹا سا جزیرہ ہوتا جس میں صرف تم ہوتیں تو میں اکیلا دنیا بھر کے طوفان کے مقابلے میں سینہ سپر ہو کر کہتا کہ یہ طاہرہ کا اُندلس ہے۔ میں اس کی حفاظت کروں گا...... اور آج میری قوم کا ہر نوجوان یہ محسوس کر رہا ہے کہ اس کے سپنوں کی طاہرہ کی عزت اور آزادی کو خطرہ ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اس چھوٹے سے شہر میں جسے نصرانی محاصرے میں لیے ہوئے ہیں، کتنی طاہرہ اور کتنے احمد ہوں گے!! طاہرہ میں جا رہا ہوں۔ تم اس دن کے لیے دُعا کیا کرو جب کہ ہر احمد اپنی طاہرہ کو یہ پیغام دے رہا ہو کہ آج اندلس آزاد ہے۔ اب ہمیں کسی طوفان کی موجیں ایک دوسرے سے جُدا نہیں کریں گی!"

وہ بولتا جا رہا تھا اور طاہرہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوتی گئیں۔ احمد نے کہا "طاہرہ! میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا"

طاہرہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا "میں قوم کی ہر طاہرہ کی طرف سے آپ کو ہدیۂ تشکر پیش کر رہی تھی۔"

احمد نے کہا "تمہارے پاس بیٹھ کر مجھے وقت کا احساس نہیں رہتا۔ وہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ تمہارے ابا جان کو جگانا مناسب نہیں۔ انھیں میرا اسلام کہہ دینا!"

وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر نیچے اترنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد طاہرہ دروازے سے باہر کھڑی اپنے رفیق حیات کو خدا حافظ کہہ رہی تھی۔

(۶)

احمد بن عبدالمنعم تین ماہ کے بعد چند دن کے لیے واپس آیا اور پھر کسی اور محاذ پر چلا

گیا۔ دو ماہ اور گزر جانے پر الفانسو کے ایک جرنیل نے اچانک پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ شمال مشرقی سرحد سے پیش قدمی کر دی اور چند دنوں میں طلیطلہ سے کوئی تیس میل کے فاصلے تک پہنچ گیا۔ بطلیوس کی افواج کی زیادہ تعداد دوسرے محاذوں پر بکھری ہوئی تھی۔ اس نئے حملے کو روکنے کے لیے طلیطلہ کے عوام کو میدان میں آنا پڑا۔ اہلِ طلیطلہ نے ایک سخت لڑائی کے بعد نصرانیوں کو بھگا دیا لیکن اس لڑائی میں طلیطلہ کے کوئی دو ہزار آدمی شہید ہو گئے۔ احمد کو دوسرے محاذ پر طاہرہ کے خط سے یہ افسوس ناک خبر ملی کہ اس لڑائی میں شیخ ابو یعقوب شہید ہو چکے ہیں لیکن اب ہر محاذ پر نصرانیوں کا دباؤ بڑھ رہا تھا اور احمد کو دو مہینے اور طلیطلہ جانے کی مہلت نہ ملی

اچانک اُندلس کے حالات نے ایک اور کروٹ لی اور الفانسو کی توجہ طلیطلہ سے ہٹ کر ایک نئے محاذ پر مبذول ہو گئی۔ الفانسو جنگ کے اخراجات اپنی باجگزار ریاستوں سے پورا کرنے کا عادی تھا اور یہ اشبیلیہ کی بد قسمتی تھی کہ وہ اس کے حکمران معتمد کو اندلس کے ملوک الطوائف میں سب سے زیادہ مال دار سمجھتا تھا۔ معتمد کا خزانہ پہلے ہی کچھ اپنی عیاشیوں اور کچھ الفانسو کے بڑھتے ہوئے مطالبات کے باعث خالی ہو چکا تھا۔ وہ خراج کی ایک بہت بڑی رقم کا مطالبہ پورا نہ کر سکا۔ الفانسو کو صرف ایک بہانے کی ضرورت تھی اور اس نے طلیطلہ سے توجہ ہٹا کر اشبیلیہ کے علاقوں میں قتل و غارت اور لوٹ مار شروع کر دی۔

اہلِ طلیطلہ نے ان حالات سے فائدہ اٹھایا اور اپنے بہت سے علاقے نصرانیوں سے

لہ بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ معتمد جب بھاری ٹیکس لگانے کے باوجود بھی خراج کی رقم پوری نہ کر سکا تو اُس نے کھوٹے سکے تیار کروائے۔ الفانسو کی طرف سے ایک یہودی ابنِ اشالیب نامی خراج وصول کرنے آیا تھا۔ اُس نے کھوٹے سکے دیکھ کر کہا کہ میں ایسا بیوقوف نہیں کہ جعلی سکے قبول کروں۔ اس سال ہم خالص سونا لیں گے اور اگلے سال تمہارے شہروں پر قبضہ کر لیں گے۔ معتمد نے آپے سے باہر ہو کر یہودی کو پھانسی پر لٹکا دیا اور اس کے عیسائی ساتھیوں کو قید کر لیا اور الفانسو نے انتقام لینے کے لیے اشبیلیہ پر چڑھائی کر دی۔

چھین لیے۔ احمد کو سپہ سالار نے طلیطلہ بلا لیا اور اسے دوبارہ نئے رضاکار بھرتی کرنے کی مہم سونپ دی۔

ایک شام احمد گھر آیا تو خادمہ نے اُسے اندر داخل ہوتے ہی اطلاع دی کہ غرناطہ کا ایک مہمان آپ کا انتظار کر رہا ہے! احمد بیٹھک میں داخل ہوا تو وہاں الماس بیٹھا ہوا تھا۔

دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر ملے۔ احمد نے گھر کی خیریت پوچھی۔ الماس نے اُسے بتایا کہ ادریس بالقر سے واپس آچکا ہے اور شاید کچھ دن غرناطہ میں رہے۔ عبدالمنعم مریہ سے واپس آکر چند دن غرناطہ میں رہنے کے بعد قاضی ابوجعفر کے ساتھ کہیں چلے گئے ہیں۔ حسن نے ایک مُدّت سے اپنے متعلق کوئی اطّلاع نہیں دی۔ غرناطہ سے جو نوجوان اس کے ساتھ گئے تھے وہ بھی لاپتہ ہیں۔ دو ماہ قبل مراکش سے سعد کا پیغام آیا تھا کہ وہ عنقریب گھر آئے گا۔ لیکن اب اس نے لکھا ہے، کہ وہ مرابطین کے امیر البحر کے ساتھ ایک بحری مہم پر جا رہا ہے۔ تمہاری امّی جان نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ اگر حالات تمہیں سردست گھر جانے کی اجازت نہ بھی دیں تو کم از کم اپنی بیوی کو گھر بھیج دو۔ تمہارے ابّا جان کا بھی یہی خیال تھا کہ طلیطلہ کے حالات مخدوش ہیں۔

رات کو جب احمد نے طاہرہ سے غرناطہ جانے کے متعلق پوچھا تو اس نے جواب دیا "نہیں۔ میں طلیطلہ چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ میرے لیے غرناطہ میں آپ کی راہ دیکھنے کی نسبت آپ کے ساتھ دشمن کے تیروں کی بارش میں کھڑا رہنا کہیں آسان ہے"

الماس ایک ہفتہ وہاں رہ کر واپس چلا گیا۔

کچھ عرصہ اشبیلیہ کی سرحدوں پر مار دھاڑ کرنے کے بعد الفانسو نے دارالحکومت کی طرف یلغار کر دی۔ چند دنوں میں اس کی افواج اشبیلیہ کے مضافات کو آگ اور خون کا پیغام دے رہی تھیں۔ مسلمان ہزاروں کی تعداد میں غلام بنا لیے گئے۔ تین دن تک اس نے شہر کا محاصرہ جاری رکھا اور اس کے بعد اپنی افواج کو طلیطلہ کی طرف واپسی کا حکم دیا۔ معتمد کے

تخت و تاج بچ گیا لیکن وہ اپنی زندگی میں پہلی بار یہ محسوس کر رہا تھا کہ جب اندلس میں باقی حکمرانوں کی کشتیاں ڈوب گئی تو وہ دیر تک دریا کے کنارے بیٹھ کر اطمینان سے یہ تماشہ نہیں دیکھ سکے گا۔ الفانسو طلیطلہ اور سرقسطہ کو فتح کرنے کے بعد دوسری بار زیادہ تیاریوں کے ساتھ اشبیلیہ پر حملہ کرے گا۔

(۷)

ان واقعات سے چھ ماہ بعد طلیطلہ کے ہر اُفق پر مایوسی کی گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ الفانسو کی افواج ایک سیلاب کی طرح مختلف سمتوں سے طلیطلہ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ عمر المتوکل کی فوج اور طلیطلہ کے رضاکار ہر محاذ پر بے جگری کے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے لیکن نصرانیوں کی پیش قدمی کو روکنا ان کی طاقت سے باہر تھا۔ طلیطلہ کے ہزاروں رضاکاروں کے علاوہ بطلیوس کی ایک تہائی فوج بھی جنگ میں کام آچکی تھی۔ دوسری مملکتوں سے جو رضاکار اہلِ طلیطلہ کی مدد کے لیے آرہے تھے ان کی تعداد مایوس کن تھی۔ اس کے برعکس شمال کا ہر بڑا اور چھوٹا عیسائی حکمران الفانسو کی مدد کے لیے اپنی افواج بھیج رہا تھا۔

الفانسو نے عمر المتوکل کی توجہ دو محاذوں پر مبذول کرنے کے لیے اپنی فوج کا ایک حصّہ بطلیوس کی طرف روانہ کر دیا۔ عمر المتوکل طلیطلہ کی خاطر اپنی مملکت کو خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار نہ تھا۔ ویسے بھی وہ شدید نقصانات اُٹھانے اور دُوسرے ملوک الطوائف کی بے حسی کے باعث مایوس ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس نے اہلِ طلیطلہ کو ان کے حال پر چھوڑ کر بطلیوس کی راہ لی۔ عمر المتوکل کا میدان سے نکل جانا نصرانیوں کے سیلاب کی راہ میں آخری بند ٹوٹ جانے کے مترادف تھا۔

احمد بن عبدالمنعم چند ہفتوں سے رضاکاروں کی ایک فوج کے ساتھ مغربی سرحد کے ایک شہر کی حفاظت پر متعین تھا۔ اس نے مُٹھی بھر جانبازوں کے ساتھ نصرانی حملہ آوروں کے چند دستوں کو کئی بار پسپا کیا تھا۔ آخری بار حملہ آوروں کو شہر سے چند میل دُور ہٹانے کے بعد اس نے طلیطلہ میں بطلیوس کے سپہ سالار کے نام یہ پیغام بھیجا کہ آپ میری آخری کامیابی پر

مطمئن ہو کر نہ بیٹھ جائیں۔ میرے نصف سے زیادہ ساتھی شہید ہو چکے ہیں۔ اس شہر سے جو نئے رضاکار میں نے بھرتی کیے ہیں ان کی تعداد حوصلہ شکن ہے۔ شہر کے عوام دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کر رہے ہیں اس لیے اگر اس شہر کو بچانا ہو تو یہ ضروری ہے کہ آپ ایک ہفتے کے اندر اندر کم از کم چار سو سوار ضرور بھیج دیں!"

اس نے ایک خط عبدالواحد کے نام بھی لکھا اور اس پر زور دیا کہ اگر بطلیوس کا سپہ سالار سہل انگاری سے کام لے تو آپ رضاکار بھیجنے کا انتظام کریں!

سات دن تک اس کے خط کا کوئی جواب نہ آیا۔ آٹھویں روز اسے یہ حوصلہ شکن اطلاع ملی کہ بطلیوس کی فوج طلیطلہ کے ہر محاذ سے واپس جا رہی ہے۔ یہ اطلاع ملتے ہی اس نے مشورے کے لیے اپنے باا ثر ساتھیوں اور شہر کے سرکردہ لوگوں کو جمع کیا۔ طلیطلہ کے رضاکاروں میں سے اکثر ایسے تھے۔ جو اپنے گھر جانے کے لیے بے قرار تھے۔ اہلِ شہر کے راہنما بھی مایوسی کا اظہار کر رہے تھے۔ جب احمد سے یہ پوچھا گیا کہ آپ کی کیا رائے ہے تو اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"اگر تمہاری جنگ عمر المتوکل کے لیے تھی تو میں تمہاری مایوسی کی وجہ سمجھ سکتا ہوں لیکن اگر تمہاری جنگ خدا کے لیے تھی تو میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ خدا کا سپاہی مایوس نہیں ہوا۔ تمہارے سامنے اس وقت دو راستے ہیں۔ ایک راستہ وہ ہے جو تمہیں غازیوں کی اور شہیدوں کی موت عطا کرتا ہے۔ دوسرا راستہ وہ ہے جس پر چل کر تمہارے مقدر میں غلامی کی زندگی اور ذلت کی موت کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ میں نے اپنے لیے پہلا راستہ منتخب کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ طلیطلہ میں تمہاری قوم کے اکابر نے بھی اپنے لیے یہی راستہ منتخب کیا ہے۔ انہوں نے مجھے اس شہر کی حفاظت پر متعین کیا ہے اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم سب چلے جاؤ اور مجھے یہاں تنہا چھوڑ دو تو بھی میں اپنی تلوار نیام میں نہیں ڈالوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ بطلیوس کے حالات نے عمر المتوکل کو طلیطلہ سے اپنی فوجیں نکالنے پر مجبور کیا ہے اور ان کی واپسی کے باعث طلیطلہ کے حریت پسندوں کے حوصلے پست نہیں ہوں گے۔ میں نے ایک خط عبدالواحد

کے نام بھی لکھا تھا۔ اس کا اب تک کوئی جواب نہیں آیا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بہت جلد ہمیں صحیح حالات سے خبردار کرے گا۔ سردست ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم ہر قیمت پر اس شہر کی حفاظت کریں۔"

(۸)

قسطلہ کی فوج شہر سے صرف تین کوس دور پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی اور اہلِ شہر کو ہر وقت حملے کا خطرہ تھا۔ طلیطلہ کے متعلق طرح طرح کی افواہیں سن کر احمد نے صحیح حالات معلوم کرنے کے لیے چار سوار روانہ کر دیے۔ ان میں سے ایک طاہرہ کے پڑوس میں رہتا تھا اور احمد نے اسے طاہرہ کے نام ایک خط دیا۔

ان سواروں کی روانگی سے چھ دن بعد ایک صبح احمد شہر کی فصیل پر گشت کر رہا تھا کہ اسے سواروں کا ایک دستہ شہر کا رخ کرتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے فوج کو ہوشیار رہنے کا حکم دیا۔ جب سوار دروازے کے قریب پہنچے تو احمد نے مطمئن ہو کر پہریداروں کو دروازہ کھولنے کا حکم دیا اور فصیل سے نیچے اتر آیا۔ یہ سوار طلیطلہ سے آئے تھے۔ سب سے آگے عبدالواحد تھا احمد نے آگے بڑھ کر اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔

طلیطلہ کا بوڑھا مجاہد گھوڑے سے اترا۔ ایک ثانیے کے لیے یہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ احمد اس سے کئی سوال پوچھنا چاہتا تھا لیکن عبدالواحد کے چہرے پر انتہائی مایوسی کے آثار دیکھ کر اس کے منہ سے کوئی بات نہ نکلی۔

ایک اور سوار گھوڑے سے اترا اور ان کے قریب آ کھڑا ہوا۔ اس کے جسم پر زرہ چمک رہی تھی اور آنکھوں کے سوا اس کا تمام چہرہ خود کے نقاب میں چھپا ہوا تھا لیکن یہ زرہ اور خود احمد کی نگاہوں کو دھوکا نہ دے سکے اور اس کی نگاہیں ان خوبصورت ہاتھوں پر مرکوز ہو کر رہ گئیں جو تلوار اٹھانے کی بجائے پھولوں کے ساتھ کھیلنے کے لیے بنائے گئے تھے۔ زرہ پوش کے پاس بستی کا وہ رضاکار کھڑا تھا جسے احمد نے چند قبل طلیطلہ روانہ کیا تھا۔

عبدالواحد احمد کا ہاتھ پکڑ کر اُسے باقی آدمیوں سے چند قدم دور لے گیا اور بولا: "آپ کے خط کے جواب میں مجھے خود آنا پڑا۔ میں ایک بہت ہی بُری خبر لے کر آیا ہوں؟"

احمد نے کہا: "میں اس خبر کا عنوان آپ کے چہرے پر پڑھ چکا ہوں"

عبدالواحد نے کہا: "عمر المتوکل کی واپسی کے بعد عوام طلیطلہ کے مستقبل سے مایوس ہو گئے تھے۔ یحییٰ کے طرفداران حالات سے فائدہ اُٹھا کر انھیں گمراہ کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ دشمن کی افواج شہر کے قریب پہنچ چکی ہیں۔ اب سنجیدہ لوگوں کی اکثریت بھی یہ محسوس کر رہی ہے کہ ہم لڑائی ہار چکے ہیں اور دوسری بستیوں اور شہروں کی طرح طلیطلہ کو بھی دشمن کے ہاتھوں تباہ کروانے سے یہ بہتر ہے کہ یحییٰ کی حکومت تسلیم کر لی جائے۔ بہت سے لوگوں نے درپردہ یحییٰ کی بیعت بھی کر لی ہے۔ وہ افواہیں جن کا ذکر آپ نے اپنے خط میں کیا تھا کئی دنوں سے ہر جگہ پھیلائی جا رہی تھیں اور ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ رضا کار اپنے مورچے خالی کر کے گھروں میں آ گئے ہیں۔ ہمارے ساتھی بلنسیہ، مرسیہ، قرطبہ اور اشبیلیہ وغیرہ کی طرف ہجرت کر رہے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یحییٰ انھیں زندہ نہیں چھوڑے گا...... میں اشبیلیہ جا رہا ہوں اور یہاں سے دو منزل کے فاصلے پر اپنے بال بچوں کو چھوڑ آیا ہوں۔ آپ فوراً یہاں سے نکل جائیں! تین چار دنوں تک طلیطلہ کا کوئی گوشہ آپ کے لیے محفوظ نہیں ہوگا۔ ڈوبتی ہوئی کشتی میں بیٹھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ طلیطلہ کے رضا کار آپ کے ساتھ ہیں آپ انھیں موقع دیں کہ وہ اپنے بال بچوں کو تباہی اور بربادی سے بچا سکیں اگر آپ یہاں ڈٹ جائیں تو بھی آپ چند دنوں سے زیادہ نصرانیوں کو نہیں روک سکتے۔ میں آپ کی بیوی کو ساتھ لے آیا ہوں۔ آپ فوراً یہاں سے روانہ ہو جائیے....! میں یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آپ مجھے اپنے بیٹوں سے زیادہ عزیز ہیں اور اندلس کو آپ کی ضرورت ہے!!"

احمد پھٹی پھٹی نگاہوں سے عبدالواحد کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دروازے پر عبدالواحد کے ساتھیوں کے گرد لوگوں کا ہجوم ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد عبدالواحد اور اس کے ساتھی

روانہ ہو چکے تھے اور طلیطلہ کے رضا کار اپنے اپنے گھوڑوں پر زینیں ڈال رہے تھے۔

احمد زرہ پوش کے قریب پہنچا اور اس کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے بولا۔ "طاہرہ! میں نے تمہیں آہنی نقاب میں بھی پہچان لیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ تمہارے شوہر کے پاس تمہارے خیر مقدم کے لیے الفاظ بھی نہ تھے۔"

طاہرہ نے خود کا نقاب اپنے چہرے سے اوپر اٹھا دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

ایک رضا کار احمد کے گھوڑے پر زین ڈال کر لے آیا اور اس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا: "لیجیے یہ آپ کا گھوڑا ہے۔ اہلِ شہر نصرانی سالار کے پاس صلح کا وفد بھیجنے کا مشورہ کر رہے ہیں۔ آپ فوراً یہاں سے روانہ ہو جائیں!"

احمد اور طاہرہ گھوڑوں پر سوار ہو گئے ـــــ شہر سے باہر نکل کر طاہرہ نے مُڑ کر دیکھا اور کہا: "آپ کو اب بھی اس صبح کی آمد کی امید ہے؟"

احمد نے جواب دیا: "وہ صبح ضرور آئے گی!"

"اب ہماری منزل کہاں ہے؟"

"غرناطہ!" احمد نے جواب دیا۔

تاریکی پھیلتی گئی

الفانسو نے ایک بھاری خراج کے وعدے پر یحییٰ کی مدد کی تھی اور اس نے طلیطلہ کی حکومت پر قبضہ کرتے ہی رعایا پر ایک ناقابلِ برداشت ٹیکس لگا دیا۔ اس کے باوجود وہ خراج کی رقم پوری نہ کر سکا۔ اس نے ضمانت کے طور پر اپنے چند اور قلعے الفانسو کے حوالے کر دیے، الفانسو کے مطالبات بڑھتے گئے۔ یحییٰ جس قدر روپیہ رعایا سے وصول کر کے اس کی نذر کرتا تھا۔ اسی قدر الفانسو کی ہوس بڑھتی تھی۔ یہاں تک کہ طلیطلہ کے عوام روٹی کے ٹکڑے تک کے محتاج ہو گئے۔ اور انھوں نے یحییٰ کی حکومت کے مظالم اور لوٹ مار سے عاجز آ کر قرطبہ، بلنسیہ اور مرسیہ وغیرہ کی طرف ہجرت شروع کر دی۔ آئے دن اُندلس کے مُسلمان یہ سنتے تھے کہ یحییٰ نے آج فلاں قلعہ، فلاں شہر اور فلاں علاقہ الفانسو کے حوالے کر دیا۔

چند مہینوں میں یحییٰ کی سلطنت طلیطلہ اور اس کے مضافات تک محدُود ہو کر رہ گئی لیکن مزید روپیہ حاصل کرنے کے لیے الفانسو کے تقاضوں میں کوئی فرق نہ آیا۔ جب یحییٰ نے قسمیں کھا کر کہا کہ میں تمہارے لیے اہلِ طلیطلہ کو اس قدر لُوٹ چکا ہوں کہ اب ان کے پاس ایک کوڑی بھی نہیں رہی تو الفانسو نے طلیطلہ کے مضافات میں داخل ہو کر لوٹ مار شروع کر دی۔ دراصل الفانسو جنوب کی طرف پاؤں پھیلانے کے لیے طلیطلہ پر قابض ہونا ضروری سمجھتا تھا۔ اس نے یحییٰ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم طلیطلہ سے دستبردار ہو جاؤ تو میں تمہیں بلنسیہ کی حکومت پر قابض ہونے کے لیے مدد دوں گا۔ یحییٰ ویسے بھی یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ ایک ڈوبتی ہوئی کشتی پر سوار ہے۔ چنانچہ اس نے طلیطلہ پر الفانسو کا قبضہ تسلیم کر لیا۔

۲۷ محرم ۴۷۸ھ ہجری کے دن طلیطلہ کے رہنے والے مسلمان الفانسو کو ایک فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوتا دیکھ رہے تھے۔ کسی کو اپنے مستقبل کے متعلق غلط فہمی نہ تھی، ان کے سامنے غلامی کی زندگی یا ترکِ وطن کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔ طلیطلہ کا نصرانیوں کے قبضے میں چلے جانا باقی اندلس کے مسلمانوں کے لیے بھی کم پریشانی کا باعث نہ تھا۔ اب تک دریائے ٹاگس شمال کے حملہ آوروں اور جنوب کی ریاستوں کے درمیان ایک قدرتی حدِ فاصل کا کام دیتا تھا لیکن طلیطلہ چھن جانے کے بعد جنوب کے تمام علاقے الفانسو کے حملوں کی زد میں آ چکے تھے۔ تاہم ملوک الطوائف کی بے حِسی کا یہ عالم تھا کہ اِن میں سے اکثر نے طلیطلہ کی فتح پر الفانسو کو مبارکباد کے پیغامات بھیجے۔

یحییٰ القادر طلیطلہ چھوڑنے کے بعد الفانسو کے ایک سپہ سالار کی مدد سے بلنسیہ پر قابض ہو گیا اور اہلِ بلنسیہ کو بھی اپنے انجام کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ رہی۔ وہ جانتے تھے کہ یحییٰ طلیطلہ کی طرح یہاں بھی الفانسو کا راستہ صاف کرنے کے لیے آیا ہے لیکن وہ بے بس تھے۔ الفانسو کی فوج کی موجودگی میں ان کے لیے یحییٰ سے نجات حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔ حریت پسندوں کے گروہ نے بغاوت کی لیکن یحییٰ نے قسطلہ اور لیون کے عیسائی سپاہیوں کی مدد سے انھیں کچل کر رکھ دیا۔ اس کے بعد بلنسیہ میں بھی طلیطلہ کی تاریخ دہرائی جانے لگی۔ یحییٰ کو الفانسو کی فوجی اعانت کے لیے ایک بڑی رقم ادا کرنا پڑتی تھی۔ وہ چند ہفتے بلنسیہ کو لُوٹ لُوٹ کر یہ رقم پوری کرتا رہا لیکن جب اہلِ بلنسیہ قلاش ہو گئے تو اس نے لوگوں کی اراضیات ضبط کر کے عیسائیوں میں تقسیم کر دیں۔ اسی طرح بلنسیہ میں الفانسو کا ہر سپاہی ایک جاگیر دار بن گیا اور مُسلمان مزدوروں، غلاموں اور کاشت کاروں کی حیثیت قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔

یحییٰ القادر برائے نام بلنسیہ کا حکمران تھا۔ عیسائی سپاہیوں کو لُوٹ مار اور قتل و غارت کی پُوری آزادی تھی۔ بلنسیہ کے چوراہوں میں مردوں کو قتل اور عورتوں کی بیحرمتی کی جاتی تھی جو مُسلمان بھاگ کر دُوسرے علاقوں میں پناہ لینے کی کوشش کرتے تھے انھیں گرفتار

بھوکے کتوں کے آگے ڈالا جاتا تھا۔ اہلِ قسطلہ جسے چاہتے پکڑ کر شراب کے ایک پیالے، روٹی یا گوشت کے ٹکڑے کے عوض فروخت کر دیتے تھے۔

جنوب مغرب میں الفانسو کی افواج طلیطلہ کے آس پاس جمع ہو رہی تھیں اور دریائے ٹاگس سے لے کر مالقہ تک مسلمانوں کی تمام ریاستوں کی آزادی خطرے میں پڑ چکی تھی۔ بطلیوس، اشبیلیہ، شریش، شلب، ولبہ اور مورور کے مسلمان اپنے مستقبل کے افق پر مایوسی اور بے بسی کی گھٹائیں دیکھ رہے تھے، دوسری طرف الفانسو کی فوج بلنسیہ میں اپنے مستقر بنا رہی تھی اور بلنسیہ سے لے کر مرسیہ، المریہ، غرناطہ اور قرطبہ تک تمام مسلمان یہ محسوس کر رہے تھے کہ الفانسو کی تلوار ان کی شاہرگ تک پہنچ چکی ہے۔ اندلس کا ہر سنجیدہ آدمی یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ دن دور نہیں جب کہ نصرانیوں کے سیلاب کی یہ دو لہریں مشرق اور مغرب میں مزاحمت کی ہر دیوار کو توڑتی ہوئی جبل الطارق یا مالقہ کے آس پاس ایک دوسری سے آملیں گی۔

الفانسو کے ایک سپہ سالار زمی نیز نے بلنسیہ کے جنوب کی طرف پیش قدمی کر کے حصن الّلیط پر قبضہ کر لیا۔ یہ قلعہ اپنے محلِ وقوع کے اعتبار سے جنوب مشرقی اندلس کے لیے بہت اہمیت رکھتا تھا اور اس پر قابض ہوتے ہی نصرانیوں نے مرسیہ اور المریہ کے ملحقہ علاقوں میں تباہی مچا دی۔ الفانسو کی باقاعدہ فوج کے علاوہ شمال کے لٹیروں اور ڈاکوؤں کی ایک بڑی تعداد اس قلعے میں جمع ہو چکی تھی۔

الفانسو ایک فیصلہ کن اقدام سے پہلے مسلمانوں میں دہشت پھیلانا چاہتا تھا چنانچہ اس نے جرائم پیشہ لوگوں کو لوٹ مار اور قتل و غارت کی پوری آزادی دے رکھی تھی۔ شمال میں الفانسو کے چند دستے سرقسطہ پر حملہ کر چکے تھے۔

اب اندلس کے ملوک الطوائف کی آنکھیں کھل رہی تھیں۔ الفانسو کے چہرے کا نقاب اتر چکا تھا اور اس کی دوستی پر بھروسہ کرنے والے حکمران یہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ اژدہا جسے انھوں نے اپنی رعایا کا خون چوس چوس کر پالا تھا خود ان کو نگلنے کے لیے منہ کھول رہا ہے

حصن الّلیط سے زمی نیز کے ایک نائب نے جنوب مغرب کی طرف پیش قدمی کی اور راستے کی بستیوں اور شہروں کو تباہ کرتا ہوا غرناطہ کے قریب قریۂ تبار تک جا پہنچا۔

شمال کے شہروں اور بستیوں سے مسلمانوں کے قافلے جنوب کے شہروں اور بستیوں کی طرف رُخ کر رہے تھے۔ ان کے پیچھے تباہی کی آگ تھی اور سامنے مایوسی کا اندھیرا تھا۔ اس آگ کے شعلے اب ان نام نہاد حکمرانوں کو بھی دکھائی دے رہے تھے جو برسوں سے اس کے لیے ایندھن مہیا کر رہے تھے۔ اب عوام کی طرح وہ بھی ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ ہمارا انجام کیا ہوگا! اندلس کے ایک شاعر نے یہ کہا تھا: "اندلس کے مسلمانو! ہجرت کرو۔ اب یہاں رہنا جنون ہے!" اور اب اس کی یہ آواز لاکھوں انسانوں کی آواز بن چکی تھی۔

(۲)

طوائف الملوکی کے دور میں اندلس کے مختلف علاقوں میں جو نئے نئے قسمت آزما پیدا ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک ابن رشیق بھی تھا۔ چند سال قبل ابن رشیق نے معتمد کے وزیر ابنِ عمار کو مرسیہ فتح کرنے میں مدد دی تھی۔ ابن عمار کے زوال کے بعد وہ مرسیہ میں معتمد کا نائب مقرر ہوا اور پھر جب اہلِ اشبیلیہ پر الفانسو کا عتاب نازل ہوا تو ابنِ رشیق نے حالات سے فائدہ اٹھایا اور مرسیہ میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ جب بلنسیہ اور قلعہ حصن الّلیط میں جمع ہونیوالی عیسائی افواج مرسیہ کی سرحدوں پر لوٹ مار کرنے لگیں تو اس نے انھیں رشوتیں اور تحائف دے کر ٹالنے کی کوشش کی لیکن اسے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ وہ زیادہ دیر اس مصیبت کو نہیں روک سکتا۔

مرسیہ کی طرح المریہ کی سرحدوں پر بھی نصرانیوں کی لوٹ مار شروع ہو چکی تھی۔ المریہ کا امیر معتصم ایک نیک دل اور عادل حکمران تھا اور اس کے علم اور زہد و تقویٰ کے باعث المریہ کے باشندے اس کا بے حد احترام کرتے تھے۔ جب عیسائیوں نے المریہ کی سرحدوں پر لوٹ مار شروع کر دی تو وہ اپنی عمر میں پہلی بار قلم چھوڑ کر تلوار اٹھانے پر مجبور ہوا اور اپنی مٹھی بھر افواج کے ساتھ دشمن کے مقابلے میں ڈٹ گیا۔ المریہ کی فوج کی قیادت ایک آزمودہ کار سپاہی کے ہاتھ میں تھی

ایک دن سرحد پر عیسائی حملہ آوروں کے ساتھ المریہ کی فوج کا سخت معرکہ ہوا۔ دوپہر کے قریب جب لڑائی ایک فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکی تھی اور عیسائی میدان میں پسپائی اختیار کر رہے تھے تو اچانک حسنِ اللیط سے انھیں دو سو تازہ دم سواروں کی کمک پہنچ گئی اور جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ سہ پہر کے وقت المریہ کے سپہ سالار کو ایک نصرانی سوار نے زخمی کر دیا اور فوج کے افسروں نے اُسے ایک محافظ دستے کے ساتھ میدانِ جنگ سے باہر ایک ٹیلے پر پہنچا دیا۔ زخمی سپہ سالار مایوسی کی حالت میں ٹیلے پر بیٹھا جنگ کا نقشہ دیکھ رہا تھا اس کی فوج چاروں اطراف سے مغلوب ہو رہی تھی۔ اچانک اس کے محافظوں میں سے ایک سپاہی شمال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چلایا۔ "دیکھیے اس طرف سے دشمن کی فوج کے عقب میں ایک پہاڑی سے سواروں کا ایک دستہ میدان کا رُخ کر رہا ہے!"

سپہ سالار اور اس کے محافظ کچھ دیر دم بخود کھڑے اس طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر سپہ سالار نے اپنے ایک افسر کی طرف دیکھا اور اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ "فوج کو حکم دو کہ جنوب میں پہاڑی کی طرف سمٹ آئیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ دستہ کسی بڑے لشکر کا ہراول ہو!"

افسر بھاگتا ہوا ٹیلے سے نیچے اترا اور اس کا حکم سنتے ہی المریہ کی فوج جنوب کی ایک بلند پہاڑی کی طرف پسپا ہونے لگی لیکن تھوڑی دیر میں وہ سوار جنھیں المریہ کے سپہ سالار نے عیسائی سمجھا تھا دشمن کے عقب میں پہنچ گئے اور انھوں نے مسلمانوں کے تعاقب میں حصّہ لینے کی بجائے دشمن پر حملہ کر دیا۔ ان سواروں کی تعداد ایک سو سے زیادہ نہ تھی لیکن نصرانی ان کے غیر متوقع حملے کے لیے تیار نہ تھے۔ انھوں نے آن کی آن میں ڈیڑھ سو عیسائی موت کے گھاٹ اتار دیے۔ کوئی بیس سوار عیسائیوں کی فوج کو قلب سے چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور المریہ کے سواروں کے ساتھ آملے۔ ایک سپاہی جو ابلق گھوڑے پر سوار تھا ان سرفروشوں کی راہنمائی کر رہا تھا۔ باقی سوار دو ٹولیوں میں تقسیم ہو کر دشمن کے دائیں اور بائیں بازو پر ٹوٹ پڑے۔ المریہ کے سپاہیوں نے اسے ایک تائیدِ غیبی سمجھا اور وہ دوبارہ جم کر لڑنے لگے۔ ایک ساعت کے بعد جنگ کا

نقشہ بدل چکا تھا اور نصرانی میدان چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ سپہ سالار جو تھوڑی دیر قبل اپنے زخموں کے باعث کراہ رہا تھا، اب جوشِ مسرّت سے نعرے لگا رہا تھا۔ ابلق گھوڑے کا سوار اور اس کے ساتھی دشمن کا پیچھا کرتے ہوئے بہت دور نکل گئے۔ جب وہ واپس آئے تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ سپہ سالار انھیں دیکھتے ہی اپنے زخموں سے بے پروا ہو کر بھاگتا ہوا ٹیلے سے نیچے اترا اور اس نے ابلق گھوڑے کے سوار کے قریب پہنچ کر بلند آواز میں کہا۔ "نوجوان میں نے سُنا ہے کہ جب اللہ کے بندے کسی آزمائش میں پُورا اُترنے کا عہد کر لیتے ہیں تو خُدا ان کی اعانت کے لیے آسمان سے فرشتوں کے لشکر بھیج دیتا ہے۔ آپ کون ہیں۔ آپ کہاں سے آتے ہیں؟"

نوجوان نے گھوڑے سے کُودتے ہُوئے جواب دیا۔ "ہم اس وقت مرسیہ سے آ رہے ہیں"

سپہ سالار نے ایک پتھر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ خطرے کے وقت ابنِ رشیق ہمارا ساتھ دے گا۔ اہلِ غرناطہ بھی ہم سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتے۔ دشمن نے ہم سب کو سبق سکھا دیا ہے۔"

نوجوان نے کہا۔ "اہلِ غرناطہ کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ممکن ہے کہ دشمن کے حملے نے ہمارے حکمران کی آنکھیں کھول دی ہوں لیکن سرِدست ابنِ رشیق سے آپ کوئی امید نہ رکھیں۔ ہم بلنسیہ سے اس کے پاس آتے تھے اور ہم نے دشمن کے ساتھ جنگ کے لیے اپنی خدمات پیش کی تھیں لیکن ابنِ رشیق ابھی تلوار اٹھانے کے لیے تیار نہیں۔ جب تک اس کے دل میں معتمد کی دشمنی کا اندیشہ باقی ہے وہ نصرانیوں کے خلاف کسی کے ساتھ اتحاد کرنے کو تیار نہیں ہوگا۔"

سپہ سالار نے کہا۔ "تو آپ بلنسیہ کے رہنے والے ہیں؟"

"نہیں۔ میرا گھر غرناطہ میں ہے۔"

"آپ بلنسیہ کی فوج میں ملازم تھے؟"

نوجوان نے جواب دیا۔ "ہم غرناطہ کے رضاکاروں کی اس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں جنھوں نے اندلس کے مسلمانوں کو مدافعانہ جنگ کے لیے تیار کرنے کی مہم شروع کی تھی۔ مجھے

چار آدمیوں کے ساتھ سرقسطہ بھیجا گیا تھا وہاں میں اور میرے ساتھی فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ ہم نے شمالی سرحد پر لیون اور ارغون کے لٹیروں کے خلاف چند معرکوں میں حصہ لیا اور ہم نے یہ دیکھا کہ سرقسطہ کے مسلمان بہترین سپاہیانہ اوصاف کے مالک ہیں لیکن ان کی بدقسمتی یہ ہے کہ فوج پر نصرانی افسروں کا غلبہ ہے۔ ہماری کوشش یہ تھی کہ فوج سے نصرانیوں کا اقتدار ختم کیا جائے۔ لیکن سرقسطہ کا حکمران اُن کے ہاتھ میں ایک کھلونا تھا۔ بالآخر سرقسطہ چھوڑنا پڑا۔ بلنسیہ میں ہمارے دوسرے ساتھی کام کررہے تھے اس لیے ہم وہاں آگئے۔ وہاں ہم نے باقاعدہ فوج میں شامل ہونے کی بجائے رضاکاروں کی جماعتیں تیار کرنے کی مُہم شروع کر دی۔ انقلاب کے بعد ہم نے نصرانیوں کے خلاف اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں لیکن ایک غدار نے ہمیں اور ہمارے ساتھ بلنسیہ کے بیس حریت پسندوں کو بھی گرفتار کروا دیا۔ تین ماہ کے بعد بلنسیہ کے حریت پسندوں نے قید خانے پر حملہ کرکے ہمیں چھڑا لیا۔ اس کے بعد ہمارا خیال تھا کہ مرسیہ میں ہماری ضرورت ہوگی۔ جب ہم نے وہاں جانے کا ارادہ کیا تو بلنسیہ سے یہ لوگ بھی ہمارے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوگئے۔ مرسیہ میں ابن رشیق سے مایوس ہوکر ہم غرناطہ جارہے تھے کہ یہاں سے چند میل کے فاصلے پر ہمیں اس جنگ کی اطلاع مل گئی۔"

سپہ سالار نے کہا "میں سمجھا غرناطہ سے آپ کو قاضی ابوجعفر نے بلنسیہ بھیجا ہوگا؟"

"ہاں!"

"اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

نوجوان نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا "اگر آپ اسی عزم کے ساتھ نصرانیوں کا مقابلہ کرنے کا عہد کرچکے ہیں تو ہم آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔"

سپہ سالار نے کہا "ہمیں آپ کی ضرورت تھی۔ میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟"

"میرا نام حسن ہے حسن بن عبدالمنعم۔"

سپہ سالار نے کہا "میں تمہیں اپنی فوج میں نائب سالار کا عہدہ پیش کرتا ہوں۔"

حسن نے جواب دیا "میں نے ابھی اپنے آپ کو کسی ذمہ داری کا اہل ثابت نہیں کیا۔"

"تم اپنے آپ کو بڑی سے بڑی ذمہ داری کا اہل ثابت کرچکے ہو۔ میں نے تمہارے ساتھیوں کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کی۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ یہ نوجوان کسی دن المریہ کی فوج کے راہنما ہوں گے۔"

دو ماہ کے بعد حسن بن عبدالمنعم المریہ کی فوج کے ایک ہزار سواروں کا سالار اعلیٰ بن چکا تھا۔ سپہ سالار کی طرح معتصم بھی اس کی خداداد صلاحیتوں کا معترف ہوچکا تھا۔

(۲)

حسن بن عبدالمنعم المریہ کی شمال مغربی سرحد کے ایک پہاڑی قلعے کی حفاظت پر متعین تھا۔ حصن اللیط سے عیسائیوں کی فوج کے چھاپہ مار دستے رات کے وقت آس پاس کی بستیوں میں لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ حسن نے ان لوگوں کی روک تھام کے لیے دُور دُور تک جاسوسوں کی چوکیاں قائم کررکھی تھیں۔ جب سرحد کی کسی بستی کی طرف دشمن کی پیش قدمی کی اطلاع ملتی، وہ قلعے سے سواروں کا دستہ لے کر پہنچ جاتا۔ اس قلعے کے مشرق میں وادی آش کے کنارے غرناطہ کی سرحدی چوکیاں تھیں اور المریہ اور غرناطہ کی سرحدوں پر پہرہ دینے والے سپاہی ایک دوسرے کو دشمن کی نقل و حرکت سے باخبر کرتے رہتے تھے۔

ایک رات غرناطہ کے سالار کا ایلچی حسن کے پاس یہ پیغام لے کر آیا کہ قلعہ حصن اللیط سے ڈیڑھ ہزار عیسائی سوار غرناطہ کی طرف پیش قدمی کررہے ہیں۔ اگر صبح سے پہلے پہلے آپ اپنی فوج اُن کے تعاقب میں لے آئیں تو ہم اُن سے المریہ اور غرناطہ کی سرحدوں پر گزشتہ چند مہینوں کی لوٹ مار کا بدلہ لے سکیں گے۔ حسن نے فوراً اپنے سواروں کو جمع کرکے ان کے ساتھ مشورہ کیا۔ بعض افسروں نے یہ اعتراض کیا کہ سپہ سالار کی اجازت کے بغیر ہمارا غرناطہ کی سرحد میں داخل ہونا مناسب نہیں۔ جب تک غرناطہ اور المریہ کے درمیان مشترکہ دفاع کے لیے کوئی معاہدہ نہیں ہوتا

آپ کو ایسے اقدام کی ذمہ داری نہیں لینی چاہیے۔"

حسن نے اس قسم کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے کہا "کیا یہ ممکن نہیں کہ المریہ اور غرناطہ کے مجاہدوں کا اشتراکِ عمل ان دو سلطنتوں کے حکمرانوں کے درمیان اتحاد کا راستہ کھول دے۔ میں یہ ذمہ اپنے اوپر لیتا ہوں۔ اسوقت حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ہر محاذ پر دشمن کی پیش قدمی روکنے کیلیے آگے بڑھیں۔ آج اگر المریہ کی فوج غرناطہ کی سرحد پر دشمن کی پیشقدمی روکنے کیلیے آگے بڑھتی ہے تو مجھے یقین ہے کہ کل غرناطہ کے حرّیت پسند المریہ کی سرحدوں پر پہرہ دے رہے ہوں گے۔ ہم ابھی طوفان کے ابتدائی جھونکے دیکھ رہے ہیں جب یہ پوری شدّت کے ساتھ آئے گا تو ہماری انفرادی جدوجہد تنکوں کے انبار کھڑے کرنے کے مترادف ہوگی۔"

ایک نوجوان نے اُٹھ کر کہا "ہمیں صحیح راستے پر قدم اٹھاتے ہوئے تذبذب سے کام نہیں لینا چاہیے۔ لٹیروں اور ڈاکوؤں کا یہ گروہ المریہ کی کئی بستیاں جلاکر راکھ کرچکا ہے۔ اگر ہم غرناطہ کی سرحد پر ان سے انتقام لے سکیں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ہم یہاں بیٹھ کر ان کے نئے حملوں کا انتظار کریں۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ اور اگر سپہ سالار ہمارے اس اقدام پر برہم ہوا تو ہم سب یہ کہیں گے کہ ہم نے اپنی ذمہ داری پر یہ قدم اُٹھایا تھا۔"

اگلی صبح عیسائیوں کی فوج غرناطہ کی سرحد کے ایک شہر پر یورش کر رہی تھی۔ المریہ کے آٹھ سو سواروں نے ایک پہاڑی کے عقب سے نمودار ہوکر ان پر حملہ کر دیا۔ عیسائی شہر کا خیال چھوڑ کر اُن کی طرف متوجہ ہوئے تو شہر کے محافظ بھی دروازہ کھول کر باہر آگئے۔ ایک ساعت بعد عیسائی کوئی آٹھ سو لاشیں چھوڑ کر میدان سے بھاگ نکلے۔ المریہ اور غرناطہ کے سواروں نے وادی آش تک ان کا تعاقب کیا۔ دریا کے پُل کے سامنے حسن کی فوج کے تیرانداز ایک خندق کھود کر دشمن کا انتظار کر رہے تھے۔ عیسائی تیروں کی بارش سے واپس مُڑے تو المریہ اور غرناطہ کے سواروں نے انھیں گھیرے میں لے لیا۔ ایک خون ریز لڑائی کے بعد کوئی تین سو عیسائی ایک طرف سے گھیرا توڑ کر دریا میں کود پڑے لیکن حسن کے تیراندازوں کا ایک اور دستہ دوسرے کنارے پر

ان کا منتظر تھا۔ دریا کے اونچے کنارے سے تیروں کی بارش نے بہت کم آدمیوں کو بچ نکلنے کا موقع دیا اور کوئی ڈیڑھ سو آدمیوں نے دریا میں کُودنے کا خطرہ مول لینے کی بجائے ہتھیار ڈال دیے۔

(۴)

لڑائی سے فارغ ہوتے ہی غرناطہ کے سواروں میں سے ایک زرہ پوش اپنا گھوڑا بھگاتا ہوا حسن کے قریب پہنچا۔ حسن اپنے ساتھیوں کو قیدیوں اور زخمیوں کے متعلق ہدایات دے رہا تھا۔ غرناطہ کے سوار کو دیکھتے ہی اس کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی۔ یہ احمد بن عبدالمنعم تھا۔ ایک ثانیے کے لیے دونوں بھائی حیرت و استعجاب کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے اور پھر اپنے اپنے گھوڑوں سے کود کر ایک دوسرے کے ساتھ لپٹ گئے۔ تھوڑی دیر میں غرناطہ کے کئی اور سوار حسن کے گرد جمع ہوچکے تھے۔ ان میں سے اکثر احمد اور حسن کے ہم مکتب تھے۔

احمد نے کہا "حسن! المریہ غرناطہ سے دُور نہ تھا۔ تمہیں اپنے متعلق اطلاع ضرور دینی چاہیے تھی! تمہارے ساتھیوں میں سے بھی کسی کو گھر کا خیال نہ آیا؟"

حسن نے جواب دیا "بھائی جان! ہمیں المریہ آئے ہوئے صرف تین مہینے ہوتے ہیں اور اس عرصے میں ان لٹیروں کی سرگرمیوں نے ہمیں اپنے گھروں کے متعلق سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اب شاید اس فتح کے بعد یہ لوگ چند دن پُرامن رہیں اور ہمیں غرناطہ جانے کا موقع مل جائے۔"

احمد نے پوچھا "المریہ پہنچنے سے پہلے تم کہاں تھے؟ سرقسطہ سے تمہاری کوئی اطلاع نہ ملنے پر ہم سب پریشان تھے۔ میں خود وہاں گیا تھا لیکن تمہارے متعلق معلوم ہوا کہ تم مدّت سے سرقسطہ کی ملازمت چھوڑ کر کہیں جا چکے ہو۔"

حسن نے جواب میں مختصراً اپنی سرگزشت سُنا دی اور پھر اپنے بھائی سے گھر کی خیریت پوچھی۔

احمد نے کہا "گھر میں خیریت ہے۔ امی جان، خالہ اور بہن میمونہ تمہارے متعلق بے حد

پریشان تھیں۔ ادریس اور چچا الماس خوش ہیں۔ ہمارے خاندان میں ایک اور فرد کا اضافہ ہو چکا ہے۔"

حسن حیران سا ہو کر اپنے بھائی کی طرف دیکھنے لگا۔ احمد نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"میری شادی ہو چکی ہے۔"

"کہاں؟"

"طلیطلہ میں۔"

حسن نے کہا۔ "آج میں کتنی مبارک خبریں سُن رہا ہوں۔ بھائی جان ابھی تک واپس نہیں آئے؟"

احمد نے جواب دیا۔ "وہ جس روشنی کی تلاش میں نکلے تھے اس کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں دو ماہ قبل صرف تین دن کے لیے گھر آئے تھے۔"

حسن نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے کے بعد کہا۔ "بھائی جان! میں آپ کے ساتھ تنہائی میں چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

حسن اور احمد باقی آدمیوں سے چند قدم دور جا کر ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے، حسن نے کہا۔ "میں نے دوسروں کے سامنے یہ سوال پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ کیا بھائی جان کوئی حوصلہ افزا خبر لائے تھے؟"

"بہت اُمّید افزا!"

"مجھے بتائیے!"

"بھائی جان قاضی ابو جعفر کے پاس یہ پیغام لے کر آئے تھے کہ امیر یوسف بن تاشفین جنوب کی طرف الفانسو کی پیش قدمی کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اندلس کے علماء اور حکمران مُتّفق ہو کر انھیں اُندلس میں نصرانیوں کے خلاف لڑنے کی دعوت دیں تو وہ انکار نہیں کریں گے۔ بھائی جان افریقہ کے اُن چیدہ چیدہ علما کو جن کا امیر یوسف پر اثر ہے، اپنا ہم خیال

بنا چکے ہیں۔ وہ بربری قبائل کے شیوخ کو بھی اندلس کی اعانت پر آمادہ کر چکے ہیں۔ امیر یوسف اب افریقہ کی اندرونی جنگوں سے فارغ ہو چکے ہیں اور ان سے اعانت طلب کرنے کے لیے یہ موزوں ترین وقت ہے۔ قاضی ابو جعفر نے بھائی جان سے ملاقات کرتے ہی اندلس کے علماء کو قرطبہ میں جمع ہونے کی دعوت دی تھی۔ علماء کے اس اجلاس میں چند حکمرانوں کے نمائندے بھی شریک ہوتے تھے۔"

حسن نے کہا۔ "میں مرسیہ میں اجلاس کے متعلق سُن چکا ہوں لیکن اس کی کاروائی کے متعلق کوئی پتہ نہیں چلا۔"

احمد نے کہا۔ "میں اجلاس میں شریک تھا۔ اس کی کاروائی عمداً خفیہ رکھی گئی ہے لیکن اب چند دنوں تک یہ راز کھل جائے گا۔ علماء نے یہ تجویز منظور کی تھی کہ ان کا ایک وفد پھر ملوک الطوائف کے پاس جائے اور انھیں امیر یوسف کی قیادت میں الفانسو کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنانے کی دعوت دے۔ قاضی ابو جعفر کی قیادت میں علماء کا وفد سب سے پہلے معتمد کے پاس پہنچا۔ معتمد اشبیلیہ پر الفانسو کے حملے کے بعد کافی عبرت حاصل کر چکا تھا۔ کبھی وہ زمانہ تھا کہ قاضی ابو جعفر کو اشبیلیہ میں پاؤں رکھنے کی اجازت نہ تھی اور اب یہ حالت تھی کہ معتمد قاضی ابو جعفر کے استقبال کے لیے شہر کے دروازے پر کھڑا تھا۔ بعض علماء کا خیال تھا کہ وہ امیر یوسف کے تعاون کا خیر مقدم کرے گا لیکن اس کی قیادت تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہو گا لیکن الفانسو کی تلوار اپنی شاہرگ کے قریب دیکھ کر اس کی ذہنیت بدل چکی ہے۔ چنانچہ علماء کے وفد سے ملاقات کے فوراً بعد اس نے تمام حکمرانوں کی طرف اپنے قاصد دوڑا دیے ہیں۔ اسی مہینے اندلس کے امراء یا اُن کے نمائندے اشبیلیہ میں جمع ہوں گے اور مجھے یقین ہے وہ لوگ جو اسلام کے نام پر کبھی جمع نہیں ہوئے کم از کم اپنی جانیں بچانے کے لیے متحد ہو جائیں گے۔ الفانسو کی افواج طلیطلہ سے پیش قدمی کرنے میں تاخیر نہیں کریں گی۔ النوار، ارغون اور لیون کے عیسائی امراء کے علاوہ فرانس اور اطالیہ سے بھی ہزاروں سوار اس کے جھنڈے تلے جمع ہو رہے ہیں۔"

حسن کا دل مسرت سے لبریز تھا۔ اس نے کہا "بھائی جان آپ اتنا کچھ جانتے ہیں اور مجھے یہ بھی علم نہ تھا کہ آپ مجھ سے اتنا قریب ہیں۔ میرے جاسوس ان چوکیوں کے سالار کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ میرا خیال تھا کہ میں آپ کی بجائے غرناطہ کی فوج کے کسی عمر رسیدہ افسر کو دیکھوں گا۔"

احمد نے جواب دیا "میں سالار اعلیٰ کا نائب ہوں اور جب تم ہمارے سالارِ اعلیٰ کو دیکھو گے تو تمہیں اس فتح سے زیادہ خوشی حاصل ہو گی۔"

حسن نے پوچھا "وہ کہاں ہیں؟"

"وہ اسی شہر میں ہیں۔"

"اب مجھے واپس جانا چاہیے میں اپنی ذمہ داری پر المریہ کے سپاہیوں کو اس محاذ پر لے آیا تھا ممکن ہے کہ امیر معتصم مجھ پر خفا ہوں۔ میں چند دنوں تک المریہ سے واپس آ کر تمہارے سالارِ اعلیٰ سے ملوں گا۔"

احمد نے کہا "نہیں تم جانے سے پہلے ہمارے سالارِ اعلیٰ سے مل لو! ممکن ہے کہ وہ عنقریب اشبیلیہ چلے جائیں۔"

"اشبیلیہ! وہ کس لیے؟"

احمد نے کہا "میں نے تمہیں بتایا ہے کہ اشبیلیہ میں علماء اور حکمران جمع ہو رہے ہیں۔"

حسن نے کہا "بہت اچھا! میں اپنی فوج کو روانہ کر کے آپ کے ساتھ چلتا ہوں لیکن مجھے آج ہی واپس قلعے میں پہنچنا ہے۔"

"تم شام سے پہلے واپس پہنچ جاؤ گے۔ میں تمہیں شہر سے تازہ دم گھوڑے دوں گا۔"

حسن نے کہا "پھر میں ان کے پاس ضرور جاؤں گا لیکن آپ کے سالار ہیں کون؟"

احمد نے جواب دیا "ابھی میں یہ نہیں بتاؤں گا۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم انہیں دیکھتے ہی پہچان لیتے ہو یا نہیں؟"

"غرناطہ کی فوج کا کوئی افسر ایسا نہیں جسے میں نہیں جانتا۔"

"وہ غرناطہ کی فوج کے عہدہ دار نہیں۔ ہماری طرح رضا کار ہیں۔ نصرانیوں کی گزشتہ پیشقدمی کے دوران میں غرناطہ کی باقاعدہ فوج کے دستے پسپا ہو کر قریہ نبار تک ہٹ آئے تھے تو انھوں نے رضا کاروں کی فوج کے ساتھ اس علاقے کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا۔"

(۵)

تھوڑی دیر بعد حسن اپنے ساتھیوں کو ضروری ہدایات دینے کے بعد احمد اور اس کے ساتھیوں کے ہمراہ غرناطہ کے سرحدی شہر کا رُخ کر رہا تھا۔

شہر کے لوگوں نے مسرت کے نعروں کے ساتھ واپس آنے والے مجاہدوں کا استقبال کیا۔ احمد حسن کے ساتھ ایک مکان کے دروازے پر پہنچ کر اپنے گھوڑے سے اُتر پڑا اور بولا "حسن! ہمارے سالارِ اعلیٰ یہاں رہتے ہیں۔ اب تم ایک بہت بڑی شخصیت کے سامنے پیش ہونے والے ہو۔"

حسن بھی اپنے گھوڑے سے اُتر پڑا۔ دو سپاہیوں نے آگے بڑھ کر ان کے گھوڑوں کی باگیں تھام لیں اور وہ اندر داخل ہوئے۔ مکان کے برآمدے میں ایک نوجوان کھڑا تھا جس کے سر اور بازو پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ حسن نے اُسے دیکھتے ہی پہچان لیا اور احمد کی طرف متوجہ ہو کر کہا "واہ بھائی جان! آپ کا خیال تھا کہ میں الیاس کو بھی نہیں پہچان سکوں گا۔" پھر وہ آگے بڑھ کر الیاس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے بولا "بھائی جان کہتے تھے کہ میں ان کے سالارِ اعلیٰ کو نہیں پہچان سکوں گا اور میں سارا راستہ پریشان رہا!"

احمد کے ہاتھ کا اشارہ پا کر الیاس نے مُسکراتے ہوئے کہا "سالارِ اعلیٰ کو یقیناً تم نہیں پہچان سکو گے!"

حسن اور الیاس کو آپس میں باتیں کرتا ہوا چھوڑ کر احمد ایک کمرے کے اندر داخل ہوا۔ تھوڑی دیر بعد ایک آدمی دروازے سے باہر نکلا اور حسن اُسے دیکھتے ہی چونک اٹھا۔ "بھائی ادریس ــــ!"

ادریس آگے بڑھ کر اس کے ساتھ بغل گیر ہونے کے بعد بولا "حسن پہلے تم سالارِ اعلیٰ

سے مل لو۔ پھر باتیں کریں گے "

حسن نے کہا "بھائی جان نے مجھے راستے میں یہ بھی نہیں بتایا کہ آپ یہاں ہیں۔"

"میں یہاں سے کچھ دُور ایک اور چوکی پر متعین تھا۔ میں ابھی یہاں پہنچا تھا۔ آؤ!"

حسن ادریس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ عمر رسیدہ سالار کمرے میں ایک میز کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ میز پر نقشے اور کاغذات پڑے ہوتے تھے۔ احمد سالارِ اعلیٰ کے بائیں ہاتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے حسن کا تعارف کرواتے ہوئے کہا "المریہ کی سرحدی چوکی کے محافظ یہ ہیں"! بوڑھے سالار کی نگاہیں حسن کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ حسن نے آگے بڑھ کر السّلام علیکم کہا اور بوڑھے سالار نے اُٹھ کر وعلیکم السّلام کہہ کر اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ حسن نے اس کے ساتھ گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "میں نے غرناطہ میں آپ کو کبھی نہیں دیکھا؟"

بوڑھے سالار نے مغموم آواز میں جواب دیا "نہیں میں وہاں نہیں تھا۔"

"شاید میں نے آپ کو کہیں اور دیکھا ہو؟"

بوڑھے سالار نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ حسن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے کھڑا غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حسن نے احمد کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں آنسو جمع ہو رہے تھے۔ وہ بولا "تم نے انھیں پہلے کبھی نہیں دیکھا حسن؟"

حسن کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ کھوئی کھوئی نظروں سے عمر رسیدہ آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

بوڑھے سالار نے احمد اور ادریس کی طرف دیکھا اور کانپتی ہوئی آواز میں کہا "یہ اس وقت بہت چھوٹا تھا — مجھے یاد ہے اس دن جب کہ میں رُخصت ہو رہا تھا۔ اس نے میری ٹانگوں سے لپٹ کر کہہ رہا تھا "ابا جان مجھے ساتھ لے چلو! آپ نے وعدہ کیا تھا کہ جنگ ختم ہو گی تو آپ مجھے سیر کے لیے اپنے ساتھ لے جایا کریں گے۔"

یہ الفاظ ایک نشتر کی طرح حسن کے دل میں اتر گئے۔ ماضی کے خواب و خیال کی دنیا پھر ایک حقیقت بن کر اس کی آنکھوں کے سامنے آگئی اور وہ بے اختیار بوڑھے کے ساتھ لپٹ گیا —

"ابا جان! ابا جان!" اس نے اپنی سِسکیاں ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اور ابا آپ نے کہا تھا کہ ابھی جنگ ختم نہیں ہوئی؟" —

(۶)

معتمد کے محل کے ایک وسیع کمرے میں ملوک الطوائف کا اجلاس ہو رہا تھا — اُن کی اکثریت اس تجویز کے حق میں رائے دے چکی تھی کہ الفانسو کے خلاف امیر یوسف بن تاشفین سے اعانت کی درخواست کی جائے، لیکن چند اُمراء ایسے بھی تھے جو دبی زبان سے اس تجویز کی مخالفت کر چکے تھے۔ شہزادہ رشید اس اجلاس سے پہلے ہی اپنے باپ کو یہ بتا چکا تھا کہ مرابطین غیر مہذب اور وحشی ہیں۔ انھیں اُندلس میں آنے کی دعوت دینا ہمارے لیے خطرناک ہو گا۔ اندلس کے علما نے عوام کو ہمارا دشمن بنا دیا ہے۔ جب یوسف بن تاشفین آئے گا تو اس کا ہر کام ان علماء کی رائے سے ہو گا اور علماء کا پہلا مطالبہ یہ ہو گا کہ اندلس کے حکمران خاندانوں کے حقوق چھین لیے جائیں۔ عوام اس مطالبے کی تائید کریں گے اور امیر یوسف کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر اندلس کے سیاہ و سفید پر قابض ہو جائے گا۔ پھر ان علماء کے لیے جو پہلے ہی کفر والحاد کے فتوے دے چکے ہیں۔ عدل و انصاف کی کُرسیاں ہوں گی اور ہمارے لیے مجرموں کا کٹہرا ہو گا۔ اس خطرے میں پڑنے کی بجائے ہمیں ہر قیمت پر الفانسو کے ساتھ صُلح کر لینی چاہیے۔ ملکہ رمیکہ کو بھی یہ گوارا نہ تھا کہ مرابطین کی مدد سے اُندلس میں ایسے لوگ برسرِ اقتدار آ جائیں جو ان کی عیاشیوں کے خلاف فتوے دینے سے باز نہیں آتے لیکن معتمد پر ان کی نصیحتیں بے اثر ثابت ہوئیں۔

ملوک الطوائف کے اجلاس میں مالقہ کے حاکم عبداللہ ابنِ سافظ نے نہایت شدومد کے ساتھ اس تجویز کی مخالفت کی۔ اس نے کہا "آپ حضرات مرابطین کو اسلام کے نام پر مدد کے لیے بلا رہے ہیں لیکن آپ کو یاد رکھنا چاہیے، مرابطین اندلس کے علماء اور عوام کی تائید

کے ساتھ جس نظامِ حکومت کا مطالبہ کریں گے اس میں آپ کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ مرابطین تہذیب و تمدن سے نا آشنا ہیں اور ان کا اسلام ایک ایسا طوفان ثابت ہوگا جو اندلس میں ہماری تہذیب و تمدن کے ہر نشان کو مٹا دے گا۔ یہ علماء جو ہمارے شعر و ادب اور فنونِ لطیفہ کا مذاق اُڑاتے ہیں، ہم پر مسلّط کر دیے جائیں گے۔ مرمریں محلوں اور جھونپڑیوں میں رہنے والے ایک ہی ڈنڈے سے ہانکے جائیں گے۔ الفانسو ہمارے لیے اس وقت خطرناک تھا جب ہمارا آپس میں اتحاد نہیں تھا۔ اب اگر ہم ایک محاذ بنالیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ حملہ کرنے کا خیال ترک کر دے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ہمیں خراج دینا پڑے گا لیکن کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم مرابطین کا خطرہ مول لینے کی بجائے الفانسو کو خراج دے کر مطمئن کرنے کی کوشش کریں۔

اس پر عمر المتوکل نے اُٹھ کر کہا "آپ ان خیالات کا اظہار اس لیے کر رہے ہیں کہ المریہ الفانسو کے حملوں کی زد سے ابھی دور ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ ہمارے پاس اگر ساری دنیا کے خزانے ہوں تو بھی ہم زیادہ دیر الفانسو کو خوش نہیں رکھ سکتے۔ اُسے طلیطلہ کے حکمران سے زیادہ کسی نے خراج نہیں دیا لیکن طلیطلہ کا انجام ہمارے سامنے ہے۔ ہمارے باقی رفقاء کو طلیطلہ کا انجام دیکھنے کے بعد ہوش آیا ہے اور آپ شاید ہوش میں آنے سے پہلے بطلیوس، اشبیلیہ، مرسیہ، المریہ اور قرطبہ کا انجام دیکھ لینا چاہتے ہیں!"

ایک طویل بحث کے بعد معتمد نے اُٹھ کر کہا "آپ میں سے بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ مرابطین ہمارے ہاتھ سے اقتدار چھین لیں گے۔ ممکن ہے کہ آپ کا یہ خیال صحیح ہو لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ اگر یوسف بن تاشفین مجھے اپنا قیدی بنا کر افریقہ بھیج دے تو بھی میں قسطلہ کے عیسائیوں کے سُور چرانے کی بجائے اس کے اُونٹ ہانکنا بہتر سمجھوں گا۔ ہم یوسف بن تاشفین سے اس وقت مدد مانگ رہے ہیں جب کہ ہمارے لیے نجات کا کوئی اور راستہ نہیں۔ کیا آپ یہ گوارا کریں گے کہ الفانسو سارے اندلس پر قابض ہو جائے اور آنے والی نسلیں ہمیں اپنی تباہی اور بربادی کا ذمہ دار گردانیں اور عالمِ اسلام کی ہر مسجد کے منبر سے ہم پر لعنت بھیجی

جائے۔ آپ میں سے بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ مرابطین کے آنے سے ہماری تہذیب خطرے میں پڑ جائے گی۔ ہمارے فنونِ لطیفہ مٹا دیے جائیں گے لیکن بدقسمتی سے وہ تہذیب اور وہ فنونِ لطیفہ جن پر ہمیں ناز ہے، الفانسو کے آگے دیواریں نہیں کھڑی کر سکتے۔ اس کا راستہ صرف ان لوگوں کی تلواریں روک سکتی ہیں جنھیں تم وحشی اور جاہل کہتے ہو۔ میں امیر یوسف بن تاشفین کے محاسن بیان نہیں کرتا۔ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ وہ ہمارا آخری سہارا ہے۔ وہ ہمارے تاریک اُفق پر اُمید کی آخری روشنی ہے۔ اپنے متعلق میں اتنا جانتا ہوں کہ میں الفانسو کو خوش رکھنے کے لیے اپنا سارا خزانہ لُٹا چکا ہوں۔ اب اس کی افواج اشبیلیہ کی سرحدوں پر جمع ہو رہی ہیں اور میں بیرونی اعانت کے بغیر اشبیلیہ اور قرطبہ کو تباہی سے نہیں بچا سکتا۔ آپ میں سے اگر کوئی ایسا ہے جسے اپنی طاقت پر بھروسہ ہے تو میں اسے مجبور نہیں کرتا کہ وہ میرا ساتھ دے۔ لیکن ان حضرات سے جنھیں حالات نے میری طرح سوچنے پر مجبور کر دیا ہے میں یہ درخواست کروں گا کہ وہ بحث میں وقت ضائع نہ کریں۔ ہم ایک آتش فشاں پہاڑ کے دہانے پر کھڑے ہیں اور یہ پہاڑ کسی وقت بھی پھٹ سکتا ہے!"

کچھ دیر اور بحث کرنے کے بعد حاضرینِ مجلس نے یہ تجویز منظور کی کہ "امیر یوسف بن تاشفین کو اندلس آنے کی دعوت دینے سے پہلے یہ عہد لیا جائے کہ وہ اندلس کے اندرونی معاملات میں دخل نہیں دے گا۔" بالآخر عمر المتوکل نے امیر یوسف بن تاشفین کے نام ایک طویل مراسلہ لکھا اور ملوک الطوائف نے یکے بعد دیگرے اس پر دستخط کر دیے۔ قاضی ابو جعفر اس سے پہلے ہی ایک درخواست پر اندلس کے چیدہ چیدہ علماء کے دستخط کروا چکا تھا۔ اگلے دن اندلس کے ملوک الطوائف اور علماء کے نمائندوں کا ایک مشترکہ وفد مراکش کی طرف روانہ ہوا۔

فریاد

اُندلس کے علماء اور حکمرانوں کے نمائندے افریقہ میں اس درویش حکمران کا دربار دیکھ رہے تھے جسے قدرت نے ان کی نجات کے لیے منتخب کیا تھا۔ امیر یوسف بن تاشفین ایک کشادہ کمرے میں کھجور کی چٹائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے حریر و اطلس کی بجائے اون کے کھردرے کپڑے کی قبا پہن رکھی تھی لیکن اس کے باوجود وہ رعب و جلال اور سطوت کا ایک پیکر مجسم نظر آتا تھا۔ اس کی نگاہوں میں بیک وقت ایک شیر کی جسارت اور ایک بچے کی معصومیت تھی۔ اس کے دائیں بائیں مراکش کے فقہا اور فوج کے بڑے بڑے عہدیدار رونق افروز تھے۔

اُندلس کے ایک عالم نے مصافحہ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ کو بوسہ دینے کی کوشش کی تو اس نے اپنا ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا "مجھے اس غلط فہمی میں مبتلا نہ کیجیے کہ میں عام انسانوں سے مختلف ہوں!"

قاضی ابوجعفر نے اندلس کے مسلمانوں کی بے بسی کی داستان سُنانے اور الفانسو کے مظالم بیان کرنے کے بعد کہا "اے امیر! اب ہم آپ کے پاس آئے ہیں۔ آپ اس قوم کی آخری امید ہیں جسے چاروں اطراف سے تباہی اور بربادی کے طوفان نے گھیر رکھا ہے۔ آج اندلس کی زمین ہمارے لیے تنگ ہو چکی ہے۔ طلیطلہ اور بلنسیہ میں ہماری سطوت کے پرچم سرنگوں ہو چکے ہیں۔ نصرانیوں کی افواج اشبیلیہ، بطلیوس، قرطبہ، المریہ، مرسیہ اور غرناطہ کے دروازوں پر دستک دے رہی ہیں۔ ہم آپ کے پاس اندلس کی ان سینکڑوں بیٹیوں کی فریاد [illegible] قسطلہ، لیون، اور النوار کے بازاروں میں فروخت

کیا جا رہا ہے۔ اگر آپ نہیں چاہتے کہ اندلس کے ہر شہر میں طلیطلہ اور بلنسیہ کی داستان دہرائی جائے ——— اگر آپ یہ نہیں چاہتے کہ اندلس کی مساجد میں اللہ اکبر کی آوازیں ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جائیں تو آپ کو ہماری اعانت کے لیے میدان میں آنا پڑے گا۔ اس وقت اندلس کا ہر انسان آپ کی راہ دیکھ رہا ہے"!

قاضی ابوجعفر کی تائید میں دوسرے علماء کی تقریریں سننے کے بعد امیر یوسف کچھ دیر سر جھکا کر سوچتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا "میرے متعلق آپ حضرات کو یہ اطمینان رکھنا چاہیے کہ میں ایک تماشائی کی حیثیت میں اندلس کی تباہی اور بربادی نہیں دیکھ سکوں گا لیکن پیشتر اس کے کہ میں کوئی فیصلہ کروں۔ میں اندلس کے حکمرانوں کی رائے معلوم کر لینا ضروری سمجھتا ہوں"

اس کے جواب میں وزیر ابن زیدون اٹھا اور اس نے آگے بڑھ کر ملوک الطوائف کا مراسلہ پیش کرتے ہوئے کہا "حالات نے اندلس کے مسلمانوں کو سبق دیا ہے اور یہ انکی درخواست ہے"!

اس مراسلے کی فصیح و بلیغ زبان یوسف بن تاشفین کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ اس نے چند لمحے غور و فکر کرنے کے بعد مراکش کے ایک عالم کی طرف متوجہ ہو کر کہا "میں کچھ نہیں سمجھا۔ اندلس کے حکمران آگ کے انگاروں پر لیٹ کر بھی شاعری کرتے ہیں۔ آپ مجھے اس کا مطلب سمجھائیں"

مراکش کے عالم نے بربری زبان میں اس کا ترجمہ سنا دیا۔ ملوک الطوائف نے مرابطین کے امیر کو اپنی پریشانیوں کا حال سنانے کے بعد یہ درخواست کی تھی کہ آپ ایک بھائی کی حیثیت میں ہماری مدد کو آئیں تو ہم آپ کی قیادت میں نصرانیوں کے ساتھ جنگ کرنا اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھیں گے لیکن اس شرط پر کہ آپ اندلس کے کسی حصے کو اپنے قبضے میں لانے کی کوشش نہیں کریں گے اور نصرانیوں کا خطرہ دور ہو جانے کے بعد آپ اپنی افواج اندلس سے نکال لیں گے۔

کچھ دیر افریقہ کے علماء اس شرط پر بحث کرتے رہے بالآخر یوسف بن تاشفین نے ایک فیصلہ کن انداز میں کہا "مجھے یہ شرط منظور ہے۔ اس ملک کی حکومت کا جو بوجھ مجھ پر لاد دیا

گیا ہے یہی میرے لیے کافی ہے۔ میں دوسروں کے حصّے کا بوجھ اپنی گردن پر نہیں لادنا چاہتا اگر اندلس کے حکمران متحد ہو کر کسی ایک کو اپنا راہنما بنا لیتے تو مجھے اس کے جھنڈے تلے نصرانیوں کے ساتھ جنگ کرنے پر بھی اعتراض نہ ہوتا۔ اگر فرانس اور اطالیہ کے عیسائی اندلس کے مسلمانوں کو مٹانے کے لیے الفانسو کے جھنڈے تلے جمع ہو سکتے ہیں تو ایک گمنام رضاکار کی حیثیت میں میں بھی اپنے بھائیوں کا ساتھ دینے سے دریغ نہیں کروں گا۔ اب میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ میری فوج کے لیے سمندر عبور کرنے کے بعد اندلس کی کونسی بندرگاہ پر اترنا موزوں ہو گا؟"

ابنِ زیدون نے جواب دیا۔ "اندلس کے مسلمانوں کی خواہش ہے کہ وہ جبل الطارق کی بندرگاہ پر آپ کا استقبال کریں!"

"اور اگر میں کسی اور بندرگاہ پر اترنا زیادہ مفید سمجھوں تو؟"

ابنِ زیدون نے جواب دیا۔ "ہمیں صرف جبل الطارق کی بندرگاہ آپ کے حوالے کرنے کا اختیار دیا گیا ہے ــــ"

امیر یوسف نے کہا۔ "میں ان شاء اللہ کل آپ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گا۔ اب آپ آرام کریں!"

اگلے دن جب ارکانِ وفد نے امیر یوسف کے ساتھ دوبارہ ملاقات کی تو اس نے انہیں بتایا کہ ہم بعض مصلحتوں کے پیشِ نظر جزیرۃ الخضراء کی بندرگاہ کو جبل الطارق کی نسبت زیادہ موزوں سمجھتے ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ جنگ کے اختتام تک ساحل کے ساتھ ساتھ چند میل کا علاقہ ہمارے تصرّف میں دے دیا جائے۔"

جزیرۃ الخضرا کا نام سُن کر ابنِ زیدون بہت پریشان ہوا۔ یہ علاقہ معتمد کی سلطنت کا ایک اہم حصّہ تھا اور معتمد نے ابنِ زیدون کو یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ اگر امیر المرابطین جزیرۃ الخضرا کی بندرگاہ کا مطالبہ کرے تو ہر ممکن حیلے سے اُسے ٹالنے کی کوشش کرو لیکن قاضی ابوجعفر نے ابنِ زیدون کے چہرے سے اس کی پریشانی کا اندازہ لگاتے ہوئے فوراً مداخلت کی اور کہا۔

"ابنِ زیدون کو سلطان معتمد کی طرف سے بات کرنے کا پورا اختیار ہے۔ اگر آپ فوجی نقطۂ نگاہ سے اس بندرگاہ کو زیادہ موزوں سمجھتے ہیں تو یہ آج ہی جزیرۃ الخضراء کے گورنر کو آپ کے استقبال کی تیاری کرنے کا حکم بھیج دیں گے!"

ابنِ زیدون نے بدحواس ہو کر کہا۔ "نہیں مجھے اس بات کی اجازت نہیں۔"

امیر یوسف نے قدرے برہم ہو کر کہا۔ "تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ معتمد ہمیں کسی وقت بھی کہہ سکتے ہیں کہ تم دشمن کے ساتھ فلاں میدان کی بجائے فلاں میدان میں لڑائی کرو!"

وفد میں قاضی ابوجعفر اور ان کے ہم خیال اب یہ محسوس کر رہے تھے کہ بنا بنایا کھیل بگڑ رہا ہے۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کے بعد ان کی نگاہیں قاضی ابوجعفر پر مرکوز ہو گئیں اور انھوں نے امیر یوسف کی حمایت کرتے کرتے ہوئے ابنِ زیدون کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ امیر معتمد اپنے خیال کے مطابق ان کے لیے جبل الطارق کی بندرگاہ زیادہ موزوں سمجھتے ہوں لیکن امیر یوسف اپنی افواج اتارنے کے لیے جزیرۃ الخضراء کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں تو آپ کو خوشی سے ان کا مطالبہ مان لینا چاہیے۔ آپ ہمارے ساتھ اس بات کا ثبوت دینے آئے ہیں کہ اندلس کے باقی حکمرانوں کی طرح امیر معتمد بھی الفانسو کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے امیر یوسف کی قیادت تسلیم کرنے پر آمادہ ہیں۔ میں اس مجلس میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جنگ کے لیے امیر مرابطین کے ساتھ اندلس کے ہر مسلمان کا تعاون غیر مشروط ہو گا۔ معتمد اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کی گردن پر الفانسو کی تلوار لٹک رہی ہے۔ اگر اس کے سامنے نجات کا کوئی اور راستہ ہوتا تو وہ اہلِ افریقہ سے اعانت کی درخواست نہ کرتا اور اب جب کہ وہ یہ درخواست کر چکا ہے اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے یہ محسن وہاں شعر کہنے کے لیے نہیں جنگ کرنے کے لیے جا رہے ہیں اور معتمد کو ان کا یہ حق تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ نہ صرف جزیرۃ الخضرا بلکہ اندلس کی ہر بندرگاہ اور ہر شہر کو اپنے تصرّف میں لا سکتے ہیں۔ معتمد کے نمائندے کی حیثیت میں آپ کی تسلی کے لیے امیر یوسف کا یہ وعدہ کافی ہے کہ وہ اندلس پر تسلط جمانے کا

ارادہ نہیں رکھتے۔ نصرانیوں کا خطرہ دور ہو جانے کے بعد وہ اندلس سے اپنی افواج نکال لیں گے۔ آپ اس محفل میں یہ ثابت کرنے کی کوشش نہ کریں کہ اُندلس کے حکمران امیر یوسف کی اعانت کے طلبگار تو ہیں لیکن ان پر اعتبار نہیں کرتے۔"

ابنِ زیدون نے کہا "میں امیر یوسف کی نیت پر شک کرنا گناہ سمجھتا ہوں لیکن میری بدقسمتی یہ ہے کہ میں یہاں امیر معتمد کا ایلچی بن کر آیا ہوں اور مجھے انھوں نے جزیرۃ الخضرا کی بندرگاہ کے متعلق بات کرنے کا کوئی اختیار نہیں دیا۔"

امیر یوسف بن تاشفین نے کہا "میں اس بحث کو طول نہیں دینا چاہتا۔ قاضی ابوجعفر اندلس کی تمام بندرگاہیں میرے حوالے کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن انھیں شاید اندلس کی کسی مسجد میں بھی آزادی کے ساتھ خطبہ دینے کی اجازت نہ ہو ـــــ امیر معتمد اس وقت اندلس کے تمام حکمرانوں کا راہنما ہے لیکن اس نے مجھے ایسی بندرگاہ میں اُترنے کی دعوت دی ہے جسے میں غیر موزوں سمجھتا ہوں۔ میں اس وقت کا انتظار کروں گا جب کہ قاضی ابوجعفر جیسے لوگ اندلس کے حکمرانوں کی طرف سے میرے ساتھ بات کرنے کے لیے پورے اختیارات لے کر آئیں گے۔ میں اندلس کے علمائے کرام کا احترام کرتا ہوں۔ لیکن ملوک الطوائف کے معاون کی حیثیت میں اندلس کی زمین پر پاؤں رکھنے سے پہلے مجھے بہت کچھ سوچنا پڑے گا!"

امیر یوسف بن تاشفین مجلس برخاست کرکے اٹھا اور ارکانِ وفد کو مایوس اور پریشان چھوڑ کر اپنی قیام گاہ کی طرف چل دیا ـــــ قاضی ابوجعفر کے ساتھیوں کی خاموش نگاہیں اس سے یہ سوال پوچھ رہی تھیں کہ اب کیا ہوگا؟ وہ ایک ثانیہ توقف کے بعد تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا یوسف بن تاشفین کے پیچھے چل دیا۔

"یا امیر!" اس نے قریب پہنچتے ہوئے آواز دی۔ امیر یوسف قاضی ابوجعفر کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے کہا "میں صرف ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اندلس کے حکمران مرتد ہو کر نصرانیوں کی غلامی قبول کر لیں تو کیا آپ اندلس کے مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ

دیں گے؟ کیا آپ کے لیے ان لاکھوں مسلمانوں کی آواز کوئی معنی نہیں رکھتی جو اسلام کے لیے زندہ رہنا چاہتے ہیں!"

امیر یوسف نے جواب دیا "میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آپ خدا سے دُعا کریں کہ وہ مجھے صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق دے ـــــ میرے تذبذب کی وجہ یہ نہیں کہ میں الفانسو کے ساتھ ٹکر لینے سے گھبراتا ہوں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے ابھی تک یہ یقین نہیں ہوا کہ اندلس کے حکمران میرا ساتھ دیں گے۔ اگر وہ دشمن کی صف میں کھڑے ہو جائیں تو میرے لیے یہ فیصلہ کرنا آسان ہوگا کہ میں کہاں تک اندلس کی مدد کر سکتا ہوں لیکن مجھے ایسے لوگوں کی رفاقت منظور نہیں جو ایک کافر سے ڈرتے ہیں ـــــ اور ایک مسلمان پر اعتبار نہیں کرتے۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مجھے تنہا یہ جنگ لڑنی پڑے گی اور اس کا فیصلہ میں مجلسِ شوریٰ اور فوج کے اعلیٰ افسروں کا مشورہ لیے بغیر نہیں کر سکتا۔ امیر البحر سیر بن ابوبکر اور فوج کے چند عہدیدار اس وقت یہاں موجود نہیں۔ وہ آج یا کل یہاں پہنچ جائیں گے۔ ان میں سے ایک نوجوان کو آپ جانتے ہیں۔ میں سعد بن عبدالمنعم کو یہاں بھیجنے کے لیے آپ کا شکر گزار ہوں۔ مجھے اس کے خلوص اور ذہانت پر اعتماد ہے اگر اس نے یہ مشورہ دیا کہ ہمارے لیے جبل الطارق کی بندرگاہ موزوں رہے گی تو میں خواہ مخواہ معتمد کو پریشان نہیں کروں گا۔ اگر آپ چاہیں گے تو آپ کو مجلسِ شوریٰ میں اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا جائے گا لیکن ملوک الطوائف کے نمائندوں کو یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں، وہ واپس جا سکتے ہیں۔"

(۲)

رات کے وقت نماز کے بعد اندلس کے علماء اور ملوک الطوائف کے نمائندے مہمان خانے کے علیحدہ علیحدہ کمروں میں بیٹھ کر تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔ ایک کمرے میں ابنِ زیدون اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ "مرابطین کا امیر ہمارے لیے ایک معمہ ہے۔ میں حیران ہوں کہ ہم واپس جا کر کیا منہ دکھائیں گے۔"

اس کے ایک ساتھی نے کہا "اندلس کے سنجیدہ لوگوں کو اگر یہ معلوم ہو جاتے کہ یہ لوگ اس قدر غیر مہذب ہیں تو وہ شاید نصرانیوں کی غلامی کو ترجیح دیں۔ دائی مالقہ کا خیال درست ثابت ہوا۔ اگر ان لوگوں کی مدد سے نجات حاصل کر بھی لی تو ہمیں ان وحشیوں کی غلامی قبول کرنی پڑے گی اور جب یہ اندلس میں افریقہ کا قانون رائج کریں گے تو خدا معلوم ہمارا کیا حشر ہو گا۔ یہ ہماری صدیوں کی تہذیب و تمدن کا نام و نشان مٹا دیں گے۔ اشبیلیہ اور قرطبہ کے مرمریں ایوانوں میں اپنے گھوڑے باندھیں گے، ہمارے نامور شاعروں ادیبوں اور فلسفیوں کی کرسیوں پر ان چھٹی ہوئی قباؤں والے علماء کو بٹھا دیں گے۔ ہمیں عیسائیوں سے آزادی مل جائے گی لیکن ہم سے زندگی کی مسرتیں چھین لی جائیں گی۔"

دوسرا بولا "جو شخص اس قدر جاہل ہے کہ وہ ایک مراسلہ نہیں پڑھ سکتا۔ اس سے ہم کیا توقع رکھ سکتے ہیں!"

تیسرا بولا "خدا کی قسم ہمارے امرائکے اصطبل بھی اس کی قیام گاہ سے بہتر ہیں، ہمارے ماہی گیر بھی ان سے بہتر لباس پہنتے ہیں اور یہاں ادنیٰ اور اعلیٰ کی کوئی تمیز ہی نہیں، جو آتا ہے بے تکلفی سے اپنے امیر کے قریب بیٹھ جاتا ہے، کوئی دربان نہیں، کوئی پہریدار نہیں۔ کل مسجد کے دروازے پر ایک بڑھیا اس کی قبا نوچ رہی تھی۔ پرسوں اُسے چند چرواہوں نے گھیر رکھا تھا۔ ایسا شخص اگر اندلس پر قابض ہو گیا تو ہم سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکا جائے گا۔ عدل و انصاف کی کرسیوں پر قاضی ابوجعفر جیسے لوگ رونق افروز ہوں گے اور ہم اور ہمارے امراء ان کے سامنے جرائم پیشہ لوگوں کے دوش بدوش کھڑے ہوں گے!"

ابنِ زیدون خاموشی سے ان لوگوں کی نکتہ چینی سنتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا "مجھے آپ سے اختلاف ہے۔ مراکش میں چند دن رہ کر جو کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں اس کے بعد یہ محسوس کرتا ہوں کہ اندلس کے علماء اور حکمرانوں نے امیر یوسف کو اپنا آخری سہارا سمجھنے میں غلطی نہیں کی۔ الفانسو کی لاتعداد افواج کو صرف ایسا مجاہد ہی شکست دے سکے گا جس کے نیام میں

اسلام کی تلوار ہو گی اور میں نے مرابطین کے امیر کے نیام میں اسلام کی تلوار دیکھی ہے۔ ہمیں اس کی ہر بات اس لیے عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ہم اسلام سے بہت دور جا چکے ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں اس قدر سادہ اور اسقدر بارعب شخص نہیں دیکھا۔ اس کے سینے میں صحرا کی وسعت اور سمندر کی گہرائی ہے۔ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں جزیرۃ الخضراء کا مطالبہ رد کرنے کی بجائے یہ کہتا کہ میں مملکتِ اشبیلیہ کی تمام بندرگاہیں آپ کے حوالے کرتا ہوں۔ اگر میں سلطان معتمد کے وزیر کی بجائے اندلس کے ایک عام مسلمان کی حیثیت سے بات کروں تو میں یہ کہوں گا کہ اندلس کو دائمی خطرے سے بچانے کی یہی صورت ہے کہ امیر مرابطین کی غیر مشروط اطاعت قبول کر لیں"

مہمان خانے کے دوسرے کمرے میں قاضی ابوجعفر اپنے ہم خیال ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔ "ہم نے پھر ایک بار ملوک الطوائف کے ساتھ تعاون کرنے میں غلطی کی ہے۔ اگر ہم اپنی ذمہ داری پر یہاں آتے تو افریقہ کے علماء پر اثر ڈال سکتے تھے لیکن ان میں سے کئی ایسے ہیں جنہیں یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ ملوک الطوائف، بالخصوص معتمد نے نیک نیتی سے امیر یوسف کو اندلس آنے کی دعوت نہیں دی اور ہم اندلس کے عوام کے ترجمان بن کر نہیں ملوک الطوائف کے آلہ کار بن کر یہاں آئے ہیں۔ وہ امیر یوسف سے یہ کہہ رہے ہیں کہ جس شخص نے اہلِ قرطبہ کا دوست بن کر انھیں دھوکا دیا تھا، اس کی دوستی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ ممکن ہے کہ اِدھر افریقہ کی افواج اندلس کے ساحل پر پاؤں رکھیں اور اُدھر معتمد اور دوسرے حکمران الفانسو کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کر لیں"

ابنِ ادہم نے کہا "ملوک الطوائف سے ہر برائی کی توقع رکھی جا سکتی ہے لیکن اب کیا ہو گا! کیا ہم یہ سمجھ کر واپس چلے جائیں کہ اندلس کے مقدر میں تباہی کے سوا کچھ نہیں؟"

قاضی ابوجعفر نے جواب دیا "میں مایوس نہیں ہوں۔ میں چند دن یہیں رہوں گا۔ امیر یوسف افریقہ کے علماء شیوخ اور اپنی فوج کے چیدہ چیدہ افسروں کے اجتماع میں آخری فیصلہ کریں گے اور مجھے یقین ہے کہ ان کا فیصلہ ہمارے حق میں ہو گا۔ اس کے بعد جزیرۃ الخضراء کے بارے میں معتمد کے احتجاج کی پروا نہیں کی جائے گی لیکن ابھی آپ یہ بات کسی پر ظاہر نہ کریں ——"

اگلے دن قاضی ابوجعفر کے سوا وفد کے باقی تمام ارکان نے واپس اندلس کا رُخ کیا۔

اپنے ساتھیوں کو رخصت کرنے کے پانچ دن بعد ایک رات قاضی ابوجعفر مہمان خانے میں سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ قاضی ابوجعفر نے کہا "کون ہے۔ آیئے!"

ایک نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔ قاضی ابوجعفر اسے دیکھتے ہی مسرت سے چلا اٹھا۔ "سعد ـــــ تم!"

سعد نے آگے بڑھ کر مصافحہ کرتے ہوئے کہا "میں اس وقت آپ کے آرام میں مخل تو نہیں ہوا؟"

ابوجعفر نے کہا "میں کئی دن سے تمہاری راہ دیکھ رہا ہوں اور یقین کرو کہ میں اب بھی تمہارے متعلق ہی سوچ رہا تھا۔"

"میں امیر البحر سیر بن ابوبکر کے ساتھ ایک بحری مہم پر گیا ہوا تھا۔"

"یہاں کب پہنچے؟"

"عشاء کی نماز کے بعد ـــــ مجھے یہاں پہنچتے ہی امیر یوسف نے بلالیا تھا اور اب میں ان کی قیامگاہ سے سیدھا آپ کے پاس آرہا ہوں۔"

قاضی ابوجعفر نے شمع کی دھیمی روشنی میں سعد کو سر سے لیکر پاؤں تک دیکھا اور مُسکراتے ہوئے کہا "تم اب سچ مچ ایک سپاہی بن گئے ہو۔ اور پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ امیر یوسف نے اندلس کے متعلق تمہارے ساتھ کوئی بات کی ہے؟"

سعد نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا "ہاں میں آپ کو ایک خوشخبری سنانے آیا ہوں کہ وہ اندلس کے متعلق بہت بے چین ہیں۔ انھوں نے پرسوں صبح علماء اور شیوخ کا اجلاس بلایا ہے۔ اگر انھوں نے مخالفت نہ کی تو وہ کسی تاخیر کے بغیر الفانسو کے خلاف فوج کشی کر دیں گے اور جزیرۃ الخضراء کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہونے کے لیے وہ معتمد کی اجازت کی ضرورت بھی محسوس نہیں کریں گے۔"

مراکش کے علماء اور شیوخ ہم سے بہت بدظن ہو چکے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ان میں سے کئی اس اقدام کی مخالفت کریں گے۔"

"میں نے ابھی تک کسی سے ملاقات نہیں کی لیکن آپ اطمینان رکھیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان کا فیصلہ اندلس کے حق میں ہوگا۔"

(۲)

امیر یوسف بن تاشفین افریقہ کے مسلمانوں کے دلوں پر حکومت کرتا تھا۔ عوام اس کے اس قدر گرویدہ تھے کہ اس کا ایک معمولی اشارہ ان کے لیے ایک حکم کا درجہ رکھتا تھا لیکن اس کے باوجود علماء کی تائید و حمایت کے بغیر کوئی قدم اُٹھانے کا عادی نہ تھا۔ وہ مجلس شوریٰ کے سامنے اکثر کہا کرتا تھا کہ "اگر تم چاہتے ہو کہ میں نیک نیتی سے اپنے فرائض سرانجام دوں تو اپنے دلوں میں حق گوئی کا جذبہ زندہ رکھو ـــــ اور مجھے اس غلط فہمی میں مبتلا ہونے سے روکتے رہو کہ میں خطاؤں سے پاک ہوں۔"

اندلس کے متعلق فیصلہ کرنے کے لیے اس نے تمام شہروں کے چیدہ چیدہ علماء اور قبائل کے شیوخ کو جمع کیا۔ دو دن تک وہ ان کے خیالات سُنتا رہا۔

بعض علماء کی یہ رائے تھی کہ امیر یوسف کو ہر حال میں کسی تاخیر کے بغیر الفانسو کے خلاف فوج کشی کر دینی چاہیے لیکن بعض ایسے بھی تھے جنھیں ملوک الطوائف کے متعلق یقین نہ تھا۔ وہ یہ خدشہ ظاہر کرتے تھے کہ اگر ملوک الطوائف نے بدعہدی کی تو افریقہ کی افواج کو دو محاذوں پر لڑنا پڑے گا۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اندلس کی طرف قدم اٹھانے سے پیشتر یہ اطمینان کر لیا جائے کہ اگر ملوک الطوائف نے بدعہدی کی تو اندلس کے عوام ہماری حمایت پر ہوں گے۔ ورنہ ملوک الطوائف سے یہ کہا جائے کہ ہم انھیں صرف اسی صورت میں مدد دیں گے جب کہ وہ متحد ہو کر الفانسو کے خلاف جنگ شروع کر دیں۔"

علماء اور شیوخ کے خیالات سننے کے بعد امیر یوسف نے قاضی ابوجعفر کو اپنے خیالات

کے اظہار کی دعوت دی۔ انھوں نے ایک ولولہ انگیز تقریر کرنے کے بعد افریقہ کے علماء سے مخاطب ہو کر کہا۔ "آپ ملوک الطوائف کی نیتوں پر شک کرنے میں حق بجانب ہیں لیکن میں آپ کے سامنے اندلس کے علماء کے نمائندے کی حیثیت میں یہ عہد کرتا ہوں کہ اگر ملوک الطوائف کی طرف سے کوئی بدعہدی ہوئی تو ہم تمام ان کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیں گے۔ اب حالات وہ نہیں جو آج سے چند برس پہلے تھے۔ اب اندلس کے ہر آدمی کو معلوم ہو چکا ہے کہ اُسے کیا خطرہ پیش آنے والا ہے۔ اب اندلس کے حکمرانوں نے منافقت سے کام لیا تو مجھے یقین ہے کہ اندلس کا ہر بچہ اور بوڑھا انھیں اسلام کا باغی قرار دے کر آپ کے جھنڈے تلے جمع ہو جائے گا ___!"

قاضی ابوجعفر کی تقریر کے بعد حاضرینِ مجلس کی نگاہیں امیر یوسف کی طرف مبذول ہو گئیں۔ افریقہ کے مُفتیِ اعظم نے کہا۔ "یا امیر! ہم اپنی رائے دے چکے ہیں اور اب آپ کا فیصلہ سننا چاہتے ہیں!"

امیر یوسف نے کہا۔ "میں نے آج تک آپ حضرات کی رائے پوچھے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کیا لیکن ایک فیصلہ ایسا بھی تھا جس کے لیے میں اپنے ضمیر کی آواز کافی سمجھتا تھا۔ چند برس قبل ایک نوجوان میرے پاس اندلس کے مسلمانوں کی فریاد لے کر آیا تھا، اس وقت ہم افریقہ میں ایسے حالات کا سامنا کر رہے تھے کہ اگر میں آپ سے یہ کہتا کہ اندلس میں ہمارے بھائی ہماری اعانت کے مستحق ہیں تو آپ میں سے اکثر میری دماغی حالت پر شک کرتے ___ لیکن میں اپنے دل میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ میں ایک خاموش تماشائی کی حیثیت میں اندلس کی بربادی نہیں دیکھوں گا۔ میں نے اپنے خُدا سے یہ عہد کیا تھا کہ افریقہ میں ایک مضبوط اور مستحکم سلطنت کے قیام کے بعد میرے ترکش کے تمام تیر ان لوگوں کے خلاف استعمال ہوں گے جو اندلس سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹانے کا عہد کر چکے ہیں۔ پچھلے دنوں جب اندلس کے علما اور حکمرانوں کے نمائندے میرے پاس آئے تو میں نے محسوس کیا کہ قدرت اب مجھے اندلس میں بُلا رہی ہے

لیکن جب معتمد کے نمائندے نے جزیرۃ الخضراء کے متعلق ہمارا فیصلہ ٹھکرا دیا تو میں یہ سمجھا کہ قدرت شاید مجھے متنبہ کر رہی ہے کہ میں ملوک الطوائف کے تعاون پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنی قوت پر بھروسہ کروں اور اگر مجھے تنہا الفانسو کے ساتھ جنگ لڑنی پڑے تو اس کے لیے بھی تیار ہو جاؤں۔ آپ کو یہاں جمع ہونے کی دعوت دینے کے بعد میں خُدا سے یہ دُعا مانگا کرتا تھا کہ وہ آپ کو صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق دے۔ خدا کا شکر ہے کہ میری دُعا قبول ہوئی اور آپ اندلس کے حکمرانوں کی اعانت پر بھروسہ کرنے کے بغیر بھی الفانسو کے خلاف جنگ کی آگ میں کودنے کے لیے تیار ہیں۔ اب صرف یہ سوال باقی ہے کہ ہمیں جزیرۃ الخضراء میں لنگر انداز ہونے کے لیے معتمد کی اجازت کا انتظار کرنا چاہیے یا اس کی اجازت کے بغیر بھی پیش قدمی کر دینی چاہیے!"

مُفتیِ اعظم نے کہا۔ "آپ جہاد کی نیت سے جا رہے ہیں اگر معتمد کے دل میں بھی جہاد کا ارادہ ہے تو جزیرۃ الخضراء پر قبضہ کرنے کے لیے آپ کو اس کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ اگر معتمد کا ارادہ کچھ اور ہے تو بھی آپ کو اس بات کا حق ہے۔ آپ ملوک الطوائف کے نمائندوں کے ساتھ وعدہ کر چکے ہیں کہ آپ اندلس کے کسی حصے پر قابض ہونے کی مُطلقاً کوئی خواہش نہیں رکھتے ___ اور اس وعدے کے بعد بھی وہ آپ کی نیت پر شک کرتا ہے تو آپ کو اس کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔"

(۴)

معتمد کا چھوٹا بیٹا راضی جزیرۃ الخضراء کا حاکم تھا۔ ایک دن اس کے دربار میں شعر و نغمہ کی محفل گرم تھی کہ محل کا داروغہ بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا اور اس کے چہرے پر گھبراہٹ اور بدحواسی کے آثار دیکھ کر مُغنی اچانک خاموش ہو گئے۔

"عالیجاہ!" اس نے کہا۔ "مراکش سے ایک ایلچی آیا ہے اور وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے پر مُصر ہے۔"

راضی کی حالت اس بچے سے مختلف نہ تھی، جسے گہری اور میٹھی نیند سے جھنجوڑ کر جگا دیا گیا ہو۔ اس نے برہم ہو کر داروغہ کی طرف دیکھا اور کہا "تم بہت گستاخ ہو گئے ہو۔ مراکش کے ایلچی سے ملاقات کا یہ کون سا وقت ہے۔" پھر وہ سازندوں اور مغنیوں کی طرف متوجہ ہو کر چلایا "تمہیں سانپ کیوں سونگھ گیا ہے؟"

طاؤس و رباب کی تانیں پھر بلند ہونے لگیں لیکن داروغہ ذرا جرأت سے کام لیتے ہوئے آگے بڑھا اور مسند کے قریب پہنچ کر بولا "عالی جاہ! وہ کوئی بہت اہم خبر لے کر آیا ہے اور اسی وقت آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔"

راضی نے گرج کر کہا "میں تمہاری زبان نوچ ڈالوں گا۔ جاؤ اس سے کہو کہ ہم اس ہفتے کسی کے ساتھ ملاقات نہیں کر سکتے۔"

داروغہ نے کہا "عالیجاہ! اُسے دیکھنے کے بعد آپ میری گستاخی قابلِ معافی سمجھیں گے۔ دروازے پر پہریداروں نے اُسے روکا تھا لیکن وہ زبردستی اندر گھس آیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میرے پاس انتظار کے لیے وقت نہیں۔ میں نے اُسے ملاقات کے کمرے میں بٹھانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ ان لوگوں سے مختلف ہے جو کسی کی بات سنتے ہیں۔ وہ صرف حکم دینا جانتا ہے۔ میں نے بڑی مشکل سے اُسے اندر گھس آنے سے منع کیا ہے۔"

"کہاں ہے وہ؟"

"باہر ملاقات کے کمرے کے دروازے پر کھڑا ہے۔"

راضی نے پریشان ہو کر کہا "معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دن گنے جا چکے ہیں۔ ایک ایلچی آتا ہے اور بلاتکلف میرے محل میں گھس آتا ہے۔ محل کے پہریدار اس کا راستہ نہیں روک سکتے اور محل کا داروغہ بھاگا ہوا میرے پاس آتا ہے کہ میں اُٹھ کر اُسے خوش آمدید کہوں؟"

"عالی جاہ! میں عرض کر چکا ہوں کہ پہریداروں نے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی لیکن......"

"لیکن کیا؟"

"عالیجاہ! آپ کے حکم کے بغیر ہم ایک ایلچی پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔ شاید آپ بھی یہ گوارا نہ کرتے کہ ہمارا کوئی آدمی مفت میں مارا جاتے۔ وہ لڑنے کے لیے بھی تیار ہو گیا تھا۔"

"اور تم چاہتے ہو کہ میں ایسے آدمی سے ملاقات کروں؟"

"عالیجاہ! اگر حکم ہو تو ہم اُسے گرفتار کر لیں لیکن وہ مراکش سے آیا ہے۔ اگر اُسے مرابطین کے امیر نے بھیجا ہے تو ہم اس کی گستاخی کا جواب نہیں دے سکتے۔"

"اگر وہ مرابطین کے امیر کی طرف سے آیا ہے تو اُسے اشبیلیہ میں سلطان معتمد کے پاس جانا چاہیے۔ میرے ساتھ اُسے کیا کام ہو سکتا ہے؟"

داروغہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ کمرے سے باہر اُسے پہریداروں کی لے دے سنائی دی۔ ایک آدمی بلند اور رُعب دار آواز میں کہہ رہا تھا "میرا وقت تمہارے گورنر سے زیادہ قیمتی ہے!"

داروغہ کے اشارے سے گورنر کے چند محافظ نیزے تان کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ایک زرہ پوش دروازے کے سامنے نمودار ہوا۔ چند مسلح پہریداروں نے اس کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا۔ جونہی اس نے اندر پاؤں رکھا گورنر کے محافظوں نے نیزے آگے کر دیے۔ زرہ پوش ایک ثانیے کے لیے خاموش کھڑا رہا۔ اہلِ محفل ایک سکتے کے عالم میں اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ بولا...... "اگر تم نیزوں اور تلواروں کے استعمال سے واقف ہوتے تو آج اندلس کی یہ حالت نہ ہوتی...... شہزادے اپنے پہرے داروں، مغنیوں اور خواجہ سراؤں کو تسلی دو کہ میں کسی بُرے ارادے سے نہیں آیا!"

پہرے دار مڑ کر راضی کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا "تمہیں میرے سپاہیوں کے تحمل سے غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اگر تم ایک ایلچی نہ ہوتے تو اس وقت میں تمہارے ساتھ ہمکلام ہونے کی بجائے تمہاری لاش دیکھتا۔"

ایک ایلچی کی حیثیت میں بھی تم اپنے آپ کو بدترین سزا کا مستحق ثابت کر چکے ہو۔ تم نے ایک ڈاکو کی طرح ہمارے محل میں داخل ہونے کی جرأت کی ہے!"

سپاہیوں کے نیزے اب اس نوجوان کی زرہ کو چھو رہے تھے لیکن اس کے چہرے پر خوف و ہراس کا شائبہ تک نہ تھا۔ اس نے کہا: "میں جانتا ہوں کہ الفانسو کے ایلچی اس سے کہیں زیادہ بے تکلفی کے ساتھ آپ کے ایوانوں میں گھس آیا کرتے ہیں!"

راضی نے کہا: "تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں آپ کو صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ امیر یوسف بن تاشفین کی فوج ایک ہفتے کے اندر یہاں پہنچ جائے گی۔ اگر آپ جزیرۃ الخضرا میں اندلس کے نجات دہندہ کا استقبال کرنے کے خلاف ہوں تو بہتر ہو گا کہ آپ یہ شہر خالی کر دیں!"

کچھ دیر حاضرینِ مجلس اور شہزادہ راضی پھٹی پھٹی نگاہوں سے نوادر کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر راضی کا ایک مصاحب بولا: "امیر المرابطین کو جبل الطارق پر لنگر انداز ہونے کی دعوت دی گئی تھی۔ میں حیران ہوں کہ انھیں جزیرۃ الخضرا کیوں پسند ہے؟"

نوادر نے جواب دیا: "میں آپ کے بے معنی سوالات کا جواب دینے کے لیے نہیں آیا۔ میں آپ کو صرف ایک فیصلے سے آگاہ کرنے آیا ہوں۔ میں آپ کی پریشانی کی وجہ سمجھ سکتا ہوں لیکن گانے بجانے کے مشاغل آپ اندلس کے ہر شہر میں جاری رکھ سکتے ہیں۔"

راضی نے کہا: "اگر امیر یوسف ایک دوست کی حیثیت سے آ رہے ہیں تو ہم جبل الطارق پر ان کا استقبال کریں گے لیکن اگر وہ جزیرۃ الخضرا پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس شہر کی ایک ایک اینٹ کے لیے لڑیں گے!"

نوادر نے مسکرا کر کہا: "شہزادے! شطرنج کھیلنے اور جنگ کرنے میں بہت فرق ہے۔ امیر یوسف کے متعلق تمہیں غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ جو بادشاہ الفانسو کے ساتھ جنگ کرنے کی نیت سے آ رہا ہے وہ [illegible]

تلوار دیکھ کر پریشان نہ ہو گا۔ جزیرۃ الخضرا پر قبضہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ پہلے ہی ہمارے قبضے میں آ چکا ہے۔"

"آپ کا مطلب؟" راضی نے بدحواس ہو کر سوال کیا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تک بندرگاہ پر ہمارا قبضہ ہو چکا ہو گا اور غروبِ آفتاب سے قبل شہر بھی ہمارے قبضے میں ہو گا۔ میں چند آدمیوں کے ساتھ امیر یوسف کا راستہ صاف کرنے آیا ہوں۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ یہاں کسی مسلمان کے جسم پر خراش تک نہ آئے۔ یہی وجہ تھی کہ میں اپنے آدمیوں کو بندرگاہ سے تھوڑی دُور چھوڑ کر تنہا آپ کے پاس چلا آیا ہوں تاکہ آپ کے سپاہی کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھیں جس کے نتائج آپ کے لیے خطرناک ہوں۔ اب آپ تھوڑی دیر کے لیے باہر تشریف لائیں اور اپنے سپاہیوں کو پُرامن رہنے کی تلقین کریں۔ آپ کی بھلائی اسی میں ہے۔"

داروغہ کے اشارے سے گورنر کے محافظ اور پہریدار اپنے نیزے اور تلواریں نیچی کر چکے تھے۔ راضی انتہائی غم و غصے کی حالت میں نوادر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک محل کے ایک گوشے سے آدمیوں کی چیخ پکار سُنائی دی۔ شہر کا ناظم پہریداروں کو اِدھر اُدھر ہٹاتا ہوا اندر داخل ہوا اور اس نے ہانپتے ہوئے کہا: "عالی جاہ! غضب ہو گیا۔ چند مراکشی بندرگاہ پر قابض ہو گئے ہیں اور اہلِ شہر جوق در جوق ان کے استقبال کے لیے جا رہے ہیں!"

راضی نے کہا: "اگر یہ لوگ آسمان سے نازل نہیں ہوئے تو میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ بندرگاہ کے مُحافظ کیا کر رہے تھے؟"

ناظم نے جواب دیا: "معلوم ہوتا ہے کہ وہ رات کے پچھلے پہر یہاں سے چند میل دُور کسی غیرآباد جگہ پر اترے ہیں۔"

راضی نے ایلچی کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "یہ ہمارے خلاف ایک جارحانہ اقدام ہے!"

ایلچی نے قدم آگے بڑھا کر جواب دیا: "جب کسی کے بُرے دن آتے ہیں تو اُسے دوست

اور دشمن کی تمیز نہیں رہتی۔ امیر یوسف اُندلس کے ہر مسلمان کے لیے سلامتی کا پیغام لے کر آرہا ہے۔ اس کا مقصد الفانسو کے خلاف جہاد کرنا ہے۔ اگر آپ لوگ اسلام کے دشمنوں کی صف میں شامل نہیں ہو چکے تو آپ کے خدشات بے جا ہیں۔ آپ کی تسلی کے لیے ان کا یہ وعدہ کافی ہے کہ وہ اسلام کے دشمنوں کو شکست دینے کے بعد اندلس سے اپنی افواج نکال لیں گے۔ آپ کو صرف یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ آپ اسلام کے دشمن نہیں۔"

فوج اور پولیس کے چند افسر کمرے میں جمع ہو چکے تھے۔ راضی نے ان کی حوصلہ شکن نگاہوں سے متاثر ہو کر کہا۔ "امیر یوسف کب تک یہاں پہنچیں گے؟"

ایلچی نے جواب دیا۔ "بعض مصلحتوں کی بنا پر میں ان کی آمد کا صحیح وقت نہیں بتا سکتا۔ تاہم آپ کے پاس اتنا وقت ہے کہ آپ اشبیلیہ سے ہدایات طلب کر سکیں۔ میرے پاس لمبی چوڑی باتوں کے لیے وقت نہیں۔ مجھے کل تک یہاں سے کئی کوس دُور پہنچنا ہے۔ آپ کو میرا آخری مشورہ یہ ہے کہ شہر کے نظم و نسق کے معاملے میں ہمارے سپاہیوں کے ساتھ تعاون کریں۔"

ایک فوجی افسر نے کہا۔ "ہماری طرف سے تعاون نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم عملی طور پر ان کی قید میں ہیں۔"

"آپ سمجھدار آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" ایلچی یہ کہہ کر مُسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

حاضرینِ مجلس تھوڑی دیر کے لیے کرب و اضطراب کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر راضی نے ناظمِ شہر کی طرف متوجہ ہو کر سوال کیا۔ "اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"اب ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔" ناظم یہ کہہ کر باہر نکلا اور تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا ایلچی کے پیچھے چل دیا۔ محل کے بیرونی دروازے کے قریب وہ ایلچی سے جا ملا اور بولا۔ "آپ کا نام سعد ہے؟"

ایلچی جواب دینے کی بجائے اس کی طرف دیکھ کر مُسکرا دیا۔

ناظم نے پھر کہا۔ "آپ وہی ہیں۔ میں نے معتمد کے دربار میں آپ کی تقریر سنی تھی۔ میں

نے آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔"

"آپ کا حافظہ بہت اچھا ہے۔"

"نہیں یہ میرے حافظے کی خوبی نہیں۔ آپ اس دن میرے دل پر چند انمٹ نقوش چھوڑ گئے تھے۔ آپ کی جرأت اور ہمت دیکھ کر میں نے یہ سمجھا تھا کہ آپ اُندلس کے نجات دہندہ بن کر آئے ہیں۔ پھر آپ اچانک غائب ہو گئے تو میں اکثر اپنے دل میں یہ کہا کرتا تھا کہ آپ بھی شاید ان ٹوٹتے ہوئے تاروں سے مختلف نہیں جو اندھیری راتوں میں اچانک نمودار ہوتے ہیں اور نور کی کرنیں بکھیرتے ہوئے روپوش ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ اُندلس کے لیے سلامتی کا پیغام لے کر آئے ہیں تو میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔" یہ کہہ کر ناظم نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

سعد نے اس کے ساتھ گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں چند دنوں کے لیے یہاں سے غیر حاضر رہوں گا اور اس عرصے میں مَیں یہ چاہتا ہوں کہ کوئی افسوس ناک صورتِ حالات پیدا نہ ہو۔"

"آپ مطمئن رہیں۔ ہم آپ کے ساتھیوں کو اپنی آنکھوں پر بٹھائیں گے۔ میں پُوچھ سکتا ہوں کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"میں غرناطہ جا رہا ہوں۔"

سعد ناظم کے ساتھ باتیں کرتا ہوا باہر نکلا تو سامنے سڑک پر مراکش کے سواروں کے پیچھے پیچھے شہر کے عوام کا ایک جلوس آرہا تھا۔ لوگ مسرّت کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ محل کے پہریداروں نے دروازہ بند کر دیا۔ ایک نوجوان بھاگتا ہوا ہجُوم سے نکلا اور سیڑھیوں پر چڑھ کر چلّایا۔ "اسلام کے دُشمنو! مراکش کے مُجاہدوں کے لیے محل کا دروازہ کھول دو۔ تمہارا یومِ حساب آچکا ہے۔"

مراکش کے سوار سعد کو دیکھ کر رُک گئے۔ لیکن شہر کے عوام کا ہجوم دروازے پر ٹوٹ پڑا

سعد ہجوم کو چیرتا ہوا تیزی کے ساتھ سیڑھیوں پر چڑھا اور ہاتھ بلند کرتے ہوئے بولا۔

"مراکش کے سپاہیوں کی منزلِ مقصود یہ محل نہیں۔ یہ لوگ الفانسو کے قلعوں کے دروازے توڑنے کے لیے آئے ہیں۔ تم اطمینان رکھو، آج کے بعد ہم قوم کے مجرموں کو معاف نہیں کریں گے لیکن یہ وقت ہنگامہ آرائی کا نہیں۔ امیر یوسف بن تاشفین یہ گوارا نہیں کریں گے کہ ان کے سپاہیوں کی موجودگی میں شہر کے اندر کوئی بدنظمی ہو ــــ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں اور اپنے سپاہیوں کو بھی حکم دیتا ہوں کہ وہ بھی اپنے پڑاؤ کو واپس چلے جائیں!"

امیر یوسف کا نام سن کر لوگوں کا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا اور وہ اِدھر اُدھر کھسکنے لگے۔ سعد بن عبدالمنعم سیڑھیوں سے نیچے اترا۔ ایک سپاہی اس کے اشارے سے کود پڑا۔ سعد نے گھوڑے پر سوار ہو کر دستے کے سالار کو چند ہدایات دیں اور پھر گھوڑے کو ایک طرف موڑ کر ایڑ لگا دی۔ شہر سے باہر نکل کر وہ غرناطہ کا رخ کر رہا تھا اور اس سے تھوڑی دیر بعد ایک کبوتر سر معتمد کے نام جزیرۃ الخضراء کے گورنر شہزادہ راضی کا پیغام لے کر اشبیلیہ کی طرف پرواز کر رہا تھا ــــ شام سے پہلے پہلے راضی کو معتمد کی طرف سے یہ پیغام آ چکا تھا کہ تم کوئی مزاحمت نہ کرو اور الخضراء چھوڑ کر زندہ چلے آؤ۔

صُبحِ اُمّید

میمونہ صبح کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہی تھی۔ "میرے مولا! وہ صبح کب آئے گی۔ میری رات بہت طویل ہو چکی ہے۔ اب مجھ سے انتظار نہیں ہو سکتا۔ وہ کہاں ہیں۔ وہ کب آئیں گے؟" یہ الفاظ وہ اپنی ہر دعا میں دہرایا کرتی تھی اور ہر دعا کے ساتھ اس کا تصور افریقہ کے پہاڑوں، صحراؤں اور جنگلوں میں پرواز کیا کرتا تھا۔ کبھی وہ یہ دیکھتی کہ سعد کسی لق و دق صحرا میں ایک برق رفتار گھوڑے پر سوار افریقہ کے مجاہدوں کی راہنمائی کر رہا ہے۔ اسے گھوڑوں کی ٹاپ، تیروں کی سنسناہٹ اور تلواروں کی جھنکار سنائی دیتی۔ وہ کراہتے اور سسکتے ہوئے زخمیوں کو دیکھتی۔ سعد دشمن کا تعاقب کرنے کے بعد گرد کے بادلوں سے نمودار ہوتا اور اس کا دل مسرت سے اچھلنے لگتا پھر کبھی وہ یہ تصور کرتی کہ وہ زخمی ہو کر ایک خیمے میں پڑا ہوا ہے اور اجنبی اس کی تیمارداری کر رہے ہیں تو اس کا کلیجہ منہ کو آنے لگتا۔

اور آج وہ دعا کے اختتام پر کہہ رہی تھی۔ "میرے مولا! میں جانتی ہوں کہ ان کی زندگی کا راستہ کٹھن ہے لیکن مجھے اس گھر کے آرام اور سکون کی بجائے ان کی راہ کے کانٹے زیادہ عزیز ہیں۔ میں غرناطہ کے پُربہار مناظر پر افریقہ کی بھیانک وسعتوں کو ترجیح دیتی ہوں۔ میں اس کا دامن تھام کر آندھیوں اور طوفانوں کے ساتھ لڑ سکتی ہوں۔ ہماری منزل ایک ہے۔ کاش ہمارا راستہ بھی ایک ہوتا!"

وہ دعا ختم کر کے اٹھنے کو تھی کہ کسی نے پیچھے سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس پر گلاب کا ایک پھول رکھ دیا اور کہا۔ "تمہاری دعا قبول ہو چکی ہے!"

میمونہ نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ طاہرہ کے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی

میمونہ نے کہا۔ "تم ہمیشہ یہی کہا کرتی ہو۔ دعائیں اتنی جلدی قبول نہیں ہوتیں!"

"آج میں سچ بول رہی ہوں۔ میمونہ! تمہاری صبح کا آفتاب نمودار ہو چکا ہے۔"

"بھائی احمد نے تمہیں بھی شاعر بنا دیا ہے!"

طاہرہ نے کہا۔ "میمونہ! سچ کہو تمہیں آج غرناطہ کی فضا میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی؟ باہر نکل کر دیکھو، آج تمہاری کائنات کا ہر ذرہ نغموں اور مسکراہٹوں سے لبریز ہونا چاہیے ـــــ وہ آگئے ہیں!"

اور میمونہ ایک سکتے کے عالم میں اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کی پتھرائی ہوئی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے اور اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "طاہرہ! طاہرہ!! خدا کے لئے میرے ساتھ مذاق نہ کرو!"

"میں سچ کہتی ہوں میمونہ!"

میمونہ اُٹھ کر بے اختیار طاہرہ کے ساتھ لپٹ گئی۔

ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھلا اور شیخ ابوصالح کی بیوی نے اندر جھانکتے ہوئے پوچھا "کیا ہے طاہرہ؟"

میمونہ پریشان سی ہو کر ایک طرف ہٹ گئی اور طاہرہ بولی۔ "خالہ جان! میں ایک خوشخبری لائی ہوں۔ بھائی سعد آگئے ہیں۔"

"کب؟" اُس نے آگے بڑھ کر سوال کیا۔

"ابھی نماز سے تھوڑی دیر پہلے۔"

خالہ کوئی اور سوال پوچھے بغیر اپنے کمرے میں چلی گئی اور تھوڑی دیر میں واپس آکر اپنا نقاب درست کرتے ہوئے بولی۔ "میں اُسے دیکھ آؤں!"

طاہرہ نے کہا۔ "خالہ جان، وہ آتے ہی پہلے اپنے ابا جان کو ساتھ لے کر قاضی ابوجعفر

کے پاس چلے گئے ہیں۔"

بوڑھی خالہ ابوجعفر کا نام سنتے ہی آگ بگولا ہو گئی۔ وہ اُسے بُرا بھلا کہہ رہی تھی اور میمونہ اور طاہرہ بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کر رہی تھیں۔ جب اُس کا جوش و خروش ذرا ٹھنڈا ہوا تو طاہرہ نے آگے بڑھ کر اُس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "خالہ جان آیئے! بہن میمونہ! آپ یہیں ٹھہریں!"

دوسرے کمرے میں جا کر طاہرہ نے کہا۔ "خالہ! بھائی سعد صرف چار دن کے لئے آئے ہیں"

خالہ نے جھنجلا کر کہا۔ "ابوجعفر سے خدا سمجھے۔ یہ میرے بچے کو ساری عمر چین نہیں لینے دے گا۔"

طاہرہ نے کہا۔ "خالہ! ابوجعفر سے آپ خواہ مخواہ ناراض ہو رہی ہیں۔ میری بات سنئے۔ بھائی سعد اب افریقہ واپس نہیں جائیں گے۔ چند دنوں تک امیر یوسف کی فوج جزیرۃ الخضراء پہنچ جائے گی۔ اس کے بعد الفانسو کے ساتھ جنگ ہو گی۔ جنگ کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کب ختم ہو گی۔ اس لئے امی جان یہ کہتی ہیں کہ اُن کی شادی کر دی جائے۔ انہوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ آپ ادریس سے کہیں۔"

خالہ نے کہا۔ "ادریس کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ جب سعد پہلی بار آیا تھا تو میں نے اس وقت بھی زور دیا تھا لیکن وہ یہ عہد کر چکا ہے کہ جب تک اُسے اپنی مہم میں کامیابی نہیں ہوتی وہ شادی نہیں کرے گا۔"

"خالہ جان اب اُن کا عہد پورا ہو چکا ہے۔ اب انہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

تھوڑی دیر بعد جب شیخ ابوصالح اور ادریس مسجد میں نماز پڑھ کر واپس آئے تو ابوصالح کی بیوی نے طاہرہ سے کہا۔ "بیٹی! تم میمونہ کے پاس بیٹھو۔ میں ان کے ساتھ ابھی بات کرتی ہوں۔"

طاہرہ میمونہ کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ دروازے کے ساتھ کھڑی تھی۔ طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔ "مبارک ہو بہن! اب اپنے دولہا کے استقبال کی تیاری کرو!"

میمونہ نے جلدی سے ایک ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کا بازو پکڑ کر کھینچتی ہوئی کمرے کے دوسرے کونے میں لے گئی اور بولی۔ "طاہرہ! خدا کے لئے آہستہ بولو!"

(۲)

سعد اپنے والد کے ساتھ قاضی ابوجعفر سے ملاقات کر کے واپس گھر آیا تو شیخ ابوصالح اور اس کی بیوی اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ ابوصالح کی بیوی نے سعد کو دیکھتے ہی سوال کیا۔ "سعد تم کتنے دنوں کے لئے یہاں آئے ہو؟"

سعد نے جواب دیا۔ "خالہ جان میں پرسوں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔"

"اب کہاں کا ارادہ ہے؟"

"خالہ جان! میں جزیرۃ الخضراء واپس جا رہا ہوں۔ مرابطین کی فوج وہاں اُترے گی اور مجھے اُن کے لئے بہت سے انتظامات کی دیکھ بھال کرنا ہے۔"

خالہ عبدالمنعم کی طرف متوجہ ہوئی۔ "دیکھو بھائی! میں سعد کی شادی کا فیصلہ کر چکی ہوں اور اب میں کسی کی نہیں سنوں گی۔ آج ہی ان کا نکاح ہو جانا چاہیئے۔ جب تک سعد جزیرۃ الخضراء میں ہے میمونہ اس کے پاس رہے گی۔ اس کے بعد جنگ کے ایام میں ہم اسے یہاں لے آئیں گے۔"

عبدالمنعم نے جواب دیا۔ "بہن میں پہلے ہی یہ فیصلہ کر چکا ہوں لیکن ادریس کی رائے معلوم کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ گھر پر ہے تو میں ابھی اس کے پاس جاتا ہوں۔"

"ادریس کو میں نے ضروری سامان خریدنے کے لئے بازار بھیج دیا ہے۔"

شیخ ابوصالح نے اپنے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ "سعد بیٹا! تمہاری خالہ یہ فرض کر چکی ہے کہ تم آج ہی شادی کے لئے تیار ہو لیکن میں سب سے پہلے تمہارا ارادہ معلوم کرنا ضروری سمجھتا ہوں!"

خالہ نے کہا۔ "کیوں سعد تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

سعد نے جواب دینے کی بجائے آنکھیں نیچی کر لیں۔ مکان سے باہر چند آدمی شور مچا رہے

تھے۔ الماس نے صحن کے دروازے کے قریب آکر کہا۔ "سعد! ذرا باہر آؤ شہر کے لوگ تمہیں دیکھنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔"

سعد باہر نکلنے کے ارادے سے اٹھا لیکن خالہ نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ "ٹھہرو! پہلے میرے سوال کا جواب دو!"

سعد مسرت کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا۔ چند ثانیے وہ جواب کے لئے موزوں الفاظ تلاش نہ کر سکا۔ اُس کے چہرے پر حیا کی سُرخی یہ کہہ رہی تھی۔ کیا میں نے اب تک اس سوال کا جواب نہیں دیا!

خالہ نے قدرے پریشان ہو کر پھر کہا۔ "بولتے کیوں نہیں؟"

سعد نے حیا میں ڈوبی ہوئی خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ دیا۔ "خالہ آپ امّی جان سے پوچھ لیجئے۔"

خالہ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "نالائق کہیں کے یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم یہاں آئے ہی اسے ارادے سے ہو!"

سعد مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔ مکان سے باہر لوگوں نے اُسے دیکھتے ہی خوشی کے نعرے بلند کئے تو خالہ پھر پریشان کرنے لگی۔ اس نے عبدالمنعم سے کہا۔ "دیکھو بھائی! یہ لوگ سعد کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ تم اُس کا خیال رکھو! میں یہ چاہتی ہوں کہ آج ہی اس کا نکاح کر دیا جائے۔"

عبدالمنعم نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بہن آپ فکر نہ کریں۔"

شیخ ابوصالح نے کہا۔ "سکینہ! اگر تمہاری بہن کا بس چلے تو شہر کی کوئی لڑکی اور لڑکا کنوارا نہ رہے۔"

خالہ برہم ہو کر بولی۔ "کیوں جی آپ کے خیال میں ابھی سعد کا لڑکپن ختم نہیں ہوا؟"

اُسی شام شیخ ابوصالح کے مکان میں شہر کے معززین اور سعد کے دوست اور احباب جمع تھے۔ سعد اور میمونہ کے نکاح کی رسم قاضی ابوجعفر نے ادا کی۔

عبدالمنعم اور سکینہ کے لئے یہ انتہائی مسرت کا دن تھا۔ تاہم وہ اس موقع پر احمد اور حسن کی

غیر حاضری بُری طرح محسوس کر رہے تھے۔ رات کے وقت میمونہ اپنے شوہر کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسرّت کی مسکراہٹیں اور تشکّر کے آنسو تھے۔ وقت کی مضراب نے سازِ حیات کے خاموش تاروں کو چھیڑ دیا تھا اور وہ نغموں کے سیلاب میں بہے جا رہے تھے۔ اُٹھ اُٹھ کر جھکنے اور جھک جھک کر اُٹھنے والی نگاہیں بالآخر ایک دوسرے کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ وہ مسکرائے اور کائنات قہقہوں سے لبریز ہوگئی۔ زندگی کے سمندر سے سرور کی ایک موج اُٹھی اور ماضی، حال اور مستقبل کی سرحدوں کو مٹاتی ہوئی ابدیت کی اُن گہرائیوں سے جا ملی جہاں سے ستاروں کو روشنی، دریاؤں کو روانی، پھولوں کو مہک اور آبشاروں کو ترنّم عطا ہوتا ہے۔

سعد نے کہا۔ ”میمونہ! میں نے جس صبح کا وعدہ کیا تھا وہ بہت قریب ہے!“

وہ بولی۔ ”میری دنیا کا آفتاب میرے سامنے ہے۔ اب مجھے کسی اور صبح کا انتظار نہیں۔“

”میں اس آفتاب کا ذکر کر رہا ہوں جس کی ضیا پاشیوں سے اندلس کا ہر گوشہ منور ہونے والا ہے۔ غرناطہ سے کئی آدمی امیر یوسف کے خیر مقدم کے لئے جزیرۃ الخضرا جا رہے ہیں۔“

میمونہ نے کہا۔ ”طاہرہ کہہ رہی تھی کہ آپ مجھے بھی چند دنوں کے لئے اپنے ساتھ لے جائیں گے“

سعد نے کہا۔ ”میمونہ میں یہی مقصد لے کر آیا تھا۔ میں یہی چاہتا تھا کہ جب افق پر امیر مرابطین کا سفینہ نمودار ہو تو ہم دونوں سمندر کے کنارے کھڑے ہوں اور میں تم سے یہ کہوں کہ اب اندلس میں آلام و مصائب کی رات ختم ہو چکی ہے۔ آج سے یہ ہمارا وطن ہے، اس کی رنگینیاں، رعنائیاں، اور دلفریبیاں سب ہمارے لئے ہیں۔“

تیسرے دن علی الصباح الیاس، عبدالمنعم کے مکان کے سامنے چار گھوڑوں والی ایک بگھی لئے کھڑا تھا۔ سعد کی ماں اور خالہ کی دعائیں لینے کے بعد میمونہ اپنی خادمہ کے ساتھ بگھی میں سوار ہوگئی۔ اور سعد ابو صالح اور ادریس کے ساتھ مصافحہ کرنے کے بعد اپنے باپ کی طرف متوجہ ہوا۔ ”ابا جان اگر آپ اگلے جمعہ تک ایک دن کے لئے جزیرۃ الخضرا آسکتے تو بہتر ہوتا!“

عبدالمنعم نے جواب دیا۔ ”نہیں مجھے فرصت نہیں ملے گی۔ امیر یوسف کو میرا سلام کہنا اور انہیں یہ پیغام دینا کہ غرناطہ کے رضاکار اُن کے حکم کے منتظر ہیں۔ اب تم دیر نہ کرو۔ خدا حافظ!“

عبدالمنعم کے اشارے سے الیاس نے گھوڑوں کو چابک رسید کیا اور سعد گھوڑے پر سوار ہو کر بگھی کے پیچھے ہو لیا۔

بوڑھی خالہ نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے سکینہ کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”سکینہ! اب میرا جی نہیں لگے گا!“

(۳)

سبتہ سے روانگی سے ایک دن قبل امیر یوسف کا بڑا لڑکا اچانک بیمار ہوگیا۔ اگلے دن اس کی حالت تشویش ناک ہوگئی۔ دوپہر کے وقت وہ بخار سے بے ہوش تھا اور امیر یوسف پریشانی کی حالت میں اس کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا۔ طبیب اسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔

سیر بن ابوبکر امیر یوسف کی قیام گاہ میں داخل ہوا اور اس نے مغموم لہجے میں کہا۔ ”اگر آپ حکم دیں تو آج پیش قدمی کا ارادہ ملتوی کر دیا جائے — مغرب سے طوفان کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں اور مریض کی حالت بھی ایسی نہیں کہ آپ اسے چھوڑ کر جا سکیں۔“

امیر یوسف نے اطمینان سے جواب دیا۔ ”نہیں۔ تم تیاری کرو۔ میں ابھی بندرگاہ پر پہنچتا ہوں!“

سیر بن ابوبکر کچھ اور کہے بغیر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد مریض نے ہوش میں آکر آنکھیں کھولیں اور اپنے باپ کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”ابا جان! آپ ابھی تک گئے کیوں نہیں۔ میرے لئے اپنا ارادہ تبدیل نہ کیجئے۔ میں تندرست ہوتے ہی جہاد میں شریک ہونے کے لئے اندلس پہنچ جاؤں گا۔“

باپ نے جواب دیا۔ ”میں نے ارادہ تبدیل نہیں کیا بیٹا! اب تمہاری طبیعت کیسی ہے!“

”ابا جان! میں بہت جلد ٹھیک ہو جاؤں گا۔ جہاد میں شریک ہونے کی خواہش مجھے زیادہ دیر تک بستر پر لیٹنے کی اجازت نہیں دے گی۔“

اچانک ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور دروازے کے دونوں کواڑ ایک دھماکے سے کھل گئے۔ امیر یوسف نے باہر جھانک کر دیکھا۔ فضا میں تاریکی چھا رہی تھی۔

ایک فقیہہ نے کہا۔ "یہ طوفان بہت خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ شاید قدرت کو بھی یہی منظور ہے کہ آپ سفر کا ارادہ ملتوی کر دیں!"

امیر یوسف نے جواب دیا۔ "قدرت ہمارا امتحان لے رہی ہے۔"

فضا کی تاریکی اور طوفان کی شدت بڑھتی گئی ایک اور فوجی افسر بھاگتا ہوا داخل ہوا اور اس نے کہا۔ "مجھے امیر البحر سیر بن ابوبکر نے بھیجا ہے۔ طوفان بہت شدید ہے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو جہازوں سے سامانِ رسد اور گھوڑے وغیرہ اتار لئے جائیں؟"

"نہیں۔ ان سے کہو۔ میں خود وہاں پہنچ رہا ہوں۔"

افسر تیزی سے باہر نکل گیا۔ امیر یوسف نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا۔ اس پر دوبارہ بیہوشی طاری ہو رہی تھی۔ امیر یوسف نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! میں جا رہا ہوں!"

بیٹے نے دوبارہ آنکھیں کھولیں اور اپنے باپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "خدا حافظ ابا جان خدا آپ کو فتح دے!"

"خدا حافظ!" امیر یوسف یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

بندرگاہ میں جہاز تنکوں کی طرح سرکش لہروں پر رقص کر رہے تھے۔ ملاح ان کے بادبان گرانے میں معروف تھے۔ امیر یوسف کو دیکھتے ہی چند فوجی افسر، علماء اور شیوخ اس کے گرد جمع ہو گئے۔

ایک فقیہہ نے آگے بڑھ کر کہا۔ "اگر آپ طوفان کی شدت کم ہو جانے تک انتظار کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔"

امیر یوسف نے چند قدم آگے بڑھ کر جواب دیا۔ "اگر قدرت نے ہمیں اندلس کے مسلمانوں کی نجات کے لئے منتخب کیا ہے تو یہ طوفان ہمارا راستہ نہیں روک سکتا۔ پہلے میرا خیال یہ تھا کہ میں تمام فوج کو روانہ کر کے آخری جہاز پر جاؤں لیکن اب میرا جہاز سب سے آگے ہوگا!"

ہوا کے تیز جھونکوں کے ساتھ پانی کے چھینٹے امیر یوسف کے لباس کو تر کر رہے تھے۔ اچانک ساحل

سے تھوڑی دور پانی کی سطح پر ایک دیوار سی نظر آنے لگی۔

سیر بن ابوبکر سمندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چلایا۔ "آپ پیچھے ہٹ جائیں! یہ لہر بہت خوفناک ہے!"

امیر یوسف کے ارد گرد جمع ہونے والے آدمی بھاگ کر ساحل کی چٹانوں کا رخ کرنے لگے، وہ اطمینان سے اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ سیر بن ابوبکر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پیچھے ہٹانے کی کوشش کی لیکن امیر یوسف کو جنبش نہ ہوئی۔ وہ ایک چٹان کی طرح کھڑا مسکرا رہا تھا۔ لہر چھوٹی چھوٹی چٹانوں کو اپنے آغوش میں لیتی ہوئی آگے بڑھی۔ آن کی آن میں امیر یوسف چھاتی کے برابر پانی میں کھڑا تھا۔ اس نے اپنے چچا زاد بھائی کی طرف دیکھا اور کہا۔ "سیر! میں خدائے غفور و رحیم سے دعا کرتا ہوں کہ اگر ہم کسی ایسے ارادے سے نکلے ہیں جو اسے پسند نہیں تو یہ لہریں ہمیں اپنی آغوش میں لے لیں اور اگر ہمارا مقصد نیک ہے۔ تو میں اس طوفان سے مرعوب ہو کر پیچھے ہٹنے کی بجائے اس کی رحمت کا سہارا لے کر آگے بڑھنے کو ترجیح دوں گا۔"

سرکش موجیں مجاہد کی قبا کو بوسے دینے کے بعد سمٹنے لگیں۔ آہستہ آہستہ فضا میں سکون پیدا ہونے لگا۔ سیر بن ابوبکر اپنے امیر کا عزم و ثبات دیکھ کر مسکرایا اور اس نے ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ "مجاہدو! لنگر اٹھاؤ! بادبان کھول دو۔ ہماری منزلِ مقصود جزیرۃ الخضراء ہے!"

ایک عالم دین نے آگے بڑھ کر کہا۔ "یا امیر! آپ کو فتح مبارک ہو یہ لہریں آپ کے استقبال کے لئے اٹھی تھیں!"

(۴)

سعد اور میمونہ رات کے پچھلے پہر سمندر کے کنارے ایک دو منزلہ مکان کی چھت پر کھڑے تھے۔ پاس ہی ساحل کی ایک چٹان پر الاؤ جل رہا تھا۔ دوسری طرف ایک چھوٹے سے قلعے کی فصیل پر پہریدار مشعلیں اٹھائے کھڑے تھے۔ سعد نے مشرقی افق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میمونہ! وہ دیکھو صبح کا ستارہ نمودار ہو رہا ہے!"

میمونہ بولی۔ "آپ کو یقین ہے کہ وہ آج ہی پہنچ جائیں گے؟"

"مجھے یقین ہے۔"

کچھ دیر سمندر کی طرف نگاہیں دوڑانے کے بعد انہوں نے صبح کی نماز ادا کی اور پھر چھت پر کھڑے ہو کر افق کی طرف دیکھنے لگے۔ ستارے، سحر کی بڑھتی ہوئی روشنی میں گم ہو گئے۔ شفق کے نقاب سے سورج کی دمکتی ہوئی پیشانی نمودار ہوئی اور سمندر کی سطح پر نور کی ایک چادر بچھ گئی۔ میمونہ نے نیچے جھانک کر دیکھا ساحل پر سینکڑوں آدمی سمندر کی طرف ٹکٹکی باندھے کھڑے تھے۔

"میمونہ! میمونہ!!" سعد افق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چلایا۔ "وہ آ گئے، اندلس کے نجات دہندہ آ گئے ـــــ ادھر دیکھو میمونہ!"

ہوا کے ایک خوشگوار جھونکے نے میمونہ کے خوبصورت بال اس کی پیشانی پر بکھیر دیئے۔ اس نے جلدی سے اپنے بال درست کرتے ہوئے کہا۔ "کہاں! کہاں؟"

"میمونہ ادھر دیکھو میرے ہاتھ کی سیدھ میں!"

میمونہ کو حدِ نگاہ پر ایک جہاز کے بادبانوں کی ہلکی سی جھلک دکھائی دی۔ سعد وارفتگی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ "میمونہ! مسکراؤ، ہنسو، آج اندلس تمہارا ہے، اپنی بہنوں کو یہ مژدہ سناؤ کہ تمہاری عزت اور عصمت کے رکھوالے آ گئے ہیں۔ اب کوئی کسی کی عزت کا سودا نہیں کرے گا۔ آج اندلس میں انسانیت ایک نیا جنم لے رہی ہے!"

میمونہ ٹکٹکی باندھے سمندر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ "میں ان کے استقبال کے لئے جا رہا ہوں" سعد یہ کہہ کر سیڑھیوں سے نیچے اترا ..... اور پوری رفتار سے لوگوں کے ہجوم کی طرف بھاگنے لگا۔

"وہ آ گئے ـــــ وہ آ گئے!!" وہ ایک چٹان پر چڑھتے ہوئے پوری قوت کے ساتھ چلایا۔

ایک عمر رسیدہ بزرگ آدمی رات سے اس چٹان پر بیٹھا ہوا تھا۔ مرابطین کا سفینہ ابھی تک اس کی کمزور نگاہوں کی رسائی سے دور تھا۔ تاہم سعد کے الفاظ سنتے ہی وہ سجدے میں گر پڑا۔ یہ قاضی ابوجعفر تھا۔ جب وہ اٹھا تو اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا اور سعد اس کے بازو کو سہارا دے کر کہہ رہا تھا۔ "مجھے یقین تھا کہ وہ آج پہنچ جائیں گے۔"

(۵)

دس دن تک جزیرۃ الخضراء مسلمانانِ اندلس کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔ اس عرصے میں مرابطین کی بارہ ہزار فوج کے علاوہ گھوڑے اور سامانِ رسد کے ذخائر پہنچ چکے تھے۔ شہر کے اکابر نے امیر یوسف کو گورنر کے محل میں ٹھہرانے پر اصرار کیا لیکن اس نے ایک کھلے میدان میں اپنے سپاہیوں کے ساتھ ٹھہرنے کو ترجیح دی۔ ملوک الطوائف کے ایلچی علماء اور رضا کار جوق در جوق اس کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے۔ حکمرانوں کے ایلچیوں کو جب تخلیے میں ملاقات کا موقع ملتا تو وہ ایک دوسرے کے خلاف شکایات کا دفتر کھول دیتے تھے۔ امیر یوسف یہ کہہ کر ان کی زبان بند کر دیتا کہ میں حکمرانوں کے جھگڑے نپٹانے کے لئے نہیں آیا اگر تم جنگ کے متعلق کوئی مشورے لے کر آئے ہو تو میں اُسے سننے کے لئے تیار ہوں۔ تمہارے حکمرانوں کی نیک نیتی کے امتحان کا دن دور نہیں۔ عنقریب دشمن کے خلاف جنگ کے میدان میں کھرا اور کھوٹا پرکھا جائے گا۔ یہ لوگ امراء کی طرف سے تحائف پیش کرتے تو امیر یوسف کہتا۔ "تمہیں میری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نذرانے پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر خدا اور رسولؐ کے ساتھ تمہارے امراء کا معاملہ ٹھیک ہے تو وہ مجھے اپنا بہترین دوست پائیں گے اور اگر وہ اسلام کے باغی ہیں تو مجھے روئے زمین کی تمام دولت دے کر بھی خوش نہیں کر سکتے۔"

امیر یوسف کو حق و انصاف کا مشعل بردار سمجھ کر امراء کے ہاتھوں ستائے ہوئے لوگ مختلف شہروں سے جزیرۃ الخضراء کا رُخ کر رہے تھے۔ امیر یوسف پانچوں وقت ایک کھلے میدان میں اپنی فوج کو نماز پڑھاتا تھا۔ شہر کے عوام بھی اس کی امامت میں نماز پڑھنا اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتے تھے۔ نماز کے بعد دور دور سے آنے والے فریادی اس کے گرد جمع ہو جاتے۔ کوئی کہتا۔ "یا امیر! امیر! بھائی! اعلائے کلمۃ الحق کی پاداش میں اتنے عرصہ سے فلاں قید خانے میں پڑا ہوا ہے!" کوئی کہتا۔ "یا امیر! فلاں شہر کے حاکم نے میرے باپ کو قتل کر دیا ہے اور میری جائیداد ضبط کر لی ہے!" امیر یوسف اطمینان سے ہر ایک کی بات سنتا اور اپنے کاتبوں

کو متعلقہ امراء اور حکام کے نام خطوط لکھنے کا حکم دیتا۔ ایک دن وہ نماز پڑھ کر اپنے خیمے کی طرف جارہا تھا کہ راستے میں ایک بڑھیا نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اُس کا دامن پکڑ لیا۔

"یا امیر! میری فریاد سن کر جاؤ!"

جزیرۃ الخضراء کی پولیس کے ایک افسر نے بڑھیا کا بازو پکڑ کر اُسے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن امیر یوسف نے کہا۔ "نہیں میں اس فریاد سنوں گا!"

بڑھیا نے کہا۔ "بتایئے! میرا بیٹا کہاں ہے؟"

"تمہارا بیٹا؟" یوسف نے پریشان سا ہو کر کہا۔

بڑھیا نے ایک قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "مجھے معلوم تھا کہ تم بھی دوسروں کی طرح مجھے دیوانی کہو گے۔ لیکن میں اس کا پتہ لئے بغیر تمہارا دامن نہیں چھوڑوں گی۔ بتاؤ وہ کہاں ہے؟ بتاؤ ——— بتاؤ؟"

بڑھیا دیوانگی کی حالت میں اُس کی قبا نوچ رہی تھی۔ پولیس کے افسر نے کہا۔ "یا امیر! یہ پگلی ہے۔ آج سے دو برس قبل اس کا اکلوتا بیٹا قید خانے میں فوت ہو گیا تھا اور اسے ابھی تک اس کی موت کا یقین نہیں آیا۔"

امیر نے پوچھا۔ "اس کے بیٹے نے کیا جرم کیا تھا؟"

افسر نے متوحش ہو کر کہا۔ "یا امیر! یہاں صرف مجرموں کو ہی سزا نہیں ملتی وہ نوجوان ان ہزاروں نوجوانوں میں سے ایک تھا جو حق کی آواز بلند کرنے کی سزا بھگت چکے ہیں۔"

بڑھیا اب جوش و خروش کا مظاہرہ کرنے کی بجائے ہچکیاں لے رہی تھی۔

امیر یوسف نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ "میں تمہارا بیٹا ہوں ماں!" پھر وہ پولیس کے افسر کی طرف متوجہ ہوا۔ "انہیں شہر کے ناظم کے پاس لے جاؤ۔ وہ ان کی رہائش کا بندوبست کر دیں۔ میری طرف سے انہیں معقول وظیفہ ملتا رہے گا۔"

(٦)

گیارھویں روز امیر یوسف بن تاشفین کی فوج اشبیلیہ کی طرف کوچ کر رہی تھی۔ سعد پچھلے پہر خدا حافظ کہہ کر لشکر کی قیام گاہ کی طرف چلا گیا اور میمونہ صبح کی نماز کے بعد اپنی خادمہ اور الماس کے ساتھ غرناطہ جانے کے لئے بگھی پر سوار ہو گئی۔ شہر سے باہر ایک چوراہے سے ذرا آگے الماس نے بگھی روکی اور میمونہ کو آواز دے کر کہا۔ "لشکر ابھی تک پیچھے ہے۔ وہ بائیں ہاتھ جانے والی سڑک پر سے گزریں گے۔"

میمونہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "بہت اچھا۔ تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ۔ ہم انہیں دیکھ کر جائیں گے!"

ایک ساعت انتظار کرنے کے بعد میمونہ نے سوال کیا۔ "چچا الماس! آپ کو یقین ہے کہ وہ اسی راہ سے گذریں گے؟"

"بیٹی ان کا کوئی اور راستہ ہو نہیں سکتا!"

تھوڑی دیر بعد الماس نے کہا۔ "لو بیٹی وہ آ گئے!"

میمونہ بگھی کی کھڑکی کے باریک پردے سے سڑک کی طرف جھانکنے لگی۔ سورج کی روشنی میں ہراول کے دستوں کے آگے ایک سوار کی چمکتی ہوئی زرہ اور خود دیکھ کر اس کا دل اچھلنے لگا۔ وہ بولی۔ "چچا الماس انہیں آواز دے کر اپنی طرف متوجہ نہ کیجئے!"

الماس نے کہا۔ "بیٹی اُس کی نگاہیں عقاب سے زیادہ تیز ہیں۔"

ہراول کے دستے صحرائے اعظم کے سیاہ فام باشندوں پر مشتمل تھے۔ چوراہے کے قریب پہنچ کر اُن کے سالار نے اپنا گھوڑا روکا اور مڑ کر اپنے پیچھے آنے والے سواروں کو کچھ سمجھانے کے بعد اپنا گھوڑا ایک طرف ہٹا لیا۔ سوار بائیں ہاتھ جانے والی سڑک کی طرف ہو لئے۔ عبداللہ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر آن کی آن میں بگھی کے قریب آ پہنچا۔ "چچا الماس آپ ابھی تک یہیں ہیں؟" اُس نے گھوڑے کی لگام کھینچتے ہوئے کہا۔

الماس نے کہا۔ "ہم تمہاری فوج دیکھنے کے لئے رک گئے ہیں۔"

میمونہ نے گھڑی کا پردہ سرکا کر باہر جھانکتے ہوئے اپنے شوہر کی طرف دیکھا اور کہا: "میرا خیال تھا کہ آپ ہماری طرف متوجہ نہیں ہوں گے!"

سعد مسکرایا۔ "آپ کا خیال غلط تھا۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ آپ راستے میں کھڑی ہوں گی"

کچھ دیر وہ خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر میمونہ نے کہا۔ "آپ اپنا وقت ضائع نہ کیجئے۔ جایئے!"

"میں بہت جلد آؤں گا میمونہ!" سعد نے یہ کہہ کر اپنے گھوڑے کی باگ موڑ لی۔

میمونہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "خدا آپ کو فتح دے!"

سعد گھوڑا بھگاتا ہوا فوج کے ساتھ جا ملا۔

میمونہ دیر تک گزرنے والی فوج کو دیکھتی رہی اور الماس اُسے مختلف دستوں کے سالاروں کے نام بتاتا رہا۔ کالے، گورے اور سالونے قبائل کے سپاہی گزر گئے۔ ان کے لباس مختلف تھے ان کی زبانیں مختلف تھیں لیکن اُن کا دین ایک تھا اور اس دین کے ناموس کی حفاظت کے لئے وہ اپنے سروں پر کفن باندھ کر جا رہے تھے۔ پھر وہ رجلِ عظیم نمودار ہوا جسے قدرت نے ایک قوم کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو پار لگانے کے لئے منتخب کیا تھا۔

الماس چلّایا۔ "دیکھو بیٹی وہ امیر یوسف ہیں!"

اور میمونہ اپنے دل میں کہہ رہی تھی۔ "اندلس کے محسن! آج میری قوم کی لاکھوں بیٹیاں تیری راہ دیکھ رہی ہیں۔ خدا کی رحمتیں ہر قدم پر تیرا ساتھ دیں!"

الماس نے کہا۔ "بیٹی اُدھر دیکھو۔ وہ سیر بن ابوبکر ہے! وہ سعد کا بہترین دوست ہے اور مراکش کا ہر سپاہی اُس پر فخر کرتا ہے۔"

اور میمونہ کے دل کی گہرائیوں سے دُعا نکلی۔ "میرے بھائی! خدا تیرا حامی و ناصر ہو!"

الماس نے کہا۔ "تمام فوج کو دیکھنے میں ابھی کافی وقت لگے گا اور میں آپ کو غرناطہ پہنچاتے ہی ان مجاہدوں کے ساتھ شامل ہونا چاہتا ہوں۔" میمونہ نے کہا۔ "اچھا چچا جان چلو!"

الماس نے گھوڑوں کو چابک رسید کیا اور بگھی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

زلاقہ

راستے میں جگہ جگہ لوگوں کے ہجوم مسرت کے نعروں کے ساتھ مرابطین کی فوج کا استقبال کر رہے تھے۔ معتمد کے بیٹے اور سلطنت کے بڑے بڑے عہدہ دار ہر منزل پر اُن کا خیر مقدم کر رہے تھے۔ جب یہ فوج اشبیلیہ کے سامنے نمودار ہوئی تو ہزاروں مرد، عورتیں اور بچے شہر سے باہر اُن کی راہ دیکھنے کے لئے جمع تھے۔ معتمد اور اس کے وزراء نے بھی شہر سے باہر نکل کر ان کا خیر مقدم کیا۔ امیر یوسف کے قیام کے لئے اشبیلیہ کے شاہی محل کو خاص طور پر سجایا گیا تھا لیکن اُس نے فوج کے ساتھ شہر سے باہر ایک کھلے میدان میں ڈیرہ ڈال دیا۔

الفانسو نے ان دنوں سرقسطہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ امیر یوسف نے اس کے نام اس مضمون کا ایک خط لکھوایا:

"میں نے سنا ہے کہ تم اندلس کے بعد افریقہ فتح کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ میں وہاں تمہارا انتظار نہ کر سکا۔ اب میں خود اندلس پہنچ گیا ہوں۔ تمہارے لئے صرف تین راستے ہیں۔ اسلام قبول کر لو تو تم ہمارے بھائی ہو۔ اگر یہ منظور نہیں تو تمہیں جزیہ دینا پڑے گا۔ اگر یہ بھی منظور نہیں تو جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ!"

الفانسو طاقت کے نشے میں چور تھا۔ اس نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ تم موت کی تلاش میں یہاں آئے ہو۔ اندلس میرا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اسے مجھ سے نہیں چھین سکتی۔ اگر تمہارے سپاہی اپنی زندگی سے بیزار نہیں ہو گئے تو اب بھی موقع ہے کہ وہ اپنے ملک واپس چلے جائیں!

اس خط میں الفانسو نے امیر معتمد کے متعلق بھی نہایت نازیبا الفاظ استعمال کئے تھے۔

جب یہ گستاخانہ تحریر امیر یوسف کے دربار میں پڑھ کر سنائی گئی تو اشبیلیہ کے شاعر، ادیب اور انشا پرداز جو مجلس میں موجود تھے تلملا اٹھے۔ معتمد کی درخواست پر امیر یوسف نے ان لوگوں کو اس خط کا موزوں جواب لکھنے کے لئے کہا۔

اگلے دن دار الانشاء کے کاتب نے امیر یوسف کے آگے کاغذات کا ایک پلندہ رکھ دیا۔

"یہ کیا ہے؟" امیر یوسف نے سوال کیا۔

کاتب نے جواب دیا۔ "عالیجاہ! اشبیلیہ کے مشہور و معروف انشا پردازوں نے الفانسو کے گستاخانہ خط کے جواب لکھے ہیں۔ آپ انہیں دیکھ لیجئے۔ جو جواب حضور کو پسند آجائے وہ بھیج دیا جائے گا۔ اگر اجازت ہو تو میں پڑھ کر سنا دوں؟"

امیر یوسف غصے اور پریشانی کی حالت میں حاضرین مجلس کی طرف دیکھ رہا تھا

کاتب نے ذرا جرأت سے کام لیتے ہوئے ایک کاغذ اٹھایا اور کہا۔ "حضور یہ جواب سلطانِ معظم کے دربار کے ایک بہترین شاعر نے لکھا ہے مطلع عرض ہے!"

امیر یوسف نے کہا۔ "الفانسو کے خط کا جواب اشعار میں لکھا گیا ہے؟"

"ہاں حضور! اس نامور شاعر نے تین سو اشعار لکھے تھے۔ میں نے ایک سو اسی اشعار کاٹ دیئے ہیں۔"

ایک شاعر نے اٹھ کر کہا۔ "حضور پُرنور اگر اجازت دیں تو میں خود اپنا کلام پڑھ کر سنا دوں ـــــ!" اور امیر یوسف کے جواب کا انتظار کئے بغیر شاعر نے کاتب کے ہاتھ سے کاغذ چھین لیا اور مترنم آواز میں اپنا کلام سنانے لگا۔ پہلے چند اشعار میں فصیح و بلیغ گالیاں امیر یوسف کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔ لیکن جب شاعر نے واضح الفاظ میں اپنے جذبات کا اظہار شروع کیا تو امیر یوسف نے اپنا ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ "بس بس میں اس سے آگے نہیں سننا چاہتا!"

شاعر مایوسی کی حالت میں بیٹھ گیا اور کاتب نے دوسرا کاغذ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "حضور یہ جواب

دار الانشاء کے آٹھ مشہور ادیبوں نے ...... باہمی مشورہ کے ساتھ لکھا ہے۔ سلطانِ معظم نے خود اپنے قلم سے اس کی اصلاح کی ہے۔ آپ یقیناً اُسے پسند فرمائیں گے!"

کاتب نے ابھی چند سطور پڑھی تھیں کہ امیر یوسف کی قوتِ برداشت جواب دے گئی اور اس نے باقی کاغذات کا پلندہ اٹھا کر ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "دنیا میں آج تک کاغذ اور سیاہی کا اس سے بُرا استعمال کسی نے نہیں کیا ـــــ تم لوگ دنیا میں رہنے کے قابل نہیں ہو۔ دشمن تلوار تیز کر رہا ہے اور تم الفاظ کے تیر جمع کر رہے ہو۔ الفانسو کا خط کہاں ہے؟"

کاتب نے الفانسو کا خط پیش کیا تو افریقہ کے مجاہد نے اپنے قلم سے اُس کے ایک کونے پر یہ الفاظ لکھ دیئے:

"جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ تم خود ہی دیکھ لوگے ـــــ!"

(۲)

الفانسو نے تمام محاذوں سے اپنی افواج کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا اور سرقسطہ کا محاصرہ چھوڑ کر طلیطلہ کا رُخ کیا۔ جلیقیہ، اسچوریا، لیون، ارغون اور النوار کے حکمرانوں کے علاوہ فرانس اور اطالیہ کے کئی امراء اس کے ہمرکاب تھے۔ طلیطلہ پہنچ کر اس نے ٹڈی دل فوج کی طرف دیکھا اور کہا۔ "اس فوج کے ساتھ میں انسانوں، جنوں اور اگر فرشتے آسمان سے اُتر آئیں تو اُن کے ساتھ بھی لڑ سکتا ہوں۔" اُس کی پیادہ اور سوار فوج کی تعداد پچاس ہزار اور بعض مورخوں کے بیانات کے مطابق اسی ہزار تھی۔

امیر یوسف نے اس کی پیش قدمی کی اطلاع ملتے ہی اشبیلیہ سے کوچ کیا۔ بطلیوس سے چند کوس دور زلاقہ[1] کے میدان میں فریقین نے ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر پڑاؤ ڈال دیئے۔ بطلیوس اور اشبیلیہ، مالقہ اور غرناطہ کے حکمران امیر یوسف کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔ المریہ اور مرسیہ کے امراء کو حصن الیط کے عیسائیوں نے پریشان کر رکھا تھا، تاہم انھوں نے متحدہ محاذ

[1] مسلمان مورخ اس میدان کو زلاقہ اور عیسائی سازی لیاس لکھتے ہیں۔

کے لئے اپنی تھوڑی فوج بھیج دی تھی۔ مرابطین اور ملوک الطوائف کے لشکر کی مجموعی تعداد کے مقابلے میں دشمن کی فوج قریباً تین گنا زیادہ تھی۔ افریقی اور اندلسی افواج کے پڑاؤ ایک دوسرے سے قریباً تین میل دور تھے اور ان کے درمیان ایک پہاڑی حائل تھی۔

ماہِ رمضان ۴۸۰ھ ہجری[۱] جمعرات کے دن جب کہ اسلامی لشکر دشمن پر حملے کی تیاریاں شروع کر رہا تھا، الفانسو نے امیر یوسف کے نام پیغام بھیجا کہ کل جمعہ ہے اور یہ تمہارا مقدس دن ہے اس کے بعد اتوار ہمارا مقدس دن ہے۔ اس لیے یہ بہتر ہوگا کہ ہم طاقت آزمائی کے لئے دوشنبہ کا دن مقرر کریں۔ امیر یوسف نے دشمن کا یہ مطالبہ مان لیا لیکن اسے معتمد کا یہ پیغام ملا کہ دشمن ضرور دھوکہ دے گا، اس لیے آپ خبردار رہیں!

چنانچہ امیر یوسف کی فوج جمعہ کی نماز کے لیے کھڑی تھی کہ الفانسو نے اچانک پہاڑی کی دوسری طرف اندلس کی فوج کے پڑاؤ پر حملہ کر دیا۔ معتمد نے پہلے ہی اندلس کے سپاہیوں کو خبردار کر رکھا تھا لیکن یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور اندلس کی بیشتر فوج بطلیوس کی طرف پسپا ہونے لگی۔

ملوک الطوائف میں سے صرف معتمد ایسا تھا جس نے میدان چھوڑ کر بھاگنا گوارا نہ کیا۔ اپنے امیر کی بہادری دیکھ کر اشبیلیہ کے سپاہیوں کی غیرت نے جوش مارا اور وہ بھی ڈٹ کر لڑنے لگے۔ اندلسی فوج کے منتشر دستوں کا صفایا کرنے کے لئے البوار کو فوج کو کافی سمجھ کر الفانسو کے سواروں نے پہاڑی کے گرد چکر کاٹ کر امیر یوسف کی فوج کے میمنہ اور میسرہ پر حملہ کر دیا۔ اس عرصے میں مرابطین کو تیاری کا موقع مل چکا تھا۔ تاہم یہ حملہ اس قدر زوردار تھا کہ مرابطین کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ مسلمانوں کو پسپا ہوتا دیکھ کر عیسائیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور لیون اور قرالنس کے سواروں کے دستے مرابطین کے لشکر کے بائیں بازو کو تتر بتر کرتے ہوئے قلب تک پہنچ گئے۔

---

[۱] ان تاریخوں کے متعلق تمام مورخین کی رائے ایک نہیں۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ جنگِ زلاقہ ماہِ رمضان ۴۸۰ھ کی بجائے ماہِ رجب ۴۷۹ھ ہجری میں ہوئی تھی۔

عیسائیوں کو اپنی فتح کا یقین ہو چکا تھا۔ پہاڑی کی دوسری طرف اہل اشبیلیہ بھی مایوسی کی حالت میں لڑ رہے تھے۔ البوار کے سپاہی انہیں کہہ رہے تھے "تمہارے حلیف میدان چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں۔ اب ہتھیار ڈال دو، خودکشی سے کوئی فائدہ نہیں"! ان مایوس کن حالات میں بھی ایک شخص کو اسلام کی فتح پر کامل بھروسہ تھا، اور یہ امیر یوسف تھا —— وہ اطمینان سے اپنے ایک جرنیل سے کہہ رہا تھا۔ "سیر! یہ جنگ میری توقع سے پہلے ختم ہو جائے گی۔ فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دو۔ سعد سے کہو کہ وہ اپنے دستے اندلسی سپاہیوں کی مدد کے لئے لے جائے —— ہم پہاڑی کی دوسری طرف ملیں گے۔"

امیر یوسف یہ کہہ کر لشکر کے عقب میں پہنچا اور محفوظ دستوں کے پانچ ہزار سواروں کو لے کر ایک طرف نکل گیا۔ ایک طویل چکر کاٹنے کے بعد وہ نصرانی لشکر کے پڑاؤ کے عقب میں جا نکلا۔ بربری سواروں نے پڑاؤ کے محافظوں کو آن کی آن میں تہ تیغ کر دیا اور خیموں اور سامان رسد کے ذخیروں کو آگ لگا دی۔ اس کے بعد اس نے دوبارہ میدان جنگ کا رخ کیا اور پھر ایک چکر کاٹ کر دشمن کی فوج کے میمنہ پر حملہ کر دیا۔

اتنی دیر میں سعد بن عبدالمنعم اندلس کے لشکر کی مدد کے لئے پہنچ چکا تھا اور اس کے اسودی دستے اہل اشبیلیہ پر البوار کے سپاہیوں کی یلغار روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اچانک دائیں طرف یکے بعد دیگرے پانچ پانچ سو سواروں کی دو ٹولیاں نمودار ہوئیں اور انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر دشمن پر حملہ کر دیا۔ سواروں کا ایک اور دستہ بائیں طرف سے نمودار ہوا اور انہوں نے بھی کسی توقف کے بغیر دشمن پر دھاوا بول دیا۔ یہ تازہ دم سپاہی المریہ، مرسیہ اور غرناطہ اور الفجارہ کے پہاڑی علاقوں کے رضاکار تھے۔ سعد نے ان کے سالار کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور اپنا گھوڑا بھگا کر ان کے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔ "ابا جان! اس عمر میں آپ کو میدان میں آنے کی ضرورت نہ تھی"

عبدالمنعم مسکرایا۔ "میں ابھی بوڑھا نہیں ہوا بیٹا! اسی دن کی آرزو میں تو میں نے قید و بند کی بھیانک راتیں گزاری ہیں۔"

اچانک سعد کی نگاہ ایک طرف مبذول ہو گئی۔ احمد ایک آہن پوش نصرانی کے ساتھ قوت آزمائی کر رہا تھا اور اس کی تلوار بھاری زرہ پر بے اثر ثابت ہو رہی تھی۔ ایک سوار نیزہ تان کر احمد کی طرف بڑھا۔ سعد نے اچانک اپنے گھوڑے کو ایڑی لگائی۔ حملہ آور کو نیزے کی ضرب سے گرا دیا لیکن وہ گرتے ہی اٹھا اور احمد پر ٹوٹ پڑا۔ احمد کی تلوار اب بیک وقت دو تلواروں سے ٹکرا رہی تھی۔ اس نے ایک کو مار گرایا لیکن دوسرے کے بھاری خود پر ایک ضرب لگانے سے اس کی تلوار ٹوٹ گئی۔ سعد اتنی دیر میں ایک اور سوار کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد احمد کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ خالی ہاتھ ادھر ادھر ہٹ کر اپنے مدمقابل کے پے در پے حملوں سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سعد نے پیچھے سے گھوڑا آگے بڑھا کر اس کی پیٹھ پر نیزہ مارا اور وہ منہ کے بل گر پڑا احمد نے بھاگ کر اس کی تلوار چھین لی۔

سعد نے کہا۔ "ارے شاعر! تم تو اچھے خاصے سپاہی بن گئے ہو! تمہارا گھوڑا کہاں ہے؟"

"وہ زخمی ہو گیا ہے بھائی جان!"

سعد نے کہا۔ "وہ دیکھو تمہارے لئے گھوڑا آ رہا ہے!"

ایک نصرانی سوار چند قدم دور ایک افریقی کے ساتھ قوت آزمائی کر رہا تھا۔ سعد نے گھوڑا بھگا کر اس کی پسلی میں نیزہ مارا اور احمد نے بھاگ کر اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور اسے ایک طرف دھکیل کر زین پر بیٹھ گیا۔

"تمہیں یہ گھوڑا پسند ہے؟" سعد نے مسکراتے ہوئے کہا

"بھائی کا تحفہ مجھے کیوں کر ناپسند ہو سکتا ہے!"

"حسن بھی آیا ہے؟"

"حسن، ابا جان، ادریس اور الماس سب آئے ہیں۔ حسن الفانسو کو تلاش کر رہا ہے!"

سعد نے کہا۔ "تم اپنے ساتھیوں سے کہو کہ دشمن کے سامنے سے ہٹ جائیں! ہم اسے آگے بڑھنے کا موقع دے کر نرغے میں لینا چاہتے ہیں۔"

اس محاذ پر جنگ کا نقشہ بدلتا دیکھ کر الفانسو کے چند اور دستے النوار کے سپاہیوں کی مدد کے لئے پہنچ گئے لیکن اب اندلسی پہلے کی نسبت کہیں زیادہ پُر امید ہو کر لڑ رہے تھے۔ معتمد زخموں سے چُور ہونے کے باوجود ایک شیر کی طرح گرج رہا تھا۔ اندلس کی وہ فوج جو کچھ دیر پہلے میدان چھوڑ کر بھاگ نکلی تھی، اب واپس آ کر اہل اشبیلیہ کے دوش بدوش لڑ رہی تھی۔

(۳)

پہاڑی کی دوسری جانب جنگ اس سے کہیں زیادہ شدید تھی۔ الفانسو کو یقین تھا کہ اگر امیر یوسف کی افواج کے پاؤں اکھڑ گئے تو اسے نہ صرف جنگ میں فتح حاصل ہو گی بلکہ بحیرۂ روم کے ساحل تک اس کا راستہ روکنے والا کوئی نہ ہو گا۔ افریقہ کی فوج اندلس کے مسلمانوں کا آخری سہارا ہے اور یہ سہارا ٹوٹ جانے کے بعد ان کی قوتِ مدافعت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی، اس لئے اس نے اپنی بیشتر افواج اسی محاذ پر جمع کر رکھی تھیں۔ وہ اپنی ابتدائی کامیابیوں پر مسرور تھا لیکن اسے اپنے پڑاؤ میں آگ کے شعلے دکھائی دینے لگے اور اس کے بعد امیر یوسف کے طوفانی دستے اس کے میمنہ کی صفوں کو چیرتے ہوئے قلب تک جا پہنچے تو اس نے محسوس کیا کہ فتح اس قدر آسان نہیں جتنی کہ وہ سمجھتا تھا۔ اچانک سیر بن ابوبکر اپنی فوج کے قلب سے بربریوں کے چند دستے لے کر نکلا اور اس نے دشمن کے میسرہ پر حملہ کر دیا۔ میسرہ کی صفوں میں فرانس کے نائٹ ایک آہنی دیوار کی طرح کھڑے تھے۔ لیکن برق رفتار بربریوں کے سامنے ان کی پیش نہ گئی سیر بن ابی بکر ان کی مزاحمت کو کچلتا ہوا امیر یوسف سے آ ملا۔ اتنی دیر میں ایک اور بربر جرنیل عقب کے دستوں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے آگے بڑھا اور اس نے دشمن کو دائیں اور بائیں بازو سے گھیر لیا۔ عیسائیوں نے جنگ کا نقشہ بدلتا دیکھ کر جوابی حملہ کیا اور مرابطین پھر ایک بار مدافعانہ جنگ لڑتے ہوئے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے لیکن اچانک الفانسو کی افواج کو ایک اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ پہاڑی کی دوسری جانب سے النوار کی فوج اندلسیوں کے ہاتھوں شکست کھا کر بھاگ نکلی اور سعد نے اس محاذ سے فارغ ہوتے ہی اسودی سواروں کے ساتھ قسطلہ

کے لشکر کے عقب پر حملہ کر دیا۔ اب الفانسو کی فوج چاروں طرف سے گھیرے میں آچکی تھی اور اندلس کی باقاعدہ فوج اور رضاکار بھی مرابطین کے ساتھ شامل ہو چکے تھے۔

غروبِ آفتاب کے قریب جب کہ عیسائیوں کے لشکر میں افراتفری پھیل چکی تھی، مرابطین کے لشکر میں نقاروں کی صدا گونجنے لگی اور نقاروں کی آواز سنتے ہی افریقی فوج نے ایک نئے جوش و خروش کے ساتھ چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ عیسائی لشکر عقب سے اسودی سواروں کا گھیرا توڑ کر پیچھے ہٹنے لگا۔ کوئی آدھ میل پسپا ہونے کے بعد عیسائیوں نے دوبارہ جم کر لڑنے کی کوشش کی لیکن افریقہ کے تیز رفتار سواروں نے انہیں صفیں درست کرنے کا موقع نہ دیا۔

امیر مرابطین چلایا۔ "اب آخری ضرب لگانے کا وقت آگیا ہے!"

اور آن کی آن میں فوج کے افسروں نے اس کی یہ آواز ہر سپاہی کے تک پہنچا دی۔ نقارے پر دوبارہ چوٹ پڑی اور مرابطین ایک آندھی کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ دشمن بھاگ نکلا۔ الفانسو کی نصف کے قریب فوج اب بھی اس کے ساتھ تھی لیکن یہ لوگ صحرانشینوں کے جنگ کے طریقوں سے واقف نہ تھے۔ امیر یوسف نے ازسرِنو اپنی فوج کو منظم کیا۔ پیادہ سپاہی ایک طرف ہٹ گئے اور سوار تین حصوں میں تقسیم ہو کر دشمن کا پیچھا کرنے لگے۔ دائیں طرف تعاقب کرنے والے سواروں کی قیادت سیر بن ابوبکر کے ہاتھ میں تھی۔ بائیں طرف ایک بربر جرنیل تھا، اور ان دونوں کے درمیان امیر یوسف اپنے طوفانی دستوں کی رہنمائی کر رہا تھا —— یہ فوج ایک نصف دائرے میں پھیل کر دشمن کا تعاقب کر رہی تھی۔ دائیں اور بائیں بازوؤں کے سوار دشمن کو گھیر رہے تھے اور پیچھے آنے والے انہیں موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔ الفانسو یہ محسوس کر رہا تھا کہ صحرانشینوں کی اصلی جنگ اب شروع ہوئی ہے۔ اس کی پیادہ افواج پیچھے رہ گئی تھیں اور اسے ان کے انجام کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ تھی۔ اس کے سواروں کا تعاقب ایسے لوگ کر رہے تھے جن کے گھوڑے اس کے گھوڑوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ تیز رفتار معلوم ہوتے تھے۔ عیسائیوں نے کئی بار ان کے گھیرے سے نکل کر ادھر ادھر منتشر ہونے کی کوشش کی لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی۔

بربری اور اسودی سوار انہیں ہر بار گھیر کر سیدھا آگے بڑھنے پر مجبور کر دیتے۔

افریقہ کے مجاہدوں کی طرح ان کے گھوڑے بھی ان تھک اور سخت جان تھے۔ ان کی تیز رفتاری کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بربری سوار بھاری زرہیں اور بکتر پہننے کے عادی نہ تھے۔ اس کے برعکس الفانسو کے اکثر سوار سر سے لے کر پاؤں تک لوہے میں غرق تھے اور گھوڑے ان کے ساز و سامان کے بوجھ اور دن بھر کی تھکاوٹ کے باعث قدم قدم پر دم توڑ رہے تھے۔

سورج غروب ہو گیا۔ غازیوں نے اپنے تھیلوں سے کھجوریں نکالیں اور بھاگتے ہوئے گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے روزہ افطار کیا اور دشمن کا تعاقب جاری رکھا۔

جنگ سے قبل الفانسو نے اپنے جرنیلوں اور حلیفوں سے یہ کہا تھا کہ دشمن کو شکست دینے کے بعد ہم ساری رات چاند کی روشنی میں اس کا تعاقب جاری رکھ سکیں گے لیکن اب وہ اور اس کے بچے کھچے ساتھی چاند کو کائنات کی سب سے زیادہ قابلِ نفرت شے سمجھ رہے تھے۔

عیسائیوں کے دائیں اور بائیں بازو سے بربر سوار بھاگتے ہوئے گھوڑوں سے تیر برسا رہے تھے اور پیچھے آنے والے انہیں اپنے نیزوں سے موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔ میلوں تک کوئی کھیت کوئی ٹیلہ اور کوئی گھاٹی ایسی نہ تھی جہاں عیسائیوں کی لاشیں دکھائی نہیں دیتی تھیں۔ ایک لمبی دوڑ کے بعد مرابطین کے گھوڑوں کی ہمت بھی جواب دے رہی تھی لیکن اس عرصے میں الفانسو کے ہزاروں سوار پیچھے رہ گئے تھے، اور امیر یوسف ان کا صفایا کرنے کے لئے اپنے سواروں کے دستے چھوڑتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

الفانسو اپنے بہترین جرنیلوں اور سپاہیوں سے محروم ہو چکا تھا۔ رات کے دوسرے پہر پچاس ہزار[1] سپاہیوں میں سے صرف چار ہزار اس کا ساتھ دے رہے تھے اور ہر قدم پر ان کی تعداد گھٹ رہی تھی۔ اس کی آخری امید دریائے وادی آنہ تھا جسے عبور کرنے کے بعد وہ اس بلائے بے درماں سے پیچھا چھڑا سکتا تھا۔ دریا زیادہ دور نہ تھا لیکن افریقی سوار اب دائیں اور بائیں

[1] بعض مورخوں نے الفانسو کی فوج کی تعداد اسی ہزار کے لگ بھگ بیان کی ہے۔

بازو سے آگے بڑھ کر اُن کے گرد گھیرا ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اچانک افریقی سواروں کے پیچھے قریباً دو سو سواروں کا ایک گروہ نمودار ہوا اور بائیں بازو سے چکر کاٹتا ہوا آگے نکل گیا ان سواروں کی رفتار سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ان کے گھوڑے تازہ دم ہیں۔ بائیں بازو کے راہنما سیر بن ابوبکر نے پہلے انہیں دشمن کی کسی آس پاس کی چوکی کے محافظ سمجھ کر اُن کا راستہ روکنے کی کوشش کی لیکن جب وہ اوپر سے کترا کر نکل گئے تو اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا "ان کا تعاقب کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اُن کے گھوڑے تازہ دم ہیں۔" تھوڑی دیر میں یہ سوار الفانسو کی فوج کے آگے پہنچ گئے۔ عیسائی سواروں سے کوئی تین سو گز آگے نکلنے کے بعد انہوں نے اچانک پلٹ کر نعرہ تکبیر بلند کیا اور اُن پر حملہ کر دیا۔ اتنی دیر میں دائیں اور بائیں بازو سے دائرے کی شکل میں آگے بڑھنے والے بربروں کے ساتھ آملے۔ ایک ساعت کے اندر اندر الفانسو کے دو ہزار اور سوار ڈھیر ہو چکے تھے۔ اس کے بچے کھچے سپاہی ایک طرف سے مسلمانوں کا گھیرا توڑ کر نکلے۔ دریا یہاں سے صرف نصف میل دور تھا لیکن کنارے تک پہنچتے پہنچتے تازہ دم سواروں نے ایک بار پھر اُن کا راستہ روک لیا اور بربریوں نے پھر تین اطراف سے ان کا قتل عام شروع کر دیا۔

قشتالہ کے نائٹ اپنے بادشاہ کے گرد گھیرا ڈال کر انتہائی بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے دریا کی طرف بڑھ رہے تھے۔ امیر یوسف کی فوج کے سیاہ فام سپاہیوں کا ایک دستہ الفانسو کے محافظوں پر ٹوٹ پڑا۔ ایک اسودی نے الفانسو کی ران پر نیزہ مارا لیکن وہ گھوڑے سے گرتے گرتے بچ گیا۔

قشتالہ کے بقیۃ السیف سپاہیوں نے زندگی اور موت سے بے پرواہ ہو کر آخر حملہ کیا اور لڑتے بھڑتے دریا کے کنارے پہنچ کر پانی میں کود پڑے۔ مجاہدین یہاں بھی اُن کا پیچھا کرنے کے لئے تیار تھے لیکن امیر یوسف آگے بڑھ کر بلند آواز میں چلایا "نہیں تم لوگ اپنا فرض ادا کر چکے ہو۔ اب تمہیں آگے جانے کی ضرورت نہیں۔ ممکن ہے کہ دوسرے کنارے دشمن کی فوج موجود ہو!"

الفانسو کی رہی سہی فوج کے کئی سپاہی کنارے سے مجاہدین اسلام کے تیروں کا شکار ہوئے

اور کئی اپنے بھاری اسلحہ کے باعث دریا کی موجوں کی نذر ہو گئے۔ جب الفانسو نے دوسرے کنارے پہنچ کر اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا تو اس کے ساتھیوں کی تعداد صرف پانچ سو تھی[1]۔ اسلامی لشکر کے شہدا کی تعداد تین ہزار کے لگ بھگ تھی۔

سیر بن ابوبکر نے جنگ سے فارغ ہوتے ہی آخری مرحلہ پر شریک ہونے والے سواروں کا پتہ کیا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ لوگ غرناطہ اور المریہ کے رضاکاروں میں سے ہیں۔ ان کے سالاروں سے متعارف ہونے کے بعد سیر بن ابی بکر نے کہا۔ "میں نے یہ خیال کیا تھا کہ تم کسی آس پاس کی چوکی سے دشمن کی مدد کے لئے آئے ہو۔ میں تمہارے گھوڑوں کی رفتار دیکھ کر حیران تھا۔"

المریہ کے رضاکاروں کے سالار نے جواب دیا۔ "ہم ایک یلغار کر کے جنگ کے میدان میں پہنچے تھے۔ جنگ کے دوران میں ہمارے گھوڑے نڈھال ہو چکے تھے۔ قدرت نے ہماری مدد کی اور ہمیں دشمن کے پڑاؤ سے تازہ دم گھوڑے مل گئے۔"

سیر اُس کے ساتھ باتیں کر رہا تھا کہ سعد بن عبدالمنعم اچانک آگے بڑھا اور حسن حسن! کہتا ہوا

---

[1] ایک روایت کے مطابق الفانسو صرف پانچ آدمیوں کے ساتھ بچ نکلنے میں کامیاب ہوا تھا۔ بعض مورخ جنگ زلاقہ کے سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہیں۔ اندلس میں امیر یوسف کی آمد سے کچھ عرصہ پہلے الفانسو نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک ایسے ہاتھی پر سوار ہے جس کے دونوں پہلوؤں میں بڑے بڑے نقارے بندھے ہوئے ہیں۔ ہاتھی چلتے وقت اپنی سونڈ ان نقاروں پر مارتا ہے اور اس سے نہایت ہیبت ناک آواز پیدا ہوتی ہے۔ الفانسو نے عیسائی راہبوں سے اس خواب کی تعبیر پوچھی لیکن وہ اس کی تسلی نہ کر سکے۔ پھر اس نے ایک یہودی کو طلیطلہ کے ایک مسلمان عالم کے پاس اس خواب کی تعبیر پوچھنے کے لئے بھیجا اور ساتھ ہی یہ ہدایت کی کہ مسلمان عالم پر ظاہر نہ کرنا کہ یہ خواب میرا ہے۔ یہودی نے طلیطلہ کے عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں نے یہ عجیب خواب دیکھا ہے۔ آپ اس کی تعبیر بتائیے۔

طلیطلہ کے عالم نے غور سے یہودی کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ خواب تمہارا نہیں ہو سکتا یہ کسی ایسے بادشاہ کا خواب ہے جسے عنقریب اصحاب فیل کی طرح ذلت انگیز رسوائی سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

نوجوان کے ساتھ لپٹ گیا۔ پھر اُس نے سیر کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "یہ میرا بھائی ہے!"

سیر نے گرم جوشی سے حسن کے ساتھ مصافحہ کیا۔ سعد نے دوسرے سالار کا تعارف کراتے ہوئے کہا: "اور یہ احمد ہے ـــــ میرا دوسرا بھائی ـــــ آپ معتمد اور رمیکیہ کی شان میں اس کے اشعار سن چکے ہیں ـــــ یہ ادریس بن عبدالجبار ہیں۔ یہ میرے دوست الیاس ہیں ..... اور یہ چچا الماس ہیں۔" سعد نے یکے بعد دیگرے اپنے عزیزوں اور ساتھیوں کا تعارف کرانے کے بعد احمد کی طرف متوجہ ہو کر سوال کیا: "ابا جان کہاں ہیں؟"

"ہمارے ساتھ تھے۔" احمد یہ کہہ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

سعد اپنے بھائیوں کے ساتھ اپنے والد کی تلاش میں نکلا تو سیر بن ابوبکر بھی اُس کے ساتھ ہو لیا۔ عبدالمنعم ایک زخمی بازو پر پٹی باندھ رہا تھا۔ وہ کچھ دیر اُس کے گرد کھڑے رہے۔ جب وہ پٹی باندھنے کے بعد اُٹھا تو سعد نے کہا: "ابا جان! یہ امیر البحر سیر بن ابوبکر ہیں! انہیں آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔"

عبدالمنعم نے گرمجوشی سے سیر کے ساتھ مصافحہ کیا۔ بربری قبائل کے چند شیوخ اور فوج کے افسر عبدالمنعم کے گرد جمع ہو گئے۔

نیا شعور اور نئے ولولے

زلاقہ کے شہدا اپنے خون سے اندلس کی تاریخ کے ایک نئے باب کا عنوان لکھ چکے تھے۔ اس عظیم الشان فتح کی خبر کے ساتھ ملک کے طول و عرض میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ امیر یوسف کا نام ہر بچے اور بوڑھے کی زبان پر تھا۔ ہر مسجد کے منبر سے اس کی درازیٔ عمر کے لئے دعائیں ہو رہی تھیں۔ جن امرا نے جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا وہ فتح کی خوشی میں حصہ لینے کے لئے امیر یوسف کے پاس جمع ہو رہے تھے۔

چند دن زلاقہ کے میدان میں قیام کرنے کے بعد یوسف بن تاشفین نے اشبیلیہ کا رُخ کیا۔ اندلس کے حکمران اور علما اس کے ہمرکاب تھے۔ راستے کی ہر بستی اور شہر کے لوگ گھروں سے نکل کر اپنے محسن کا استقبال کر رہے تھے۔

جب امیر یوسف کا جلوس اشبیلیہ کے دروازے پر پہنچا تو اہل شہر کے ایک بے پناہ ہجوم نے اُس کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ ہر شخص دوسرے کو پیچھے ہٹا کر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اندلس کے حکمران حریر و اطلس کی قبائیں پہنے ہوئے تھے۔ اُن کے عمامے اور ٹوپیاں بیش قیمت جواہرات میں چھپی ہوئی تھیں اور اُن کے گھوڑے تک زیورات سے آراستہ تھے۔ لیکن یوسف بن تاشفین اپنے سادہ اور کھردرے لباس کے باوجود ہر نگاہ کا مرکز تھا۔ کوئی آگے بڑھ کر اُس پر پھول پھینکنے اور کوئی اس کی رکاب چھونے کے لئے بیتاب تھا۔ عوام کی بے پناہ عقیدت اور محبت سے متاثر ہو کر تیروں کی بارش میں تن کر چلنے والے مجاہد کی گردن جھکی جا رہی تھی۔ جب عوام کے ہجوم کے باعث جلوس کا آگے بڑھنا مشکل ہو گیا تو اشبیلیہ کی پولیس کے سپاہی آگے بڑھے اور امیر یوسف کا راستہ صاف

کرنے کے لئے لوگوں کو دھکے دے کر ہٹانے لگے۔ ایک عمر رسیدہ آدمی دھکا کھا کر منہ کے بل گر پڑا۔ امیر یوسف یہ دیکھ کر گھوڑے سے اترا اور اس نے آگے بڑھ کر بوڑھے کو اٹھنے کے لئے سہارا دیا۔ لوگ بھاگ کر پھر ایک بار اس کے گرد جمع ہو گئے۔ امیر یوسف نے اپنے گرد گھیرا ڈالنے والے سپاہیوں کو دھکیل کر راستے سے ہٹاتے ہوئے کہا: "مجھے تمہاری حفاظت کی ضرورت نہیں!"

اب لوگ خود بخود اس کے راستے سے ہٹنے لگے۔ تھوڑی دیر میں وہ اپنے ساتھیوں سے کافی دور آگے جا چکا تھا۔ اندلس کے سلاطین اور اس کے درمیان لوگوں کا بے پناہ سیلاب حائل ہو چکا تھا۔ وہ سب یہ محسوس کر رہے تھے کہ اس برات کا دولہا کوئی اور ہے۔ ان کے شاہانہ ٹھاٹھ باٹ کسی کو مرعوب نہیں کر سکتے۔ تاریخ کے ایک ہی حادثے نے انہیں اپنے ملک میں اجنبی بنا دیا ہے۔ جو لوگ ان سے آگے تھے ان کی ساری توجہ امیر یوسف پر مبذول تھی اور جو ان سے پیچھے تھے، ان کے ساتھ شریفانہ پھل پر سلام کرنے والا کوئی نہ تھا۔

امیر یوسف اشبیلیہ کی بڑی مسجد کے دروازے پر رکا اور دروازے کی سیڑھیوں پر چڑھ کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد مسجد کے سامنے ایک کشادہ میدان لوگوں سے بھر گیا۔ امیر یوسف نے ہاتھ بلند کیا اور لوگ جنہیں پہلے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا، اچانک خاموش ہو گئے.......... امیر یوسف نے چند ثانیے سوچنے کے بعد کہا:

"عزیزانِ ملت اور بزرگانِ قوم! میں اس عزت افزائی کا مستحق نہ تھا۔ زلاقہ کی فتح کا سہرا ان شہیدوں کے سر ہے جو اس وقت ہم میں موجود نہیں۔ میں اشبیلیہ کی ان ماؤں کو سلام کہنے آیا ہوں جن کے بیٹے ہمارے دوش بدوش لڑتے ہوئے شہید ہوئے ہیں۔ ان کی شہادت ایک مقصد کے لئے تھی اور اس مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا آپ سب کا فرض ہے۔ افریقہ کے حالات اور میری ذمہ داریاں شاید زیادہ دیر مجھے آپ کے ملک میں ٹھہرنے کی اجازت نہ دیں، اس لئے میں آپ سے ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں!

زلاقہ کے میدان میں ہم آپ کے دشمن کو ایک فیصلہ کن شکست دے چکے ہیں اور آپ یہ خوشخبری بھی سن چکے ہوں گے کہ دشمن کی فوج ایک طرف سرقسطہ کا محاصرہ اٹھا کر واپس جا چکی ہے اور دوسری طرف بلنسیہ کا علاقہ خالی کر رہی ہے۔ اب اس ملک کی حفاظت آپ لوگوں کا کام ہے۔ اگر آپ پھر آپس کے اندرونی جھگڑوں میں الجھ کر رہ گئے تو مجھے اندیشہ ہے کہ زلاقہ کے شہیدوں کی قربانیاں رائگاں جائیں گی۔ دشمن کسی دن آپ پر زیادہ قوت اور زیادہ شدت کے ساتھ حملہ کرے گا اور وہ اس وقت تک اندلس پر حملے کرتا رہے گا، جب تک کہ آپ اپنی اندرونی کمزوریوں کا علاج نہیں کریں گے۔

آپ کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ آپ اسلام سے دور جا چکے ہیں۔ اگر آپ اپنا دفاعی حصار اسلام کی بنیادوں پر تعمیر کریں تو میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ دنیا کی تمام غیر مسلم اقوام متحد ہو کر بھی آپ کو شکست نہیں دے سکتیں۔ اگر آپ نے اسلام سے منحرف ہو کر کوئی اور راہِ نجات تلاش کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھیے کہ آپ کی مثال ان لوگوں سے مختلف نہ ہو گی جو سیلاب سے بچنے کے لئے پہاڑ سے اتر کر ریت کے تودوں پر پناہ لیتے ہیں۔ آپ کا ہر وہ قدم جو خدا کی راہ میں اٹھے گا کامیابی اور کامرانیوں سے ہمکنار ہو گا، اور آپ کی ہر وہ کروٹ جو اسلام کے خلاف ہو گی آپ کو تباہی اور بربادی کی طرف لے جائے گی۔ اندلس کے عوام اور اندلس کے حکمرانوں کے نام میرا پہلا اور آخری پیغام یہی ہے کہ اگر آپ دنیا میں سربلند رہنا چاہتے ہیں تو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں اپنی گردنیں جھکا دیجئے.... اگر آپ قرآن پاک کے احکام پر چلتے ہیں، اگر آپ خدا اور اس کے رسول کے تابع ہیں تو میں آپ کو یہ مژدہ سناتا ہوں کہ روئے زمین کی تمام نعمتیں آپ کے لئے ہیں اور آپ ہر میدان میں زلاقہ کی تاریخ دہرا سکیں گے!"

ایک عمر رسیدہ آدمی ہجوم کو ادھر ادھر ہٹاتا ہوا آگے بڑھا اور امیر یوسف کے قریب

پہنچ کر چلایا:

"یا امیر! آپ نے ہمیں اسلام کے دشمنوں سے نجات دلائی ہے۔ خدا کے لئے ہماری گردنیں اسلام کے باغیوں کے ہاتھ میں دے کر نہ جایئے! ہمارے اور خدا کے درمیان ملوک الطوائف کی ایک دیوار کھڑی ہے۔ اس دیوار کو ہمارے راستے سے ہٹا دیجئے! ہمیں ان لوگوں کے سپرد نہ کیجئے جنہوں نے بارہا دشمنوں کے ساتھ ہماری عزت اور آزادی کا سودا کیا ہے۔ ان لوگوں نے ہمارے اسلاف کی قبروں پر اپنے عشرت کدے تعمیر کئے ہیں۔ انہوں نے شہیدوں کا خون بیچا ہے۔ انہوں نے اندلس کی زمین سے خدا کا قانون معطل کر رکھا ہے۔ انہوں نے اپنی عیاشی کا سامان مہیا کرنے کے لئے عوام کے ہاتھ سے روٹی کا آخری نوالہ تک چھین لیا ہے۔ ان کی بیگمات عریانی اور بے حیائی کو فروغ دینے کے لئے اندلس کی ماؤں اور بہنوں کے چہروں سے حیا اور شرافت کے نقاب نوچ رہی ہیں۔ یا امیر! جس اندلس کو آپ نئی زندگی کا پیغام دے رہے ہیں۔ وہ ابھی تک ننگا ہے، بھوکا ہے، بے بس ہے۔ اس کے ہاتھوں اور پاؤں میں ملوک الطوائف کے اقتدار کی بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ خدا کے لئے اندلس چھوڑنے سے پہلے ان بیڑیوں کو کاٹ جایئے۔ اندلس ان لوگوں کے لئے ایک وطن نہیں بلکہ ایک شکار گاہ ہے۔ انہیں اسلام کی محبت نے آپ کے جھنڈے تلے جمع نہیں کیا تھا بلکہ یہ اس لئے آپ کی اعانت کے طلب گار ہوئے تھے کہ ایک اور شکاری اس شکار گاہ میں گھس آیا تھا، اور وہ ان کا ادھ موا شکار ہڑپ کر جانا چاہتا تھا۔ ہم ان لوگوں سے ان کی گزشتہ بداعمالیوں کا انتقام نہیں لینا چاہتے۔ لیکن اگر یہ اپنی کوتاہیوں پر نادم ہیں تو انہیں خود بخود ہمارے راستے سے ہٹ جانا چاہیئے اور اگر انہیں اپنے گزشتہ اعمال پر ندامت نہیں اور یہ ایک قوم کے مستقبل پر اپنے اقتدار کو مقدم سمجھتے ہیں تو اندلس کے مسلمانوں کو ان کے ہاتھ میں سونپ دینے کے بعد آپ خدا

کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ وہ پیغام جو آج آپ ان لوگوں کو دے رہے ہیں میں نے کئی برس پہلے دیا تھا اور اس جرم کی پاداش میں اپنی عمر کا بہترین حصہ قرطبہ اور طلیطلہ کے قید خانوں میں کاٹ چکا ہوں، اگر آپ اہلِ اندلس کی امانت کے لئے آئے ہیں تو اندلس کو ان لوگوں سے نجات دلانا آپ کا فرض ہے اور اگر آپ ان لوگوں کے گرتے ہوئے اقتدار کو سہارا دینے کے لئے آئے ہیں تو مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ زلاقہ کی فتح کے نتائج عارضی اور ہنگامی ہوں گے۔ ایک دائمی خطرے سے نجات حاصل کرنے کے لئے اندلس کو متحد کرنے کی ضرورت ہے اور جب تک اہل اندلس پہ ان لوگوں کے اقتدار کا بھوت سوار رہے گا اندلس متحد نہیں ہو سکے گا۔"

یہ بوڑھا عبدالمنعم تھا۔ اُسے جاننے والوں میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ نہ تھا کہ یہ کم گو انسان اچانک اس قدر جوش و خروش کا مظاہرہ کرے گا۔ اس اجتماع میں اس کے اپنے بیٹے بھی حیران ہو کر اُس کی تقریر سن رہے تھے۔ امیر یوسف نے فتح کے بعد تخلیے میں صرف ایک بار اس سے ملاقات کی تھی لیکن اُس ملاقات میں بھی اُس نے اس قدر کھل کر اپنے مافی الضمیر کا اظہار نہیں کیا تھا۔ عبدالمنعم نے امیر یوسف کو صرف کنایتہً یہ بتایا تھا کہ ملوک الطوائف کے ساتھ آپ نے دوستی کا جو معاہدہ کیا ہے وہ دیرپا ثابت نہیں ہوگا۔ اندلس کے علماء میں سے بھی صرف قاضی ابوجعفر کو اس بات کا علم تھا کہ عبدالمنعم بھری محفل میں ایک آتشیں گولا چھوڑنے والا ہے۔

اشبیلیہ کے عوام پُرخروش نعروں کے ساتھ عبدالمنعم کی تائید کر رہے تھے۔ ملوک الطوائف کا گروہ انتہائی اضطراب اور پریشانی کی حالت میں ہجوم سے ایک طرف ہٹ کر کھڑا تھا۔ عوام کا جوش و خروش دیکھ کر سیر بن ابوبکر نے بربر سواروں کو اُن کی حفاظت کا حکم دیا اور وہ اُن کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے۔ امیر یوسف بن تاشفین کچھ دیر تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا۔ بالآخر اس نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور لوگ ایک دوسرے کو خاموشی کی تلقین کرنے لگے۔

امیر یوسف نے کہا۔ "آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کے علماء اور حکمرانوں کے ساتھ یہ معاہدہ کر چکا ہوں کہ الفانسو کو شکست دینے کے بعد میں اندلس کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کروں گا اور

میری افواج اندلس کو خالی کر دیں گی میں اپنے عہد پر قائم ہوں ...... اندلس کے حکمران اس بزرگ کی تقریر سن چکے تھے .... اور میں بھی انہیں مشورہ دوں گا کہ وہ ہوا کا رُخ پہچاننے کی کوشش کریں۔ اگر انہوں نے اسلام سے منحرف ہو کر قوم کے مستقبل کو خطرے میں ڈالنے کی کوشش کی تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اپنے اقتدار کے ایوانوں میں دیر تک اطمینان کا سانس نہیں لے سکیں گے.... عوام سے میں یہ کہوں گا کہ اگر آپ اندلس میں اسلامی نظام حکومت کا احیاء چاہتے ہیں تو ایک ایسا اجتماعی ضمیر بیدار کیجیے جس کی قوت کے سامنے ہر غیر اسلامی نظام کی بنیادیں خود بخود متزلزل ہو کر رہ جائیں۔ اگر آپ میں اتنی سکت بھی نہیں کہ آپ اپنے حکمرانوں کو شرعی حکومت کے نفاذ پر آمادہ کر سکیں تو میں یہ کہوں گا کہ اندلس میں مسلمانوں کی عزت اور آزادی کے دن گنے جا چکے ہیں!"

امیر یوسف یہ کہہ کر عبدالمنعم کی طرف متوجہ ہوا: "آپ کچھ اور کہنا چاہتے ہیں؟"

اُس نے اطمینان سے جواب دیا۔ "نہیں میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں!"

امیر یوسف نے سامعین کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "اب آپ حضرات اپنے اپنے گھروں کو تشریف لے جائیں۔ میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے حکمرانوں کے سامنے آپ کی وکالت کروں گا۔"

تھوڑی دیر بعد امیر یوسف کا جلوس شہر سے باہر لشکر کی قیام گاہ کا رُخ کر رہا تھا۔

(۲)

اگلے دن معتمد کے اصرار پر امیر یوسف نے اپنے چیدہ چیدہ شیوخ، علماء اور فوجی افسروں کے ساتھ شاہی محل میں روزہ افطار کرنے کی دعوت قبول فرمائی۔ محل کی چار دیواری کے اندر ایک خوبصورت باغ میں ضیافت کا انتظام تھا۔ معتمد کے وزراء اور حکّام کے علاوہ اندلس کے کئی حکمران بھی اس دعوت میں شریک تھے۔ فانوسوں اور کافور کی بتیوں سے باغ کا ہر گوشہ بقعۂ نور بنا ہُوا تھا۔ اشبیلیہ کے شاہی دسترخوان کے تکلفات افریقہ کے درویش خصلت حکمران اور اس کے ساتھیوں کی توقعات سے کہیں زیادہ تھے۔

ملکہ رمیکیہ اپنی تمام آرائشوں کے ساتھ انا البرق کہتی ہوئی نمودار ہوئی اور دسترخوان پر معتمد

کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ صدر نشینوں کی نگاہیں صرف ایک بار اس کی طرف اُٹھیں اور پھر جھک گئیں۔ کسی نے اُس کے لباس کی تعریف نہ کی۔ کسی نے اس کی مسکراہٹوں کا جواب نہ دیا۔ رمیکیہ پریشان تھی۔ رمیکیہ خفا تھی اور رمیکیہ غصّے سے اپنے ہونٹ کاٹ رہی تھی اور جنہیں وہ اپنے لباس اور زیورات سے مرعوب کرنا چاہتی تھی، اطمینان سے سر جھکائے کھانا کھا رہے تھے۔ اُن کی خاموشی زبانِ حال سے یہ کہہ رہی تھی۔ "تم کسی کی بہن ہو، کسی کی بیوی ہو، کسی کی ماں ہو، تم اپنے مقام کو پہچاننے کی کوشش کرو!" اور رمیکیہ یہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ سب اسے گالیاں دے رہے ہیں۔ "جاہل کہیں کے!" اس نے یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلّی دینے کی کوشش کی۔

پھر اس نے اندلس کے حکمرانوں کی طرف دیکھا لیکن اُن کی نگاہوں کا مرکز کوئی اور تھا۔ معتمد نے آہستہ سے کہا۔ "ملکہ آپ کھانا نہیں کھائیں گی؟"

"مجھے بھوک نہیں!" اُس نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟"

"نہیں میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

"آپ جائیں، یہ لوگ آپ کی غیر حاضری محسوس نہیں کریں گے۔"

ملکہ اٹھنے کو تھی لیکن اچانک اس کی نگاہیں دسترخوان کے دوسرے سرے پر ایک نوجوان کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ اُس نے سرگوشی کے انداز میں معتمد سے سوال کیا۔ "وہ نوجوان جو سامنے دائیں ہاتھ ایک سیاہ فام بوڑھے کے ساتھ بیٹھا ہُوا ہے، کون ہے؟"

معتمد نے جواب دیا۔ "وہ امیر یوسف کی فوج کا ایک جرنیل ہے۔"

"غور سے دیکھیے!"

معتمد کے بائیں ہاتھ وزیر ابنِ زیدون بیٹھا ہُوا تھا۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔ "یہ وہی ہے جس نے چند سال قبل آپ کے سامنے باغیانہ تقریر کی تھی اور آپ جس شخص کی تقریر سن رہے تھے اس کا باپ تھا۔ وہ یہاں نہیں آیا۔"

اس ضیافت میں اشبیلیہ اور اندلس کے دوسرے شہروں کے چیدہ چیدہ شعراء کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد معتمد نے امیر یوسف سے درخواست کی کہ آپ اندلس کے نامور شعراء کو اپنا کلام سنانے کا موقع دیں!

امیر یوسف نے سنجیدہ ہو کر پوچھا "اس کام کے لئے کتنا وقت درکار ہوگا!

"یہ آپ کی پسند پر منحصر ہے۔"

"میں زیادہ نہیں بیٹھوں گا۔"

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو عشاء کی نماز کے بعد ان حضرات کو موقع دیا جائے"؟

"نہیں۔ نماز کے بعد میں آرام کروں گا۔"

دو شعراء نے یکے بعد دیگرے امیر یوسف بن تاشفین کی شان میں قصائد پڑھ کر سنائے۔ معتمد، اُس کے وزراء اور اندلس کے حکمرانوں نے انہیں دل کھول کر داد دی لیکن امیر یوسف خاموش بیٹھا رہا۔ اُسے یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ اُس کی تعریف ہو رہی ہے یا مذمت۔

جب تیسرا شاعر اپنا کلام سُنا رہا تھا تو معتمد نے امیر یوسف کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "یہ اشبیلیہ کا بہترین شاعر ہے۔ آپ اس کے اشعار کے معنی سمجھتے ہیں"؟

"میں کچھ نہیں سمجھا۔ میں صرف یہ سمجھا ہوں کہ یہ لوگ روٹی کے محتاج ہیں۔ لیکن کاش ایسا انسانوں کی بجائے صرف خدا کی تعریف کرتے۔ اب نماز کا وقت ہے"! امیر یوسف یہ کہنے کے بعد اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور شاعر اور ان کے قدر دان پریشانی کی حالت میں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ مجلس برخاست ہو گئی اور تھوڑی دیر بعد یہی شاعر جنہوں نے اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے تھے۔ اُس کی ہجو لکھ کر دل کی بھڑاس نکال رہے تھے۔

(۴)

اگلے دن ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ چچا الیاس اشبیلیہ کے بازار میں گھوم رہا تھا کہ اسے معتمد کا ایک وزیر دکھائی دیا۔ جو کسی زمانہ میں قرطبہ کے وزیر کا نائب تھا۔ الیاس اسے دیکھتے ہی آگ بگولا

ہو گیا اور اس نے آگے بڑھ کر وزیر کے سر سے عمامہ اتارا اور اس کے گلے میں ڈال کر ایک طرف کھینچنے لگا۔ پولیس کے چند آدمی پریشان حال وزیر کی مدد کے لئے دوڑے۔ لیکن اتنی دیر میں چالیس پچاس آدمی الیاس کے گرد جمع ہو چکے تھے اور یہ سب معتمد کے ایک وزیر کو عذاب میں مبتلا دیکھ کر الیاس کے طرفدار بن چکے تھے۔ سپاہیوں نے وزیر کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن لوگوں کے سامنے اُن کی پیش نہ گئی۔ تھوڑی دیر میں الیاس کے گرد ایک اچھا خاصہ ہجوم ہو چکا تھا۔

ایک آدمی نے آگے بڑھ کر الیاس سے کہا۔ "انہوں نے تمہارا کیا قصور کیا ہے"؟

الیاس نے جواب دیا۔ "یہ میں امیر یوسف کے سامنے جا کر بتاؤں گا۔"

لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ "ٹھیک ہے۔ اسے امیر یوسف کے پاس لے چلو!"

وزیر چلایا۔ "یہ دیوانہ ہے۔ میں اسے نہیں جانتا۔"

"اب جھوٹ تم لوگوں کو نہیں بچا سکتا۔ تمہارا خیال تھا کہ دُنیا سے خدا کی بادشاہت ختم ہو چکی ہے لیکن اب یوم حساب شروع ہو چکا ہے"! یہ کہتے ہوئے الیاس نے عمامے کو ذرا زور سے مروڑا اور وزیر کی آنکھیں باہر آگئیں۔ اب آگے سے الیاس اُسے کھینچ رہا تھا اور پیچھے سے لوگ ہانک رہے تھے۔ پولیس کے سپاہی تماشائیوں کی حیثیت میں ایک طرف کھڑے تھے۔ لوگوں کا ہجوم بڑھتا گیا کسی نے یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی اس عمر رسیدہ آدمی کو کس جُرم کی سزا دی جا رہی ہے! وزیر بدستور چلا رہا تھا۔ "یہ پاگل ہے۔ خدا کے لئے مجھے اس سے چھڑاؤ۔ میں نے کوئی قصور نہیں کیا۔ اشبیلیہ کے لوگو! میں تمہارے بادشاہ کا وزیر ہوں، میں تمہارا خادم ہوں"! اور اشبیلیہ کے لوگ قہقہے لگا رہے تھے۔

چند زندہ دل نوجوانوں کو دل لگی کی سوجھی اور انہوں نے راستے میں کسی کا گدھا پکڑ کر وزیر کو زبردستی اُس پر بٹھا دیا۔ امیر یوسف کے لشکر کی قیام گاہ تک پہنچتے پہنچتے آٹھ دس ہزار آدمی اس جلوس میں شریک ہو چکے تھے۔

اشبیلیہ کا وزیر اعظم ابنِ زیدون، امیر یوسف سے ملاقات کر کے خیمے سے نکلا تو اُسے سامنے یہ جلوس آتا ہوا دکھائی دیا۔ اپنے ایک نائب کو اس حالت میں دیکھ کر وہ آگے بڑھا۔ عوام ج

کسی حد تک اس کا احترام کرتے تھے اُس کے راستے سے ہٹ گئے۔ وزیر ابنِ زیدون کو دیکھتے ہی وزیر گدھے سے کود پڑا لیکن الماس نے اُسے نہ چھوڑا۔ ابن زیدون نے الماس سے کہا۔ "یہ زیادتی ہے انہیں چھوڑ دو۔"

الماس نے جواب دیا۔ "اسے میرے ہاتھ سے صرف امیر یوسف بن تاشفین چھڑا سکتے ہیں۔"

ابن زیدون نے سوال کیا۔ "انہوں نے تمہارا کیا قصور کیا ہے؟"

"آپ کو ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

امیر یوسف کی فوج کا ایک جرنیل ہجوم کو اِدھر اُدھر ہٹاتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے بلند آواز میں کہا۔ "الماس! الماس! تم کیا کر رہے ہو؟ چھوڑ دو اسے!!" یہ سعد تھا۔

الماس نے کہا۔ "آپ اسے نہیں جانتے۔ جب یہ قرطبہ کے گورنر کا نائب تھا تو اس نے ہماری جائداد ضبط کرنے کی دھمکی دے کر مجھ سے تین سو دینار وصول کئے تھے۔ میں اسے امیر یوسف کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

وزیر چلّایا۔ "یہ جھوٹ ہے میں اسے نہیں جانتا۔"

الماس نے کہا۔ "میں قرطبہ سے ایک ہزار گواہ مہیا کر سکتا ہوں، ان میں سے دو سو ایسے ہوں گے جن سے تم نے زبردستی رشوتیں لی ہیں۔"

سعد نے کہا۔ "امیر یوسف ان معاملات میں دخل نہیں دیں گے۔ اسے چھوڑ دو۔"

اتنی دیر میں عبدالمنعم، احمد، حسن اور ادریس جو سعد کے خیمے میں ٹھہرے ہوئے تھے، وہاں پہنچ گئے اور الماس نے بادلِ ناخواستہ وزیر کو چھوڑ دیا۔

ابنِ زیدون نے آگے بڑھ کر الماس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ انہوں نے آپ سے رشوت ضرور لی ہوگی۔ لیکن اب انہیں کافی سزا مل چکی ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ انہوں نے جو کچھ آپ سے لیا ہے، وہ آپ کو واپس مل جائے گا۔ امیر یوسف ہمارے مہمان ہیں اور انہیں ایسی باتوں کے لئے پریشان کرنا ٹھیک نہیں۔"

الماس نے جواب دیا۔ "مجھے پیسوں کی ضرورت نہیں میں انصاف چاہتا ہوں اور میں اس دن کا انتظار کروں گا جب امیر یوسف کو اس ملک میں انصاف کرنے کا اختیار ہوگا۔"

(۴)

الفانسو کا خطرہ ٹل جانے کے بعد وہ رسّی بھی ٹوٹ چکی تھی، جس نے ملوک الطوائف کو عارضی طور پر ایک دوسرے سے منسلک کر رکھا تھا۔ زلاقہ کی فتح کے بعد اطمینان کا سانس لیتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف سازشوں کے جال بچھانے شروع کر دیئے۔ اُن سب کا یہی خیال تھا کہ امیر یوسف جس پر زیادہ مہربان ہوگا اُسے سارے اندلس کا حکمران بنا دیا جائے گا۔ امیر یوسف کی قیام گاہ کے باہر وہ ایک دوسرے کے ساتھ بغل گیر ہو کر ملتے۔ امیر یوسف کی سادہ زندگی کا مذاق اڑاتے اور اس پر اس قسم کے شبہات کا اظہار کرتے۔ "یہ واپس نہیں جائے گا ——— یہ اندلس پر قبضہ کرنا چاہتا ہے ——— عوام اور علماء اس کے ساتھ ہیں ——— ہمارے بڑے سے بڑے عہدہ دار کے مقابلے میں اُس کے معمولی سپاہی کا زیادہ احترام کیا جاتا ہے۔ یہ ہمارے مرمریں ایوانوں میں اپنے گھوڑے باندھا کریں گے ——— اندلس کے تمدن اور ثقافت کا جنازہ نکل جائے گا ——— معتمد نے اسے اشبیلیہ میں ٹھہرنے کی اجازت دے کر غلطی کی ہے۔ اب یہ ممکن نہیں کہ وہ ہمارے محل دیکھنے کے بعد اپنے جھونپڑوں میں واپس جانا پسند کریں۔"

امیر یوسف کی قیام گاہ میں وہ ایک دوسرے کے خلاف شکایات کے دفتر کھول دیتے۔ اشبیلیہ کا حکمران، بطلیوس کے حکمران کے خلاف زہر اگلتا، غرناطہ کا حکمران المریہ کے حکمران کے خلاف شکایت کرتا، مرسیہ کا امیر معتمد کی برائیاں گنتا، غرض یہ سب ایک دوسرے کے چہرے پر سیاہی تھوپنے کی کوشش کر رہے تھے اور افریقہ کا مجاہد یہ محسوس کر رہا تھا کہ ان سب کے چہرے داغدار ہیں۔ وہ معتمد جسے زلاقہ کے میدان میں بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے دیکھا تھا اس معتمد سے مختلف تھا جسے وہ اشبیلیہ میں دیکھ رہے تھے۔ یہاں اس کے اعصاب پر رعونت سوار تھی۔ امیر یوسف کی آمد سے قبل وہ اشبیلیہ کی ہر محفل کا چراغ تھی لیکن اب وہ اپنے محل کی چار دیواری کے اندر ایک بے بس قیدی کی

زندگی گزاری تھی۔ اندلس میں اسلامی نظامِ حکومت کا تصور اُس کے لئے موت سے زیادہ بھیانک تھا، وہ تصور میں دیکھتی کہ اسلام کا نعرہ لگانے والے اس کے رقص و سرود کی محفلوں کو درہم برہم کر رہے ہیں۔ شراب کے جام اُس کے ہاتھوں سے چھینے جا رہے ہیں لوگوں کی نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹ کر ایک ایسے انسان پر مرکوز ہو رہی ہیں جس کی قبا میں پیوند لگے ہوئے ہیں جس میں شعر سمجھنے اور شعر کہنے کی صلاحیت بھی نہیں ــــ اُسے ایک ایسی دنیا میں دھکیلا جا رہا ہے، جہاں بندہ اور آقا کی تمیز نہیں کی جاتی۔ جہاں عورت کو صرف ایک بیٹی، ایک بہن، ایک بیوی اور ایک ماں کی حیثیت سے دیکھا اور پہچانا جاتا ہے۔ رمیکیہ اس دنیا کے لئے ایک اجنبی تھی۔ وہ صبح شام معتمد سے یہ پوچھا کرتی تھی کہ اب ہمارا انجام کیا ہوگا؟

اندلس کے شاعر اور ادیب اور فنونِ لطیفہ کے ماہرین سب سے زیادہ فکرمند تھے۔ یہ لوگ نالائق حکمرانوں کی خوشامد سے اپنا پیٹ پالا کرتے تھے۔ اور اب انہیں اس بات کی فکر تھی کہ اگر اندلس میں مرابطین کے پاؤں جم گئے تو اُن کا پرسانِ حال کوئی نہ ہوگا۔

اندلس کے رؤسا بھی یہ خدشہ محسوس کر رہے تھے کہ ملوک الطوائف کے زوال کے بعد جن لوگوں کے ہاتھ میں طاقت آئے گی وہ انہیں کان سے پکڑ کر اقتدار کی کرسیوں سے اتار دیں گے ـــ ان سب کے لئے اپنے ذاتی اقتدار سے محروم ہونے کے بعد اندلس کی آزادی اور فارغ البالی بے معنی تھی

امیر یوسف آئے دن اپنی فوج کے دستے واپس روانہ کر رہا تھا۔ ایک ہفتے کے اندر اندر اُس کے دس ہزار سپاہی اشبیلیہ سے جا چکے تھے تاہم ملوک الطوائف کو اطمینان نہ تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اندلس کے ہر شہر سے لوگوں کے وفد امیر یوسف کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے اور اگر اُس نے اندلس پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ تو اُسے کسی بڑی فوج کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ عوام اُس کا اشارہ پاتے ہی اُن کے اقتدار کا تختہ الٹنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔

معتمد ان سب سے زیادہ پریشان تھا۔ اُس کا یہ خیال تھا۔ الفانسو کو شکست دینے کے بعد مرابطین اندلس کے باقی حکمرانوں کو اُس کی قیادت تسلیم کرنے پر مجبور کریں گے لیکن اُس کی یہ آرزو

پوری نہ ہوئی۔ جب اُس نے امیر یوسف کی خدمت میں گراں بہا تحائف پیش کئے اور اُس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے کے بعد دبی زبان سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کیا تو یوسف بن تاشفین نے جواب دیا۔ "آپ اپنے تحائف واپس لے جایئے۔ میں ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ اندلس کے ملوک الطوائف میں سے کون فرشتہ ہے اور کون شیطان ہے۔ اگر میں اندرونی معاملات میں غیر جانبدار رہنے کا معاہدہ نہ کر چکا ہوتا تو میں اس ملک کو طوائف الملوکی سے نجات دلانا اپنا اولین فرض سمجھتا لیکن میرے اس اقدام سے یقیناً اُن لوگوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچتا۔ جنہوں نے جمہور کی ہڈیوں پر اپنے عشرت کدے تعمیر کئے ہیں۔ میری دوستی اور دشمنی صرف خدا کے لئے ہے۔ میں اندلس میں چھوٹے چھوٹے فرعونوں کی گردن پر ایک بڑے فرعون کو سوار کرنے نہیں آیا!"

اس ملاقات کے بعد معتمد کا خوف اور اضطراب جنون کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ ویسے بھی وہ ایک جذباتی آدمی تھا۔ اندلس کے باقی حکمرانوں کو اپنا خیر خواہ سمجھ کر اس نے امیر یوسف کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ یہ حکمران اُس کے رازدار بن کر اُس کی باتیں سن لیتے اور پھر امیر یوسف کے پاس جا کر اُس کے کان بھرتے۔ المریہ کے حکمران معتصم نے معتمد اور امیر یوسف کے درمیان منافرت کی خلیج حائل کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

(۵)

امیر یوسف نے تلواروں کی جھنکار اور تیروں کی سنسناہٹ میں زندگی کے آداب سیکھے تھے۔ اندلس کے امراء کی یہ ریاکاری اور منافقت اُس کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ اشبیلیہ میں اُس کا قیام ماہِ رمضان کے باقی دن گزارنے کے لئے تھا۔ لیکن عید سے چھ دن قبل اُسے اپنے بڑے بیٹے کی وفات کی اطلاع ملی جسے وہ سبتہ میں بیمار چھوڑ آیا تھا اور اس خبر سے تھوڑی دیر بعد اہلِ اشبیلیہ یہ سن رہے تھے کہ امیر یوسف آج ہی واپس جا رہا ہے۔

سفر کی تیاری کے بعد امیر یوسف نے سعد کو اپنے خیمے میں بلایا اور کہا۔ "سعد! اب تم اپنے والد اور بھائیوں کے ساتھ اپنے گھر جاؤ!"

سعد نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔ "میرا گھر غرناطہ میں نہیں قرطبہ میں ہے اور اسے آباد کرنے کے لئے مجھے کسی اور دن کا انتظار کرنا پڑے گا"۔

امیر یوسف نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میرے دوست! تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ قرطبہ میں تمہارا گھر ضرور آباد ہوگا۔ میں پھر آؤں گا اور پھر میں اپنی شرائط کے ساتھ آؤں گا۔ تمہارے والد کی آواز ہمیشہ میرے کانوں میں گونجتی رہے گی۔"

سعد نے پرامید ہو کر کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ آپ ضرور آئیں گے اور یہ یقین صرف میرے لئے ہی نہیں بلکہ اندلس کے لاکھوں انسانوں کے لئے زندگی کا آخری سہارا ہے"۔

سعد کے ساتھ کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد امیر یوسف اپنے خیمے سے باہر نکلا۔ اہل اشبیلیہ اسے الوداع کہنے کے لئے مستقر میں جمع ہو رہے تھے۔ ملوک الطوائف کی ٹولی ایک طرف کھڑی تھی اور ان سے ایک طرف ہٹ کر اندلس کے علماء کا گروہ کھڑا تھا۔ عوام کے ہجوم کو سپاہیوں نے تھوڑی دور روک رکھا تھا۔ امیر یوسف سب سے پہلے علماء کی طرف متوجہ ہوا۔ اور آگے بڑھ کر یکے بعد دیگرے ان کے ساتھ مصافحہ کرنے لگا۔ پھر وہ تیزی کے ساتھ قدم اٹھاتا ہوا عوام کے ہجوم میں گھس گیا۔ بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کی نگاہیں یہ بتا رہی تھیں کہ وہ سب اپنے محسن کے بیٹے کی وفات کے غم میں شریک ہیں۔

سیر بن ابوبکر ایک طرف کھڑا سعد کے بھائیوں اور اس کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ اچانک اس کے دل میں کوئی خیال آیا اور وہ تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا اندلس کے حکمرانوں کے گروہ کی طرف بڑھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا، تو غرناطہ کا حکمران عبداللہ اس کے ساتھ تھا۔

سیر بن ابوبکر نے سعد کے قریب پہنچ کر اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا، اور غرناطہ کے حکمران کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "میں آپ کو ایک ضروری بات بتانا چاہتا ہوں۔ یہ میرے دوست ہیں بسر دست ان کا گھر غرناطہ میں ہے۔ میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر کبھی ان کے متعلق یا ان کے عزیزوں اور دوستوں کے متعلق آپ کے دل میں کوئی برا ارادہ پیدا ہو تو آپ اتنا ضرور سوچ لیں کہ میں انہیں اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہوں"۔

ابوعبداللہ نے کہا۔ "اگر یہ آپ کے دوست ہیں تو مجھے بھی اپنا بہترین دوست پائیں گے"۔

سیر بن ابی بکر نے کہا۔ "اندلس میں دوست کا لفظ بہت بدنام ہو چکا ہے۔ میں انہیں صرف آپ کے شر سے محفوظ دیکھنا چاہتا ہوں"۔

عبداللہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

امیر یوسف عوام سے تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد اندلس کے حکمرانوں کی طرف متوجہ ہوا اور ان کے ساتھ کچھ رسمی باتیں کرنے کے بعد اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

جس وقت اشبیلیہ کے عوام آہوں اور آنسوؤں کے ساتھ اندلس کے محسن کو خدا حافظ کہہ رہے تھے، ملکہ زمیکیا اپنے محل میں جشن کی تیاریاں کر رہی تھی۔

(۶)

دوپہر کے وقت سکینہ اپنے مکان کے ایک کمرے میں بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ گزشتہ چند دن سے اس کی طبیعت ناساز تھی۔ طاہرہ اس کے سرہانے بیٹھی اس کا سر دبا رہی تھی اور میمونہ بستر کے قریب کرسی پر بیٹھی اسے ایک کتاب پڑھ کر سنا رہی تھی۔

مکان کے باہر گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی اور تھوڑی دیر بعد خادمہ نے اندر جھانکتے ہوئے کہا۔ "وہ آ گئے ہیں۔ مبارک ہو!"

سکینہ کا مرجھایا ہوا چہرہ مسرت سے چمک اٹھا اور وہ بستر سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

طاہرہ نے کہا۔ "امی جان آپ لیٹے رہیں!"

"میں بالکل ٹھیک ہوں" اس نے جواب دیا۔

عبدالمنعم اپنے بیٹوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ طاہرہ اور میمونہ اسے سلام کہہ کر ایک طرف ہٹ گئیں اور وہ کرسیاں گھسیٹ کر سکینہ کے گرد بیٹھ گئے۔ سکینہ برسوں کے بعد اپنے گھر کی پوری رونق دیکھ رہی تھی۔

عبدالمنعم نے سوال کیا۔ "آپ ٹھیک ہیں نا؟"

میں بالکل ٹھیک ہوں۔

سعد نے کہا "نہیں امی جان! آپ کی صحت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔ میں طبیب کو بلاتا ہوں"

"نہیں بیٹا! اب مجھے کسی طبیب کی ضرورت نہیں۔ تمہارے گھوڑوں کی ٹاپ سنتے ہی میرا بخار اُتر گیا تھا، اور ہاں ادریس کہاں ہے؟"

سعد نے کہا "ادریس سیدھا خالہ جان کے پاس گیا ہے۔ ابھی آجائے گا۔"

سکینہ نے طاہرہ اور میمونہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا "تم کونے میں کیوں جا کھڑی ہوئیں۔ یہاں آؤ!"

میمونہ اور طاہرہ لجاتی اور شرماتی ہوئی آگے بڑھیں اور سکینہ کے بستر سے دو تین قدم ہٹ کر کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

سکینہ نے اپنے شوہر کی طرف دیکھا اور کہا "آپ کو فتح مبارک ہو! اب میں صرف یہ سننا چاہتی ہوں کہ ہم قرطبہ کب جا رہے ہیں؟"

عبدالمنعم نے قدرے مغموم لہجے میں جواب دیا "ابھی قرطبہ جانے کا وقت نہیں آیا۔"

سکینہ نے پریشان ہو کر کہا "آپ کہتے ہیں کہ اگر جنگ جلدی ختم ہو گئی تو ہم عید قرطبہ جا کر منائیں گے۔"

عبدالمنعم نے جواب دیا "ہم قرطبہ ضرور جائیں گے۔ لیکن ابھی نہیں۔"

رات کے وقت میمونہ کو اپنے شوہر کے ساتھ تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع ملا تو اس کا پہلا سوال یہ تھا، "ابا جان نے قرطبہ جانے کا ارادہ کیوں تبدیل کر دیا ہے؟"

سعد نے جواب دیا "ابا جان نے ارادہ تبدیل نہیں کیا ملتوی کیا ہے اور اس التوا کی وجہ یہ ہے کہ قرطبہ کا ماحول ابھی ہمارے لئے سازگار نہیں۔"

میمونہ نے کہا "تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ابھی تک ہماری زندگی کی اصلی صبح نمودار نہیں ہوئی؟"

"نہیں میمونہ! صبح نمودار ہو چکی ہے لیکن ابھی تک آسمان پر تاریک بادلوں کا جمگھٹا ہے۔ یہ بادل بہت جلد چھٹ جائیں گے اور ہم اپنے مقدر کے آفتاب کو پوری آب و تاب کے ساتھ دیکھ سکیں گے۔ ہم نے وقت کی مہیب آندھی کا رُخ بدل دیا ہے لیکن ابھی چند بگولے ہیں کچھ عرصہ پریشان کرتے رہیں گے۔"

میمونہ خاموشی سے اپنے شوہر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر مسرت کی مسکراہٹیں آہستہ آہستہ رخصت ہو رہی تھیں۔ سعد نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا "تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ میمونہ اب مجھے افریقہ نہیں جانا پڑے گا۔ اندلس کے آسمان سے یہ بادل بہت جلد چھٹ جائیں گے۔"

میمونہ خاموش رہی۔ سعد نے پھر کہا "تم کیا سوچ رہی ہو میمونہ؟"

اس نے مغموم لہجے میں جواب دیا "میں آپ کی امی جان کے متعلق سوچ رہی ہوں۔ جب اہلِ قرطبہ نے مامون کی افواج کو شکست دی تھی تو وہ یہ سمجھتی تھیں کہ طوفان گزر چکا ہے اور آلام و مصائب کا دورہ ختم ہو چکا ہے لیکن اس کے بعد اُن کی زندگی کی کتنی صبحیں تھیں جو راتوں سے زیادہ بھیانک تھیں۔ دن مہینوں اور مہینے برسوں میں تبدیل ہو گئے اور اب بھی انہیں یقین نہیں آتا کہ یہ بھیانک رات گزر چکی ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ایک لق و دق صحرا کے مسافر کی طرح صرف سراب دیکھے ہیں۔"

سعد نے کہا "میمونہ! ہمارے والدین نے اپنی زندگی کی راحتیں اس لئے قربان کیں کہ اندلس ہمارے لئے مسرتوں کا گہوارہ بن سکے۔ اور اپنی آنے والی نسلوں کو ایک بہتر زندگی کا پیغام دینے کے لئے ہمیں بھی اپنے حصے کی کئی راحتیں قربان کرنی پڑیں گی۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارا حال ہمارے ماضی سے بہتر ہے اور ہمارا مستقبل ہمارے حال سے بہتر ہوگا!"

"جب آپ مجھ سے دور تھے تو میں ماضی، حال اور مستقبل کی سرحدیں دیکھ سکتی تھی، اور جب آپ میرے سامنے ہیں تو یہ سرحدیں مٹ چکی ہیں۔ میں اس دنیا میں ہوں جہاں زندگی وقت

کی زنجیروں سے آزاد ہے۔ جو پیش آچکا ہے مجھے اس کے متعلق شکایت نہیں اور جو پیش آنے والا ہے مجھے اُس کا کوئی خوف نہیں۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں آپ کا بازو تھام کر میں زندگی کے بڑے سے بڑے طوفان کی ہنسی اُڑا سکتی ہوں۔"

سعد مسکرایا۔ "تم ہمیشہ میرے ساتھ رہتی ہو میمونہ! ہم ایک دوسرے سے کبھی جدا نہیں ہوئے افریقہ کے بے آب وگیاہ صحراؤں میں تم میرے ساتھ تھیں۔ میں تلواروں کی جھنکار اور تیروں کی سنسناہٹ میں بھی تمہاری آواز سن سکتا تھا۔ زلاقہ کے میدان میں کسی کو اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا لیکن تم وہاں بھی میرے ساتھ تھیں۔ تم ہر جگہ میرے ساتھ تھیں۔ تم ہمیشہ میرے ساتھ رہو گی، وقت اور بُعد ہمارے درمیان حائل نہیں ہو سکے گا!"

مکان کے ایک اور کمرے میں طاہرہ اور احمد محویت کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ طاہرہ کبھی کبھی اپنے شوہر سے زلاقہ کی جنگ کے متعلق کوئی سوال پوچھتی اور وہ مختصر سا جواب دینے کے بعد پھر خاموش ہو جاتا۔ بالآخر طاہرہ نے کہا۔ "آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

احمد نے جواب دیا۔ "تمہارے سامنے بیٹھ کر میں ہمیشہ یہی سوچا کرتا ہوں کہ ...."

طاہرہ نے جلدی سے اُس کا فقرہ پورا کرتے ہوئے کہا کہ "طلیطلہ کی ملاقات سے پہلے بھی آپ کے ذہن میں میرا تصور موجود تھا؟"

احمد نے کہا۔ "اسے مذاق نہ سمجھو طاہرہ! تمہیں دیکھ کر میں ہمیشہ یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہیں تھے۔ ہماری روحیں روزِ اول سے ایک دوسرے کے ساتھ مانوس تھیں اور اس زندگی میں ہم ایک دوسرے کی تلاش میں بھٹک رہے تھے ــــــ اگر زندگی کا ایک حادثہ ہمیں ایک دوسرے کے قریب نہ لے آتا تو بھی تمہارا مبہم سا تصور مجھے ہمیشہ بے چین رکھتا۔"

طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔ "آپ شاعری کر رہے ہیں!"

"یہ شاعری نہیں طاہرہ! کبھی کبھی تمہارے مُنہ سے اچانک کوئی بات نکلتی ہے تو میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرے کان اسے پہلے ہی سن چکے ہیں۔"

طاہرہ نے اپنے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز تبسم لاتے ہوئے کہا، خدا نے آپ کو محبت کرنے والا دل عطا کیا ہے۔ میں کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ اگر میری جگہ کوئی اور ہوتی تو اُس کے ساتھ بھی آپ اسی قسم کی باتیں کیا کرتے؟

احمد نے اپنے چہرے پر مصنوعی غصہ لاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو طاہرہ! تم میری محبت کی توہین کر رہی ہو!"

طاہرہ نے اپنے ہاتھ سے اُس کی پیشانی پر بکھرے ہوئے بالوں کو سنوارتے ہوئے کہا۔ "آپ خفا ہو گئے میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔ کبھی کبھی میں بھی آپ کی طرح سوچا کرتی ہوں ہم ستاروں کی حسین دنیا میں آنکھ مچولی کھیلا کرتے تھے۔ پھر ہم کھیلتے کھیلتے اُس دنیا سے نکل آئے۔ میں آپ کی نگاہوں سے چھپ کر طلیطلہ پہنچ گئی اور آپ مجھے برسوں قرطبہ اور غرناطہ میں تلاش کرنے کے بعد وہاں پہنچ گئے۔ اب ہم آنکھ مچولی نہیں کھیلیں گے۔ میں بازی ہار چکی ہوں۔"

"میری زندگی، میری روح!" احمد نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اس ہار کا افسوس تو نہیں؟"

"میرے آقا! یہ ہار میری زندگی کی سب سے بڑی فتح ہے۔"

(۷)

عید سے ایک ہفتہ بعد حسن کی خالہ اُن کے گھر آئی اور اُس نے اپنی بہن سے کہا۔ "سکینہ، اب حسن کی شادی کا انتظام کرو!"

"آپا جان! میں کئی دن سے سوچ رہی ہوں۔ پڑوس میں ایک اچھے خاندان کی دو لڑکیاں ہیں۔ آپ کسی دن میمونہ اور طاہرہ کو ساتھ لے کر دیکھ آئیں!"

"کسی دن کیوں۔ ہم آج ہی جائیں گے!"

"آپا جان! اتنی جلدی نہیں۔ میں نے ابھی تک حسن سے نہیں پوچھا۔"

"حسن! حسن!" خالہ نے بلند آواز میں کہا۔ "کہاں گیا وہ؟"

وہ اپنے ابّا اور بھائیوں کے ساتھ قاضی ابوجعفر کے پاس گیا ہے۔"

خالہ نے جل کر کہا "اس بوڑھے سے خدا سمجھے، اب کیا چاہتا ہے وہ؟"

میمونہ نے اپنی ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "کون خالہ جان؟"

"ابوجعفر اور کون؟"

تھوڑی دیر بعد عبدالمنعم اور اس کے بیٹے گھر آئے تو خالہ نے خادمہ کو بھیج کر حسن کو اندر بلالیا۔

خالہ نے کسی تمہید کے بغیر سوال کیا "حسن ہمارا خیال ہے کہ اسی مہینے تمہاری شادی کردی جائے کیا ارادہ ہے تمہارا؟"

حسن کی خاموشی پر وہ سکینہ کی طرف متوجہ ہوئی "سعادت مند بیٹے ایسے سوالات کا جواب نہیں دیا کرتے۔ میمونہ بیٹی! تم تیاری کرو۔ ہم ابھی لڑکی کو دیکھ کر آتی ہیں۔ وہ کون سا گھر ہے سکینہ؟"

حسن نے میمونہ اور طاہرہ کے ہونٹوں پر تبسم دیکھ کر کہا "خالہ جان! آپ میری فکر نہ کریں۔ میری شادی ہوچکی ہے۔"

"کیا کہا؟" خالہ بدحواس ہوکر چلائی۔

"خالہ جان! میں نے کہا ہے کہ میری شادی ہوچکی ہے؟"

"کہاں۔ کب؟ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی!"

"یہ تو بہت دیر کی بات ہے خالہ جان۔ آپ کو ابھی تک معلوم نہیں ہوا؟"

خالہ نے قدرے مغموم ہوکر کہا "کیوں سکینہ تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔ آخر اس میں چھپانے والی کون سی بات ہے۔ میں عبدالمنعم کو کہتی ہوں کہ آج ہی بہو کو گھر لانے کی تیاری کرے۔"

سکینہ، میمونہ اور طاہرہ پریشانی کی حالت میں ایک دوسری کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ خالہ نے شفقت آمیز لہجے میں کہا "بیٹا حسن مجھے بتاؤ ان کا گھر کہاں ہے۔ کیسے نالائق ہو تم۔ گھر آکر کسی کے ساتھ ذکر بھی نہیں کیا۔ وہ لوگ تمہارے متعلق کیا خیال کریں گے۔ وہ لڑکی کیسی ہے

کیا نام ہے اس کا؟"

حسن نے کہا "خالہ جان وہ بے حد حسین ہے۔ اندلس میں اس سے زیادہ حسین کوئی نہیں۔ اگر آپ ابھی دیکھنا چاہیں تو میں دکھا سکتا ہوں؟"

حسن یہ کہہ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔

اس نے کہا "یہ دیکھئے خالہ جان! یہ میری رفیقۂ حیات ہے۔"

خالہ نے کہا "یہ سب ابوجعفر کی صحبت کا اثر ہے۔ خدا اس کا ستیاناس کرے!"

حسن ہنستا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ خالہ نے قدرے توقف کے بعد آواز دی "حسن! حسن!! ادھر آؤ!"

حسن دوبارہ کمرے میں داخل ہوا اور بولا "خالہ جان! آپ کچھ اور کہنا چاہتی ہیں؟"

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں؟"

حسن نے سنجیدہ ہوکر کہا "میں آپ کے ہر سوال کا جواب دے چکا ہوں خالہ جان! ابھی آپ یہ مسئلہ نہ چھیڑیں۔"

حصنُ اللّیط

امیر یوسف بن تاشفین کی واپسی کے بعد اندلس میں اقتدار کی جنگ ایک نئی شدت کے ساتھ شروع ہوئی اور اہلِ اندلس کے آلام و مصائب میں آئے دن اضافہ ہوتا گیا۔ بیرونی خطرات سے نجات حاصل کرتے ہی ملوک الطوائف کی تمام تر توجہ اُن لوگوں کی طرف مبذول ہو رہی تھی جو اندلس میں شرعی حکومت کا نفاذ چاہتے تھے۔ اسلام کا نعرہ لگانے والوں کو سختی کے ساتھ دبانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ حکومت کے جاسوسوں کی سرگرمیوں کے مرکز وہ مساجد اور درسگاہیں تھیں جہاں سے اسلامی حکومت کے حق میں آواز اُٹھ رہی تھی۔ غیر شرعی ٹیکس ادا کرنے سے انکار کرنے والوں کی جائدادیں ضبط کی جا رہی تھیں۔

حکمران اپنی اپنی سلطنتوں میں ایسے مبلغوں کی جماعت تیار کر رہے تھے جو ان کے اشارے پر علمائے حق کے خلاف فتوے دینے کے لئے مستعد رہتے تھے لیکن یہ حرّیت پسند اُمید کی روشنی دیکھ چکے تھے، اب وہ اقتدار پرستوں کے جبر و استبداد سے مرعوب ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔ اصرار کے تشدّد کے ساتھ اُن کا جوش و خروش بڑھتا گیا۔

دوسری طرف زلاقہ کے میدان میں عبرتناک شکست کھانے کے بعد عیسائی یہ محسوس کر رہے تھے کہ ہوا کا رُخ بدل چکا ہے۔ اب اگر مسلمان آگے بڑھے تو اندلس کے آخری گوشے تک انہیں کوئی طاقت نہیں روک سکے گی۔ لیکن امیر یوسف کی واپسی کے بعد اندلس کی اندرونی کشمکش کی اطلاعات سُن کر اُن کے حوصلے پھر ایک بار بلند ہونے لگے۔ الفانسو نے اشبیلیہ، بطلیوس اور جنوب مغرب کی دوسری سلطنتوں کے ساتھ دوبارہ ٹکر لینے کی بجائے اپنی قوت کو جنوب مشرق

کے محاذ پر جمع کرنا شروع کر دیا۔

حصن اللّیط پر ابھی تک الفانسو کے سپہ سالار الوار فانیز کا قبضہ تھا۔ یہ قلعہ لورقہ اور مرسیہ کے درمیان ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا اور اپنے محلِ وقوع کے باعث اس قدر مضبوط اور مستحکم تھا کہ یہاں مٹھی بھر سپاہی ایک بڑی سے بڑی فوج کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ اس کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بارہ تیرہ ہزار سپاہی یہاں مستقل طور پر قیام کر سکتے تھے۔ الفانسو اور اس کے حلیف بادشاہوں نے نصرانی فوج کو ازسرِ نو منظم کیا اور اپنے بہترین دستے حصن اللّیط میں منتقل کر دیئے۔

حصن اللّیط کی فوج نے زلاقہ کی شکست کا انتقام لینے کے لئے قرب و جوار میں مرسیہ، شنقورہ، لورقہ اور المریہ کے علاقوں میں قتل و غارت اور لوٹ مار کا طوفان بپا کر دیا۔ چند مہینوں میں اس قلعہ کے اردگرد مسلمانوں کی بستیاں اور شہر کھنڈروں میں تبدیل ہو کر رہ گئے۔

بلنسیہ کے مسلمان جنہوں نے مدت کے بعد اہل قسطلہ کے مظالم سے نجات حاصل کی تھی اب ایک نئی مصیبت کا سامنا کر رہے تھے۔ قسطلہ کا مشہور نائٹ سِڈ قنبیطور[1] جو کبھی مسلمانوں سے معاوضہ لے کر عیسائیوں کے ساتھ اور عیسائیوں سے معاوضہ لے کر مسلمانوں کے ساتھ جنگ لڑنے میں شہرت حاصل کر چکا تھا۔ اب بلنسیہ کو اپنی شکارگاہ بنا چکا تھا۔ زلاقہ کی شکست کے بعد جب قسطلہ کی افواج بلنسیہ سے نکل گئیں تو عوام نے یحییٰ القادر کی حکومت سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ یحییٰ نے الفانسو کی اعانت سے محروم ہونے کے بعد قنبیطور کو اپنا سرپرست بنا لیا اور قنبیطور نے پیشہ ور ڈاکوؤں اور لٹیروں کی فوج کے ساتھ قسطلہ کی فوج کی جگہ لے لی۔ وہ یحییٰ سے چھ ہزار

---

[1] ڈان راڈیگو۔ کمپیا ڈریا قنبیطور اس کا لقب تھا۔ قسطلہ کی زبان میں اس کے معنی "نبرد آزما" "مبارزہ جو" ہیں۔ سِڈ (Cid) عربی لفظ السّید کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس طرح الفانسو نے اپنے نام کے ساتھ "حامی دینِ مسیح و اسلام" کے الفاظ پسند کئے تھے۔ اُسی طرح قنبیطور نے بھی اپنے لئے سیّد کا لفظ منتخب کیا تھا جو بگڑتے بگڑتے صرف (Cid) سِڈ رہ گیا۔

اشرفی روزانہ وصول کرتا تھا اور اس کی فوج کو بلنسیہ میں لوٹ مار اور قتل و غارت کی پوری آزادی تھی،

غرض بلنسیہ میں تنبیطور اور حصن اللیط میں قسطلی جرنیل کی سرگرمیوں کے باعث جنوب مشرقی اندلس کے مسلمان بُری طرح پس رہے تھے۔ مرسیہ، المریہ اور دوسری چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے وفد ملوک الطوائف کے پاس پہنچے لیکن اُن میں سے اکثر ایسے تھے جو جنگ کی بجائے الفانسو کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کی فکر کر رہے تھے۔

اچانک معتمد اشبیلیہ سے اپنی فوج لے کر نکلا اور جنوب مشرقی اندلس کے تباہ حال باشندے یہ محسوس کرنے لگے کہ خدا نے اُن کی فریاد سُن لی ہے لیکن قرطبہ کی سرحد عبور کرنے کے بعد اشبیلیہ کی فوج نے حصن اللیط کی طرف بڑھنے کی بجائے اپنا رُخ لورقہ کی طرف بدل دیا۔ اب اس کے عزائم کے متعلق کسی کو غلط فہمی نہ تھی۔ معتمد اس سے قبل کئی بار لورقہ اور مرسیہ پر حق جتا چکا تھا۔ اب وہ یہ سمجھتا تھا کہ اپنے حکمرانوں سے مایوس اور دشمن کے حملوں سے پریشان لوگ اُسے اپنا نجات دہندہ سمجھ کر اس کی راہ میں آنکھیں بچھائیں گے لیکن اس کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ لورقہ کے راستے میں اچانک اس کی فوج کا حصن اللیط کے چند دستوں کے ساتھ تصادم ہو گیا اور معتمد نے شکست کھا کر مرسیہ کا رُخ کیا۔ ابن رشیق عیسائیوں کے ہاتھوں پٹی ہوئی فوج کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی بجائے جنگ کے لئے شہر سے باہر نکل آیا اور معتمد نے لڑائی کے بغیر واپس لوٹ آنا اپنے لئے بہتر سمجھا۔

معتمد کی شکست کے بعد حصن اللیط کے عیسائیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے قرطبہ اور غرناطہ کی سرحدوں تک لوٹ مار کا بازار گرم دیا۔ ان الم ناک حالات میں اہل اندلس کی نگاہیں پھر افریقہ کی طرف اُٹھ رہی تھی۔ لیکن افریقہ کے اندرونی حالات نے امیر یوسف کو اپنا وطن چھوڑ کر اندلس آنے کی اجازت نہ دی۔ اندلس کے مسلمانوں کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ بالآخر جنوب مشرقی اندلس کی ریاستوں کے اکابر کا ایک گروہ مراکش پہنچا اور انہوں نے امیر یوسف کے سامنے فریاد کی۔

ان لوگوں کی منت و زاری سے متاثر ہو کر امیر یوسف نے انہیں تسلی دی اور وعدہ کیا کہ عنقریب سمندر عبور کر کے اُن کی مدد کے لئے پہنچ جائیں گے۔

لورقہ کے قریب عیسائیوں کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد معتمد کی آنکھیں بھی کھل چکی تھیں۔ اندلس کے عوام سے زیادہ اپنی بے بسی اور مجبوری کے احساس سے وہ بذات خود امیر یوسف کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امیر یوسف اس کے ساتھ نہایت خوش اخلاقی سے پیش آیا۔ چند دن امیر یوسف کے پاس قیام کرنے کے بعد معتمد واپس لوٹا تو اندلس کے پریشان حال باشندے یہ خبر سن رہے تھے کہ امیر یوسف جلد آ رہے ہیں:

(۲)

امیر یوسف بن تاشفین نے حصن اللیط کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ قلعے کے اندر عیسائیوں کی تیرہ ہزار فوج کیل کانٹے سے لیس تھی۔ چند معمولی حملوں کے بعد امیر یوسف نے دشمن کی قوت کا اندازہ لگانے کے بعد ایک دن علی الصباح فیصلہ کن حملہ کیا۔ ملوک الطوائف کی باقاعدہ افواج اور اندلس کے رضاکاروں نے قلعے کی مشرقی اور مغربی اور شمالی سمتوں سے پیش قدمی کی اور مرابطین کا لشکر جنوب اور مغرب سے آگے بڑھنے لگا۔

دشمن کے تیر اندازوں نے قلعہ سے باہر بلند پہاڑ کے چاروں طرف جگہ جگہ مورچے بنا رکھے تھے۔ مرابطین کی فوج ایک سیلاب کے ریلے کی طرح انہیں روندتی اور دھکیلتی ہوئی قلعے کی دیواروں تک جا پہنچی۔ لیکن اندلس کے حکمرانوں کا لشکر دشوار گزار پہاڑ کا نصف راستہ طے کرنے کے بعد دشمن کی تیروں کی بارش میں الٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگا۔ رضاکاروں کے دستوں نے ہمت سے کام لیا اور وہ قدم قدم پر شدید نقصان اٹھانے کے بعد پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے لیکن قلعے کی فصیل سے تیروں کی بوچھاڑ میں انہیں پاؤں جمانے کا موقع نہ ملا۔ اس کے ساتھ ہی قلعے سے باہر نصرانی تیر اندازوں کے بعض دستے ملوک الطوائف کی افواج کو پہاڑ سے نیچے دھکیلنے کے بعد رضاکاروں کی مختصر سی جماعت پر ٹوٹ پڑے اور انہیں مدافعانہ جنگ لڑتے ہوئے پیچھے ہٹنا پڑا۔ تھوڑی دیر بعد قلعے کے محافظ مشرق اور شمال کی اطراف محفوظ سمجھ کر اپنی بیشتر قوت جنوب اور مغرب کی طرف سمیٹ چکے تھے۔

مرابطین نے چند بار سیڑھیوں اور کمندوں کی مدد سے قلعے کی فصیل پر چڑھنے کی کوشش کی لیکن

عیسائی اوپر سے تیر برسانے کے علاوہ اُن پر کھولتا ہُوا تیل پھینک رہے تھے۔ اس نازک مرحلے پر امیر یوسف کو اپنے حلیفوں کی پسپائی کی اطلاع ملی اور اس نے فوج کو واپسی کا حکم دے دیا۔

شام تک ملوک الطوائف یکے بعد دیگرے اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے امیر یوسف کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ معتمد نے تخلیے میں ملاقات کی تو اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ میری فوج سب سے آگے تھی لیکن بطلیوس، غرناطہ، المریہ اور مرسیہ کی افواج نے بزدلی سے کام لیا اور دشمن کو دیکھتے ہی بھاگ نکلیں اور اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ میرے سپاہیوں کے حوصلے بھی پست ہو گئے ——— بطلیوس کے حکمران کو امیر یوسف کے ساتھ تنہائی میں بات کرنے کا موقع ملا تو اس نے اس ناکامی کی تمام ذمہ داری اشبیلیہ والوں کے سر تھوپ دی۔ اسی طرح قریباً ہر حکمران نے اپنے حصے کی سیاہی دوسرے حکمرانوں کے منہ پر تھوپنے کی کوشش کی۔ امیر یوسف نے خاموشی سے سب کی باتیں سُنیں اور ہر ایک کو یہ کہہ کر رخصت کیا کہ آپ کل ظہر کی نماز کے بعد میرے خیمے میں تشریف لے آئیں اب قریباً ہر حکمران یہ سمجھ رہا تھا کہ امیر یوسف کے ساتھ دوہری ملاقات کا شرف صرف اُسی کو حاصل ہونے والا ہے۔

لیکن اگلے دن یہ سب امیر یوسف کے ملاقات کے خیمے میں ایک پریشان کن صورتِ حال کا سامنا کر رہے تھے۔ ہر حکمران اپنے دل میں یہ خیال لے کر امیر یوسف کے خیمے میں داخل ہوتا کہ آج اُسے دوسروں کے متعلق جی بھر کر شکایات کرنے کا موقع ملے گا اور وہ اپنے آپ کو اندلس کی حکومت کا صحیح حق دار ثابت کر سکے گا لیکن اپنے رقیبوں کو پہلے ہی خیمے کے اندر دیکھ کر اس کی مسرت حیرانی اور اضطراب میں تبدیل ہو جاتی۔ تھوڑی دیر میں ملوک الطوائف کے علاوہ اندلس کے رضاکاروں کے چیدہ چیدہ سالار بھی وہاں موجود تھے۔ جواہرات سے مزیّن کرسیوں پر بیٹھنے والے حکمران لکڑی کی معمولی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے لیکن کسی کو اس بات کا احساس بھی نہ تھا۔ اُن سب کی نگاہیں خیمے کے دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔

(۳)

امیر یوسف اپنی قیام گاہ سے نکل کر ملاقات کے خیمے میں داخل ہُوا۔ اس کی راہنمائی کے لئے کوئی نقیب نہ تھا۔ اُس کے راستے میں اطلس اور کمخواب کی چادریں اور بیش قیمت قالین نہیں بچھائے گئے تھے لیکن دیکھنے والے یہ محسوس کر رہے تھے کہ پہاڑوں کی عظمت، دریاؤں کی سطوت، صحراؤں کی وسعت اور سمندروں کی ہیبت ایک انسان کے وجود میں جمع ہو چکی ہے۔ رحم و محبت کا یہ پیکرِ مجسم جس نے جزیرۃ الخضرا میں ایک دیوانی بڑھیا کو دیکھنے کے بعد آنکھوں میں آنسو بھر کر یہ کہا تھا کہ "میں تمہارا بیٹا ہوں"۔ آج اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ اُن تاجداروں کے سامنے کھڑا تھا جن کے ساتھ آنکھ ملا کر بات کرنا گستاخی سمجھی جاتی تھی۔ اندلس کے بادشاہ اس کی تعظیم کے لئے اُٹھے لیکن اس کے ہاتھ کا اشارہ پا کر پھر بیٹھ گئے۔ اُس نے ملوک الطوائف کی طرف دیکھا لیکن کسی کو اس کے ساتھ آنکھ ملانے کی جرأت نہ ہوئی۔ اُس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی اور سننے والے یہ محسوس کرنے لگے کہ کسی بحرِ ذخار کی پُرسکون سطح پر تموّج پیدا ہو رہا ہے۔ وہ اشبیلیہ کے حکمران سے مخاطب ہو کر بولا "سلطان معتمد! آپ کو بطلیوس کے حکمران سے کوئی شکایت ہے؟"

معتمد نے اُٹھ کر تذبذب اور پریشانی کی حالت میں جواب دیا "ہم ایک ہی مقصد کے لئے لڑ رہے ہیں۔ مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں ہو سکتی۔"

امیر یوسف نے بطلیوس کے حکمران کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا ——— "اور آپ ان کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہیں؟"

"نہیں"۔ اس نے دبی ہوئی آواز میں کہا۔

امیر یوسف نے غرناطہ کے حکمران سے سوال کیا "امیر عبداللہ! آپ آج کے واقعات کی ذمہ داری اپنے ساتھیوں میں سے کسی پر عائد کرنا چاہتے ہیں؟"

امیر عبداللہ گھبرا کر اُٹھا۔ لیکن اس کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔

یوسف بن تاشفین نے باقی حکمرانوں کی طرف دیکھا اور کہا اگر آپ میں سے کوئی کسی کی

شکایت کرنا چاہتا ہو تو میں سننے کے لئے تیار ہوں!"

ملوک الطوائف نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور گردنیں جھکالیں۔

امیر یوسف نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "آپ ایک دوسرے کے سامنے زبان کھولتے ہوئے ڈرتے ہیں لیکن اگر آپ کے دلوں میں اسی قدر خدا کا خوف ہوتا تو میں آج اندلس کی یہ حالت نہ دیکھتا۔ آپ کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف زہر بھرا ہوا ہے لیکن ظاہری حیا اور شرافت نے آپ کے ہونٹوں پر مہریں لگا دی ہیں، کاش خدا کے سامنے بھی آپ اسی قدر حیا اور شرافت کا مظاہرہ کرتے ــــ جب آپ کی فوجیں میدان چھوڑ کر بھاگ رہی تھیں تو میں وہاں موجود نہ تھا...... لیکن خدا آپ کو دیکھ رہا تھا۔ اگر خدا کے ساتھ آپ کا معاملہ ٹھیک تھا تو آپ میں سے کسی کو میرے پاس اگر اپنی صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہ تھی...... لیکن آپ نے ایک دوسرے کے منہ پر سیاہی تھوپنے کی کوشش کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ میں سے ہر ایک کا چہرہ داغدار ہے اور اس محفل میں آپ کی صورتیں دیکھ کر میرے لئے یہ اندازہ کرنا مشکل ہو گیا ہے کہ آپ میں سے فرشتہ کون ہے۔"

امیر یوسف یہ کہہ کر آگے بڑھا اور پچھلی قطار میں غرناطہ کے رضاکاروں کے عمر رسیدہ سالار کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا ــــ "عبدالمنعم! آپ اسی محاذ پر تھے، آپ ان معززین کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ ان میں سے فرشتہ کون ہے؟"

عبدالمنعم نے کھڑے ہو کر جواب دیا۔ "حملے کے وقت ہماری نگاہیں پہاڑ کی چوٹی کی طرف تھیں۔ قلعے کی فصیل کے قریب پہنچ کر ہم نے مڑ کر دیکھا تو یہ معززین اُلٹے پاؤں بھاگتے ہیں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔"

امیر یوسف نے کہا۔ "اور پہاڑ کے دامن میں دشمن کے تیر انداز اپنے مورچوں سے نکل کر ان کا تعاقب کر رہے ہوں گے؟"

"نہیں، وہ ان کی طرف سے مطمئن ہو کر ہمارے گرد گھیرا ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے۔"

معتمد نے اُٹھ کر کہا۔ "یہ غلط ہے، میری فوج کو دشمن کی شدید ترین مزاحمت کے باعث پیچھے ہٹنا پڑا۔"

غرناطہ کے حکمران نے احتجاج کیا۔ "میری فوج غرناطہ کے رضاکاروں کے دائیں ہاتھ تھی اور قلعے کی دیوار تک عبدالمنعم کے پہنچ جانے کی وجہ بھی یہ تھی کہ میری فوج نے راستے میں تیر اندازوں کے مورچوں پر حملہ کر کے انہیں آگے بڑھنے کا موقع دیا تھا۔"

معتصم نے اٹھ کر کہا۔ "میری فوج اس وقت پیچھے ہٹی تھی جب وہ دوسروں کی پسپائی کے باعث مکمل تباہی کا سامنا کر رہی تھی۔ حسن بن عبدالمنعم، المریہ اور مرسیہ کے رضاکاروں کی قیادت کر رہا تھا۔ آپ اس سے پوچھ سکتے ہیں؟"

حسن کے زخمی بازوؤں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ ایک کونے سے اٹھا اور بولا۔ "میں اس بات کی گواہی دینے کے لئے تیار ہوں، کہ المریہ کی باقاعدہ فوج بہادری کے ساتھ لڑ رہی تھی لیکن اگر امیر معتصم دوسروں کی دیکھا دیکھی انہیں پسپائی کا حکم نہ دیتے تو قلعے کی دیوار کے قریب پہنچ کر ہمیں اس قدر نقصان نہ اٹھانا پڑتا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ المریہ کے سپاہیوں کا استقلال دیکھ کر دوسری افواج کی غیرت جوش مارتی اور وہ واپس لوٹ آتیں۔ میں امیر معتصم کی نیت پر حملہ نہیں کرتا لیکن یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان سے غلطی نہیں ہوئی۔"

بطلیوس، مالقہ، مرسیہ اور دوسری ریاستوں کے حکمران ایک ساتھ اٹھ کر کھڑے ہو گئے لیکن امیر یوسف نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہ سب دم بخود ہو کر بیٹھ گئے۔

"میں اس موضوع پر مزید بحث کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کی زبانیں آپ کی تلواروں کی نسبت کہیں زیادہ تیز ہیں۔ زلاقہ کی فتح کے بعد میں اپنے دل میں یہ تلخ احساس لے کر واپس گیا تھا کہ میں جن لوگوں کے ہاتھ میں اندلس کے مسلمانوں کی حفاظت کی ذمہ داری سونپ کر جا رہا ہوں، وہ نااہل ہیں لیکن آج آپ نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ آپ صرف نااہل ہی نہیں بدنیت

اور بزدل بھی ہیں۔"

امیر معتمد احتجاج کے لئے اٹھا لیکن امیر یوسف نے اُسے بیٹھنے کے لئے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ تمہارے کان ایسے الفاظ سے آشنا نہیں۔ تم بدترین خصلتوں کے لئے بہترین نام پسند کرتے ہو۔ تمہارے شاعروں اور خوشامدیوں نے تمہاری ذہنیت مسخ کر دی ہے۔ لیکن اگر تم نااہل نہ ہوتے تو اسلام کے دشمن اندلس کو فتح کرنے کے خواب نہ دیکھتے۔ اگر تم لوگ بدنیت نہ ہوتے تو اسلام کی راہ سے ہٹ کر گمراہی کی تاریک راہوں میں نہ بھٹکتے۔ تم جانتے ہو کہ اسلام وہ آخری حصار ہے جس کے اندر جمع ہو کر تم کفر کی طغیانیوں سے بچ سکتے ہو۔ تم نے زلاقہ کی فتح کے بعد مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اسلام کی حدود کے پابند رہو گے اور ہر اُس قانون کی منسوخ کر دو گے جو غیر اسلامی ہے۔ لیکن اب تک تم نے اس سلسلے میں جو کچھ کیا ہے وہ یہ ہے کہ اندلس میں غیر شرعی قوانین کے خلاف آواز بلند کرنے والوں کا گلا گھونٹا جاتا ہے اور غیر اسلامی ٹیکسوں میں اور بھی اضافہ کر دیا گیا ہے اور اس کا نتیجہ تم آج دیکھ رہے ہو۔ زلاقہ کے میدان میں نصرانی فوج کی تباہی دیکھنے کے بعد یہ بات تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ الفانسو دوبارہ مسلمانوں کی طرف ہاتھ اٹھانے کی ہمت کرے گا۔ لیکن آج ہم حصن اللّیط میں اس کی ایک نئی فوج دیکھ رہے ہیں اور تمہارے سپاہیوں میں وہ جوش و خروش بھی نہیں رہا جو میں نے زلاقہ کے میدان میں دیکھا تھا۔ اس وقت اندلس کے عوام تمہارے ساتھ تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ کفر اور اسلام کی جنگ ہے لیکن آج وہ تم سے کوسوں دور جا چکے ہیں۔ آج وہ یہ سمجھ چکے ہیں کہ الفانسو کی اسلام دشمنی اور تمہاری اسلام دوستی میں کوئی فرق نہیں۔ ایک ماہ قبل یہاں اندلس کے طول و عرض سے قریباً

آٹھ ہزار رضاکار جمع ہو گئے تھے۔ اب اُن کی تعداد اڑھائی ہزار بھی نہیں رہی۔ وہ جہاد کی نیت سے آئے تھے لیکن تمہارے طرزِ عمل نے اُن پر ثابت کر دیا کہ زلاقہ کی طرح حصن اللّیط کی فتح کے اثرات بھی تمہارے مرمریں ایوانوں تک ہی محدود رہیں گے۔ ان کے جھونپڑوں کی تاریکی بدستور اسی طرح رہے گی۔ تم جس درخت کا پھل کھاتے ہو اُسی کی جڑیں کاٹنے کی فکر میں ہو۔ جس مکان میں رہتے ہو اسی کی بنیادیں کھود رہے ہو۔ پھر میں کیوں نہ کہوں کہ تم بدنیت ہو اور اگر تم بزدل نہ ہوتے تو آج حصن اللّیط کی قسمت کا فیصلہ شہیدوں کے اس مقدس خون سے کیا جاتا جو اس قلعے کی دیوار کے نیچے بہایا گیا ہے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم اس قدر اچانک بھاگ نکلو گے تو میں اپنی فوج کو صرف جنوب اور مشرق کی سمت جمع کرنے کی بجائے چاروں اطراف پھیلا دیتا۔ حصن اللّیط کو فتح کرنے کے لئے مجھے پیٹھ پر تیر کھانے والے بھگوڑوں کی رفاقت نہیں چاہیئے۔ مجھے مجاہدوں کی ضرورت ہے جو سینے پر تیر کھا کر مسکرا سکتے ہیں۔۔۔۔! میں حصن اللّیط کو ہر قیمت پر فتح کرنے کا تہیہ کر چکا ہوں۔ میں نے خدا کی راہ میں جو قدم اُٹھایا ہے وہ واپس نہیں لوں گا اور میں نے تمہیں اس لئے یہاں جمع ہونے کی دعوت نہیں دی تھی کہ تمہیں وعظ سناؤں اور پھر تم سے درخواست کروں۔ کہ تم آئندہ نیک نیتی کے ساتھ میرا ساتھ دو۔ بلکہ میں تمہیں غیر مبہم الفاظ میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر تمہارے دلوں پر خدا کی بجائے الفانسو کا خوف سوار ہے تو میں تمہارا راستہ نہیں روکوں گا۔ مجھے ان لوگوں کی رفاقت گوارا نہیں جن کی پیٹھ منزل کی طرف ہو!"

بطلیوس کے حکمران نے اُٹھ کر کہا۔ "اگر ماضی کے متعلق ہماری سے ندامت کا اظہار کافی ہو تو ہم مستقبل کے متعلق آپ کے ساتھ وفاداری کا حلف اٹھانے کے لئے تیار ہیں۔"

معتمد نے اس کی تائید میں کہا۔ "ہم اپنی سابقہ کوتاہیوں کا اعتراف کرتے ہیں لیکن آج کے

بعد آپ ہمیں بدنیتی یا بزدلی کا طعنہ نہیں دے سکیں گے۔"

معتمد بولا "ہمیں افریقہ کے بہادروں کی برابری کا دعویٰ نہیں لیکن میں آپ کو اتنا یقین دلا سکتا ہوں کہ آپ کو دوبارہ ایسی باتیں نہیں کہنی پڑیں گی۔"

باقی حکمرانوں نے بھی امیر یوسف کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ وہ کچھ دیر خاموش کھڑا رہا۔ بالآخر اس نے کہا "تمہیں تجدید عہد سے پہلے اچھی طرح سوچ لینا چاہیئے۔ وہ دن دور نہیں جب تمہارے وعدوں کو عمل کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا۔ میں بزدلوں اور ناپاکوں کو معاف کر سکتا ہوں۔ بدعہدی کرنے والے کے لئے میرے دل میں رحم کی کوئی گنجائش نہیں ہو گی۔ تم عجلت سے کام نہ لو۔ میں کل غروب آفتاب تک تمہیں سوچنے کی مہلت دیتا ہوں۔ کل عشاء کی نماز کے بعد ہم پھر اسی جگہ جمع ہوں گے اور کل میں ان کرسیوں پر صرف ان کو دیکھنا چاہتا ہوں جو ہمارے ساتھ آگ سے کھیلنے اور خون میں نہانے کا فیصلہ کر چکے ہیں!"

مجلس برخاست ہونے کے بعد اندلس کے حکمران خیمے سے باہر نکلے تو دروازے پر انہیں قاضی ابو جعفر اور قاضی ابو الولید مراکش کے ایک فقیہہ کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے دکھائی دیئے۔

مالقہ کے حاکم نے معتمد کے کان میں کہا "آج امیر المرابطین کی زبان سے ابو جعفر کی روح بول رہی تھی!"

معتمد نے غرناطہ کے حکمران کی طرف متوجہ ہو کر کہا "میں نے سنا ہے کہ یہ ایک ہفتے سے یہاں آیا ہوا ہے۔ اگر آپ اس کا کوئی علاج کر سکتے تو آج ہم اس طرح ذلیل و رسوا نہ ہوتے ——!"

عبداللہ نے کہا "ابو جعفر کے متعلق آپ کو دوبارہ شکایت کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی میں صرف اس بات کا انتظار کر رہا ہوں کہ یہ غرناطہ کب جاتا ہے۔"

مالقہ کے حاکم نے کہا "آہستہ بات کیجئے۔ معتصم کے کان بہت تیز ہیں۔"

معتمد اور عبداللہ نے مڑ کر دیکھا اور معتصم کو اپنے پیچھے ابن رشیق کے ساتھ ہم کلام دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

(۴)

حصن اللیط کے شمال مغرب میں دریا کے کنارے ایک چھوٹا سا قلعہ تھا۔ سعد تین ماہ سے اس قلعے کی حفاظت پر متعین تھا۔ امیر یوسف نے اس کی کمان میں ایک ہزار سوار دے رکھے تھے۔ جن میں سے قریباً اڑھائی سو اس قلعے میں رہتے تھے اور باقی طلیطلہ اور قسطلہ کی طرف سے دشمن کی آمد و رفت کے راستوں پر پہرہ دینے کے لئے دریا کے کنارے کے ساتھ دور تک چھوٹی چھوٹی چوکیوں پر پھیلا دیئے گئے تھے۔ حصن اللیط کے محاذ سے اس قلعہ میں منتقل ہونے کے چند ہفتے بعد سعد نے میمونہ کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔ یہ میمونہ کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی اور گرد و پیش کے خطرات کے باوجود اس قلعے کے ایک کونے میں ایک معمولی مکان اس کے لئے جنت سے کم نہ تھا۔ الماس جو غرناطہ سے میمونہ اور اس کی خادمہ کے ساتھ آیا تھا۔ اس مکان کی نچلی منزل کے ایک کمرے میں رہتا تھا۔

ایک رات میمونہ کمرے میں بیٹھی اپنے شوہر کا انتظار کر رہی تھی۔ سعد کو دن کے تیسرے پہر یہ اطلاع ملی تھی کہ دشمن کے چند دستے اس قلعے سے پندرہ کوس کے فاصلے پر دریا کی دوسری طرف دیکھے گئے تھے اور وہ اسی وقت قریباً ایک سو سواروں کے ساتھ روانہ ہو گیا تھا۔ آدھی رات کے قریب میمونہ کو قلعے کے باہر گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی، اور اس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ آنکھیں بند کر کے اپنے دل میں کہہ رہی تھی "اب وہ قلعے کے اندر داخل ہو رہے ہوں گے۔ اب وہ اپنے گھوڑوں سے اتر رہے ہوں گے۔ اب وہ سیڑھیوں کا رخ کر رہے ہیں، اور اب وہ اوپر چڑھ رہے ہیں۔ ایک، دو، تین، چار —— وہ کڑی کے زینے پر کسی کے پاؤں کی آہٹ کے ساتھ ساتھ گنتی گن رہی تھی۔ بائیس تک پہنچ کر وہ رک گئی۔ اب پاؤں کی آہٹ برآمدے میں پہنچ چکی تھی۔

"میمونہ! میمونہ!!" سعد کی آواز آئی اور میمونہ نے آنکھیں کھولے بغیر کرسی سے اٹھ کر اپنے ہاتھ پھیلا دیئے۔ سعد نے کمرے میں داخل ہو کر کہا "میمونہ میں آگیا ہوں۔ اب آنکھیں کھول دو!" میمونہ ہنستی ہوئی آگے بڑھ کر اپنے شوہر کے ساتھ لپٹ گئی۔

سعد نے اس کے خوبصورت بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "تم اتنی دیر میرا انتظار نہ کیا کرو۔

اب مجھے زیادہ وقت قلعے سے باہر رہنا پڑے گا۔ اب اس علاقے کے حالات تسلی بخش نہیں سمجھے کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ تمہیں گھر بھیج دوں!"

میمونہ نے کہا "مستقبل کے متعلق پریشان نہ کیجئے۔ میں آج کے واقعات سننا چاہتی ہوں؟"

"وہ اطلاع درست تھی۔ دشمن کے سپاہی خچروں پر رسد کا سامان لا رہے تھے۔ ہم نے غروب آفتاب کے بعد انہیں اطمینان کے ساتھ دریا عبور کرنے کا موقع دیا اور اس کے بعد اچانک ایک پہاڑی کی اوٹ سے نکل کر انہیں گھیرے میں لے لیا۔ دشمن کے پچاس سپاہی مارے گئے اور چند بھاگ گئے۔۔۔۔ سامان سے لدے ہوئے دو سو خچر ہم نے اپنے قبضے میں لے لئے ہیں۔"

میمونہ نے کہا "میں کھانا لاتی ہوں۔"

سعد نے دوسرے کمرے میں جا کر ہاتھ دھوئے اور واپس آکر کرسی پر بیٹھ گیا۔ میمونہ نے کھانا لا کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا "آپ زرہ نہیں اتاریں گے؟"

"نہیں مجھے ابھی باہر جانا ہے۔"

میمونہ کوئی اور سوال کئے بغیر اپنے شوہر کے سامنے بیٹھ گئی۔ سعد جلد جلدی کھانا ختم کرنے کے بعد اٹھا اور بولا "میمونہ! میں پرسوں تک واپس آجاؤں گا۔"

"آپ کہیں دور جا رہے ہیں؟" میمونہ نے پریشان ہو کر سوال کیا۔

"میں امیر یوسف کے پاس جا رہا ہوں۔ چند باتیں ایسی ہیں جن کے لئے میرا ذاتی طور پر وہاں جانا ضروری ہے۔"

میمونہ نے کہا "جانے سے پہلے آپ میرے ساتھ وعدہ کریں کہ آپ ابا جان کے ساتھ مجھے گھر بھیجنے کے متعلق مشورہ نہیں کریں گے؟"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ انتہائی خطرے کے بغیر تمہیں گھر نہیں بھیجوں گا۔" سعد یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

(۵)

سعد بن عبدالمنعم امیر یوسف بن تاشفین کے سامنے کھڑا تھا اور ان کے درمیان ایک کشادہ

میز کے اوپر ایک نقشہ پڑا ہوا تھا۔ سیر بن ابوبکر اور ایک اور بربر جرنیل سعد کے دائیں بائیں کھڑے تھے۔ سعد نے نقشے پر ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے کہا "قلعے سے مغرب کی طرف یہ ہماری آخری چوکی ہے۔ اس سے آگے قرطبہ کی سرحد تک باقی علاقے کی دیکھ بھال اشبیلیہ کے سپاہیوں کے ذمے ہے۔ میں نے احتیاطاً اس علاقے میں چند جاسوس بھیج دیئے تھے تاکہ اگر اشبیلیہ کے سپاہیوں کے تساہل کے باعث دشمن کی فوج کا کوئی دستہ اس علاقے سے گزر بھی جائے تو مجھے معلوم ہو جائے اور میں یہاں بر وقت اطلاع بھیج سکوں۔ پانچ دن قبل مجھے یہ اطلاع ملی تھی کہ دشمن کے تین سو سوار اس علاقے سے گزر گئے ہیں اور اس سے اگلے دن مجھے یہ اطلاع ملی کہ دشمن کے چند دستوں نے مشرق کی طرف ہماری آخری چوکی سے دس میل دور اس مقام سے دریا عبور کر لیا ہے۔ اس علاقے میں مرسیہ اور المریہ کے سپاہیوں کا پہرہ تھا۔ میرے لئے سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ دونوں طرف سے دشمن کے دستے کسی مزاحمت کا سامنا کئے بغیر گزر گئے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان مقامات کی چوکیوں کے پہرے داروں نے غفلت برتی ہے اور رات کے وقت انہیں یہ پتہ بھی نہیں چلا کہ دشمن نے کس وقت دریا عبور کر لیا ہے۔ دوسری یہ کہ انہوں نے دشمن کے سپاہیوں کو دیکھ کر لڑنے کی بجائے آنکھیں بند کر لینا اپنے لئے بہتر سمجھا ہے۔ تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ درپردہ دشمن کے ساتھ ساز باز کر رہے ہیں۔"

سیر بن ابوبکر نے کہا "اگر یہ درست ہے کہ دشمن کے دستوں نے دریا عبور کیا ہے تو یہ بھی درست ہوگا کہ دریا عبور کرنے کے بعد ان کی منزل مقصود حصن اللیط کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ ہم نے آپ کی اطلاعات پہنچتے ہی ملوک الطوائف کی افواج کو باخبر کر دیا تھا کہ وہ شمال کی طرف سے قلعہ کی طرف جانے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر رکھیں اور اب تک ہمیں کوئی ایسی اطلاع نہیں ملی کہ دشمن کے دستے قلعے میں داخل ہو گئے ہیں۔"

سعد نے کہا "اگر وہ کسی راستے سے قلعے میں داخل ہو گئے ہیں تو آپ کو اطلاع نہ ملنے کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ کسی حکمران کی فوج نے جان بوجھ کر انہیں نکل جانے کا راستہ دیا ہے

اور اگر وہ ابھی تک قلعے میں نہیں پہنچے تو کہیں پہاڑوں میں چھپے ہوئے ہوں گے۔ بہر حال میرے جاسوسوں کی یہ اطلاع غلط نہیں کہ انہوں نے ان دو مقامات کے پہرے داروں کی کوتاہی سے فائدہ اٹھا کر دریا عبور کر لیا ہے۔"

امیر یوسف نے کہا "تم اپنی بات ختم کر چکے ہو یا کچھ اور کہنا چاہتے ہو؟"

سعود نے جواب دیا "میں اپنی بات ختم کر چکا ہوں۔"

"تو تم فوراً واپس چلے جاؤ! میں مزید پانچ سو سوار تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ یہ مرسیہ، المریہ اور اشبیلیہ کے سپاہیوں کے ساتھ مل کر دور افتادہ چوکیوں کی حفاظت کریں گے۔ اس کے علاوہ میں اس پاس کے پہاڑوں میں دشمن کا کھوج لگانے کے لئے بھی چند دستے بھیج رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ محاصرے کی طوالت کے باعث ملوک الطوائف کے لشکر میں بددلی پیدا ہو چکی ہے لیکن ابھی تک میں ان کے متعلق یہ سوچنے کے لئے تیار نہیں کہ ان میں سے کوئی دشمن کے ساتھ ساز باز کر سکتا ہے۔ تم اپنے محاذ پر چوکس رہو۔ ہم بہت جلد قلعے پر فیصلہ کن حملہ کرنے والے ہیں۔ تمہیں دو دن پہلے اطلاع مل جائے گی۔ حملے کے دن مجھے ہر بیرونی چوکی سے اپنے سپاہیوں کو یہاں بلانا پڑے گا۔ تمہیں بھی اپنے بیشتر سپاہی یہاں بھیجنے پڑیں گے۔ لیکن تم وہیں رہو گے۔ وہ قلعہ بہت اہم ہے اور اس کی حفاظت کے لئے میں تم سے زیادہ کسی اور موزوں نہیں سمجھتا۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

(۶)

طلوع آفتاب سے تھوڑی دیر بعد ایک پہرہ سالار امیر یوسف بن تاشفین کے خیمے میں داخل ہوا اور اس نے کہا "امیر! قاضی ابو جعفر باہر کھڑے ہیں!"

"وہ کب تشریف لائے ہیں؟"

"ابھی۔"

"بہت اچھا۔ انہیں یہاں لے آؤ!"

افسر باہر نکل گیا اور تھوڑی دیر بعد قاضی ابو جعفر خیمے کے اندر داخل ہوا۔ امیر یوسف نے

آگے بڑھ کر اس نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "آپ اتنی دیر کہاں غائب رہے؟"

قاضی ابو جعفر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "میں ملکِ عدم کے دروازے پر دستک دے کر واپس آ رہا ہوں!"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا!"

"مجھے غرناطہ پہنچتے ہی قید کر لیا گیا تھا۔"

"لیکن مجھے آپ کی قید کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی۔ عبدالمنعم نے بھی اس بات کا ذکر نہیں کیا!"

قاضی ابو جعفر نے کہا "عبدالمنعم کی زندگی کے کئی سال قید خانوں میں گزرے ہیں لیکن اس کے بال بچوں کو بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے۔ یہاں کے حکمران اس بات کی پوری احتیاط کر لیتے ہیں کہ ان کے قیدیوں کی آواز قید خانے سے باہر کسی کے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔

میں قرطبہ میں علماء کے ایک اجتماع سے فارغ ہو کر غرناطہ پہنچا۔ وہاں میرا دو دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ نہیں تھا لیکن پہلی رات جب میں پڑوس کی مسجد میں عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر گھر جا رہا تھا تو مجھے راستہ میں گرفتار کر لیا گیا۔"

"آپ کو عبداللہ کے حکم سے گرفتار کیا گیا تھا؟"

"ہاں! وہ میرے قتل کا حکم دے چکا تھا لیکن میں اس کی ماں کی مداخلت کے باعث بچ گیا ہوں۔"

"آپ کتنے دن قید میں رہے ہیں؟"

"تقریباً ڈیڑھ مہینہ۔"

"اور اس کے بعد آپ کہاں تھے؟ میرا خیال ہے کہ آپ کو یہاں سے غائب ہوئے تقریباً دو مہینے ہو چکے ہیں۔"

"میں اشبیلیہ، بطلیوس، قرطبہ اور چند اور شہروں میں چکر لگانے کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ میں ان شہروں کے چیدہ چیدہ علماء سے مل چکا ہوں۔ ان سب نے میری اس بات

Scanned by iqbalmt

کی تائید کی ہے کہ موجودہ حالات میں اندلس کو ملوک الطوائف سے نجات دلانا آپ کا فرض ہے۔" یہ کہتے ہوئے قاضی ابو جعفر نے اپنی قبا کی جیب سے ایک کاغذ نکالا اور امیر یوسف کو پیش کرتے ہوئے کہا۔"یہ دیکھئے یہ ان ساٹھ علماء کا فتویٰ ہے جن کے علم و بصیرت اور زہد و تقویٰ کے متعلق اندلس کے باقی علماء کے فتوے بھی آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔ اس کے علاوہ اندلس کے چند فقہا ان فتووں سمیت عالم اسلام کے جلیل القدر علماء کی رائے معلوم کرنے کے لئے مراکش، مصر، شام اور عرب جاچکے ہیں ہم نے قرطبہ کے اجتماع کے بعد انہیں روانہ کر دیا تھا۔ مراکش کے علماء کے متعلق ہمیں یہ اطلاع مل چکی ہے کہ انہوں نے ہمارے فتوے سے اتفاق کیا ہے۔"

امیر یوسف نے کاغذ ابو جعفر کو واپس دیتے ہوئے کہا۔"آپ نے بے فائدہ اپنا وقت ضائع کیا ہے۔ میں پہلے بھی آپ کو یہ بتا چکا ہوں کہ میں اندلس میں ملک گیری کی ہوس لے کر نہیں آیا میں بارہا یہ اعلان کر چکا ہوں کہ اندلس کو عیسائیوں کے خطرے سے نجات دلاتے ہی واپس چلا جاؤں گا.... میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہوں کہ ملوک الطوائف میں ہزاروں خامیاں ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں آپ کے فتوؤں کا سہارا لے کر اپنے وعدوں سے منحرف ہو جاؤں۔ حصن اللیط فتح کرنے کے بعد اندلس میں میرے قیام کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ اس کے بعد ملوک الطوائف کی اصلاح کرنا یا اگر وہ ناقابل اصلاح ہوں، تو انہیں اختیارات سے محروم کر دینا آپ کا کام ہوگا۔"

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

قاضی ابو جعفر نے کہا۔"ہم نے ناقابلِ تردید حقائق کی روشنی میں یہ فتویٰ دیا ہے کہ اندلس کے حکمران عملاً اسلام سے منحرف ہیں۔ وہ غیر اسلامی قوانین کو منسوخ نہیں کرنا چاہتے۔ انہوں نے اپنی عیاشیوں کا سامان مہیا کرنے کے لئے خلقِ خدا پر ایسے ٹیکس عائد کر رکھے ہیں جن کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ اخلاقی لحاظ سے وہ اس قابل بھی نہیں کہ انہیں انسان کہا جا سکے۔ جب دشمن کی تلوار ان کے سر پر لٹک رہی تھی تو انہوں نے اندلس کے عوام اور علماء اور افریقہ کے مجاہدوں کا تعاون حاصل کرنے کے لئے یہ نعرہ لگایا تھا کہ اسلام خطرے میں ہے لیکن زلاقہ کی فتح کے بعد جب انہوں نے محسوس کیا کہ خطرہ ٹل چکا ہے تو

انہوں نے اندلس کے طول و عرض میں شرعی حکومت کا نعرہ بلند کرنے والوں کے لئے اپنے قید خانوں کے دروازے کھول دیئے۔ زلاقہ کی جنگ ایک عظیم الشان مقصد کے لئے لڑی گئی تھی لیکن ان لوگوں نے زلاقہ کے شہیدوں کی قبروں کے اوپر بیٹھ کر شراب پی ہے۔ پھر جب حصن اللیط سے تباہی و بربادی کا ایک نیا طوفان اٹھا تو یہ دوبارہ آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس لئے نہیں کہ یہ اپنے گناہوں سے تائب ہو گئے تھے۔ بلکہ اس لئے کہ ان کی بداعمالیوں کے باعث اندلس کے عوام کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ آپ کو شاید اس بات کا علم نہیں کہ یہ لوگ اگر آپ کو دوبارہ اندلس آنے کی اجازت نہ دیتے تو چند ہفتوں کے اندر اندر اندلس کے ہر شہر اور ہر گاؤں سے لوگوں کے وفد آپ کے پاس پہنچنے والے تھے۔ انہیں معلوم ہوا تھا کہ آپ عوام کی دعوت رد نہیں کریں گے لیکن عوام کی دعوت پر آپ کا اندلس آنا یہ اپنے لئے خطرناک سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے معتمد کو آپ کے پاس بھیج دیا۔ اب آپ سے زیادہ کسی کو اس حقیقت کا علم نہیں کہ ابھی تک حصن اللیط فتح نہ ہونے کی وجہ ان کی بدنیتی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اگر ان لوگوں پر ہمارے باقی تمام الزامات غلط ثابت ہوں تو بھی انہیں بدترین سزا کا مستحق قرار دینے کے لئے یہی کافی ہے کہ انہوں نے جنگ کے میدان میں بدنیتی اور بزدلی کا مظاہرہ کیا ہے۔"

امیر یوسف نے کہا۔"آپ اس دن کے واقعات سے بہت زیادہ متاثر ہیں لیکن آپ کو معلوم ہے کہ میں ان کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آیا تھا۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ آئندہ ایسی غلطی کا اعادہ نہیں کریں گے۔ اس کے بعد میں مصلحتاً محاصرے کو طول دے رہا تھا۔ اب ہم بہت جلد فیصلہ کن حملہ کرنے والے ہیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ان لوگوں نے بدعہدی کی تو میں انہیں معاف نہیں کروں گا لیکن اس وقت تک آپ اپنے دل سے یہ خیال نکال دیں کہ میرے دل میں اندلس پر قبضہ کرنے کی خواہش پیدا ہو سکتی ہے۔"

ابو جعفر نے کہا۔"مجھے معلوم ہوا ہے کہ اشبیلیہ اور غرناطہ کے حکمران واپس جا چکے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ دوسرے بھی آہستہ آہستہ ان کی تقلید کریں گے۔ اگر اللہ کو ہماری نجات منظور ہے تو

وہ آپ کے ضمیر کی تسکین کا سامان بھی مہیا کر دے گا۔"

امیر یوسف نے کہا۔ "وہ مجھ سے اجازت لے کر گئے ہیں اور ان کی افواج یہیں ہیں۔ اس لئے آپ اُن کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے میں جلدبازی سے کام نہ لیں۔"

قاضی ابو جعفر نے کہا۔ "ہم نے صرف ایک غلطی کی تھی اور وہ یہ کہ برسوں کے تلخ تجربات کے بعد ہم نے ملوک الطوائف کے متعلق جو رائے قائم کی تھی وہ محض اُن کے خوش کُن نعروں سے متاثرہ کر بدل دی۔ ورنہ جب آپ یہ اعلان کر رہے تھے کہ آپ دشمن سے نپٹنے کے بعد اندلس کے اندرونی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے تو مجھے اور میرے ساتھیوں کو احتجاج کرنا چاہیئے تھا۔ اب میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اُن کے متعلق محتاط مزید رہیں۔ اب میں واپس جا رہا ہوں اور اس یقین کے ساتھ جا رہا ہوں کہ جب ہم دوبارہ ملیں گے تو اندلس کے مستقبل کے متعلق ہماری رائے ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہوگی۔"

امیر یوسف نے اُٹھ کر ابو جعفر کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ یہ دعا کیوں نہیں کرتے کہ جب آپ مجھے دوبارہ ملیں گے تو ملوک الطوائف راہ راست پر آچکے ہوں۔"

ابو جعفر نے جواب دیا۔ "میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں اور ناممکنات کے لئے دعائیں مانگنے کی ہمت مجھ میں باقی نہیں رہی۔"

ملوکُ الطوائف کی بدعہدی

اور

مُجاہدوں کی فتح

امیر یوسف کا حکم ملنے پر سعد بن عبدالمنعم ایک ہزار سپاہیوں کو حصن اللیط پر فیصلہ کن حملے میں حصہ لینے کے لئے روانہ کر چکا تھا۔ باقی پانچ سو سپاہیوں میں سے قریباً چالیس قلعے کی حفاظت پر متعین تھے اور دوسروں کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں دریا کے کنارے چوکیوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ایک طویل علاقے کی دیکھ بھال کے لئے اس مختصر سی تعداد کو ناکافی سمجھتے ہوئے سعد نے دور افتادہ مقامات کی نگرانی مقامی لوگوں کو سونپ رکھی تھی اور ان لوگوں کو مستعد رکھنے کے لئے اسے روزانہ کئی کئی کوس سفر کرنا پڑتا تھا۔ ایک دن سعد قلعے کے مشرق کی طرف کئی کوس دور چند بستیوں میں گشت لگانے اور مقامی چرواہوں اور کسانوں کو ان کے فرائض سے آگاہ کرنے کے بعد آدھی رات کے قریب اپنی قیام گاہ میں پہنچا۔ میمونہ حسبِ معمول اُس کا انتظار کر رہی تھی۔

سعد دن بھر کی تھکاوٹ کے باعث کھانا کھانے کے بعد اپنے بستر پر لیٹتے ہی سو گیا ایک ساعت کے بعد میمونہ نے اسے جھنجھوڑ کر گہری نیند سے بیدار کیا۔ اور کہا "اُٹھئے الماس بلند آوازیں دے رہا ہے!"

سعد، پائنگ لبستر سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ الماس برآمدے میں کھڑا تھا۔

"کیا ہے چچا الماس؟" سعد نے آنکھیں ملتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے نائب سالار کے اصرار پر آپ کی نیند خراب کی ہے۔ کسی لبستی کے رضاکار دو آدمیوں کو پکڑ کر لاتے ہیں۔ یہ لوگ دریا عبور کرکے حصن اللبیط کی طرف جا رہے تھے، لبستی والوں نے انہیں روکا تو انھوں نے یہ بیان دیا کہ وہ امیر یوسف کے پاس اہلِ بلنسیہ کی فریاد لے کر جا رہے ہیں۔ پہرے داروں نے ان سے کہا کہ ہمیں رات کے وقت دریا عبور کرنے والے ہر آدمی کو روکنے کا حکم ہے۔ اس لئے تم لبستی کے سردار کے پاس چلو۔ انہوں نے کہا کہ ہم خود بھی رات گزارنے کے لئے کسی میزبان کے متلاشی ہیں۔ پہرے دار ان کی باتوں سے مطمئن ہو کر انہیں لبستی کی طرف لے گئے۔ یہ لوگ تعداد میں گیارہ تھے۔ پہرے داروں نے یہ غلطی کی کہ انہیں مسلمان سمجھ کر نہ تو گھوڑوں سے اتارا اور نہ ان کے ہتھیار ہی چھینے۔ راستے میں وہ بلنسیہ والوں پر قنبیطور کے مظالم بیان کرتے رہے اور پہرے داروں کے رہے سہے شکوک بھی رفع ہو گئے۔ لبستی سے تھوڑی دور جب چند پہرے دار مطمئن ہو کر اپنی چوکی کی طرف واپس چلے گئے۔ تو ان لوگوں نے اچانک پہرے داروں پر حملہ کر دیا اور آن کی آن میں چند آدمیوں کو زخمی کر کے بھاگ نکلے پہرے داروں کی چیخ پکار سن کر لبستی کے لوگوں نے ان کا تعاقب کیا اور تین آدمیوں کو گھیر کر پکڑ لیا۔ اُن کا ایک ساتھی مارا گیا ہے۔ ایک زخمی ہے جسے پہرے دار سردار کے گھر چھوڑ آئے اور دو کو یہاں لے آئے ہیں۔ ایک ان میں سے کسی کے ساتھ بات نہیں کرتا اور دوسرا صرف یہ کہتا ہے کہ میں صرف تمہارے سالارِ اعلیٰ سے بات کروں گا۔ لباس سے دونوں اونچے طبقے کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

سعد نے پوچھا: "قیدیوں کی تلاشی لی گئی ہے؟"

"ہاں! لیکن کوئی ایسی چیز برآمد نہیں ہوئی ہے جس سے ان لوگوں کا کوئی جرم ثابت ہو سکے"

"آؤ میرے ساتھ!"

سعد جلدی جلدی نیچے اتر کر قلعے کے دوسرے کونے میں پہنچا۔ قلعے کے پہرے دار اور چند

دیہاتی دو آدمیوں کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ وہ سعد کو دیکھ ایک طرف ہٹ گئے۔

ایک بربر افسر نے کہا: "مجھے معلوم تھا کہ آپ بے حد تھکے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ معاملہ ایسا تھا کہ میں نے آپ کو تکلیف دینا ضروری سمجھا۔"

"تم نے بہت اچھا کیا۔"

ایک دیہاتی نے آگے بڑھ کر سعد کو واقعہ کی تفصیلات سنانے کی کوشش کی لیکن اُس نے بات کاٹ کر کہا: "میں سن چکا ہوں۔ آپ لوگ اپنا فرض پورا کر چکے۔ اب آپ صبح تک ہمارے مہمان ہیں۔"

سعد قیدیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ ایک سپاہی مشعل اٹھائے اُس کے دائیں ہاتھ کھڑا تھا۔ سعد نے کہا کہ "تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

ایک قیدی نے اپنی گردن اوپر اٹھائی اور بولا: "ہم بہت کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ ہمارے پاس اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے کہ ہم دشمن کے جاسوس نہیں۔ اگر آپ ہمارے متعلق سلطان معتمد کی گواہی کافی سمجھتے ہیں تو ہمیں ان کے پاس بھیج دیجئے۔"

"بڑی گواہی پیش کر رہے ہو۔ لیکن اس سے پہلے تمہیں بلنسیہ کے ساتھ سلطانِ معتمد کا تعلق ثابت کرنا پڑے گا۔"

قیدی نے پریشان ہو کر کہا: "میں سلطان معتمد کے حکم سے بلنسیہ میں سدّ قنبیطور کی تیاریوں کا حال معلوم کرنے گیا تھا۔"

"گیارہ آدمیوں کے ساتھ؟"

"نہیں وہ بلنسیہ سے میرے ساتھ آئے تھے اور امیر یوسف کے پاس ایک وفد لے کر جا رہے تھے۔ دریا عبور کرنے کے بعد لبستی کے رضاکاروں کے متعلق ہمیں یہ غلط فہمی ہوئی کہ یہ ڈاکو ہیں اور ہمیں لوٹنا چاہتے ہیں۔"

"ڈاکوؤں سے ڈرنے والے رات کے وقت سفر نہیں کیا کرتے۔"

میں آپ کے ساتھ بحث نہیں کرنا چاہتا۔ اگر آپ کو میرے متعلق کوئی شک ہے تو مجھے سلطان معتمد کے پاس بھیج دیجئے!"

سلطان معتمد ان دنوں بہت مصروف ہیں۔" یہ کہہ کر سعد نے سپاہی کے ہاتھ سے مشعل لے لی اور آگے بڑھ کر قیدی کے چہرے پر اپنی نظریں گاڑ دیں۔ ایک ثانیہ کے بعد اس کا آہنی ہاتھ قیدی کی شاہ رگ پر تھا۔

"میری طرف دیکھو!" سعد نے اپنے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے پہچانتے ہو؟"

قیدی مبہوت سا ہو کر اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُس کا چہرہ زرد اور زبان گنگ ہو چکی تھی۔

سعد نے کہا: "زیاد! تم ہمیشہ بزدل تھے۔ بولو میرا وقت ضائع نہ کرو! نہیں بولو گے تم؟"

سعد نے زور سے اس کا گلا دبایا اور زیاد کی آنکھیں باہر آ گئیں۔ سعد نے دوبارہ اپنے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی کرنے کے بعد کہا: "معلوم ہوتا ہے اب تم پختہ ہو گئے ہو لیکن عقل انسانی تمہارے جیسے آدمی کے دل اور زبان کا رشتہ جوڑنے کے لئے عجیب و غریب چیزیں ایجاد کر چکی ہے۔ اس قلعے کے ایک کمرے میں ایک ایسا آلہ ہے جسے دیکھتے ہی تم چیخنے لگو گے اور یہ بھی غالباً کسی تمہارے جیسے ذہین آدمی کی ایجاد ہے۔ جب ہم نے اس قلعے پر قبضہ کیا تھا تو اسے ایک بیکار شے سمجھ کر جلانے لگے تھے لیکن بعد میں ہمیں یہ خیال آیا کہ شاید اس کے موجد کی نسل میں سے کوئی یہاں تشریف لے آتے۔ اب تم آ گئے ہو۔ تم نے کئی بے گناہوں کو شکنجوں میں کس کر دیکھا ہوگا اور میں تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ جرائم پیشہ لوگوں کا گونگا پن دور کرنے کے لئے یہ ایجاد کتنی کامیاب ثابت ہوئی ہے۔"

سعد کے اشارے سے چند سپاہی دونوں قیدیوں کو پکڑ کر ایک کوٹھڑی کی طرف لے گئے۔ کوٹھڑی کے دروازے پر پہنچ کر زیاد چلایا: "میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ میں اشبیلیہ کے حکمران کا ملازم ہوں۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میری آواز اس قلعے سے باہر نہ نکلے گی۔ اب تک میرا ایک ساتھی حصن اللیط پہنچ چکا ہوگا۔ سلطان معتمد میرے متعلق اطلاع ملنے کے بعد خاموش نہیں رہیں گے۔ میرے بدلے اس بستی کا ہر آدمی

موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ پھر جب انہیں یہ معلوم ہوگا کہ میرے قاتل آپ ہیں تو وہ آپ کو کبھی معاف نہیں کریں گے اور امیر یوسف کو اُن کا یہ کہہ دینا ہی کافی ہوگا کہ میں بے گناہ تھا۔"

سعد نے اسے کوٹھڑی کے اندر دھکیلتے ہوئے سپاہیوں کو یہ حکم دیا کہ "اسے شکنجے میں کس دو!"

سپاہیوں نے زیاد کے پاؤں میں زنجیر ڈال کر اسے فرش میں لگی ہوئی لوہے کی مضبوط میخوں کے ساتھ باندھا اور پھر پیٹھ کے بل شکنجے کے اوپر ڈالا اور لکڑی کے پہیئے کے ساتھ اس کے ہاتھ باندھ دیئے۔ سعد سیدھا وار کرنے اور سیدھا وار سہنے کا عادی تھا۔ یہ کاروائی اس کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ وہ پریشانی اور اضطراب کی حالت میں کوٹھڑی کے دروازے پر کھڑا زیاد کی چیخ پکار سن رہا تھا۔ اس کا ضمیر بار بار یہ کہہ رہا تھا: "اگر یہ بے گناہ ہوا تو!"

ایک سپاہی نے باہر نکل کر کہا: "ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔"

"میں ابھی آتا ہوں۔" یہ کہہ کر سعد اپنے نائب کی طرف متوجہ ہوا: "آپ چار بہترین گھوڑے تیار کریں! ممکن ہے کہ مجھے ابھی امیر کے پاس جانا پڑے۔" پھر ایک ثانیہ تذبذب کے بعد وہ کوٹھڑی کے اندر داخل ہوا۔ زیاد اسے دیکھ کر اچانک خاموش ہو گیا۔

سعد نے سپاہیوں کو ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ایک سپاہی نے چرخی گھمائی۔ پہیہ آہستہ آہستہ حرکت کرنے لگا اور لکڑی کی خشک چولوں میں چرچراہٹ پیدا ہونے لگی۔

"مجھے چھوڑ دو، مجھے چھوڑ دو!" زیاد چلایا۔

سعد نے کہا: "زیاد! تم ابھی لکڑی کی چرچراہٹ سن رہے ہو۔ تھوڑی دیر میں تمہاری ہڈیوں سے یہی آواز آئے گی۔ تمہارے لیے اب بھی وقت ہے۔ اگر چاہو تو اپنی جان بچا سکتے ہو ورنہ میں اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لوں گا اور مجھے تمہاری چیخیں متاثر نہیں کر سکیں گی!"

اس کے بعد سعد دوسرے قیدی کی طرف متوجہ ہوا: "لو تم بھی تیار ہو جاؤ۔ اس کے بعد تمہاری باری آئے گی۔ تمہارے جرائم تمہارے چہروں پر لکھے ہوتے ہیں!"

قیدی کانپتی ہوئی آواز میں چلایا "میں بلنسیہ سے آیا ہوں۔ میں بے گناہ ہوں"۔

"یہ ابھی معلوم ہو جائے گا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟"

زیاد نے درد سے کراہتے ہوئے کہا "مجھے چھوڑ دو۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں نے کچھ نہیں کیا ——— میں ایک ادنیٰ ملازم ہوں۔ میں نے صرف اُن کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں سب کچھ بتانے کو تیار ہوں"۔

سعد کے اشارے سے سپاہیوں نے چرخی کو الٹا گھمایا اور شکنجہ ڈھیلا ہو گیا۔

سعد نے کہا "جلدی کرو۔ یہ تمہارے لئے آخری موقع ہے"۔

"آپ وعدہ کرتے ہیں کہ آپ مجھے قتل نہیں کریں گے؟" زیاد نے ملتجی ہو کر کہا۔

"میں تمہارے ساتھ کوئی وعدہ نہیں کرتا"۔

"اگر میں آپ کو کسی ایسے خطرے سے آگاہ کروں جو آپ کے تصور میں بھی نہ ہو؟"

سعد کچھ کہنا چاہتا تھا، کہ اس کا نائب بھاگتا ہوا کوٹھڑی میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ ایک اجنبی تھا۔

نائب سالار نے کسی تمہید کے بغیر کہا "یہ اس بستی کے سردار ہیں۔ جو آدمی قتل ہوا تھا اس کی تلاشی لینے کے بعد انہوں نے ایک کاغذ برآمد کیا ہے"۔

سعد نے سوال کیا "کہاں ہے وہ کاغذ؟"

بستی کے سردار نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر سعد کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "جب بستی کے رضاکار قیدیوں کو لے کر آپ کی طرف روانہ ہو گئے تو میں نے ان کے زخمی ساتھی کی تلاشی لی۔ اس سے کوئی قابل اعتراض چیز برآمد نہ ہوئی۔ پھر مجھے یہ خیال آیا کہ مقتول کی تلاشی بھی لے لینی چاہیے۔ اس کی جیب سے یہ کاغذ برآمد ہوا۔ میں نے تحریر پڑھتے ہی آپ کے پاس پہنچنا ضروری سمجھا۔ پہلے میں نے یہ سوچا تھا کہ سیدھا امیر یوسف کی قیام گاہ کا رخ کروں گا لیکن بعد میں خیال آیا کہ وہاں تک شاید میری رسائی نہ ہو سکے۔

سعد کو سردار کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ مشعل کے قریب ہو کر انتہائی انہماک کے ساتھ کاغذ پر لکھی ہوئی تحریر پڑھ رہا تھا اور ہر لحظہ اس کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔ یہ قسطلہ کے بادشاہ الفانسو ششم کے دستخط سے ایک اعلان تھا جس کی عبارت یہ تھی:

"ہم لیون، ارغون، النوار، ایجوریا اور جلیقیہ کے جلیل القدر امراء اور طلیطلہ کی حکومت کے سرپرست سنڈ فنیلو کی تائید کے ساتھ یہ اعلان کرتے ہیں کہ اگر اندلس کے مسلمان بادشاہ ہمارے ساتھ دوستی اور رواداری کا عملی ثبوت دیں تو ہم آئندہ ان کی آزادی اور خودمختاری میں دخل اندازی نہیں کریں گے۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ افریقی حملہ آور اندلس کے مسلمانوں کے ساتھ دوستی کے پردے میں اُن کی آزادی پر چھاپہ مارنا چاہتے ہیں اور اگر اندلس میں اُن کے پاؤں جم گئے تو مسلمان حکمرانوں کا اقتدار ختم کرنے کے بعد وہ ہماری آزادی پر چھاپہ مارنے کی کوشش کریں گے۔ اس لیے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ آپس کی جنگ ہمیشہ کے لیے ختم کر کے بیرونی حملہ آوروں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ ہم حلفاً اعلان کرتے ہیں کہ اگر شاہانِ اندلس اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے متحد ہو جائیں تو ہم اور ہمارے تمام حلیف ان کی پوری پوری اعانت کریں گے۔ دوستانہ معاہدے کی شرائط طے کرنے کے لیے ہم سرحد کے کسی مقام پر شاہانِ اندلس کے ساتھ ملاقات کرنے کے لیے تیار ہیں، حصن الیید کے متعلق ہم نے ان کے نمائندوں کو زبانی اپنی تجاویز سے آگاہ کر دیا ہے"۔

سعد نے یہ تحریر پڑھنے کے بعد زیاد کی طرف دیکھا اور کہا "اب تم مجھے کسی ایسے خطرے سے آگاہ نہیں کر سکتے جو میرے تصور میں نہیں۔ لیکن اگر تم میرا وقت ضائع نہ کرو اور تمام سوالات کا صحیح جواب دیتے جاؤ تو میں تمہاری جان بچانے کا وعدہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ تم نے میرے ساتھ کوئی جھوٹی بات نہیں کی۔ تم یہاں قید میں رہو گے۔ اس کے بعد تمہارا معاملہ امیر یوسف بن تاشفین کے سپرد کر دیا جائے گا"۔

زیاد نے کہا "میں آپ کے ہر سوال کا جواب دینے کے لئے تیار ہوں!"

سعد نے کہا "وہ مقتول جس سے الفانسو کا مکتوب برآمد ہوا ہے کون تھا؟"

"وہ شہزادہ رشید کا مشیر خاص تھا"

"تم الفانسو سے کہاں ملے تھے؟"

"ہماری ملاقات بلنسیہ کی مغربی سرحد کے ایک قلعے میں ہوئی تھی"

"تمہارا یہ ساتھی کون ہے؟"

"یہ مالقہ کے حاکم کا نمائندہ ہے"

"تمہارے وفد کا رہنما کون تھا؟"

"شہزادہ رشید"

"وہ بچ کر نکل گیا ہے؟"

"ہاں!"

"اور وہ زخمی جسے لبستی کے رضاکار پیچھے چھوڑ آئے ہیں کون ہے؟"

"وہ غرناطہ کے حکمران کا نمائندہ تھا"

"اس سازش میں کون کون شریک ہے؟"

"قریباً تمام حکمران اس سازش میں شریک تھے لیکن جس مجلس میں ہمیں الفانسو کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اس میں صرف المریہ، مرسیہ، اور بطلیوس کے حکمران شریک نہیں ہوئے تھے۔ تاہم مجھے اس بات کا علم ہے کہ امیر یوسف کی ملامت سننے کے بعد وہ بھی بہت خفا تھے"

"تم لوگ الفانسو کے پاس ملوک الطوائف کی طرف سے دوستی کا پیغام لے کر گئے تھے؟"

"ہاں!"

"حصن اللبیط کے متعلق الفانسو نے کیا تجاویز پیش کی تھیں؟"

"اس نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ جب مرابطین کا لشکر اندلس سے نکل جائے گا تو وہ

حصن اللبیط سے اپنی فوج نکال لے گا۔ اس لئے اگر ملوک الطوائف یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان میں مرابطین کے ساتھ ٹکر لینے کی ہمت نہیں یا ایسا کرنے سے ان کی رعایا باغی ہو جائے گی تو فیصلہ کن حملے کے دن اپنی فوجیں لے کر نکل جائیں"

سعد نے اپنے نائب کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "میں ابھی جا رہا ہوں۔ انہوں نے جمعہ کے روز پچھلے پہر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اب اگر میں اڑ کر جا سکوں تو بھی وہاں میرا بر وقت پہنچنا ناممکن ہے۔ اب تک شہزادہ رشید ملوک الطوائف کو الفانسو کا پیغام سنا چکا ہو گا۔ میرے پہنچنے تک لڑائی اپنے فیصلہ کن دور میں داخل ہو چکی ہو گی۔ اگر ملوک الطوائف نے غداری کی اور عین لڑائی کے دوران میں پیچھے ہٹ گئے تو ہمارے لشکر کو ایک خطرناک صورتِ حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ دشمن اپنی ساری طاقت ہمارے مقابلے میں لا سکے گا اور اگر دشمن کے چند دستے شمال یا مشرق کی طرف سے باہر نکل کر ہمارے پڑاؤ پر حملہ کر دیں تو ہمیں عبرت ناک تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اب تم تمام چوکیوں کے سپاہیوں کو یہ حکم بھیج دو کہ وہ حصن اللبیط کی جنگ میں حصہ لینے کے لئے پہنچ جائیں۔ وہاں ہمیں زیادہ سے زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہے۔ اس وقت اپنے ساتھ صرف چار سوار لے کر جا رہا ہوں۔ کیونکہ قلعہ کے محافظوں کی تعداد پہلے ہی بہت کم ہے"

نائب سالار نے کہا: "آپ راستے میں ہوشیار رہیں! ممکن ہے جو لوگ بچ کر نکل گئے ہیں اُن کے ساتھیوں کی تلاش میں ملوک الطوائف نے فوج بھیج دی ہو۔ اس تحریر کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے وہ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے"

سعد نے کہا فرض کرو اگر راستے میں مجھے کوئی خطرہ پیش آیا تو ایک آدمی تحریر لے کر واپس تمہارے پاس پہنچ جائے گا اور پھر اسے امیر یوسف کے پاس پہنچانا تمہارا کام ہو گا۔ کاغذ کے اس پرزے پر اندلس کی تقدیر لکھی ہوئی ہے۔ قیدیوں کا خیال رکھو اور جب سپاہی یہاں سے روانہ ہوں تو انہیں بھی ان کے ساتھ بھیج دو!"

سعد باہر نکلا تو زیاد بلند آواز میں چلّایا "میں ایک اور ضروری بات کہنا چاہتا ہوں!"

سعد نے واپس مڑتے ہوئے کہا: "جلدی کہو!"

"الفانسو نے کہا تھا کہ اگر مجھے ملوک الطوائف کے غیر جانبدار رہنے کی اطلاع ملی تو میں چار دن کے اندر اندر پندرہ ہزار فوج لے کر حصن الليط پہنچ جاؤں گا۔ اس کی فوج بلنسیہ کی جنوب مشرقی سرحد پر یہاں سے کوئی چالیس کوس کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے!"

سعد نے باہر نکلتے ہوئے الماس سے کہا: "چچا الماس یہ قلعہ سخت خطرے کی زد میں آچکا ہے۔ اس لیے تم میمونہ کے ساتھ حصن الليط پہنچ جاؤ۔ صبح جب بیرونی چوکیوں کے سپاہی روانہ ہوں تو تم بھی اُن کے ساتھ چلے آؤ!"

(۲)

تھوڑی دیر بعد سعد کے ساتھ تین سوار سرپٹ گھوڑے دوڑاتے ہوئے تنگ اور دشوار گزار پہاڑی راستے پر حصن الليط کا رخ کر رہے تھے۔ جب رات کی تاریکی صبح کے دھندلکے میں تبدیل ہو رہی تھی، وہ قریباً ایک تہائی راستہ طے کر چکے تھے۔ جب وہ ایک گھاٹی عبور کرنے کے بعد ایک تنگ وادی میں اتر رہے تھے۔ سعد نے اچانک اپنا گھوڑا روکا اور مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "تم ہوشیار رہو! مجھے ندی کے پل پر پہرے دار نظر نہیں آتے۔ میں نے حکم دیا تھا کہ دو آدمی ہر وقت یہاں موجود رہنے چاہئیں!"

سعد کے ایک ساتھی نے کہا: "اب صبح ہو رہی ہے ہو سکتا ہے پہرے دار چوکی میں چلے گئے ہوں۔"

دوسرے ساتھی نے کہا: "ادھر دیکھئے۔ تین سوار جھاڑیوں کی آڑ سے نکل کر پل کی طرف بھاگ رہے ہیں۔"

سعد نے دوبارہ گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ لیکن جب وہ پل سے چند قدم دور تھا۔ تو تین آدمی جنہیں وہ راستے کی چوکی کے پہرے دار سمجھ رہا تھا۔ اچانک نیزے تان کر ان کے سامنے کھڑے ہو گئے

سعد نے فوراً پوری قوت کے ساتھ باگ کھینچ کر گھوڑا روکا اور گرجدار آواز میں کہا: "اندھے ہو گئے ہو تم! مجھے بھی نہیں پہچانتے؟"

سعد کی پریشانی پر اس کے ساتھی نے گھوڑا آگے بڑھا کر آہستہ سے بربری زبان میں کہا: "یہ ہماری فوج کے آدمی نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ راستے کی چوکی پر اُن کا قبضہ ہو چکا ہو! آپ محتاط رہیں۔"

سعد نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: "تم ہمارا راستہ نہیں روک سکتے!"

ایک سپاہی نے جواب دیا: "جب تک ہمارا سالار یہاں نہیں پہنچتا یہ راستہ بند رہے گا۔"

"اور تمہارا سالار کون ہے؟"

"ہم اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے۔"

سعد کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اچانک اسے لکڑی کے پُل پر خون کے نشانات دکھائی دیئے اور اس نے جلدی سے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کا غذ نکالا اور دوسرے سوار کو دیتے ہوئے بربری زبان میں کہا: "تم واپس جاؤ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے راستے میں جال پھیلایا جا چکا ہے۔ قلعے میں پہنچتے ہی آئے سالار کے حوالے کر دو!"

راستہ روکنے والے سواروں میں سے ایک نے اپنا گھوڑا ذرا آگے کرتے ہوئے پوچھا: "یہ کیا ہے؟"

"ہم ہر سوال کا جواب نہیں دیا کرتے!" یہ کہتے ہوئے سعد نے بجلی کی سی پھرتی کے ساتھ نیام سے تلوار نکالی، گھوڑے کو ایڑ لگائی اور پلک جھپکنے کی دیر میں پہرے دار کے نیزے کا آدھا حصہ کٹ کر زمین پر آرہا۔ تلوار کی دوسری ضرب کے ساتھ سعد نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اتنی دیر میں سعد کا ایک ساتھی جسے وہ واپس جانے کا حکم دے چکا تھا گھوڑے کی باگ موڑ کر ایڑ لگا چکا تھا اور باقی دو گھوڑے آگے بڑھا کر پہرے داروں پر حملہ کر چکے تھے۔ ابھی لڑائی ہو رہی تھی کہ پل کے قریب گھنی جھاڑیوں کی آڑ سے چند تیر آئے۔ ایک تیر سعد کی گردن کے ساتھ مس کرتا ہوا گزر گیا اور دوسرا اس کی پسلی میں اٹکا۔ سعد کے ساتھی نے ایک سوار کے سینے پر نیزہ مارا اور اسے گھوڑے کی پیٹھ سے

دھکیل کر ندی میں پھینک دیا۔ تیسرا سوار سعد کی تلوار سے زخمی ہو کر جھاڑیوں کی طرف نکل گیا لیکن اتنی دیر میں جھاڑیوں کی آڑ سے آنے والے تیر سعد کے ایک ساتھی کو زخمی کر چکے تھے۔ پل عبور کرتے ہوئے ایک تیر لگنے سے سعد کی ٹانگ بھی زخمی ہو چکی تھی۔

ندی عبور کرنے کے بعد سعد اور اس کے ساتھی پھر ایک اونچے پہاڑ پر چڑھ رہے تھے سعد کی ٹانگ کا زخم زیادہ گہرا نہ تھا، اور اس نے بھاگتے ہوئے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے کسی تکلیف کے بغیر ٹانگ میں اٹکا ہوا تیر نکال لیا۔ لیکن پسلی کے گہرے زخم سے تیر نکالتے ہوئے ایک ثانیہ کے لئے اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ تاہم اس نے اپنے گھوڑے کی رفتار کم نہ ہونے دی اور زخموں سے نکالے ہوئے تیر پھینکنے کی بجائے اپنے ترکش میں ٹھونس لئے۔

پیچ دار راستے سے اس پہاڑ کے عقب میں پہنچنے کے بعد ان کے سامنے ایک طویل و عریض وادی تھی اور اسی وادی میں وہ چوکی تھی جہاں انہیں باقی راستہ طے کرنے کے لئے تازہ دم گھوڑے ملنے کی امید تھی لیکن قریباً ایک میل کے فاصلے پر سواروں کا ایک دستہ اس چوکی سے نکل کر پہاڑ کا رخ کر رہا تھا۔ سعد نے مایوسی کی حالت میں اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ہمیں یہ راستہ چھوڑ کر بائیں ہاتھ جنگل کا رُخ کرنا چاہیئے۔ اگر ہم ان کے گھیرے میں آنے سے پہلے جنگل تک نہ پہنچ سکے تو ہمارا بچ نکلنا بہت مشکل ہو گا!"

سعد کے ایک ساتھی نے چونکتا ہو کر کہا۔ "سنئے کوئی پیچھے آ رہا ہے!"

سعد نے گھوڑا روکا اور اپنے پیچھے دو گھوڑوں کی ٹاپ سن کر کہا۔ "یہ پل پر قبضہ کرنے والوں کے ساتھی ہیں۔ ان کا آگے نکل جانا ہمارے لئے بہت خطرناک ہو گا۔ تم بائیں ہاتھ پہاڑ سے اتر کر جنگل کا رُخ کرو۔ میں ان کا راستہ روکتا ہوں!"

سعد کے ساتھیوں نے کہا۔ "آپ زخمی ہیں۔ ہم آپ کو پیچھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔"

سعد نے کہا۔ "یہ میرا حکم ہے۔ میں اس لئے پیچھے رہنا چاہتا ہوں کہ میں زخمی ہوں۔"

سعد کے ساتھیوں نے ایک خطرناک ڈھلوان کی طرف گھوڑوں کی باگیں موڑ لیں اور وہ پگڈنڈی

سے ایک طرف ہٹ کر ایک جھاڑی کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ جونہی دو سوار اس کی زد میں آئے اس نے تیر چلا دیا۔ تیر اگلے سوار کے سینے میں لگا۔ پیچھے آنے والے سوار نے جلدی سے اپنے گھوڑے کی باگ موڑ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن سعد کا دوسرا تیر اس کی کمر میں لگا اور وہ بھاگتے ہوئے گھوڑے سے گر پڑا۔

سعد نے اپنے گھوڑے سے اتر کر تلوار کی نوک سے پگڈنڈی پر ایک نشان بنایا اور پاس ہی ایک درخت کی شاخ کاٹ کر زمین پر رکھ دی اور دوبارہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ کوئی پچاس گز آگے جا کر اس نے ایک درخت کے تنے میں اپنا خنجر گاڑ دیا۔ اس کے بعد وہ چٹانوں اور درختوں کی آڑ لیتا ہوا پہاڑ سے نیچے اترنے لگا۔

ڈھلوان اس قدر خطرناک تھی کہ گھوڑے کا ایک غلط قدم اسے تحت الثریٰ تک پہنچا سکتا تھا۔ تھوڑی دور آگے یہ ڈھلوان کھڈ سے ملتی تھی جس کا تدریجی نشیب وادی کے درمیان ایک خشک برساتی نالے پر جا کر ختم ہوتا تھا۔ سعد کے ساتھی کوئی تین سو گز اس سے آگے تھے۔ کھڈ کے اونچے کناروں نے انہیں پہاڑ کی طرف آنے والے سواروں کی نگاہوں سے بچا رکھا تھا۔ تاہم سعد کو یہ خدشہ تھا کہ وہ جونہی کھڈ سے باہر نکل کر سامنے والے پہاڑ کے دامن میں گھنے جنگل کا رُخ کریں گے، پہاڑ پر چڑھنے والے سوار یا ان کے وادی میں پھیلے ہوئے ساتھی انہیں دیکھ لیں گے۔

برساتی نالے سے باہر نکل کر سعد نے چاروں طرف دیکھا تو اس کا ایک ساتھی پوری رفتار کے ساتھ جنگل کا رُخ کر رہا تھا لیکن دوسرے کی رفتار بتدریج کم ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اسے دائیں ہاتھ کوئی نصف میل کے فاصلے پر آٹھ سوار ان کا تعاقب کرتے ہوئے دکھائی دیئے۔

سعد نے جلدی سے اپنا گھوڑا ایک ٹیلے کی آڑ میں کر لیا۔ جب سوار ٹیلے کے قریب پہنچے تو اس نے تیر چلائے اور آخری دو سواروں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ بھاگتے ہوئے گھوڑے پر سے اس نے دو تیر اور چلائے اور ایک اور تیر کو مار گرایا۔ اتنی دیر میں دو سواروں نے گھوڑوں کی باگیں موڑ کر سعد پر حملہ کر دیا۔ سعد نے ان میں سے ایک کو تیر مار کر زخمی کیا اور پھر جلدی سے گھوڑے کو ایک چکر دے کر دوسرے کے مقابلے میں تلوار نکال لی۔ جب

حملہ آور نے سامنے آکر نیزہ مارا تو سعد نے اچانک ایک طرف جھک کر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تلوار کا سیدھا وار کیا۔ حملہ آور کا نیزہ سعد کی پسلی کو چھوتا ہوا آگے نکل گیا اور سعد کی تلوار اس کے پیٹ کے پار ہو گئی۔ اس سوار کا دوسرا ساتھی جو سعد کے تیر سے زخمی ہوا تھا، تھوڑی دور جا کر اپنے گھوڑے سے اُتر پڑا اور کمان میں تیر چڑھا کر پتھروں اور جھاڑیوں کی آڑ میں رینگتا ہوا سعد کی طرف بڑھنے لگا۔

باقی تین سوار جو سعد کے ساتھیوں کے تعاقب میں کچھ دُور جا چکے تھے واپس مڑے اور سعد نے اچانک نیام میں تلوار ڈال کر دوبارہ اپنی کمان سنبھال لی۔ سعد کا ایک ساتھی جنگل کے قریب پہنچ چکا تھا لیکن دوسرے نے جب اپنا تعاقب کرنے والوں کو مڑ کر سعد کی طرف متوجہ ہوتے دیکھا تو اپنا ارادہ بدل دیا اور گھوڑے کی باگ موڑ لی۔ سعد پر حملہ کرنے والوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کے لئے اس نے یکے بعد دیگرے تین تیر چلا دیئے۔ ایک سوار زخمی ہو کر دوبارہ اس کی طرف موڑا۔ لیکن، بربر سوار کے ہاتھ میں تیر اور کمان خطرناک سمجھتے ہوئے وہ ایک طرف بھاگ نکلا۔ باقی دو سوار تیزی سے گھوڑے بھگاتے ہوئے سعد سے کوئی تیس قدم کے فاصلے پر پہنچے تو اس نے ایک تیر چھوڑ دیا۔ سعد کا یہ تیر بھی نشانے پر لگا۔ دوسرے سوار نے اچانک اپنا گھوڑا روکا۔ لیکن جب اس نے بربر کو قریب آتے دیکھا تو ایک طرف بھاگ نکلا۔

سعد نے بربر کو آواز دی۔ "صدیق تمہارا ساتھی کہاں ہے؟"

صدیق نے گھوڑا بھگا کر قریب آتے ہوئے کہا۔ "نکل گیا ہے۔ آپ اس کی فکر نہ کریں۔ انشاءاللہ وہ پہنچ جائے گا۔ اِدھر دیکھیے، وہ آ رہے ہیں!"

سعد نے پیچھے مڑ کر پہاڑ کی طرف دیکھا۔ قریباً چالیس پچاس سوار تیزی سے نیچے اُتر کر ان کی طرف آ رہے تھے۔ سعد نے جلدی سے گھوڑے کی باگ موڑ لی لیکن اچانک قریب ہی ایک پتھر کی آڑ سے ایک سنسناتا ہوا تیر آیا اور سعد کی کمر میں پیوست ہو گیا۔ بربر گھوڑا بھگا کر جھاڑی کی طرف بڑھا۔ تیر انداز نے پتھر کی آڑ سے ایک اور تیر چلایا۔ لیکن بربر نے اچانک سر جھکا کر اپنے

آپ کو بچا لیا۔ تیر انداز پتھر کی آڑ سے نکل کر ایک خالی گھوڑے کی طرف بھاگا لیکن بربر نے تیر مارا اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔

بربر دوبارہ سعد کے ساتھ جا ملا اور دونوں جنگل کا رُخ کرنے لگے۔ ان کے گھوڑے تھکاوٹ سے نڈھال ہو چکے تھے اور ہر لحظہ تعاقب کرنے والے سواروں کی نئی ٹولی ان کے قریب پہنچ رہی تھی۔

(۳)

تھوڑی دیر بعد جب وہ جنگل میں داخل ہو رہے تھے، سعد کے گھوڑے نے گر کر دم توڑ دیا۔ بربری نے اپنا گھوڑا روکا اور نیچے کود کر سعد کی طرف بڑھا۔ سعد لڑکھڑاتا ہوا زمین سے اُٹھا اور اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر چلاّیا۔ "صدیق! تم غلطی نہ کرو۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ دیکھو وہ قریب آ رہے ہیں۔ میں ویسے بھی زیادہ دیر تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا!"

صدیق نے کہا۔ "میرا گھوڑا ابھی جواب دے چکا ہے اور آگے چڑھائی ہے۔ اگر ہم سیدھے سامنے پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش کریں تو سوار اپنے گھوڑوں سے اترے بغیر ہمارا پیچھا نہیں کر سکیں گے۔"

سعد اپنی رہی سہی ہمت کو بروئے کار لاتے ہوئے پہاڑ کے دامن کی تدریجی ڈھلوان کا رُخ کرنے کی بجائے دائیں ہاتھ مڑ کر براہ راست ایک چٹان کے اوپر چڑھنے لگا۔

تعاقب کرنے والے سوار چٹان کے قریب پہنچتے ہی اپنے گھوڑوں سے اتر پڑے اور چٹان کے اوپر چڑھنے لگے۔ تھوڑی دیر میں سعد اور ان کے درمیان بمشکل دو سو گز کا فاصلہ تھا۔ زخموں سے چُور ہونے کے باعث سعد کی رہی سہی قوت جواب دے چکی تھی۔ چٹان کی چوٹی سے کوئی بیس گز نیچے وہ نڈھال سا ہو کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر اس کا ایک ساتھی جو چند قدم آگے نکل چکا تھا واپس مڑا اور اس کا بازو پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے چلاّیا۔ "اس چٹان کی چوٹی پر ہم اپنا آخری مورچہ بنا سکتے ہیں۔ ہمارے ترکش ابھی تک تیروں سے بھرے ہوئے ہیں۔ آپ ہمت نہ ہاریں!"

سعد اٹھا لیکن ایک ثانیہ کے لئے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

بربر نے کہا۔ "آپ چوٹی پر پہنچنے کی کوشش کریں میں ان کا راستہ روکتا ہوں!"

سعد نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "صدیق! تم میرے لئے اپنی زندگی خطرے میں نہ ڈالو!"

"ہم دونوں کی زندگیاں خطرے میں ہیں۔ آپ کا ساتھ چھوڑ کر بھی اتنے آدمیوں سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔" یہ کہہ کر صدیق سعد کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اوپر چڑھنے لگا۔

صدیق کے ساتھ چھ سات قدم اٹھانے کے بعد سعد نے کہا۔ "مجھے چھوڑ دو۔ وہ قریب آ رہے ہیں۔ میں سہارے کے بغیر چل سکتا ہوں۔"

صدیق ایک پتھر کی آڑ میں بیٹھ گیا۔ چوٹی کے قریب آخری چند گز کا فاصلہ نہایت دشوار گزار تھا۔ سعد نے کمان گلے میں ڈال لی اور اپنے پاؤں اور ہاتھوں سے کام لیتا ہوا اوپر چڑھنے لگا۔ چوٹی پر پہنچ کر اس پر پھر ایک بار تھوڑی دیر کے لئے بیہوشی طاری ہو گئی اور وہ منہ کے بل لیٹا رہا۔ اتنی دیر میں چند آدمی صدیق کے قریب پہنچ چکے تھے۔ صدیق نے پتھر کی آڑ سے یکے بعد دیگرے چند تیر چلائے۔ تین آدمی زخمی ہو کر گر پڑے۔ ایک چٹان کے نشیب سے لڑھکتا ہوا کئی گز نیچے چلا گیا۔ باقی دہشت زدہ ہو کر جھاڑیوں اور پتھروں کے پیچھے چھپ گئے۔

صدیق پتھر کی آڑ سے نکل کر تیزی کے ساتھ اوپر چڑھنے لگا۔ تعاقب کرنے والوں میں سے ایک آدمی بلند آواز میں چلایا۔ "اگر اب تم میں سے کوئی پیچھے ہٹا تو میں اسے موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔"

چند آدمی تیر برساتے ہوئے دوبارہ چٹان پر چڑھنے لگے لیکن اتنی دیر میں صدیق چوٹی پر پہنچ چکا تھا۔

"آپ کیسے ہیں؟" صدیق نے سعد کے قریب ایک پتھر کی آڑ میں بیٹھ کر ایک تیر چلاتے ہوئے سوال کیا۔

سعد نے اپنی کمان گلے سے اتارتے ہوئے جواب دیا۔ "میں ٹھیک ہوں!"

آٹھ دس آدمی چیختے چلاتے چوٹی پر پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سعد اور اس کے ساتھی نے یکے بعد دیگرے چند تیر چلائے اور ان میں سے پانچ کو ڈھیر کر دیا۔ باقی جس تیزی سے اوپر آنے کی کوشش کر رہے تھے اس کہیں زیادہ تیزی کے ساتھ نیچے اترنے لگے۔

صدیق قدرے مطمئن ہو کر سعد کی طرف متوجہ ہوا۔ "اگر اجازت ہو تو میں آپ کے جسم سے یہ تیر نکال دوں؟"

"نہیں یہ بہت گہرا جا چکا ہے۔ میں اسے نکالنے کی کوشش کر چکا ہوں۔"

صدیق نے کہا۔ "منافق ہمیشہ بزدل ہوتے ہیں۔ دیکھئے اب وہ پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ اگر ہم تھوڑی دیر ان کا مقابلہ کر سکیں تو شاید قلعے کے آدمی اس طرف آ نکلیں۔"

"میں ان کی رہنمائی کے لئے نشان چھوڑ آیا ہوں۔ تمہارے ترکش میں کتنے تیر ہیں؟"

"قریباً چالیس ہوں گے۔"

"اتنے ہی شاید میرے ترکش میں بھی ہیں۔ ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ کوئی تیر رائیگاں نہ جائے۔" عقب میں ایک کھڈ کے باعث یہ چٹان باقی پہاڑ سے کٹی ہوئی تھی۔ سعد نے اٹھ کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور دوبارہ اپنے ساتھی کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں عقب سے کوئی خطرہ نہیں لیکن دائیں بائیں اور سامنے کی اطراف کا خیال رکھنا چاہیئے!"

سعد کمان میں تیر چڑھا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ حملہ آور پتھروں اور جھاڑیوں میں رینگتے ہوئے اوپر آنے کی کوشش کر رہے تھے۔

کسی نے بلند آواز میں کہا۔ "اب لڑنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ تم مکمل طور پر ہمارے گھیرے میں آ چکے ہو۔ اگر ہتھیار ڈال دو تو شاید اب بھی تمہاری جانیں بچ جائیں!"

سعد نے اسی بلند آواز میں جواب دیا۔ "میرے ترکش میں قریباً چالیس تیر ہیں اور قریباً اتنے ہی میرے ساتھی کے ترکش میں ہیں اور ہم تمہیں یہ یقین دلاتے ہیں کہ ہمارا کوئی تیر رائیگاں نہیں جائے گا۔"

پہاڑی کا محاصرہ کرنے والوں کے سالار نے کہا۔ "آخر تم کب تک لڑو گے۔ تمہیں باہر سے کسی اعانت کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔ اس چٹان پر بھوک اور پیاس بالآخر تمہیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دے گی۔ ہم تمہیں آخری بار سوچنے کا موقع دیتے ہیں!"

سعد نے جواب دیا۔ "ہمیں سوچنے کا موقع دینے کی بجائے تمہیں اپنی فکر کرنی چاہیئے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے خون کے چند قطرے اندلس کے ملت فروشوں کا یوم حساب قریب لے آئیں گے۔ اگر تمہیں شہزادہ رشید نے ہمارا راستہ روکنے کے لئے بھیجا ہے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ الفانسو کے ساتھ اندلس کی عزت اور آزادی کا سودا کر چکا ہے اور اب تک شاید امیر یوسف کو بھی اس بات کا علم ہو چکا ہو۔"

سالار نے پتھر کی آڑ سے نکل کر چند قدم آگے کھسکتے ہوئے کہا۔ "امیر یوسف اگر زندہ ہے تو اب تک وہ حصن الّلیط کا محاصرہ اٹھا کر ایک منزل آگے جا چکا ہوگا۔" سعد نے جواب دینے کی بجائے تیر چلا دیا اور سالار اپنے بازو پر زخم کھا کر دوبارہ پتھر کی آڑ میں لیٹ گیا۔

چند لمحات کے لئے حملہ آوروں میں سے کسی نے جنبش نہ کی۔ سعد کے لئے یہ سکوت تلواروں کی جھنکار اور تیروں کی سنسناہٹ کی نسبت کہیں زیادہ صبر آزما تھا۔ زخموں میں درد کی شدت کے باعث وہ کبھی کبھی اپنا سر ایک پتھر پر رکھ کر منہ کے بل لیٹ جاتا۔ پھر گردن اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھتا جب آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا تو وہ پھر اسی طرح لیٹ جاتا۔ صرف ایک امید اسے موت کے خلاف جنگ لڑنے پر آمادہ کر رہی تھی۔ اس کے ڈوبتے ہوئے دل کی نحیف دھڑکنیں کہہ رہی تھیں قلعے کے محافظ ہماری مدد کے لئے ضرور آئیں گے۔ وہ اب زیادہ دور نہیں ہوں گے۔ اب تک انہوں نے راستے کی فلاں ندی اور فلاں پہاڑی عبور کر لی ہوگی۔ ابھی میری موت کا وقت نہیں آیا۔ مجھے زندہ رہنا چاہیئے۔ حصن الّلیط پر اسلام کا پرچم دیکھنے کے لئے میمونہ کو فتح کا مژدہ سنانے کے لئے اور قرطبہ میں برسوں سے ایک اجڑا ہوا گھر آباد کرنے کے لئے مجھے زندہ رہنا چاہیئے۔ ابھی تک میری زندگی کا مقصد پورا نہیں ہوا۔ ابھی تک میں نے اپنے سپنوں کی تعبیر نہیں دیکھی۔ لیکن اگر میرا آخری وقت آ ہی چکا ہے تو بھی جب تک میری رگوں سے خون کا آخری قطرہ بہہ نہیں جاتا میں مقابلہ کروں گا۔" اس قسم کے خیالات کی رو میں نقاہت، درد اور پیاس کی شدت کا احساس تھوڑی دیر کے لئے دب کر رہ جاتا اور وہ نئے سرے سے مستعد ہو کر بیٹھ جاتا۔

اچانک صدیق نے شمال کے پہاڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ادھر دیکھئے وہ آ رہے ہیں!"

سعد کو تیز رفتار سواروں کا ایک دستہ پہاڑ سے اتر کر وادی کا رخ کرتا ہوا دکھائی دیا اور اس کی آنکھوں میں امید کی نئی روشنی جھلکنے لگی۔ اس نے کہا۔ "صدیق! قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ ہم ان بزدلوں کے ہاتھوں مارے جائیں۔ وہ ہمارے آدمی ہیں، ان کا رخ بھی اسی طرف ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ان لوگوں کو دیکھ چکے ہیں۔"

دائیں طرف سے کسی پتھر کے نیچے لڑھکنے کی آہٹ سنائی دی۔ صدیق نے جلدی سے آگے بڑھ کر نیچے دیکھا اور چلایا۔ "ہوشیار! وہ اس طرف سے حملہ کرنا چاہتے ہیں!"

سعد نے گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے دائیں طرف نگاہ دوڑائی۔ چند آدمی پتھروں کی آڑ میں رینگتے ہوئے اوپر آ رہے تھے۔ سعد اور صدیق نے دو آدمیوں کو تیروں سے زخمی کیا اور باقی پتھروں کی آڑ میں لیٹ گئے۔

"آپ اس طرف کا خیال رکھیں۔ میں دوسری طرف دیکھتا ہوں!" صدیق یہ کہہ کر بائیں طرف ایک پتھر کی آڑ لے کر نیچے جھانکنے لگا۔ اس طرف سے بھی چند آدمی اوپر آنے کی کوشش کر رہے تھے۔ صدیق نے چند تیر چلا کر ان کی پیش قدمی بھی روک دی۔ اس کے بعد حملہ آور اچانک دائیں، بائیں اور سامنے کی اطراف سے یلغار کر کے اوپر آنے لگے۔ سعد اور صدیق چوٹی کے دو ایسے کونوں میں بیٹھ گئے جہاں سے وہ تینوں اطراف تیر برسا سکتے تھے۔ سعد تیر چلاتے چلاتے کبھی کبھی وادی کی طرف دیکھ لیتا اور سواروں کے دستے کو قریب آتے دیکھ کر اس کا حوصلہ تازہ ہو جاتا۔ حملہ آور چوٹی سے چند گز نیچے پھر ایک بار رک گئے۔ دائیں طرف سے اچانک سات آدمی پتھروں کی آڑ سے نمودار ہوئے اور انہوں نے چوٹی سے دھاوا بول دیا۔ سعد نے ان میں سے دو کو گرا دیا لیکن تین چوٹی پر پہنچ گئے۔ ایک نے تلوار نکال کر سعد پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن سعد کا تیر اس کے سینے میں لگا اور وہ ایک جگہ دو زانو ہو نے کے بعد گر پڑا۔ صدیق نے کمان پھینک کر تلوار نکالی اور اس کے پیچھے آنے

والے دو آدمیوں پر حملہ کر دیا۔ اس نے پہلی ہی ضرب میں ایک آدمی کو گرا لیا اور دوسرے پر لوٹ پڑا۔ اتنی دیر میں سامنے سے دو آدمی چوٹی پر پہنچ گئے۔ سعد نے اٹھ کر تلوار کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا اور دھکیلتا ہوا چٹان کے کونے تک لے آیا۔ اس کی تلوار ایک آدمی کے کندھے پر لگی اور وہ چٹان سے نیچے گر پڑا۔ دوسرے نے سعد پر وار کیا اور اس کی تلوار سعد کے بائیں بازو پر زخم لگاتی ہوئی نیچے پھسل گئی۔ اس کے ساتھ ہی سعد کو چکر آیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا چند قدم پیچھے ہٹ کر ایک پتھر پر گر پڑا۔ حملہ آور نے دوسرا وار کرنے کی کوشش کی لیکن اس عرصے میں صدیق اپنے مدِمقابل کو موت کے گھاٹ اتار کر اس طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ آگے بڑھا اور اس نے بیہوشی کی حالت میں پڑے ہوئے سعد پر حملہ کرنے والے دشمن کا وار اپنی تلوار پر روک لیا۔ چند بار ان دونوں کی تلواریں آپس میں ٹکرائیں۔ بالآخر صدیق نے ایک سیدھا وار کیا اور اس کی تلوار دشمن کے سینے میں اتر گئی۔ باقی حملہ آور اوپر آنے کی بجائے شور مچاتے ہوئے نیچے اتر رہے تھے۔ کوئی بلند آواز میں چلا رہا تھا۔ ”بربری آگئے۔ بھاگو۔ بھاگو!“

قریباً نصف ساعت کے بعد صدیق، سعد کو ہوش میں لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ”قدرت نے ہمیں فتح دی ہے۔ قلعے کے سپاہی پہنچ گئے ہیں۔ دشمن بھاگ گیا ہے۔ دیکھئے وہ اوپر آ رہے ہیں!“

سعد نے ہوش میں آ کر آنکھیں کھولیں اور گردن اٹھا کر چٹان سے نیچے دیکھنے لگا۔ قلعے کے چند سپاہی اوپر آ رہے تھے۔ اچانک سعد کی نگاہیں کسی کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں یہ میمونہ تھی سعد نے کہا۔ ”صدیق! صدیق!! کیا میں زندہ ہوں؟“

صدیق مسکرایا۔ ”آپ زندہ ہیں، آپ کو زندہ رہنا چاہیئے۔ آپ کی قوم کو آپ کی ضرورت ہے۔“

”میری قوم!“ سعد نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ بیہوشی کی حالت میں بھی اس کے چہرے پر ایک اداس اور مغموم مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

(۴)

رات کے پچھلے پہر امیر یوسف اور ملوک الطوائف کی افواج نے حصن اللیط پر حملہ کیا اور طلوع آفتاب کے قریب حملہ آور فوج پہاڑ کے دامن میں دشمن کے دفاعی مورچے روندنے کے بعد قلعے کی چار دیواری پر یلغار کر رہی تھی۔ حملہ آور دبابوں، سیڑھیوں اور کمندوں کی مدد سے فصیل پر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے اور قلعے کے محافظ ان پر تیروں کی بارش کرنے کے علاوہ کھولتا ہوا تیل اور گندھک برسا رہے تھے۔ مرابطین کے حملے کا زور قلعے کی مغربی، جنوبی اور شمالی سمتوں پر تھا۔ مشرقی سمت سے ملوک الطوائف اور اندلس کے رضاکاروں کے دستے حملہ کر رہے تھے۔ امیر یوسف نے احتیاطاً اپنی فوج کا ایک دستہ ان کے ساتھ شامل کر دیا تھا۔ اشبیلیہ، مالقہ اور غرناطہ کے حکمرانوں کی غیر حاضری میں ان کی فوج کی قیادت اشبیلیہ کے سپہ سالار کے سپرد تھی۔ لیکن حملے کے وقت چند اور حکمران بھی غائب ہو چکے تھے اور ان کی فوجوں کی رہنمائی بطلیوس کا سپہ سالار کر رہا تھا۔

قلعے کے تین اطراف گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ افریقہ کے مجاہد دشمن کے تیروں اور بھالوں کے مقابلے میں سینے تان کر آگے بڑھتے اور فصیل پر سیڑھیاں لگا کر اوپر چڑھنے کی کوشش کرتے جب ایک دستہ پیچھے ہٹتا دوسرا آگے بڑھ کر اس کی جگہ لے لیتا۔ دبابے جل رہے تھے، سیڑھیاں گرائی جا رہی تھیں۔ تیروں اور بھالوں کی بارش ہو رہی تھی لیکن اس کے باوجود مرابطین کے حملے کی تندی اور تیزی ہر لحظہ بڑھ رہی تھی۔

”بہادرو! آگے بڑھو آج تمہاری فتح کا دن ہے!“ امیر یوسف کا یہ نعرہ گرتے ہوئے حوصلوں کے لئے صورِ اسرافیل کا کام دے رہا تھا۔ وہ بھاگتا ہوا کبھی قلعے کے ایک طرف اور کبھی دوسری طرف جا پہنچتا اور اسے دیکھنے والوں میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ جاتی تھی۔

... سر پھرے زندگی اور موت سے بے پروا ہو کر فصیل پر پہنچ جاتے۔ انہیں پہلے فصیل کے محافظوں ... اور تلواروں کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس کے بعد فصیل کے اوپر برجیوں کی قدم قدم کے فاصلے پر ایسے ... دشمن کے تیر اندازوں کے لئے ناقابلِ تسخیر مورچوں کا کام دیتے تھے۔ فصیل کے کسی حصے

پر پاؤں جلنے کے لئے ان مورچوں پر قبضہ کرنا ضروری تھا اور فصیل سے ان برجوں تک پہنچنا باہر سے فصیل تک پہنچنے کی نسبت کم مشکل نہ تھا۔

حملہ آور قلعے سے باہر پہاڑ کے دامن میں منجنیق نصب کر کے پتھر اور آتشیں گولے برسا رہے تھے۔ ایک بھاری پتھر قلعے کی شمالی دیوار پر لگا اور برج کے گرتے ہی مرابطین کی فوج کے چند سپاہی مار دھاڑ کرتے ہوئے فصیل پر جا پہنچے۔ تھوڑی دیر میں انہوں نے فصیل کے اس حصہ کے محافظوں کو موت کے گھاٹ اتار کر تھوڑی سی جگہ خالی کر لی۔ لیکن قلعے کے اندر سے عیسائیوں کا تازہ دم دستہ ان کے مقابلے میں آ گیا۔ اتنی دیر میں مسلمانوں کا ایک تازہ دم دستہ بھی فصیل پر پہنچ چکا تھا۔ فریقین انتہائی جوش و خروش کے ساتھ لڑ رہے تھے اور ہر لحظہ ایک تنگ سی جگہ پر ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔

(۵)

جب قلعے کی تین اطراف گھمسان کی جنگ لڑی جا رہی تھی، مشرق کی سمت ملوک الطوائف اپنی غداری اور بدعہدی کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کر رہے تھے۔ حملے سے قبل مرابطین اور ملوک الطوائف کی افواج کے رہنماؤں کے درمیان یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ دشمن کی قوت تقسیم کرنے کے لئے وہ چاروں اطراف سے بیک وقت حملہ کریں گے اور طلوع آفتاب کے ساتھ وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر قلعے کی چار دیواری پر یلغار کر دیں گے۔ لیکن اندلس کے حکمران در پردہ کئی دن سے جس سازش کی تیاریاں کر رہے تھے وہ رات کے وقت پایۂ تکمیل تک پہنچ چکی تھی۔ شہزادہ رشید مستقر میں پہنچتے ہی انہیں یہ بتا چکا تھا کہ امیر یوسف کی فتح کے بعد اندلس کے حکمرانوں کا انجام کیا ہوگا۔ حملے سے پہلے فوج کے ذمہ دار افسروں میں سے قریباً سب کو یہ معلوم تھا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ چنانچہ جب طلوع آفتاب کے وقت

ؔ نیزے کی طرح ایک لمبی لکڑی کے ایک سرے پر روئی وغیرہ باندھ دی جاتی تھی اور اس پر ایک قسم کا بارود یا جلنے والا مسالہ لگا دیا جاتا تھا۔ پھر مسالے والے سرے کو آگ لگا کر تیر کی طرح منجنیق کی قسم کی ایک مشین کی مدد سے پھینکا جاتا تھا۔ ہلکی قسم کے آتشیں تیر بھاری کمانوں کی مدد سے بھی چلائے جاتے تھے۔

امیر یوسف کا لشکر تین اطراف سے قلعے کی فصیل پر یلغار کر رہا تھا۔ اندلس کی فوج نے بمشکل پہاڑ کا نصف حصہ عبور کیا تھا۔ جب فوج آگے بڑھتی تو سالار حکم دیتے "ٹھہرو! منجنیق اور دبابے پیچھے رہ گئے ہیں" جب منجنیق اور دبابے پہنچ جاتے تو سالار ایک دوسرے سے مشورہ کرتے کہ منجنیق کہاں نصب کی جائے۔ ہر ایک کی رائے دوسرے سے مختلف ہوتی۔ بالآخر جب وہ کسی فیصلے پر پہنچتے تو یہ معلوم ہوتا کہ ہدف بہت دور ہے اور منجنیق کا کوئی گولہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ دوبارہ پیش قدمی شروع ہوتی۔ عام سپاہی جن میں سے اکثر کو ابھی تک یہ امید تھی کہ وہ فیصلہ کن جنگ میں حصہ لینے کے لئے جا رہے ہیں جوش و خروش کے ساتھ آگے بڑھتے لیکن انہیں پھر اچانک رکنے کا حکم دیا جاتا۔ حیران اور پریشان سپاہیوں کو معلوم ہوتا کہ ان کے رہنماؤں نے پھر صفوں کی ترتیب میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کی ہے۔ اگلی صف میں اگر تیر انداز ہوتے تو انہیں حکم ملتا کہ وہ پیچھے ہٹ جائیں اور ان کی جگہ نیزہ باز آگے ہو جائیں اگر نیزہ باز آگے ہوتے تو انہیں حکم ملتا کہ وہ پیچھے ہٹ جائیں اور ان کی جگہ تیر انداز آگے آ جائیں۔ کبھی کسی سالار کا پاؤں پھسلتا اور باقی سالار فوج کو رکنے کا اشارہ کر کے مزاج پرسی کے لئے اس کے گرد جمع ہو جاتے گرنے والا بصد ناز و ادا آنکھیں کھولتا اور اپنے ہونٹوں پر ایک منافقانہ مسکراہٹ لاتے ہوئے کہتا۔ "مجاہدو! تم میری فکر نہ کرو آگے بڑھو!" اور مجاہد آگے بڑھتے۔ پھر کسی کی آواز سنائی دیتی۔ "ٹھہرو! دبابے پیچھے رہ گئے ہیں!" اور ہر دستے کا سالار اس آواز کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچا دیتا۔

اندلس کے رضاکاروں کے دستے ملوک الطوائف کی فوج کے دائیں بازو پر تھے۔ عبدالمنعم ان کا سالار اعلیٰ تھا۔ افریقی فوج کا ایک دستہ ملوک الطوائف کی فوج کے بائیں بازو پر تھا۔ یہ لوگ یلغار کرتے ہوئے پہاڑ کی چوٹی کے قریب پہنچ چکے تھے اور فصیل پر حملہ کرنے سے پہلے انتہائی غصے اور اضطراب کی حالت میں ملوک الطوائف کی افواج کا انتظار کر رہے تھے۔

اس دستے کا سالار بھاگتا ہوا عبدالمنعم کے پاس پہنچا اور اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا تم نے ان لوگوں کے ساتھ اتحاد کیا ہے۔ یہ لوگ جان بوجھ کر وقت ضائع کر رہے ہیں میری سمجھ

میں نہیں آتا کہ اب انہیں آگے بڑھنے سے کیا چیز روک رہی ہے۔ آخر بزدلی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے! ان کے تساہل کے باعث اب تک ہمارے سینکڑوں سپاہیوں کا نقصان ہو چکا ہوگا۔ خدا کے لئے آپ انہیں جا کر سمجھائیں۔ وقت جا رہا ہے!"

عبدالمنعم نے جواب دیا۔ "اب میرا سمجھانا بے سود ہے۔ ان کے تساہل کی وجہ بزدلی نہیں غداری ہے۔ تھوڑی دیر پہلے میرا خیال تھا کہ وہ راستے میں دشمن کے تیر اندازوں کے باعث احتیاط کر رہے ہیں لیکن آپ دیکھ چکے ہیں کہ تیر اندازوں کے مورچے خالی ہیں اور ان کے خالی ہونے کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ دشمن ان کے متعلق مطمئن ہے۔ اب ہم زیادہ دیر ان کا انتظار نہیں کر سکتے۔ ہم فصیل پر حملہ کر رہے ہیں۔ اگر وہ بدنیت نہیں تو ضرور ہمارے ساتھ آملیں گے اگر وہ بدنیت ہو چکے ہیں تو بھی ہم اس طرف سے حملہ کر کے باقی سمتوں سے دشمنوں کا دباؤ تھوڑا بہت کم کر سکیں گے اگر ہم فصیل کے کسی حصے پر قبضہ کر لیں اور ملوک الطوائف کے سپاہی اس پر بھی ٹس سے مس نہ ہوں تو آپ امیر یوسف تک یہ اطلاع پہنچا دیں کہ اندلس کے رضاکاروں نے اندلس کے حکمرانوں کی غداری کا کفارہ ادا کر دیا ہے۔"

عبدالمنعم نے رضاکاروں کو حملے کا حکم دیا اور وہ نعرے لگاتے ہوئے فصیل کی طرف دوڑنے لگے عبدالمنعم ان کے قلب میں تھا اور اس کے بیٹے احمد اور حسن دائیں اور بائیں بازو کی رہنمائی کر رہے تھے۔ بربری دستہ رضاکاروں کے پیش پیش تھا۔ فصیل سے تھوڑی دور یہ لوگ دشمن کے تیروں کی بوچھاڑ کا سامنا کر رہے تھے۔ لیکن وہ ڈھالوں کی پناہ میں فصیل تک پہنچ گئے اور سیڑھیاں لگا کر اوپر چڑھنے لگے فصیل کے اس حصے پر محافظوں کی تعداد دوسرے حصوں کی نسبت کم تھی اور اس جگہ کھولتا ہوا تیل اور جلتی ہوئی گندھک پھینکنے کے انتظامات بھی نامکمل تھے۔ لیکن محافظوں کی جو تعداد یہاں موجود تھی وہ ایک تنگ محاذ پر تنہا رضاکاروں اور ایک بربری دستے کو روکنے کے لئے ضرورت سے زیادہ تھی۔

پہلے حملے میں سیڑھیوں سے گرنے اور دشمن کے نیزوں اور تلواروں سے زخمی ہونے والوں کی حوصلہ شکن تعداد دیکھ کر رضاکار بد دل ہو کر پیچھے ہٹے لیکن عبدالمنعم نے آگے بڑھ کر ایک گرتی ہوئی

سیڑھی اٹھائی اور فصیل کے ساتھ لگا کر اوپر چڑھنے لگا۔ یہ دیکھ کر رضاکاروں کی غیرت نے جوش مارا اور وہ بھی بھاگ کر اس کے ساتھ ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں عبدالمنعم کے ساتھ بیس آدمی فصیل پر پہنچ چکے تھے اور فصیل کے محافظوں کے ساتھ ان کی دست بدست لڑائی ہو رہی تھی۔ اس عرصے میں عبدالمنعم کے دائیں اور بائیں فصیل کے دو اور مقامات پر احمد اور حسن پاؤں جما چکے تھے۔

تھوڑی دیر بعد قلعے کی مشرقی دیوار پر جنگ کی یہ کیفیت تھی کہ چار برجوں کے درمیان جگہ جگہ حملہ آوروں اور محافظوں کی ٹولیاں آپس میں گتھم گتھا ہو رہی تھیں۔ فریقین کے زخمی فصیل سے نیچے قلعے کے اندر اور باہر کی طرف گر رہے تھے۔

جب فصیل کے اوپر محافظ دستے حملہ آوروں کے ساتھ برسرپیکار تھے باقی رضاکاروں کے لئے اوپر چڑھنا نسبتاً آسان تھا۔ لیکن جلد ہی فصیل کے محافظوں کی پکار سن کر قلعے کی فوج کے نئے دستے ان کی مدد کے لئے پہنچنے لگے۔ قلعے کے صحن سے فصیل کے ہر برج تک زینے بنے ہوئے تھے اور ہر برج سے دائیں اور بائیں ایک ایک دروازہ فصیل کی طرف کھلتا تھا جب قلعے کے چار برجوں کے دروازے اچانک کھلے اور نصرانیوں کا سیلاب فصیل پر امڈ آیا تو مسلمان فصیل کے ہر حصے پر یہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آچکے ہیں۔ جتنے رضاکار اوپر پہنچ رہے تھے اس سے زیادہ زخمی ہو کر گر رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد اوپر آنے والا کوئی نہ تھا۔ مسلمانوں کی آخری کوشش یہ تھی کہ وہ قلعے کے برجوں پر قبضہ کر کے قلعے کے اندر سے اوپر آنے والوں کا راستہ بند کر دیں لیکن ان کے راستے میں آدمیوں کی دیواریں کھڑی تھیں۔ ایک نصرانی گرتا اور اس کی جگہ لینے کے لئے دو اور آجاتے۔ بعض مقامات پر فریقین کی بھیڑ کا یہ عالم تھا کہ ان کے لئے تلوار چلانا مشکل تھا۔ وہ ایک دوسرے سے لپٹ جاتے۔ کبھی طاقتور کمزور کو اٹھا کر فصیل سے نیچے پھینک دیتا اور کبھی دونوں ایک دوسرے سے زور آزمائی کرتے ہوئے نیچے لڑھک آتے۔ اس قسم کی لڑائی میں خنجروں کے استعمال سے واقفیت رکھنے والے مسلمانوں کا پلہ بھاری رہتا۔ تاہم ان کی تعداد ہر لحظہ کم ہو رہی تھی۔

ملوک الطوائف کے سپاہی جواب فصیل سے کوئی اڑھائی سو قدم کے فاصلے پر کھڑے تھے

زیادہ دیر تماشائی نہ رہ سکے۔ ان کی زبانیں جو افسروں کے خوف یا احترام کے باعث گنگ تھیں۔ آہستہ آہستہ احتجاج کرنے لگیں۔ غرناطہ کی فوج کے ایک افسر کی حمیت نے جوش مارا اور اس نے اپنے دستے کے سپاہیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "یہ غداری ہے۔ ہم قیامت کے دن آج کے شہیدوں کو کیا منہ دکھائیں گے؟"

پیشتر اس سے کہ غرناطہ کا سالار اعلیٰ مداخلت کرتا، یہ سر پھرا نوجوان اپنے دستے کے ساتھ قلعے کا رُخ کر رہا تھا۔ ان کی آن میں المریہ، بطلیوس، قرطبہ اور مرسیہ کی افواج سے تین سو سپاہی اپنے سالاروں کے احتجاج کے باوجود اس کے پیچھے چل دیئے۔ لیکن باقی لشکر نے اپنے سالاروں کی حکم عدولی کی جرأت نہ کی لیکن جب سالاروں نے فوج کو واپسی کا حکم دیا تو ڈیڑھ سو کے قریب اور سپاہی اپنے سالاروں کو گالیاں دیتے ہوئے باغیوں کے ساتھ جا ملے۔

رضاکار نئے مددگاروں کی آمد کو تائیدِ غیبی سمجھ کر اور زیادہ جوش و خروش کے ساتھ لڑنے لگے عبدالمنعم نے ایک زور دار حملہ کیا اور دشمن کو دھکیلتا ہوا فصیل کے بُرج کے اندر داخل ہو گیا۔ بُرج سے تنگ سیڑھیوں کے راستے نیچے اترتے ہوئے چار نوجوان اس سے آگے تھے۔ صحن تک پہنچتے پہنچتے ان میں سے تین زخمی ہو کر گر پڑے۔ صحن میں کھلی جگہ پاؤں رکھتے ہی عبدالمنعم کے سامنے دشمن کی تلواروں اور نیزوں کی دیواریں کھڑی تھیں۔ وہ ایک بھوکے شیر کی طرح دشمن کی صفوں میں جا گھسا۔ آن کی آن میں اس کا جسم زخموں سے چھلنی ہو چکا تھا۔ تین آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد وہ گرا۔ گر کر اٹھا اس کے پیچھے آنے والے جانبازوں نے نعرہ بلند کیا۔ لیکن یہ بجھتے ہوئے چراغ کی آخری لو تھی۔ عبدالمنعم کی تلوار کی آخری ضرب ایک نصرانی کے کندھے پر لگی اور سینے تک اُتر گئی اور اس کے ساتھ ہی اس نے گر کر دم توڑ دیا۔

ادریس جو زخموں سے چُور ہونے کے باوجود آخری مرحلہ تک عبدالمنعم کے ساتھ تھا دشمن کی صفوں میں جا گھسا اور آن کی آن میں تین آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد گر پڑا۔ اس نے دوبارہ اُٹھنے کی کوشش کی لیکن ایک عیسائی کی تلوار اس کی کمر میں لگی اور وہ آخری بار "آگے بڑھو!" کہہ کر ہمیشہ

کے لئے خاموش ہو گیا۔

اتنی دیر میں پچاس ساٹھ رضاکار نیچے اتر کر زینے کے سامنے پاؤں جما چکے تھے اور ان کے ساتھی فصیل سے اُتر کر ان کے ساتھ شامل ہو رہے تھے۔ رضاکار کبھی دشمن کے دباؤ سے پیچھے دیوار کی طرف ہٹ جاتے اور کبھی دشمن کو دھکیلتے ہوئے چند قدم دور لے جاتے۔ زینے پر ہر حالت میں قابض رہنا ان کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ بن چکا تھا۔ اوپر فصیل پر ملوک الطوائف کے لشکر سے بغاوت کرنے والے تازہ دم سپاہی پہنچ رہے تھے۔ مجاہدوں کی ایک ٹولی نے بُرج کا دوسرا دروازہ کھول کر دائیں بازو پر احمد کی قیادت میں لڑنے والے دستوں کے لئے نیچے اُترنے کا راستہ صاف کر دیا۔

احمد کی قیادت میں لڑنے والے رضاکار زینے کے راستے اُتر کر صحن میں جنگ کرنے والوں کے ساتھ آملے۔ اب ان کی تعداد سات سو تک پہنچ چکی تھی۔ وہ باقی سپاہیوں کو فصیل عبور کرنے کا موقع دینے کے لئے کچھ دیر مدافعانہ جنگ لڑتے رہے۔ اندلس کے سپاہیوں میں سے قریباً ایک تہائی ابھی فصیل کے اوپر نہیں پہنچے تھے کہ نصرانیوں کے نئے دستے بائیں طرف کے بُرج سے فصیل پر پہنچ گئے اور انہوں نے فصیل پر رہے سہے سپاہیوں کو دائیں جانب کے بُرج کی طرف دھکیل دیا۔

(۶)

عبدالمنعم کی شہادت کے بعد رضاکاروں کی قیادت احمد کے ہاتھ میں تھی۔ حسن کی قیادت میں لڑنے والے دستے ابھی تک بائیں طرف فصیل کے دو بُرجوں کے درمیان مصروفِ پیکار تھے۔ بربری فوج کا دستہ بھی اس کے ساتھ تھا اور اس دستے کا سالار حملے سے تھوڑی دیر بعد امیر یوسف کو حالات سے باخبر کرنے کے لئے جا چکا تھا۔

حسن نے دیوار کے جس حصے پر حملہ کیا تھا وہ مشرقی دروازے سے زیادہ قریب تھا اور وہاں دفاعی انتظامات بھی دوسرے حصوں کی نسبت زیادہ تھے۔ جلتے ہوئے تیل اور گندھک کی بارش سے دشمن نے حسن کے پہلے دو حملے ناکام بنا دیئے لیکن تیسرے حملے میں حسن کے ساتھ پچاس جانباز فصیل کے اوپر

پہنچ گئے اور انہوں نے ایک شدید حملے کے بعد دشمن کو دائیں اور بائیں دھکیل کر باقی فوج کے لئے اوپر آنے کا راستہ صاف کر دیا۔ فصیل کے اوپر گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی اور حسن کے باقی ساتھی یکے بعد دیگرے اوپر پہنچ رہے تھے۔ اہلِ قلعہ بھی ان کے مقابلے کے لئے ہر آن تازہ دم سپاہی بھیج رہے تھے۔

اچانک حسن کے قریب ایک بربری بلند آواز سے چلایا۔ "دیکھئے ہماری فوج اس طرف آ رہی ہے"

حسن نے مڑ کر دیکھا۔ قلعے کے جنوب مشرقی کونے سے امیر یوسف کی فوج کے دستے نمودار ہو رہے تھے۔ معاً حسن کو اس بات کا احساس ہوا کہ دشمن ان دستوں کی آمد کے باعث قلعے سے مزید سپاہی اس محاذ پر لے آئے گا اور اگر مرابطین کی فوج فوراً قلعے کے اندر داخل نہ ہو سکی تو دشمن صحن میں لڑنے والے تمام رضاکاروں کا صفایا کر ڈالے گا۔ چنانچہ حسن نے کسی تاخیر کے بغیر مشرقی دروازے پر قبضہ کرنا ضروری سمجھتے ہوئے اپنے سپاہیوں کو نیچے اترنے کا حکم دیا۔ رضاکار اور بربری مجاہد ایک تازہ ولولے کے ساتھ دشمن کو روندتے اور دھکیلتے ہوئے آگے بڑھے اور برج کے دروازے تک جا پہنچے پیچھے ہٹنے والے عیسائیوں نے اندر سے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں کا ایک ریلا انہیں تنکے کی طرح بہا لے گیا۔ حسن نے زینے سے نیچے اترتے ہی احمد کے دستوں کے گرد گھیرا ڈالنے والے عیسائیوں پر عقب سے حملہ کر دیا اور تھوڑی دیر میں رضاکاروں کے دونوں گروہ دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے ایک دوسرے سے آملے۔

حسن بلند آواز میں چلایا۔ "مجاہدو! دروازے کی طرف بڑھو۔ فوج اس طرف آ رہی ہے۔" اور یہ جانباز قدم قدم پر لاشوں کے ڈھیر چھوڑتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ تھوڑی دیر میں دشمن انہیں چاروں طرف سے گھیرے میں لے چکا تھا۔ وہ گھیرا توڑ کر چند قدم دروازے کی طرف نکل جاتے لیکن دشمن دوبارہ ان کے راستے میں نیزوں اور تلواروں کی دیواریں کھڑی کر دیتا۔

فصیل کے پہرے داروں نے اہل قلعہ کو بربری فوج کے دستوں کی آمد سے باخبر کر دیا تھا اور نصرانی سپہ سالار نے اپنے تمام محفوظ دستے اس محاذ پر منتقل کر دیئے تھے۔ اب قلعے کے اندر لڑنے والے رضاکاروں کی نسبت زخمیوں اور شہیدوں کی تعداد زیادہ ہو چکی تھی اور ان کی ہر تلوار کے مقابلے

میں دشمن کی کئی تلواریں بلند ہو رہی تھیں۔

دروازے سے کوئی ڈیڑھ سو قدم کے فاصلے پر احمد اور حسن اپنے ساتھ صرف ستر کے لگ بھگ رضاکاروں اور آٹھ بربری مجاہدوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے باقی ساتھی یا تو شہید اور زخمی ہو چکے تھے اور یا چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں ان سے کٹ کر دشمن کے نرغے میں آ چکے تھے۔ دروازے کے قریب جگہ جگہ تیر اندازوں کے مورچے تھے۔ اچانک نصرانی رضاکاروں کے سامنے سے ہٹ کر دائیں اور بائیں بازو کی طرف سمٹ گئے اب ان مورچوں سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ چند لمحات کا تذبذب ان رہے سہے آدمیوں کے خاتمے کا باعث ہو سکتا تھا لیکن یہ سرفروش پوری رفتار سے دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔

تیس نوجوان جن میں سے اکثر کی زرہوں میں تیر اٹکے ہوئے تھے، دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ دروازے کے سامنے آہن پوش عیسائیوں کا ایک دستہ نیزے تانے کھڑا تھا۔ احمد نے نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے ایک نصرانی کو تلوار ماری۔ دروازے کے باہر سے اس نعرے کا جواب آیا۔ مجاہدوں نے آن کی آن میں چند آدمیوں کو ڈھیر کر دیا۔ آگے بڑھنے کا راستہ ملتے ہی احمد اور حسن کے ساتھی ڈیوڑھی میں داخل ہو گئے اور دروازے کی طرف پیٹھ کر کے دشمن کو صحن کی طرف دھکیلنے لگے۔ اتنی دیر میں تعاقب کرنے والی فوج ڈیوڑھی کے قریب پہنچ گئی۔

"دروازہ کھول دو ——— دروازہ کھول دو!" حسن نے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ کر حملہ کر دیا۔ غرناطہ کے رضاکار الیاس، دو بربری مجاہد اور چار المریہ اور بیغہ کے رضاکار اس کے دائیں اور بائیں ہو گئے اور انہوں نے ایک صف میں آگے بڑھ کر دشمن کو ڈیوڑھی کے دوسرے سرے تک ہٹا دیا لیکن دشمن دوبارہ ایک سمندر کی لہر کی طرح آگے بڑھا۔ حسن کے سینے پر بیک وقت دو آدمیوں کے نیزے لگے۔ ایک تلوار اس کے کندھے پر لگی اور وہ گر پڑا۔ اس سے قبل چار تیر اس کی زرہ میں اٹکے ہوئے تھے۔ حسن کے بعد الیاس زخمی ہو کر گر پڑا اور اس کے بعد عیسائی آن کی آن میں اگلی صف کو روند کر دوبارہ ڈیوڑھی میں داخل ہو گئے۔ اتنی دیر میں دس اور مجاہد ان کے پیچھے صف باندھ چکے تھے اور احمد باقی آدمیوں کے ساتھ دروازے کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عیسائیوں نے دوسری صف کے پانچ آدمیوں

کر بھی شہید کر دیا اور باقی دروازے کی طرف سمٹنے لگے لیکن اس عرصے میں احمد اور اس کے ساتھیوں نے وہ بھاری شہتیر ہٹا دیا جو دروازے کے لئے ایک نہ ٹوٹنے والی زنجیر کا کام دے رہا تھا۔ احمد نے ایک کواڑ کو اندر کی طرف کھینچتے ہوئے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ بربری مجاہد اس نعرے کے جواب میں ایک آندھی کے جھونکے کی طرح آگے بڑھے۔ ایک غازی اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ یہ امیر یوسف بن تاشفین تھا۔ قلعے کے دروازے میں اندلس کے رضاکاروں، ملوک الطوائف کے باغی سپاہیوں اور بربری دستے کے جانبازوں میں سے صرف دس آدمی اسے خیر مقدم کہنے کے لئے موجود تھے۔ وہ آگے بڑھا اور دشمن پیچھے سمٹنے لگا۔

امیر یوسف کے لشکر نے یکے بعد دیگرے دائیں بائیں اور سامنے حملے کئے اور مشرقی دیوار سے لے کر اندرونی حصار کی خندق تک دشمن کی لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ اندرونی حصار کے محافظ خندق کے پل اٹھا چکے تھے۔ اس لئے بربری فوج کے سامنے پسپا ہونے والے عیسائی دائیں اور بائیں بازو سمٹ کر قلعے کے مغرب کی طرف پناہ لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ امیر یوسف کی فوج دو حصوں میں تقسیم ہو کر جنوب اور شمال کی اندرونی اور بیرونی فصیلوں کے درمیان دشمن کے مورچے روندتی ہوئی مغرب کی طرف بڑھی۔ اتنی دیر میں سیر بن ابوبکر دشمن کی بیشتر قوت مشرق کے محاذ کی طرف منتقل ہو جانے کے باعث ایک شدید حملے کے بعد مغربی دروازے سے اندر داخل ہو چکا تھا۔ اب اس دو طرفہ حملے کے باعث اندرونی حصار اور بیرونی فصیل کے درمیان عیسائیوں کی فوج انتہائی انتشار کی حالت میں ادھر ادھر بھاگ رہی تھی۔ بعض سپاہی ہتھیار ڈال چکے تھے۔ بعض خندق میں کود رہے تھے اور بعض گھوڑوں کے اصطبلوں اور گھاس اور سامان رسد کے گوداموں میں پناہ لے رہے تھے۔

اندرونی حصار کی دیواریں زیادہ اونچی نہ تھیں۔ لیکن خندق کے باعث اس پر براہ راست حملہ کرنا آسان نہ تھا۔ سیر بن ابوبکر، امیر یوسف کے پاس آیا اور اس نے کہا۔ "اب آپ کا کیا حکم ہے؟"
امیر یوسف نے اندرونی حصار کے سب سے اونچے مینار کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے

ہوئے جواب دیا۔ "آج کے شہیدوں کی روحیں اس مینار پر ہماری راہ دیکھ رہی ہیں۔ اس حصار کو فتح کئے بغیر ہماری تلوار نیام میں نہیں جائے گی!"

"دشمن وہاں ابھی تک کافی تعداد میں موجود ہے اگر ہم چاروں طرف مورچے بنا کر بیٹھ جائیں تو وہ بہت جلد ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

امیر یوسف نے کہا۔ "پہلے میرا بھی یہی خیال تھا کہ حصن اللیط ایک دن میں فتح نہیں ہوگا لیکن مشرقی دروازے کے آس پاس دو ہزار شہیدوں کی لاشیں مجھ سے یہ کہہ رہی ہیں کہ قدرت کو حصن اللیط کی فتح میں تاخیر منظور نہیں۔ تھوڑی دیر قبل یہ کون کہہ سکتا تھا کہ جس کام کے لئے ایک بڑے لشکر کی ضرورت تھی، وہ چند سر پھروں کے ہاتھوں پورا ہوگا۔ اندلس کے رضاکاروں نے ملوک الطوائف کی غداری کا کفارہ ہی ادا نہیں کیا، وہ ہماری فتح کی قیمت بھی ادا کر چکے ہیں۔ تم اس حصار کے آس پاس گھاس اور رسد کے تمام ذخیروں کو آگ لگوا دو اور بیرونی فصیل پر دشمن کے جو منجنیق کارآمد ہیں ان سے گولہ باری شروع کر دو!"

تھوڑی دیر بعد اندرونی حصار کے اردگرد اور سامان رسد کے ذخیروں میں آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ امیر یوسف کے حکم سے گھوڑوں کو اصطبلوں سے نکال لیا گیا۔ شہیدوں کی لاشوں اور زخمیوں کو مغربی دروازے سے باہر پہنچا دیا گیا ــــ اندرونی حصار دھوئیں کے بادلوں کی پشت میں آ چکا تھا ہوا کے جھونکے کبھی کبھی آگ کے شعلوں کو بھی اندرونی حصار کی دیواروں تک لے جاتے۔ امیر یوسف کے سپاہی بیرونی حصار سے بھی آتشیں گولے پھینک رہے تھے۔ سیر بن ابوبکر کے حکم سے مجاہدوں کے ایک دستے نے ایک انبار سے گھاس کے گٹھے اٹھائے اور اوپر سے دشمن کے تیروں کی بارش کے سامنے آگے بڑھ کر حصار کے جنوبی دروازے کے سامنے ڈھیر لگانا شروع کر دیا۔ جب خندق بھر گئی تو انہوں نے گھاس کو آگ لگا دی۔ تھوڑی دیر میں دروازے کو آگ لگ گئی۔ دشمن پہلے ہی چاروں طرف سے آگ کے مہیب شعلوں اور بیرونی دیوار سے گولہ باری کے باعث بدحواس ہو چکا تھا۔ جب دروازے کی آگ کے شعلے اندر پہنچنے لگے تو اس نے اچانک شمال کی طرف سے خندق کا پل گرا دیا۔ پانچ ہزار آہن پوش سپاہی جو اندرونی حصار کی حفاظت کر رہے تھے، بھاگتے ہوئے باہر نکلنے لگے۔ امیر یوسف نے بیرونی

دروازے کے سامنے نیزہ بازوں کی صفیں کھڑی کر دیں۔ جب عیسائیوں کی نصف فوج اندرونی حصار سے باہر آگئی تو اس نے دائیں اور بائیں بازو کے سپاہیوں کو حملے کا حکم دے دیا اور ایک ہی ریلے میں دروازے پر قابض ہوگئے۔ دوسرے حملے میں وہ دشمن کو دھکیلتے ہوئے حصار کے اندر داخل ہوگئے۔ اب عیسائیوں کی جو فوج باہر نکل چکی تھی بربریوں کے نرغے میں تھی اور جو اندر تھی اس کے باہر آنے کے امکانات ختم ہو چکے تھے۔ باہر نکلنے والوں نے آخری بار جان توڑ کر حملہ کیا اور بیرونی دیوار تک پہنچ گئے۔ یہاں ایک خوں ریز معرکہ کے بعد چند آدمی باہر نکلنے میں کامیاب ہوگئے لیکن بربریوں نے فوراً ہی دروازے کے سامنے نئے دستے کھڑے کر دیئے۔

حصار کے اندر امیر یوسف بذاتِ خود حملہ آوروں کی رہنمائی کر رہا تھا۔ اس کی تلوار دشمن کے سر پر صاعقہ بن کر کوند رہی تھی۔ اس کی زرہ خون کے چھینٹوں سے رنگین ہو رہی تھی۔ قلعے میں داخل ہونے کے بعد اس کے ہاتھ میں کئی تلواریں ٹوٹ چکی تھیں۔ جب اس کے ساتھیوں نے حصار کے نصف حصے پر قبضہ کر لیا تو دشمن نے ہتھیار ڈال دیئے۔

امیر یوسف نے جنگ بند کر دینے کا اعلان کیا۔ سالاروں نے اس کا حکم قلعے کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک پہنچا دیا اور آن کی آن میں مجاہدوں کی تلواریں جہاں تھیں وہیں رک گئیں۔ زندگی سے مایوس نصرانی یہ محسوس کر رہے تھے کہ مسلمانوں کے امیر نے سپاہ کو حکم نہیں دیا بلکہ اپنی فوج کے ہر سپاہی کا ہاتھ پکڑ لیا ہے۔ حصار کے جنوبی حصے میں آگ پھیلتی دیکھ کر امیر یوسف نے قیدیوں کو نکالنے کا حکم دیا۔

(۷)

یہ ایک عظیم الشان فتح تھی۔ لیکن امیر یوسف کے چہرے پر مسرت کی مسکراہٹوں کی بجائے رنج و ملال کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ سپاہیوں نے اسے موت کے سامنے قہقہے بلند کرتے ہوئے دیکھا تھا لیکن آج اس کی آنکھوں میں آنسو تھے وہ آنسو جنہیں بہنے کی اجازت نہ تھی۔ شہیدوں کی لاشوں کی تعداد دیکھ کر ملوک الطوائف کی غداری کے متعلق اپنے غم و غصہ کے اظہار کے لئے اس کے پاس الفاظ نہ تھے۔

اس نے عبدالمنعم اور حسن کی لاشیں اپنے ہاتھ سے لحد میں اتاریں۔ حسن کے ہاتھ کی انگلیاں ابھی تک تلوار کے قبضے پر جمی ہوئی تھیں۔ ایک سپاہی نے تلوار علیحدہ کرنے کی کوشش کی لیکن احمد نے آگے بڑھ کر ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "نہیں نہیں۔ میرے بھائی کا زیور نہ چھینو! اسے تلوار سے زیادہ کسی چیز سے محبت نہ تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں تلوار کے ساتھ شادی کر چکا ہوں۔"

حسن کو اس کی تلوار کے ساتھ دفن کیا گیا اور اس کے قریب ادریس، الیاس اور اس کے چند اور دوستوں کو دفن کر دیا گیا۔

ایک سالار نے امیر یوسف کے پاس آکر کہا۔ "یا امیر! ایک زخمی کی حالت بہت نازک ہے وہ بیہوشی کی حالت میں کبھی کبھی آپ کا نام لیتا ہے۔ شاید آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہے!"

امیر یوسف کچھ کہے بغیر ایک خیمے میں زخمی کے پاس پہنچا۔ زخمی بے ہوشی کی حالت میں آہستہ آہستہ بڑبڑا رہا تھا۔ ایک سپاہی جو اس کے قریب کھڑا تھا، امیر یوسف کو دیکھتے ہی بولا۔ "میں اسے جانتا ہوں یہ سعد بن عبدالمنعم کے ساتھ تھا۔ لیکن یہ شمالی دیوار کے باہر پڑا ہوا تھا۔ میں حیران ہوں کہ یہ یہاں کیسے پہنچ گیا۔ ابھی یہ الفانسو اور ملوک الطوائف کے متعلق کچھ کہہ رہا تھا۔ لیکن میں سمجھ نہیں سکا۔ آپ کا نام بھی اس نے کئی بار لیا ہے۔"

امیر یوسف نے سالار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "سیر کو بلاؤ!"

سالار بھاگتا ہوا سیر بن ابوبکر کو بلا لایا۔ امیر یوسف نے سیر کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "یہ سپاہی سعد بن عبدالمنعم کے ساتھ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرے پاس کوئی ضروری پیغام لے کر آیا تھا۔ تم فوراً سواروں کے ایک دستے کو حکم دو...... مجھے اندیشہ ہے کہ ہم ملوک الطوائف کی طرف سے کسی اور سازش کا شکار ہونے والے ہیں۔"

"ملوک الطوائف کی فوج غائب ہو چکی ہے اور مجھے یقین ہے کہ آج کے بعد ہم شیروں اور لومڑیوں کو ایک محاذ پر جمع کرنے کی غلطی نہیں کریں گے!" سیر بن ابوبکر یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

زخمی نے چند بار کراہنے کے بعد آنکھیں کھولیں اور امیر یوسف کی طرف دیکھتے ہوئے نحیف آواز میں

کہا۔ "میں نے کوشش کی لیکن آپ تک پہنچ نہ سکا۔ آپ فصیل پر کھڑے تھے۔"

امیر یوسف نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تمہیں سعد نے بھیجا تھا؟"

"ہاں لیکن اب بہت دیر ہو گئی ہے ...... سعد ...... سعد راستے میں گھر چکا ہے .... شہزادہ رشید کا ساتھی ...... گرفتار ہو چکا ہے ...... اس ...... اس نے سب کچھ .... بتا دیا ہے ...... الفانسو ...... الفانسو کی فوج ......!" زخمی نے یہاں تک کہہ کر پھر آنکھیں بند کر لیں۔

طبیب نے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی۔ زخمی نے دوبارہ آنکھیں کھولیں۔ لیکن اب کی بار اس کے ہلتے ہوئے ہونٹوں میں آواز نہ تھی۔ ایک لمبی سانس کے بعد اس نے اپنا سفرِ حیات ختم کر دیا۔

"سوار تیار ہیں!" سیر بن ابوبکر نے اندر جھانکتے ہوئے کہا۔

امیر یوسف باہر نکلا۔ پڑاؤ کے ایک سرے پر سواروں کا ایک دستہ تیار کھڑا تھا لیکن سیر نے اچانک شمال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھئے اس طرف سے سواروں کی ایک ٹولی آ رہی ہے۔ یہ سعد کے دستے کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

امیر یوسف ایک لمحے کے لئے رکا اور پھر تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا اس طرف بڑھا۔ فوج کے چند اور افسر اس کے پیچھے ہو لئے۔ سوار امیر یوسف کے قریب پہنچ کر گھوڑوں سے اتر پڑے۔ الماس نے ایک زخمی کو اپنے آگے بٹھا رکھا تھا۔ یہ سعد تھا۔ اس کی زرہ خون میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ بیہوش تھا اور مستقر تک پہنچتے پہنچتے اس کے ساتھیوں میں سے کسی کو اس بات کا یقین نہ تھا کہ وہ زندہ ہے لیکن میمونہ کے دل کی گہرائیوں سے ابھی تک یہ صدا نکل رہی تھی۔ "یہ زندہ ہے۔ میرا شوہر زندہ ہے!"

سعد کو گھوڑے سے اتار کر پاس ہی ایک خیمے کے اندر پہنچا دیا گیا۔ پیٹھ میں تیر پیوست ہونے کے باعث اسے منہ کے بل بستر پر لٹا دیا گیا۔ میمونہ اپنے گرد و پیش سے بے پروا بستر کے قریب کھڑی ٹکٹکی باندھ کر اپنے شوہر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ امیر یوسف نے جھک کر سعد کی نبض دیکھی اور پھر بستر کے گرد جمع ہونے والے آدمیوں کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ آن کی آن میں خیمہ خالی ہو گیا۔ لیکن الماس، میمونہ

ر سعد کا نائب اپنی جگہ سے نہ ہلے۔

امیر یوسف پہلی بار میمونہ کی طرف متوجہ ہوا۔ "آپ کون ہیں؟" اس نے پوچھا۔

لیکن میمونہ کا دل اور دماغ کہیں اور تھا۔ اس کی خاموشی پر الماس نے بربری زبان میں جواب دیا۔ "یہ سعد کی بیوی ہیں۔"

احمد بھاگتا ہوا خیمے میں داخل ہوا۔ بھائی کی یہ حالت دیکھتے ہی اس پر تھوڑی دیر کے لئے سکتہ طاری ہو گیا۔

سیر بن ابوبکر دو طبیبوں کے ساتھ جن میں سے ایک اسی دن اشبیلیہ کی فوج چھوڑ کر آیا تھا خیمے کے اندر داخل ہوا۔

امیر یوسف نے طبیبوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "اگر آپ اس نوجوان کی جان بچا سکیں تو میں یہ سمجھوں گا کہ آج ہم نے ایک اور قلعہ فتح کیا ہے۔"

اشبیلیہ کے طبیب نے سعد کی نبض دیکھنے کے بعد کہا۔ "ہم کوشش کریں گے، آپ دعا کریں اور ن سب کو حکم دیں کہ وہ یہاں سے تشریف لے جائیں!"

احمد اور میمونہ کے سوا باقی سب خیمے سے باہر نکل آئے۔ امیر یوسف نے خیمے کے دروازے سے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "احمد تم بھی آ جاؤ۔ تم بھی آ جاؤ بیٹی!"

"آؤ بہن!" احمد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور میمونہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی خیمے سے باہر آ گئی۔

خیمے سے باہر فوج کے کئی افسر جمع ہو چکے تھے۔ امیر یوسف نے سعد کے نائب کی طرف متوجہ ہو کر سوال کیا۔ "سعد کیسے زخمی ہوا؟"

نائب نے اس کے جواب میں زیاد اور اس کے ساتھی کی گرفتاری سے لے کر آخر تک تمام واقعات سنانے کے بعد ملوک الطوائف کے نام الفانسو کا مراسلہ نکال کر امیر یوسف کے ہاتھ میں دے دیا۔ امیر یوسف نے مراسلہ پڑھنے کے بعد سوال کیا۔ "وہ قیدی کہاں ہیں؟"

"انہیں ہم قلعے میں چھوڑ آئے ہیں۔"

"قلعے کی حفاظت کے لئے کتنے آدمی ہیں؟"

"میں بیس آدمیوں کو وہاں چھوڑ آیا تھا لیکن میں یہ حکم دے آیا ہوں کہ دوسری چوکیوں سے جو دستے وہاں پہنچیں انہیں اس طرف روانہ کرنے کی بجائے وہیں روک لیا جائے!"

امیر یوسف نے سیر بن ابوبکر کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "سیر پانچ سو سپاہی فوراً قلعے کی طرف روانہ کر دو اور باقی فوج کو کل علی الصباح کوچ کی تیاری کا حکم دو!"

اچانک میمونہ آگے بڑھ کر امیر یوسف کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ "نہیں نہیں!" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اب آپ اندلس چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ اب آپ نہیں جا سکتے۔ آپ قوم کے مجرموں کا یوم حساب ملتوی نہیں کر سکتے۔ ابھی وہ صبح نہیں آئی جس کی امید میں میرا شوہر اپنے خون کا آخری قطرہ بہا چکا ہے ..... اندلس ابھی غلام ہے۔ ابھی مظلوموں کی داد رسی نہیں ہوئی، ابھی آپ نے اپنی بہنوں اور بیٹیوں کی آنکھوں کے آنسو نہیں پونچھے۔ اگر آپ اندلس کے ملوک الطوائف کے لئے آئے تھے تو زلاقہ کی فتح کے بعد آپ کا کام پورا ہو گیا تھا لیکن اگر آپ اس ملک میں اسلام کا جھنڈا بلند کرنے آئے ہیں تو آپ کا مقصد ابھی پورا نہیں ہوا۔ اگر آپ چلے گئے تو زلاقہ اور حصن اللیط کے شہیدوں کا خون اور ان شہیدوں کو یاد کرنے والوں کی آہیں اور آنسو سب رائیگاں جائیں گے۔" میمونہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب پھوٹ نکلا۔

امیر یوسف نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میری بیٹی! میں تیرے آنسوؤں اور تیرے شوہر کے خون کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تیرا اندلس آزاد ہو گا۔ زلاقہ اور حصن اللیط کے شہیدوں کی قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ میں نے فوج کو واپس جانے کے لئے نہیں الفانسو کے مقابلے میں پیشقدمی کے لئے تیاری کا حکم دیا ہے۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد میں ان لوگوں کو کبھی فراموش نہیں کروں گا جن کی غداری کے باعث آج حصن اللیط کی دیواروں کے نیچے لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ اندلس چھوڑنے سے پہلے میں خدا اور اس کے رسولؐ کے باغیوں کی گردنیں ایسے

ہاتھوں میں دے کر جاؤں گا جو فولاد سے زیادہ سخت ہوں گے۔"

امیر یوسف بول رہا تھا اور سننے والے یہ محسوس کر رہے تھے کہ ایک پہاڑ کے سینے میں آتشیں مواد کروٹیں لے رہا ہے۔

(۸)

رات کے وقت سعد موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ طبیب اس کے متعلق کبھی پُرامید اور کبھی مایوس ہو رہے تھے۔ امیر یوسف بے قراری کی حالت میں اپنے خیمے سے باہر ٹہل رہا تھا۔ آج تک اسے کسی نے اس قدر مغموم اور پریشان نہیں دیکھا تھا۔ میمونہ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے اور اس کے دل کی گہرائیوں سے بار بار یہ دُعا نکل رہی تھی۔ "میرے مولیٰ! تیرے رحم کے دریائے بیکنار کی ایک ہلکی سی لہر لاکھوں انسانوں کی کھوئی ہوئی مسکراہٹیں انہیں واپس دلا سکتی ہے ..... آج میں اپنی ایک بیٹی کے آنسو پونچھنے کے لئے تجھ سے سعد بن عبدالمنعم کی زندگی کی بھیک مانگتا ہوں۔"

امیر یوسف اپنے خیمے سے تھوڑی دور ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ سامنے حصن اللیط کا قلعہ ابھی تک جل رہا تھا۔ اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے جنگ کا منظر گھومنے لگا۔ وہ تصور میں شہیدوں کی لاشوں کے درمیان کھڑا انہیں یہ پیغام دے رہا تھا۔ "قوم کے گمنام مجاہدو! تمہاری قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی تمہارے خون سے اندلس کی تاریخ کا ایک نیا باب لکھا جائے گا!"

ایک افسر آیا اور اس نے کہا۔ "یا امیر! طبیب کہتے ہیں کہ سعد کی حالت بہتر ہو رہی ہے۔ شاید تھوڑی دیر تک اسے ہوش آ جائے۔"

امیر یوسف اُٹھا اور تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا سعد کے خیمے میں داخل ہوا۔ خیمے کے اندر مشعلیں جل رہی تھیں۔ سعد کے زخموں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ میمونہ، احمد اور الماس اس کے بستر کے گرد کھڑے تھے۔ امیر یوسف طبیبوں کی طرف متوجہ ہوا تو اشبیلیہ کے جراح نے کہا۔ "یہ اب ہوش میں آ رہا ہے۔ تیر نکالتے وقت ہمیں زیادہ اُمید نہ تھی لیکن اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہم سے زیادہ قدرت اس کی جان بچانے کی فکر میں ہے۔"

تھوڑی دیر بعد سعد آہستہ آہستہ بڑبڑانے لگا اور پھر اس نے اچانک قدرے بلند آواز میں کہا "حصن اللیط! حصن اللیط!" اور آنکھیں کھول دیں۔ میمونہ، احمد، الماس اور طبیبوں کی طرف دیکھنے کے بعد امیر یوسف کی نگاہ اس کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئی ـــــ "حصن اللیط، حصن اللیط" اس نے دوبارہ آنکھیں بند کرتے ہوئے نحیف آواز میں کہا۔

"حصن اللیط فتح ہو چکا ہے۔" امیر یوسف نے پیار سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

سعد نے دوبارہ آنکھیں کھول دیں۔ امیر یوسف نے آگے بڑھ کر خیمے کے دروازے کا پردہ اٹھاتے ہوئے کہا: "حصن اللیط جل رہا ہے۔ کل تک وہاں راکھ کے انبار کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ خدا نے ہمیں فتح دی ہے۔"

سعد پہاڑ کی چوٹی پر آگ کے مہیب شعلے دیکھنے کے بعد امیر یوسف کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے نحیف آواز میں کہا: "آپ کو الفانسو کی نئی فوج کی آمد اور ملوک الطوائف کی بدعہدی کا علم ہو چکا ہے؟"

"ہاں مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔ میں علی الصباح الفانسو کی پیشقدمی روکنے کے لئے جا رہا ہوں اور اس کے بعد میرے ترکش کا ہر تیر اندلس کو ان ملت فروشوں اور منافقوں سے نجات دلانے کے لئے وقف ہوگا۔"

ایک ثانیے کے لئے سعد کی آنکھیں مسرت سے چمک اٹھیں۔ لیکن نقاہت کے باعث اس پر پھر ایک بار غشی طاری ہونے لگی۔ اشبیلیہ کے جراح نے اس کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "انہیں آرام کی ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ علی الصباح جانے سے پہلے آپ انہیں بہت تسلی بخش حالت میں پائیں گے۔"

امیر یوسف احمد اور میمونہ کو تسلی دینے کے بعد خیمے سے باہر نکل گیا۔

علی الصباح امیر یوسف کی فوج نے ایک ہزار سپاہی مستقر میں چھوڑ کر شمال کی طرف کوچ کیا۔ روانگی سے پہلے امیر یوسف اور سیر بن ابوبکر سعد کو دیکھنے کے لئے آئے تو وہ سو رہا تھا۔ الماس اور میمونہ اس کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ احمد زرہ بکتر پہنے کھڑا تھا۔ امیر یوسف نے خیمے کے اندر

داخل ہوتے ہی احمد کو دیکھ کر کہا: "احمد تم یہیں رہو گے!" پھر اس نے میمونہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "بیٹی! تمہارا شوہر اب کیسا ہے؟"

"اب یہ سو رہے ہیں۔"

"طبیب کہاں ہیں؟"

"وہ بھی دوائی پلا کر گئے ہیں۔"

احمد نے کہا: "میں بھائی جان سے آپ کے ساتھ جانے کی اجازت لے چکا ہوں۔"

امیر یوسف نے جواب دیا: "نہیں یہاں تمہاری زیادہ ضرورت ہے!"

(۹)

دس دن بعد ایک صبح احمد حصن اللیط کے شہیدوں کے قبرستان میں گھوم رہا تھا۔ وہ عبدالمنعم حسن اور ادریس کی قبروں کے قریب پہنچ کر دیر تک کھڑا رہا۔ اچانک کسی کی آواز سن کر اس نے پیچھے کی طرف دیکھا تو الماس، سعد اور میمونہ دکھائی دیئے۔ سعد الماس کے بازو کا سہارا لے کر آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ احمد اٹھ کر تیزی سے چلتا ہوا ان کے قریب پہنچا اور بولا: "بھائی جان! ابھی آپ کو بستر سے نہیں اٹھنا چاہیئے۔ ابھی زخم ٹھیک نہیں ہوئے!"

سعد نے جواب دیا: "میں طبیب کی اجازت لے کر آیا ہوں۔"

قبروں کے قریب پہنچ کر سعد نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور پھر دیر تک بے حس و حرکت کھڑا رہا۔

میمونہ نے پہاڑ کے دامن سے جنگلی پھول توڑے اور عبدالمنعم، حسن اور ادریس کی قبروں پہ ڈھیر کر دیئے پھر اس نے دوسری قبروں کی طرف دیکھا۔ ایک خیال آتے ہی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں، اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "حصن اللیط کے شہیدو! تم سب میرے بھائی ہو۔ میں تم سب کی بہن ہوں!"

میمونہ پہاڑ کے دامن سے پھول توڑ توڑ کر دوسری قبروں پر چڑھانے لگی۔

اچانک شمال کی طرف گرد و غبار کے بادل اٹھے اور احمد نے ایک ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے

بوسے کہا: بھائی جان! فوج واپس آرہی ہے!

منتقر میں چار دن قبل یہ اطلاع پہنچ چکی تھی کہ الفانسو کی فوج لڑائی کے بغیر ہی پسپا ہو چکی ہے اور امیر یوسف چند دن اس کا تعاقب کرنے کے بعد واپس آجائیں گے۔

لشکر کو پڑاؤ کی طرف آتا دیکھ کر میمونہ، الماس کے ساتھ اپنے خیمے کی طرف چلی گئی اور سعد، احمد کا سہارا لے کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا فوج کے راستے میں جا کھڑا ہوا۔

یومِ حساب

اندلس کے عوام جس قدر حصن اللیط کی فتح سے خوش تھے اس سے کہیں زیادہ ملوک الطوائف کی غداری اور بدعہدی سے برہم تھے۔ ملک کے ہر گوشے میں اس گروہ کے خلاف انتقام کی آگ بھڑک اٹھی جس نے ایک صدی تک قوم کے خون اور آنسوؤں سے اپنے عشرت کدے تعمیر کئے تھے۔ اندلس کی ہر مسجد اور ہر درسگاہ میں علما کا وہ فتویٰ سنایا جانے لگا جس میں انہوں نے یہ کہا تھا کہ ملوک الطوائف قسطلہ کے نصرانی حکمران کے ساتھ سازباز کرنے کے بعد اسلام کے بدترین دشمن ثابت ہو چکے ہیں۔ امیر یوسف اب ان کے ساتھ ہر سابقہ عہد و پیمان سے آزاد ہیں۔ اب ان کا یہ حق ہی نہیں بلکہ فرض ہے کہ وہ ملوک الطوائف کو بلا تامل اقتدار سے محروم کر دیں۔ فقہا نے یہ بھی لکھا تھا کہ ہم اپنے اس فتوے کے بارے میں خدا کے سامنے جواب دینے کے ذمہ دار ہیں۔ اگر ہم غلط راستے پر ہیں تو عاقبت میں اس کی سزا بھگتیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر آپ نے اندلس کو ان بادشاہوں کے اقتدار سے نجات نہ دلائی تو یہ ملک کو کفار کے حوالے کر دیں گے اور اس صورت میں آپ خدا کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔[1]

اس کے علاوہ ایک اور فتوے میں علماء نے قریباً تمام حکمرانوں پر طرح طرح کے الزام عاید کئے تھے۔ اس فتویٰ میں معتمد کے ساتھ زمیکیہ کا ذکر بھی کیا گیا تھا اور اس کے متعلق یہ کہا گیا تھا کہ

---

[1] یورپ کے کئی مورخین نے اس بات پر زور دیا ہے کہ امیر یوسف بن تاشفین پہلے ہی اندلس پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر چکے تھے اور علماء نے یہ فتوے ان کے ایما پر دیئے تھے۔ اس زمانے

اس نے اپنے شوہر کو عیش و عشرت اور شراب خوری میں مبتلا کر رکھا ہے اور اشبیلیہ میں فسق و فجور کا جو سیلاب اُمڈ رہا ہے، اس کی ایک بڑی وجہ ملکہ رسیکیہ ہے۔

جہاں تک اندلس کے عوام کا تعلق تھا انہیں بیدار کرنے کے لئے اب ان فتووں کی ضرورت نہ تھی۔ حصن اللیط کے شہیدوں کا خون اور ملوک الطوائف کی غداری کا ناقابلِ تردید ثبوت انہیں جھنجھوڑنے کے لئے کافی تھا۔ غرناطہ کے حریت پسندوں نے پہل کی اور امیر عبداللہ کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا۔ قاضی ابوجعفر قلعہ میں بیٹھ کر باغیوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ عبداللہ نے الفانسو سے مدد ملنے کی امید پر باغیوں کو سختی کے ساتھ دبانا شروع کر دیا۔ حریت پسند امیر عبداللہ کے ایک با اثر وزیر معل کی قیادت میں غرناطہ سے راتوں رات فرار ہوئے اور انہوں نے لوشہ پر قبضہ کر کے امیر یوسف کی حکومت کا اعلان کر دیا۔ امیر عبداللہ نے فوج بھیج کر معل اور اس کے ساتھیوں کو جن میں غرناطہ کے نہایت با اثر علماء شامل تھے گرفتار کر لیا۔ ان لوگوں کو غرناطہ لا کر بازاروں میں پابہ زنجیر پھرایا گیا۔

کے علماء اور امیر یوسف کے کردار کا اگر سطحی نظر سے بھی مطالعہ کیا جائے تو بھی یہ بات قرینِ قیاس معلوم نہیں ہوتی۔ عیسائیوں کو ایک فیصلہ کن جنگ میں شکست دینے والے مجاہد کو تعصب کی عینک اتار کر دیکھنا عیسائی مورخوں کے بس کی بات نہیں۔ امیر یوسف کی نیک نیتی کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ زلاقہ کی فتح کے [illegible] جب [illegible] پر عملاً ان کا قبضہ ہو چکا تھا اور عوام کے دلوں پر ان کی حکومت تھی وہ اپنے وعدوں کا پاس کرتے ہوئے واپس چلے جاتے ہیں۔ علما کو بار بار فتوے جاری کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ امیر یوسف اندلس پر قبضہ کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ یہ حقیقت اس بات سے اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ اندلس کے علماء نے امیر یوسف کا تذبذب دیکھ کر اپنے فتووں کو زیادہ مؤثر بنانے کے لئے عالمِ اسلام کے چیدہ چیدہ علماء کی تائید حاصل کی۔ ان علماء میں ایسے حضرات بھی تھے جو شہنشاہوں کی قبائیں نوچنے سے بھی دریغ نہیں کیا کرتے تھے۔

اس عرصے میں امیر یوسف الفانسو کے لشکر کو پسپا کرنے کے بعد قلعہ اللیط کے قریب اپنے مستقر میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے غرناطہ کے حالات سے باخبر ہوتے ہی فوج کے چند دستوں کے ساتھ غرناطہ کی طرف پیش قدمی کی اس کے ساتھ ہی عبداللہ کو یہ پیغام بھیج دیا کہ الفانسو کی فوج اب تمہاری مدد کے لئے نہیں آئے گی۔ میں اسے قسطلہ کی حدود تک پہنچا کر واپس آ رہا ہوں۔ اب تمہارا یوم حساب دور نہیں، اس لئے بہتر ہے کہ تم اپنے گناہوں کے بوجھ میں اضافہ نہ کرو اور معل اور اس کے ساتھیوں کو فوراً رہا کر دو!

عبداللہ نے کچھ اپنی ماں کے سمجھانے پر اور کچھ الفانسو کی طرف سے مایوس ہو کر قیدیوں کو رہا کر دیا اور امیر یوسف کے پاس اپنے ایلچی کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آپ کو میرے متعلق کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ اس لئے میں ذاتی طور پر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی صفائی پیش کرنا چاہتا ہوں۔

امیر یوسف نے غرناطہ سے آٹھ میل دور ڈیرے ڈال دیئے۔ عبداللہ بیش قیمت تحائف لے کر اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب اس نے اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کی تو امیر یوسف کے حکم سے اس کے سامنے دو قیدی پیش کئے گئے۔ ایک زیاد تھا اور دوسرا غرناطہ کا باشندہ تھا۔

امیر یوسف نے عبداللہ سے سوال کیا۔ ”تم ان کو جانتے ہو؟“

عبداللہ نے اپنی بدحواسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا: ”نہیں، میں نہیں جانتا یہ کون ہیں!“

امیر یوسف غرناطہ کے قیدی کی طرف متوجہ ہوا۔ ”تم اسے جانتے ہو؟“

قیدی نے جواب دیا: ”ہاں! میں انہیں کیسے بھول سکتا ہوں۔ میں نے آٹھ سال ان کی خدمت کی ہے۔ بدترین کام سرانجام دینے کے لئے یہ ہمیشہ مجھے منتخب کیا کرتے تھے۔ میں ان کا ایلچی بن کر الفانسو کے پاس گیا تھا۔ میں نے ان کی طرف سے اسے بیش قیمت جواہرات کی ایک تھیلی بھی پیش کی تھی۔ غرناطہ کے شاہی محل کے تمام ملازم اس بات کی گواہی دیں گے کہ میں امیر عبداللہ کا نمک خوار ہوں۔“

عبداللہ سہمی ہوئی نگاہوں سے امیر یوسف کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن

امیر یوسف نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔ "خاموش! میں انسانیت کی اس سے زیادہ تذلیل برداشت نہیں کر سکتا۔ اسے لے جاؤ۔"

دو سپاہی عبداللہ کو بازوؤں سے پکڑ کر دوسرے خیمے میں لے گئے۔ وہاں اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں پہنا دی گئیں۔

امیر غرناطہ کو گرفتار کرنے کے بعد امیر یوسف بن تاشفین نے شہر کا رُخ کیا۔ اہل غرناطہ نے تشکر کے آنسوؤں سے اپنے نجات دہندہ کا خیر مقدم کیا۔ شاہی محل کے پہرے داروں نے کسی مزاحمت کے بغیر دروازے کھول دیئے۔

اگلے دن غرناطہ کے ہزاروں مسلمان مسجد میں جمع ہو کر امیر یوسف کا یہ اعلان سن رہے تھے کہ غرناطہ کی نئی حکومت اسلامی آئین کی پابند ہو گی اور تمام غیر شرعی ٹیکس منسوخ کئے جائیں گے۔

چند دن بعد امیر یوسف کی باقی فوج بھی غرناطہ پہنچ گئی۔ سعد، احمد، میمونہ اور الیاس فوج کے آخری دستوں کے ساتھ غرناطہ پہنچے۔ سعد کے زخم بھر چکے تھے لیکن ابھی تک اس کے چہرے پر نقاہت کے آثار باقی تھے۔ سکینہ کو چند دن قبل عبدالمنعم، حسن اور ادریس کی شہادت اور سعد کے زخمی ہونے کی اطلاع مل چکی تھی۔ وہ سعد کو دیکھتے ہی اٹھ کر آگے بڑھی۔ سعد نے پُرنم آنکھوں سے ماں کی طرف دیکھا اور کہا۔ "امی جان! ان کا خون رائیگاں نہیں گیا۔ انہوں نے جس مقصد کے لئے قربانیاں دی ہیں وہ پورا ہو چکا ہے۔ ابا جان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ قرطبہ آزاد ہو اور ہم وہاں اُجڑے ہوئے گھر کو پھر آباد کریں۔"

ماں نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "نہیں بیٹا! انہوں نے اپنی جان کے عوض ساری قوم کی عزت اور آزادی کا سودا کیا تھا۔ اب ہزاروں اُجڑی ہوئی بستیاں آباد ہوں گی۔"

طاہرہ میمونہ کے ساتھ لپٹ کر سسکیاں لے رہی تھی۔

(۲)

مرابطین کو ملوک الطوائف کے ساتھ کسی بڑی جنگ کی توقع نہ تھی۔ عوام کی نگاہوں میں معتو

ہو جانے کے بعد اندلس کے نام نہاد حکمرانوں کی طاقت اپنے اپنے محل یا قلعے کی چار دیواری تک محدود تھی وہ لوگ جو قوم کے مستقبل کے متعلق سوچتے تھے پہلے ہی انہیں اپنا دشمن سمجھتے تھے اور اب ہوا کا رُخ دیکھ کر صرف اپنے متعلق سوچنے والے لوگ بھی ان کے ساتھ اپنا مستقبل وابستہ کرنے سے گھبراتے تھے۔

اندلس کے ہر گوشے میں لوگوں کے قافلے امیر یوسف کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے غرناطہ پہنچ رہے تھے۔ امیر غرناطہ کی گرفتاری کے بعد اندلس کے باقی حکمرانوں کو اپنے انجام کے متعلق غلط فہمی نہ تھی۔ وہ ایک طرف الفانسو کو اپنی مدد پر بلا رہے تھے اور دوسری طرف امیر یوسف کے پاس اپنے ایلچی بھیج کر منت وزاری کر رہے تھے۔

امیر یوسف بن تاشفین کے پاس ان کی التجاؤں کا ایک ہی جواب تھا کہ میں تمہیں مسلمان سمجھ کر تمہاری اعانت کے لئے آیا ہوں لیکن تم اپنے آپ کو اسلام کے بدترین دشمن ثابت کر چکے ہو۔ تمہارے لئے صرف یہی راستہ ہے کہ تم تین ہفتوں کے اندر خود کو ہمارے حوالے کر دو۔

تین ہفتے گزر گئے ملوک الطوائف نے یہ خبر سنی کہ افریقہ کے اندرونی حالات کے پیش نظر امیر یوسف واپس جا رہا ہے۔ اندلس کے حکمرانوں نے ایک دوسرے کو مبارکبادی کے پیغام بھیجے۔

لیکن چند دن بعد جب انہوں نے یہ خبر سنی کہ امیر یوسف نے اندلس میں سیر بن ابوبکر کو اپنا نائب الحکومت مقرر کر دیا ہے تو ان کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ جن لوگوں نے سیر بن ابوبکر کو قریب سے دیکھا تھا وہ یہ جانتے تھے کہ یہ آہنی انسان صرف تلوار کی زبان سے ہمکلام ہونا جانتا ہے

قاضی ابوجعفر نے ایک مراسلہ لکھا اور اس کی نقول اندلس کے تمام حکمرانوں کے پاس بھیج دیں۔

اس مراسلے کا مفہوم یہ تھا ——— "اندلس کے حکمرانو! خدا کی زمین تمہارے گناہوں سے بھر چکی ہے اب روزِ حساب آ چکا ہے۔ امیر یوسف بن تاشفین تمہارا معاملہ ایسے شخص کے ہاتھ میں سونپ کر جا رہے ہیں جس کے ہاتھ فولاد سے زیادہ سخت ہیں۔ تمہارے کرائے کے سپاہی اس کا راستہ نہیں روک سکیں گے۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ مزید کشت و خون کے بغیر ہتھیار ڈال دو! ورنہ اب جو خون بہایا جائے گا وہ تمہاری گردن پر ہو گا۔"

(۳)

امیر یوسف بن تاشفین غرناطہ کے ایک شاہی ایوان کے ایک کمرے میں اپنے کاتب کو مراسلات کے جواب لکھوا رہا تھا۔

سعد بن عبدالمنعم کمرے میں داخل ہوا۔ وہ سپاہیانہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ امیر یوسف اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور اپنے قریب خالی کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "بیٹھئے!"

سعد ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ امیر یوسف کاتب کو چند سطور لکھوانے کے بعد پھر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ "سعد تم سپاہیانہ لباس میں بہت بھلے معلوم ہوتے ہو لیکن ابھی تمہاری صحت ٹھیک نہیں ہوئی!"

"میری صحت بالکل ٹھیک ہے۔" سعد نے جواب دیا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں کل جا رہا ہوں؟"

"مجھے سیر بن ابی بکر نے ابھی بتایا ہے۔ میرا خیال تھا کہ آپ چند دن اور ٹھہریں گے۔"

"نہیں افریقہ کے حالات مجھے زیادہ دیر یہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ میں تم سے ایک ضروری مشورہ لینا چاہتا ہوں۔ تمہارے خیال میں غرناطہ کی گورنری کے لئے موزوں ترین آدمی کون ہو سکتا ہے!"

سعد نے قدرے توقف کے بعد جواب دیا۔ "جتنے آدمیوں کو میں جانتا ہوں ان سب سے قاضی ابوجعفر بہتر ہیں۔"

"یہ میں بھی جانتا ہوں لیکن قاضی ابوجعفر کہتے ہیں کہ میں بڑھاپے کی وجہ سے اس خدمت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ وہ ایک اور آدمی کے متعلق مصر ہیں!"

"وہ کون ہے؟"

"سعد بن عبدالمنعم!"

سعد بن عبدالمنعم پریشانی کی حالت میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ امیر یوسف نے میز پر سے ایک

کاغذ اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "انہوں نے غرناطہ کے بیس چیدہ چیدہ آدمیوں کی طرف سے یہ مراسلہ پیش کیا ہے!"

سعد نے مراسلے پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد کاغذ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے مجھے مشورے کے لئے بلایا ہے یا حکم دینے کے لئے؟"

امیر یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب شاید مجھے حکم ہی دینا پڑے۔ بیٹھ جاؤ!"

سعد بیٹھ گیا۔

امیر یوسف کچھ دیر بغور اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا۔ "اگر تم میرے بیٹے بھی ہوتے اور مجھے اس بات کا یقین ہوتا کہ تم اس عہدے کے لئے ناموزوں ہو تو میں تمہیں یہ ذمہ داری نہ سونپتا۔ غرناطہ کو تمہاری ضرورت ہے!"

سعد نے جواب دیا۔ "اگر یہ آپ کا حکم نہیں تو مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیجئے۔"

"کہو!"

سعد بولا قرطبہ میں ایک مکان جس میں میں نے آنکھ کھولی تھی برسوں سے اُجڑا ہوا ہے۔ آج سے کئی سال قبل جب میرے والد اس مکان سے نکل کر قرطبہ کے قید خانے کا رُخ کر رہے تھے تو ان کی زندگی کی آخری خواہش یہ تھی کہ اندلس آزاد ہو اور وہ قید خانے سے نکل کر پھر اس گھر کو آباد کریں ماس کے بعد میں اپنی ماں اور اپنے بھائیوں کے ساتھ اس گھر سے نکلا تو میرے دل میں بھی یہی آرزو تھی ——— پھر چند برس کے بعد اتفاقاً مجھے چند دن اس گھر میں قیام کرنے کا موقع ملا لیکن میں یہ محسوس کرتا تھا کہ میں اس گھر میں ایک اجنبی ہوں۔ میں نے عہد کیا تھا کہ میں کسی دن اس اجڑے ہوئے گھر میں آزادی کی قندیلیں روشن کروں گا۔ میرا عہد ابھی پورا نہیں ہوا وہ گھر ابھی تک ویران ہے۔ حصن اللیط کے معرکے میں ابا جان اور حسن کی شہادت کے بعد میں اکثر یہ سوچا کرتا ہوں کہ ان کی روحیں اس مکان کے دروازے پر ہماری راہ دیکھ رہی ہیں۔ وہ اس وقت تک ہماری راہ دیکھتی رہیں گی جب تک کہ قرطبہ آزاد نہیں ہوتا، اور قرطبہ کی آزادی اس

وقت تک میرے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی جب تک کہ اندلس کی ہر بستی اور ہر شہر میں آزادی کے چراغ روشن نہیں ہوتے۔"

امیر یوسف نے شفقت آمیز لہجے میں کہا۔ "تمہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ تم بہت جلد اس گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر حصن الّلیط کے شہیدوں کی روحوں کو سلام بھیج سکو گے۔ اب میں تم سے مشورہ لیتا ہوں۔ معل کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ غرناطہ کے علماء نے اس کے متعلق بھی بہت اچھی رائے دی ہے۔"

سعد نے جواب دیا۔ "وہ ہر لحاظ سے اس ذمہ داری کے اہل ہیں۔"

امیر یوسف ایک کاغذ پر چند سطور لکھنے کے بعد اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں کل رات کے تیسرے پہر یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ شاید تمہارے ساتھ ملاقات نہ ہو سکے!"

سعد نے اُٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ "کل رات کے تیسرے پہر! لیکن سیر بن ابوبکر نے تو مجھے یہ بتایا تھا کہ آپ صبح کی نماز کے بعد لشکر کو روانہ کر کے جائیں گے۔"

"پہلے میرا یہی ارادہ تھا لیکن میں نے سنا ہے کہ اہل غرناطہ میرا جلوس نکالنے کی تیاریاں کر رہے ہیں اور مجھے یہ بات پسند نہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ بہت کم آدمیوں کو میری روانگی کا علم ہو...... خدا حافظ!"

"خدا حافظ!" سعد نے مغموم آواز میں کہا۔ کمرے کے دروازے کے قریب پہنچ کر سعد نے مڑ کر دیکھا۔ امیر یوسف بن تاشفین کے چہرے پر ایک شفقت آمیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ سعد کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو رہے تھے۔ وہ ایک ثانیہ توقف کے بعد تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل آیا۔

اگلے روز رات کے تیسرے پہر مرابطین کی فوج کے پڑاؤ میں پانچ سو سوار کوچ کے لئے صفیں باندھے کھڑے تھے۔ امیر یوسف بن تاشفین، سیر بن ابوبکر کے ساتھ باتیں کرتا ہوا اپنے خیمے سے باہر نکلا۔ فوج کے چیدہ چیدہ افسر خیمے سے باہر کھڑے تھے۔ امیر یوسف نے سب کے ساتھ یکے بعد دیگرے مصافحہ کیا اور سواروں کی صفوں کی طرف بڑھا...... ایک مشعل بردار اس کے آگے آگے تھا۔ خیمے سے تھوڑی دور ایک

نوجوان نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ رکھی تھی اور دوسرا اس کے پاس کھڑا تھا۔ امیر یوسف نے سیر بن ابوبکر کے ساتھ مصافحہ کرنے کے بعد نوجوان کے ہاتھ سے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ وہ رکاب میں پاؤں ڈال رہا تھا کہ اچانک مشعل کی روشنی میں اس کی نگاہ نوجوان کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئی۔ یہ سعد تھا۔

امیر یوسف نے اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔"

سعد کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس کی آواز سسکیوں میں تبدیل ہو کر رہ گئی۔ "خدا حافظ!" اس نے اپنی آواز کو قابو میں لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

امیر یوسف گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ سعد بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ اس کے دل کی گہرائیوں سے یہ صدا نکل رہی تھی۔ "خدا حافظ! میری قوم کے محسن، میرے دوست، میرے آقا خدا حافظ!"

اندلس کے آفتاب کو رات کی تاریکی نے اپنے آغوش میں لے لیا۔ سعد اس شہسوار کے گھوڑے کی ٹاپ سُن رہا تھا جو اپنی تلوار کی نوک سے مسلمانانِ اندلس کے مستقبل کی تاریخ کا ایک نیا عنوان لکھ کر واپس جا رہا تھا۔

سعد کی آنکھوں سے آنسوؤں بہہ رہے تھے۔ محبت، عقیدت اور تشکر کے آنسو اور یہ آنسو صرف ایک فرد کے احساسات کے ترجمان نہ تھے بلکہ ایک پوری قوم کے جذبات کی ترجمانی کر رہے تھے۔ اس قوم کے جذبات کی ترجمانی جس کے پاس اپنے محسن عظیم کے لئے خاموش دعاؤں کے سوا کچھ نہ تھا۔

امیر یوسف بن تاشفین نے جس قوم کو قعرِ مذلت سے نکالا تھا۔ اس کے اقبال کے پرچم چار سو سال اور اندلس کی فضاؤں میں لہراتے رہے۔ اس نے جن بے کسوں کے آنسو پونچھے تھے ان کے ہونٹوں پر چار سو سال اور مسرت کی مسکراہٹیں کھیلتی رہیں۔ اس نے جن فرعونوں کی گردنیں جھکائی تھیں، انہیں چار صدیاں اور سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔

• افریقہ کا رجلِ عظیم ایک تاریک رات کا مسافر تھا جس کے پاؤں کے نشان ان گنت قافلوں کے لئے روشنی کے میناروں کا کام دیتے رہے ــــــ ایک قوم کی بے بسی دیکھ کر قدرت کے دریائے رحمت سے لہر اٹھی اور اندلس کی خاک پر آزادی کے موتی بکھیرنے کے بعد روپوش ہو گئی۔

(ختم)

یوم حساب شروع ہو چکا تھا بھیڑیوں کی شکارگاہوں میں شیروں کی گرج سنائی دے رہی تھی ۔امیر یوسف بن تاشفین کے واپس جانے کے بعد سیر بن ابوبکر کی قیادت میں مرابطین کی افواج آندھی کی سی تیزی کے ساتھ اندلس کے طول و عرض میں پھیلنے لگیں ۔ملوک الطوائف کے مضبوط ترین قلعے اس آندھی کے سامنے تنکوں کے انبار ثابت ہو رہے تھے ۔سیر بن ابوبکر جس ریاست کو فتح کرتا تھا وہاں تمام غیر اسلامی قانون منسوخ کر دیئے جاتے تھے ۔بیگار اور تمام خلاف شرع ٹیکس اڑا دیئے جاتے تھے ۔حکومت کا نظم و نسق نیک لوگوں کے ہاتھ میں دے دیا جاتا تھا ۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں ملوک الطوائف کی حمایت میں کرائے کے سپاہیوں کی ایک تلوار بلند ہوتی تھی ، وہاں عوام کی سینکڑوں تلواریں ملوک الطوائف کے خلاف بے نیام ہو جاتی تھیں ۔ملوک الطوائف اندر اور باہر سے دوہری آگ کا سامنا کر رہے تھے ۔المریہ، مرسیہ اور چند اور سلطنتوں کی تسخیر کے بعد اشبیلیہ کی باری آئی ۔امیر یوسف نے مراکش پہنچ کر معتمد کو پیغام بھیجا کہ تم مقابلہ کرنے کی بجائے اگر اشبیلیہ چھوڑ کر میرے پاس چلے آؤ تو تمہارے لئے بہتر ہوگا ۔لیکن الفانسو معتمد کو مدد دینے کا وعدہ کر چکا تھا ۔اس لئے اس نے امیر یوسف کی پیش کش کو ٹھکرا دیا ۔سیر بن ابوبکر کے ایک جرنیل حرور الحشمی نے قلعہ رندہ پر حملہ کر کے معتمد کے بیٹے راضی کو قتل کر دیا ۔

دوسرے جرنیل ابن حاج نے قرطبہ پر حملہ کیا ۔اہل قرطبہ مدت سے مرابطین کے لشکر کا انتظار کر رہے تھے ۔انہوں نے فوج کی آمد کی اطلاع ملتے ہی بغاوت کر کے فتح بن معتمد کو جو شہر کی حفاظت پر متعین تھا قتل کر دیا اور حملہ آوروں کے لئے شہر کے دروازے کھول دیئے ۔

سیر بن ابوبکر بذاتِ خود اشبیلیہ کی طرف بڑھا ۔راستے میں اس نے قرمونہ کو فتح کیا ۔اشبیلیہ کے محاصرے کے دوران میں اسے یہ خبر ملی کہ الفانسو معتمد کی اعانت کے لئے سولہ ہزار فوج کے ساتھ طلیطلہ سے اشبیلیہ کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے ۔سیر بن ابوبکر نے ابو اسحٰق المطلونی[1] کو سات ہزار سواروں کے ساتھ الفانسو کی پیش قدمی روکنے کا حکم دیا ۔ابو اسحٰق نے طلیطلہ سے تھوڑی دور حصن المدور کے مقام پر

---

[1] المطلونی افریقہ کے ایک جنگجو قبیلہ کا نام ہے ۔

الفانسو کی فوج کو ایک عبرت ناک شکست دی ۔اس شکست نے الفانسو کی رہی سہی امیدوں پر پانی پھیر دیا ۔مرابطین نے اہل اشبیلیہ کے تعاون سے فصیل کو ایک جگہ سے توڑ دیا اور شہر کے اندر داخل ہو گئے ۔اس کے بعد انہوں نے معتمد کے محل پر حملہ کر دیا اور سیڑھیاں لگا کر محل کی فصیل کے اوپر چڑھ گئے ۔معتمد کا ایک اور بیٹا مالک محل کی حفاظت کرتا ہوا مارا گیا ۔

معتمد نے بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن بالآخر اپنے چاروں اطراف مایوسی کی گھٹائیں دیکھ کر اس نے ہتھیار ڈال دیئے ۔

سیر بن ابوبکر نے معتمد، ملکہ رمیکیہ، شہزادہ رشید اور شاہی خاندان کے باقی افراد کو گرفتار کر کے طنجہ[1]

---

[1] معتمد کو طنجہ سے مکناسہ اور مکناسہ سے مراکش کے ایک شہر اغمات میں بھیجا گیا ۔اسی شہر میں اس نے وفات پائی ۔جلا وطنی کے زمانے میں معتمد کو جن آلام و مصائب کا سامنا کرنا پڑا ۔ان کا ذکر اس کے کلام میں موجود ہے ۔ملکہ رمیکیہ جو ایک سلطنت کی بیشتر آمدنی اپنی عیاشیوں پر صرف کیا کرتی تھی ، انتہائی مفلسی اور بے بسی کے دن گزار رہی تھی ۔اندلس کے ان شعراء نے جو معتمد کے زوال کے بعد معاشی طور پر یتیم ہو گئے تھے ، نہایت دردناک پیرائے میں معتمد کی بے بسی کی تصویر کھینچی ہے ۔لیکن ان شعرا کا کلام پڑھتے وقت ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ ایسے لوگوں کو حریر و اطلس کی قبائیں مہیا کرنے کے لئے معتمد اور اس کے ہمعصر امراء انتہائی بے دردی سے رعایا کا خون چوسا کرتے تھے ۔معتمد ایسے لوگوں کا سرپرست اور مربی تھا جو محض عیش و نشاط کے لئے زندہ رہنا چاہتے تھے ۔امیر یوسف کی حکومت جس میں ہر انسان عمل کی کسوٹی پر پرکھا جاتا تھا ، ان کے مزاج کے مطابق نہ تھی ۔اس لئے اگر یہ لوگ امیر یوسف بن تاشفین کو سخت گیری کا طعنہ دیں تو ہمیں تعجب نہیں کرنا چاہیئے ۔امیر معتمد اور ملکہ رمیکیہ کی اسیری کے ایام یقیناً اندوہناک تھے ۔لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ انہوں نے اپنے لئے جو راستہ منتخب کیا تھا اس کی آخری منزل یہی ہو سکتی تھی ۔امیر یوسف بن تاشفین کی فتح ایک اصول کی فتح تھی اور معتمد اور اس کے ہم عصر حکمرانوں کا انجام ایک ایسے گروہ کی شکست تھی جس نے زندگی کو دیوانے کا خواب سمجھ لیا تھا ۔

پھینک دیا۔ جب قیدیوں کا جہاز وادی الکبیر کے راستے سمندر کی طرف روانہ ہونے کو تھا تو اشبیلیہ کے ہزاروں انسان کنارے پر کھڑے یہ عبرتناک منظر دیکھ رہے تھے۔ قیدیوں کو ننگی تلواروں کے پہرے میں جہاز پر سوار کیا گیا۔

قیدیوں کے بعد سعد بن عبدالمنعم جہاز میں داخل ہوا۔ جہاز کا کپتان اور ملاح ادب سے اس کے گرد جمع ہو گئے۔ سعد نے جہاز کے کپتان کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "امیر کا حکم ہے کہ قیدیوں کو راستے میں کوئی تکلیف نہ ہو اور آپ طنجہ پہنچنے سے پہلے کسی جگہ قیام نہ کریں!"

قیدی جہاز کے دوسرے کونے میں کھڑے تھے۔ رمیکیہ نے سعد کو دیکھتے ہی معتمد کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "آپ اسے پہچانتے ہیں؟ یہ وہی ہے جس نے ہمارے دربار میں اس دن کے متعلق پیشگوئی کی تھی"

معتمد نے رنج و کرب کے بوجھ سے جھکی ہوئی گردن اٹھائی اور سعد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں اسے نہیں جانتا۔ آج شاید میں آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر بھی پہچان نہ سکوں۔"

رمیکیہ نے کہا۔ "یہ وہی ہے جو ہمارے دربار میں باغیانہ تقریر کرنے کے بعد فرار ہو گیا تھا۔"

معتمد نے دوبارہ سعد کی طرف دیکھا اور اچانک اس کے کانوں میں وہ الفاظ گونجنے لگے جو گزشتہ چند برس میں بھول جانے کی تمام کوششوں کے باوجود کبھی کبھی اس کی نیند حرام کر دیا کرتے تھے۔

سعد کپتان کے ساتھ قیدیوں کے کمروں کا معائنہ کرنے کے بعد معتمد کے قریب سے گزرتے ہوئے ایک ثانیہ کے لئے رُکا اور پھر کچھ کہے بغیر تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا جہاز سے اُتر گیا۔

جب جہاز روانہ ہوا تو کنارے پر لوگوں کے ہجوم میں سے بعض لوگوں نے مسرت کے نعرے بلند کئے۔ لیکن بعض ایسے بھی تھے جن کی مغموم نگاہیں دنیا کی بے ثباتی کا ماتم کر رہی تھیں۔ اشبیلیہ کا ایک بوڑھا شاعر اپنی آنکھوں میں آنسو بھر کر یہ کہہ رہا تھا۔ "معتمد فیاض تھا، بہادر تھا، بیدار مغز تھا لیکن ایک آوارہ مزاج عورت کی صحبت نے اسے ذلت کے آخری گڑھے تک پہنچا دیا——"

ملکہ رمیکیہ جہاز کے کونے میں کھڑی اپنے عظیم الشان محل کی طرف دیکھ رہی تھی اور جب اس محل اور اس کی آنکھوں کے درمیان آنسوؤں کے پردے حائل ہونے لگے تو اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں

اپنے شوہر سے کہا۔ "کیا ہم پھر یہاں نہیں آئیں گے؟ کیا یہ وحشی ہم پر اشبیلیہ کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دیں گے اور کیا وہ محفلیں ہمیشہ کے لئے اُجڑ چکی ہیں؟"

"ملکہ اب ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ جس چراغ کا تیل ختم ہو چکا ہو وہ آنسوؤں سے نہیں جلا کرتا!"

ایک جگہ دریا کے کنارے چند عورتیں مٹی گوندھ رہی تھیں۔ "اِدھر دیکھئے!" رمیکیہ نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "آپ کو وہ دن یاد ہے جب میں نے مٹی گوندھنے کی خواہش کی تھی اور آپ نے مشک اور عنبر کے ڈھیر لگوا دیئے تھے؟"

معتمد نے کرب آمیز لہجے میں کہا۔ "رمیکیہ خدا کے لئے اپنی آنکھیں بند کر لو —— اور ماضی کو بھول جاؤ!"

"نہیں نہیں! میں ماضی کو نہیں بھول سکتی۔" رمیکیہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب پھوٹ نکلا۔

(۵)

عشا کی نماز کے بعد سعد اور احمد شہر سے باہر فوج کے مستقر میں ایک خیمے کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک سپاہی نے دروازے کا پردہ اٹھا کر اندر جھانکتے ہوئے کہا۔ "غرناطہ سے ایک آدمی آپ سے ملنا چاہتا ہے"

دوسرے آدمی نے کسی توقع کے بغیر دروازے سے سر نکالتے ہوئے کہا۔ "ایک آدمی نہیں، چچا الیاس کہو!"

سعد اور احمد ہنستے ہوئے اُٹھ کر آگے بڑھے اور سپاہی اپنا سا منہ لے کر پیچھے ہٹ گیا۔

الیاس، سعد اور احمد کے ساتھ مصافحہ کرنے کے بعد ان کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ سعد نے کہا۔ "چچا تم اس وقت کیسے آئے۔ گھر میں خیریت ہے نا؟"

"گھر میں خیریت ہے اور میں یہ پوچھنے کے لئے آیا ہوں کہ ہم قرطبہ کب جا رہے ہیں۔ وہاں سے آقا کے کئی دوست ہمارے پاس آئے ہیں اور وہ سب اصرار کرتے ہیں کہ ہم فوراً اپنے گھر چلے آئیں!"

سعد نے کہا۔ "میں بھی احمد کے ساتھ یہی باتیں کر رہا تھا۔ ہم نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ احمد آپ سب کو قرطبہ پہنچا آئے۔"

الماس نے کہا۔ "تو آپ غرناطہ نہیں جائیں گے؟ آپ کی والدہ کی خواہش تھی کہ ہم وہاں سے ایک ساتھ قرطبہ جاتے۔"

سعد نے کہا۔ "میرا بھی یہی ارادہ تھا لیکن آج مجھے ایک اور مہم سونپ دی گئی ہے۔ میں انشاءاللہ ایک ماہ تک قرطبہ پہنچ جاؤں گا اور اس کے بعد جب تک بطلیوس، بلنسیہ اور سرقسطہ پر چڑھائی نہیں ہوتی میں وہیں رہوں گا۔ اب آپ کل کا دن یہاں آرام کریں اور پرسوں احمد کے ساتھ روانہ ہو جائیں۔"

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"میں مرسیہ جا رہا ہوں۔ وہاں شمالی سرحد پر بلنسیہ سے نصرانی فوج کے چند دستے لوٹ مار کر رہے ہیں اور مجھے ان کی روک تھام کے لئے دفاعی چوکیاں قائم کرنے کا حکم ہے۔"

"آپ کب جا رہے ہیں؟"

"علی الصباح!"

"تو میں اور احمد بھی علی الصباح روانہ ہو جائیں گے۔ مجھے آرام کی ضرورت نہیں۔"

اگلی صبح سعد نے ایک ہزار سواروں کے ہمراہ مرسیہ اور احمد نے الماس کے ساتھ غرناطہ کا رخ کیا۔

(۶)

ایک ماہ کے بعد سعد بن عبدالمنعم نے مرسیہ کی ایک سرحدی چوکی سے سیر بن ابوبکر کو لکھا کہ ہم نے بلنسیہ کے نصرانی لٹیروں کو ایک عبرتناک شکست دینے کے بعد سرحد پر دفاعی چوکیاں قائم کر دی ہیں۔ مقامی رہنما ہمارے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔ اب بظاہر چند ماہ کے لئے دشمن کی طرف سے کسی اقدام کی توقع نہیں لیکن ہمیں اس علاقے کو اس وقت تک محفوظ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ جب تک کہ بلنسیہ سے قنبیطور کے اقتدار کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ حصن اللیط اور حصن المدور کی شکستوں کے بعد دشمنانِ اسلام کے گروہ بلنسیہ میں قنبیطور کے گرد جمع ہو رہے ہیں۔ ابنِ ہود کی ملت فروشی کے باعث سرقسطہ بھی شمال کے عیسائیوں کا مستقر بن چکا ہے۔ اگر ہم سرقسطہ پر قبضہ کر لیں تو شمال کے لٹیروں کی توجہ اپنی اپنی ریاستوں کی سرحدوں کے دفاع پر مرکوز ہو جائے گی اور اس کے بعد بلنسیہ پر یلغار کرنا ہمارے لئے نسبتاً آسان ہوگا۔ ورنہ

اس بات کا امکان ہے کہ جس طرح یحییٰ القادر نے بلنسیہ کو عملی طور پر قنبیطور کے قبضہ میں دے رکھا ہے ابنِ ہود سرقسطہ کی ریاست الفانسو کے سپرد کر دے گا اور یہ دونوں ہمیں اپنا مشترکہ دشمن سمجھ کر آپس میں اتحاد کر لیں گے۔"

چند دنوں کے بعد سعد کا ایلچی سیر بن ابوبکر کی طرف سے یہ جواب لے کر واپس آیا کہ امیرالمومنین نے آپ کو ایک نئی ذمہ داری کے لئے منتخب کیا ہے۔ میں ان کے حکم کی تعمیل میں دس دن کے اندر اندر قرطبہ پہنچ رہا ہوں اور آپ کی جگہ ابنِ حاج کو بھیج رہا ہوں۔ آپ سرحد پر اپنی ذمہ داریاں ابنِ حاج کو سونپ کر قرطبہ پہنچ جائیں!"

سعد کو اس خط سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اسے جس نئی ذمہ داری کے لئے منتخب کیا گیا ہے وہ کیا ہے۔ تیسرے دن ابنِ حاج پہنچ گیا اور سعد نے قرطبہ کا رخ کیا۔

ایک مجاہد برسوں کے بعد اس وطن کی طرف لوٹ رہا تھا جس کی عزت اور آزادی کے لئے اس نے بچپن کی مسرتیں اور جوانی کی راحتیں قربان کی تھیں۔ قرطبہ، سعد بن عبدالمنعم کے لئے ایک ایسا باغ تھا جسے اس نے اپنے خون، پسینے اور آنسوؤں سے آبیار کیا تھا۔ اپنی راہ کے ہر ذرے میں وہ ایک نئی دلفریبی اور رعنائی دیکھ رہا تھا۔ زندگی کے چہرے سے بدنمائی کے تمام داغ دھل چکے تھے اور اس کے دل کی آواز کہہ رہی تھی۔ "یہ زمین میری ہے۔ یہ سرسبز باغ، یہ لہلہاتی کھیتیاں، یہ پہاڑ اور یہ ندیاں میری ہیں۔ آج میں اس دنیا میں ایک اجنبی نہیں!"

قرطبہ سے چند میل دور اس نے ایک چھوٹی سی بستی میں گھوڑا روک کر ایک کسان سے پانی مانگا اور کسان پانی کی بجائے دودھ کا کٹورا بھر کر لے آیا۔

"میں نے پانی مانگا تھا" سعد نے کہا۔

کسان نے مسکرا کر جواب دیا۔ "اب اس ملک پر اللہ کے بندوں کی حکومت ہے۔ اب پانی مانگنے والوں کو دودھ ملا کرے گا۔ آپ کا گھوڑا تھکا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ آپ یہاں آرام کریں!"

سعد نے جواب دیا۔ "نہیں میری منزل بہت قریب ہے۔"

دوپہر کے وقت وہ شہر میں داخل ہوا۔ قرطبہ میں ایک نئی زندگی کروٹیں لے رہی تھی۔ برسوں استبداد کی چکّی میں پسنے والے انسانوں کے چہروں پر ایک نیا خون دوڑ رہا تھا۔ ان کی گفتار اور ان کی چال میں جرأت اور بے باکی آچکی تھی۔ شہیدانِ ملت کے خون کے چھینٹے قرطبہ کے باغ کو ایک نئی بہار عطا کر چکے تھے۔ آج ہر شخص کی پیشانی پر یہ تحریر نقش تھی کہ قرطبہ میرا ہے!

اپنے مکان کے دروازے پر وہ گھوڑے سے اتر پڑا۔ ایک نوکر نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑلی۔ وہ چند ثانیے دروازے میں کھڑا باغ کے درختوں کی طرف دیکھتا رہا۔ اسے ماضی کے وہ دن یاد آ رہے تھے۔ جب وہ اپنے باپ کی انگلی پکڑ کر اس باغ میں گھوما کرتا تھا۔ پھر جب وہ اپنے بھائیوں اور محلے کے بچوں کے ساتھ ان درختوں کے نیچے کھیلا کرتا تھا۔ سنِ شعور سے لے کر ہجرت کے زمانے تک کئی واقعات اس کی آنکھوں میں پھر گئے۔ اسے اپنی وہ دعائیں یاد آرہی تھیں جو اس نے اسی گھر کو آخری بار خیرباد کہتے ہوئے مانگی تھیں۔ احمد اور الماس کو اندر سے اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ الماس کے ساتھ چند رسمی باتیں کرنے کے بعد وہ احمد کے ساتھ رہائشی مکان میں داخل ہوا۔ صحن میں سکینہ، میمونہ اور طاہرہ کھڑی تھیں۔ سعد کی آنکھوں میں چھلکتے ہوئے آنسو بے اختیار بہہ نکلے:

(۷)

قرطبہ میں امیر یوسف بن تاشفین کے نائب الحکومت کی آمد کی خبر مشہور ہو چکی تھی۔ شہر کا ناظم ایک دن پہلے یہ اعلان کر چکا تھا کہ سیر بن ابوبکر جمعہ کی نماز کے وقت قرطبہ پہنچ جائیں گے اور جامع قرطبہ میں خطبہ دیں گے۔

سعد اور احمد جمعہ کی نماز کے لئے مسجد میں جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ الماس دروازے پر آکر چلّانے لگا۔ "سعد! احمد! جلدی باہر آئیے!"

سعد اور احمد بھاگ کر باہر نکلے تو الماس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "وہ یہاں آ گئے ہیں۔ آپ کو بلا رہے ہیں۔ جلدی چلئے!"

"کون آگئے ہیں؟ آپ اتنے بدحواس کیوں ہیں؟" سعد نے اطمینان سے کہا۔

الماس نے جواب دیا۔ "سیر بن ابوبکر، اور قاضی ابوجعفر۔ میں انہیں دیوان خانے میں چھوڑ آیا ہوں۔ وہ سیدھے ہمارے مکان پر آئے ہیں۔ ہمارے دروازے پر لوگوں کا ہجوم جمع ہو رہا ہے"!

سعد اور احمد دیوان خانے میں داخل ہوئے۔ سیر بن ابوبکر، قاضی ابوجعفر اور شہر کا ناظم برآمدے میں کھڑے تھے۔ دونوں بھائیوں نے معزز مہمانوں کے ساتھ گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔

سیر بن ابوبکر نے کہا۔ "سعد! امیرالمومنین نے لکھا تھا کہ جب تم قرطبہ پہنچو تو سب سے پہلے سعد کے گھر جاؤ۔ لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ اگر مجھے یہ حکم نہ بھی دیتے تو بھی میں سب سے پہلے یہیں آتا۔ مجھے راستے میں دیر لگ گئی ورنہ میں علی الصباح تمہارے پاس پہنچ جاتا۔ اب نماز کا وقت ہو رہا ہے اور میں امیر کے دوسرے حکم کی تعمیل کرنا چاہتا ہوں۔ امیرالمومنین کی خواہش ہے کہ تم قرطبہ کے گورنر کا عہدہ سنبھال لو!"

سعد نے قدرے توقف کے بعد جواب دیا۔ "امیرالمومنین کی خواہش میرے لئے حکم کا درجہ رکھتی ہے"

سیر بن ابوبکر نے مسکرا کر قاضی ابوجعفر کی طرف دیکھا اور کہا۔ "اب آپ کی سفارش کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ میں آج اہلِ قرطبہ کو یہ پیغام دے سکوں گا کہ فتح کا بہترین انعام ان کے حصے میں آیا ہے"۔

پھر وہ احمد کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "احمد! میں آپ کے لئے بھی امیرالمومنین کا ایک حکم لایا ہوں۔ آپ کو المریہ کی گورنری کے لئے منتخب کیا گیا ہے اور میری اور قاضی ابوجعفر کی تائید کے بعد آپ کے لئے اس حکم سے سرتابی کی گنجائش نہیں رہتی"۔

احمد نے جواب دیا۔ "مجھے اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ نہیں۔ لیکن میں یہ کہنے کی جرأت نہیں کروں گا کہ امیرالمومنین کا انتخاب غلط ہے"۔

"آپ کو تیاری کے لئے تین دن دیئے جاتے ہیں۔ چلئے اب نماز کا وقت ہو رہا ہے"!

باہر سڑک پر ان کی بگھی کے گرد لوگوں کا ہجوم جمع ہو رہا تھا۔ سیر بن ابوبکر نے بگھی پر سوار ہونے کی بجائے لوگوں کے جلوس میں پیدل مسجد کا رُخ کیا:

(۸)

جامع قرطبہ میں جمعہ کی نماز کے بعد اہلِ شہر نے مسرت کے نعروں کے ساتھ سیر بن ابی بکر کا یہ اعلان سُنا کر سعد بن عبدالمنعم کو قرطبہ کا حاکم مقرر کیا گیا ہے۔ لوگوں کے اصرار پر سعد تقریر کے لئے اٹھا۔ اسے دیکھنے والوں کی نگاہیں عقیدت اور محبت کے جذبات سے لبریز تھیں۔ اس نے قدرے ہچکچاہٹ کے بعد تقریر شروع کی:

"برادرانِ ملت! مجھے ایک بہت بڑی ذمہ داری سونپ دی گئی ہے۔ خدا سے دُعا کیجئے کہ میں یہ بوجھ اٹھا سکوں۔ تم میرے گواہ ہو کہ میں اس مسجد میں حدود اللہ کا پابند رہنے کا وعدہ کرتا ہوں۔ اگر میں وعدے سے منحرف ہو جاؤں، اگر میں عدل و انصاف کا راستہ چھوڑ دوں اور اگر میں اس عہدے کو خدمتِ دین کی بجائے ذاتی منفعت کا ذریعہ سمجھ لوں تو تمہارا فرض ہے کہ تم مجھے کان سے پکڑ کر اس مسند سے اتار دو۔

میں نے افریقہ کے چرواہوں میں یہ جرأت دیکھی ہے کہ وہ ہمارا امیر یوسف بن تاشفین کا دامن پکڑ کر عدل و انصاف کا مطالبہ کرتے ہیں اور ان کی پیشانی پر شکن تک نہیں آتی۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ ان کے نائب بھی ان کے نقشِ قدم پر چلیں تو اپنے دلوں میں حق و انصاف کی آواز بلند رکھنے کی جرأت پیدا کرو! اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے حکمران حق پرست اور عادل ہوں تو اپنے دلوں میں حق گوئی کا جذبہ زندہ رکھو۔ ان لوگوں کے سامنے گردن مت جھکاؤ جو خدا کے باغی ہیں۔ ان لوگوں کا احترام کرنا گناہ ہے جو خدا کے دین کا احترام نہیں کرتے۔

ہم اندلس کے حکمرانوں کی نااہلی اور گمراہی کے باعث تباہی اور بربادی کا بدترین دور دیکھ چکے ہیں۔ لیکن میں خوشامدی شاعروں اور ادیبوں کو ان حکمرانوں کی نسبت کم مجرم نہیں سمجھتا جو ان کے ہر بُرے سے بُرے فعل کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیا کرتے تھے۔ وہ ایک عیسائی حکمران کے باجگزار تھے اور یہ انہیں ہفت اقلیم کے بادشاہ

کہتے تھے، وہ اپنی عیاشیوں کا سامان مہیا کرنے کے لئے رعایا کو دونوں ہاتھوں سے لوٹتے تھے اور یہ ان کی امارت اور فیاضی کے گن گاتے تھے۔ انہوں نے شراب خوری، بے دینی اور بے حیائی کو اپنا شعار بنا لیا تھا اور یہ ان کے زہد و تقویٰ کی تعریف کیا کرتے تھے۔ ان خوشامدیوں اور مطلب پرستوں نے ملوک الطوائف کا مزاج اس قدر بگاڑ دیا تھا کہ وہ حق کی ہر آواز کو اپنے لئے گالی سمجھتے تھے۔

یاد رکھیئے جو قوم حق و صداقت سے منہ پھیر لیتی ہے اس کے آغوش میں مامون ذوالنون، یحییٰ القادر اور ابنِ عکاشہ جیسے لوگ جنم لیتے ہیں جو انسانوں کی بستیوں کو درندوں سے بھر دیتے ہیں۔ قدرت اس کی اعانت سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتی ہے اور اس کا ہر قدم تنزل کی طرف اٹھتا ہے اور جو قوم صدق و خلوص کے ساتھ خدا کی راہ پر گامزن ہوتی ہے قدرت اسے طارقؒ اور عبدالرحمٰنؒ جیسے قافلہ سالار عطا کرتی ہے۔ دنیا کی رزم گاہوں میں فتوحات اس کے پاؤں چومتی ہیں اور اس کا ہر قدم بلندی کی طرف اٹھتا ہے!

ہم ملوک الطوائف کی نااہلی اور امراء کی بے حسی کے باعث انحطاط کے آخری گڑھے میں پہنچ چکے تھے۔ کفار کا لشکر اشبیلیہ، قرطبہ اور غرناطہ کے دروازوں پر دستک دے رہا تھا لیکن خدا کو ہماری تباہی منظور نہ تھی۔ وہ ہمیں اپنی اصلاح کے لئے ایک اور موقع دینا چاہتا تھا۔ افریقہ کے ریگ زاروں سے ایک مجاہد اٹھا اور اس نے وحشت اور ظلمت کے طوفانوں کا منہ پھیر دیا۔ آج ہم فاتح ہیں۔

لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ یہ فتح ہمیں ان گنت قربانیوں کے بعد حاصل ہوئی ہے۔ آج زلاقہ اور حصن الیط کے ان گمنام شہیدوں کو یاد کیجئے جنہوں نے اپنے خون سے اندلس کی تاریخ کا نیا عنوان لکھا ہے۔ آج اپنے ان محسنوں کو یاد کیجئے جنہوں نے ظلمت کے طوفانوں میں حق و صداقت کی قندیلیں روشن کی تھیں۔ آج ان سرپھروں کو یاد کیجئے جنہیں

حق کی آواز بلند کرنے کے عوض اپنی زندگیاں ملوک الطوائف کے قید خانوں میں گزارنی پڑیں۔
آج قوم کے یہ محسن ہم میں موجود نہیں لیکن ان کی مقدس روحیں آج بھی ہمیں دیکھ رہی
ہیں۔ اگر ہم احسان فراموش نہیں تو ہمیں کسی وقت بھی یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ ان کی عظیم الشان
قربانیوں کا ایک مقصد تھا۔ وہ اس لئے قربان ہوئے کہ اندلس میں دین کا پرچم بلند رہے۔
وہ اس لئے قربان ہوئے کہ خدا کی زمین پر خدا کا قانون رائج ہو۔ اندلس ملت کے شہیدوں
کی امانت ہے۔ آیئے آج صدق دل سے یہ عہد کریں کہ ہم اس امانت میں خیانت نہیں
کریں گے! انہوں نے شجر اسلام کو اپنے خون سے آبیار کیا ہے اور ہم اسے دوبارہ خزاں
کی آندھیوں کا شکار نہیں ہونے دیں گے! انہوں نے اس ملک کو ہمارے لئے امن اور
عافیت کا گھر بنا دیا ہے اور ہم اس گھر میں ملوکیت اور ستبداد کے بت کھڑے نہیں کریں گے!
انہوں نے ہمیں آزادی کی نعمتوں سے سرفراز کیا ہے۔ ہم اپنی آنے والی نسلوں کے لئے غلامی
کی لعنت چھوڑ کر نہیں جائیں گے! میں اپنی تقریر کو اس دعا کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ خدا قیامت
کے دن ہمیں زلاقہ اور حصن اللیط کے شہیدوں کے سامنے شرمسار نہ کرے۔"